الرّفیقُ الفصِیح
لمشکوٰۃ المَصَابِیح
جلد ۱۴
افادات
حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ
شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد
مرتب
محمد فاروق غفرلہٗ
ڈیزائننگ کمپوزنگ:
7895783325
pasbanehaq

الرفیق الفصیح

لمشکوٰۃ المصابیح

جلد ۱۴

افادات

حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہ

شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد

مرتب

محمد فاروق غفرلہ

خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

تفصیلات

نام کتاب..... الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح ج:۱۴

افادات........ حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ

مرتب........ محمد فاروق غفرلہٗ خادم جامعہ محمودیہ میرٹھ

کمپوزنگ........ مجیب الرحمن قاسمی لکھیم پوری شعبہ کمپیوٹر جامعہ ہذا

سن اشاعت........ ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰۱۴ء

صفحات........ ۶۹۶

قیمت

ناشر

مکتبہ محمودیہ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

فہرست

الرفیق الفصیح

لمشکوٰۃ المصابیح

جلد: چہاردہم

اجمالی فہرست

الرفیق الفصیح لمشکوۃ المصابیح

جلد چہاردہم

تفصیلی فہرست

الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح ۱٤

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۷۵	حدیث نمبر ﴿۲۴۰۴﴾ آنحضرت ﷺ کے حج وعمرہ کی تعداد............	۱۲۳
۷۶	حدیث نمبر ﴿۲۴۰۵﴾ حج سے پہلے آنحضرت ﷺ کے عمرے	۱۲۴
۷۷	آنحضرت ﷺ کے عمروں کی تعداد..............................	۱۲۵
۷۸	﴿الفصل الثانی﴾	
	حدیث نمبر ﴿۲۴۰۶﴾ حج ایک مرتبہ فرض ہے	۱۲۶
۷۹	حدیث نمبر ﴿۲۴۰۷﴾ ترک حج پر وعید	۱۲۶
۸۰	باوجود قدرت کے ترک حج پر وعید	۱۲۷
۸۱	حدیث نمبر ﴿۲۴۰۸﴾ اسلام میں صرورت...........................	۱۲۸
۸۲	حدیث نمبر ﴿۲۴۰۹﴾ حج علی الفور واجب ہے یا علی التراخی؟	۱۲۹
۸۳	فرضیت حج علی الفور ہے یا علی التراخی؟.............................	۱۳۰
۸۴	حدیث نمبر ﴿۲۴۱۰﴾ حج وعمرہ ایک ساتھ کرنا............................	۱۳۱
۸۵	حدیث نمبر ﴿۲۴۱۱﴾ حج کے شرائط	۱۳۳
۸۶	حدیث نمبر ﴿۲۴۱۲﴾ کامل حاجی کی علامت	۱۳۴
۸۷	حدیث نمبر ﴿۲۴۱۳﴾ باپ کی طرف سے حج کرنا	۱۳۵
۸۸	حدیث نمبر ﴿۲۴۱۴﴾ حج بدل کون کرے؟	۱۳۶
۸۹	جس نے اپنا حج ادا نہ کیا ہو وہ حج بدل کر سکتا ہے یا نہیں؟	۱۳۶
۹۰	حدیث نمبر ﴿۲۴۱۵﴾ مشرق والوں کی میقات	۱۳۸
۹۱	حدیث نمبر ﴿۲۴۱۶﴾ اہل عراق کی میقات	۱۳۸
۹۲	دو حدیثوں میں رفع تعارض..	۱۳۹
۹۳	حدیث نمبر ﴿۲۴۱۷﴾ مسجد اقصیٰ سے احرام کی فضیلت	۱۳۹

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	(طوافِ بیت اللہ)	

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۵۰۸	مچھر اور چیونٹی وغیرہ مارنے کا حکم	۵۵۵
۵۰۹	اپنے بدن کی جوں مارنے کا حکم	۵۵۶
۵۱۰	دوسرے شخص سے جوں پکڑوانا	۵۵۶
۵۱۱	محرم کا دوسرے شخص کی جوں مارنا .... ٹڈی مارنے کا حکم	۵۵۶
۵۱۲	محرم کا ذبح کیا ہوا شکار حلال نہیں	۵۵۷
۵۱۳	محرم کا پالتو جانور کا ذبح کرنا	۵۵۷
۵۱۴	حالت احرام میں شکار پکڑنا	۵۵۷
۵۱۵	حدود حرم میں شکار کرنے کی جزاء	۵۵۸
۵۱۶	حرم میں شکار کی رہنمائی بھی منع ہے	۵۵۸
۵۱۷	حرم کے شکار کو ہڑکانے کا حکم	۵۵۸
۵۱۸	حرم کی کھیتی کاٹنے میں حرج نہیں	۵۵۸
۵۱۹	قصداً بویا گیا درخت کاٹنا .... خودرو گھاس کاٹنے کا حکم	۵۵۹
۵۲۰	خودرو مسواک کے درخت کاٹنا	۵۵۹
۵۲۱	سوکھی ہوئی گھاس کاٹنے کا حکم	۵۵۹
۵۲۲	چلنے پھرنے سے یا کسی ضرورت سے گھاس اکھڑ جائے	۵۶۰
۵۲۳	حدودِ حرم میں سانپ کی چھتری اکھاڑنا	۵۶۰
۵۲۴	حرم کی مٹی اور پتھر کا حکم	۵۶۰
۵۲۵	حرم میں شکار کردہ جانور کی بیع باطل ہے	۵۶۰
	﴿الفصل الاوّل﴾	
۵۲۶	حدیث نمبر ﴿۲۵۷۷﴾ محرم کے لئے شکار کی ممانعت	۵۶۱
۵۲۷	محرم کے لئے شکار کا گوشت کھانے کا حکم	۵۶۱

تمت وبالفضل عمت

کتاب المناسک

حج کا بیان

رقم الحدیث: ۲۳۹۱ / تا ۲۴۲۴ /

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کتاب المناسک

حج کا بیان

مناسبت باب

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے ایمان، صلوۃ، زکوۃ، صوم کو ذکر کیا پھر اس کے بعد حج کو ذکر کیا، کیونکہ حج کے علاوہ باقی عبادات عباداتِ بدنیہ محضہ ہیں، یا مالیات محضہ ہیں، اور حج عبادت مرکبہ ہے، اور مفرد کو مرکب پر تقدم طبعی حاصل ہے، لہٰذا ان کو وصفاً اور ذکراً بھی حج سے مقدم کیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نماز ہر دن کے اندر پانچ مرتبہ، زکوۃ ہر صاحب نصاب کے حولانِ حول کے وقت اور صوم ہر سال میں ایک مرتبہ فرض ہے اور حج پوری عمر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے تو حج چونکہ تمام عبادات میں سب سے اقل ہے وقوع کے اعتبار سے اس لئے حج کو سب کے آخر میں ذکر فرمایا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ تمام عبادات من باب العشق ہیں، اور عشق کا آخری نتیجہ اور منتہیٰ یہ ہے کہ عاشق اپنے معشوق کے در پر جا پڑے، اس کے مکانات کا چکر لگانا اور حاضری کی ندائیں سنانا، اس کا کام بن جاتا ہے اور یہی حال حج کی عبادت کے اندر ہے۔ اس لئے تمام عبادات کے بعد حج کو ذکر فرمایا۔

المناسک

مناسک ''منسک'' کی جمع ہے، منسک بفتح السین و کسرہا دونوں طرح مستعمل ہے۔ یہ مصدر میمی ہے۔ جس کے معنی ہیں عبادت کرنا اور یہ ظرف زمان یا ظرفِ مکان بھی ہوسکتا ہے۔ بمعنی متعبَّد۔

نسک کے معنی عبادت کے بھی آتے ہیں اور **ناسک** بمعنی **عابد**، **مناسک** کا استعمال امورِ حج وافعالِ حج میں ہوتا ہے، **نسک ینسک نسکا** (بروزن **رُشدًا**) کے معنی ذبح کے بھی آتے ہیں، اسی لئے **منسک** بمعنی **مذبح** اور **نسیکۃ** بمعنی **ذبیحہ** استعمال ہوتا ہے۔ (الدرالمنضود: ۱۵۵/۳، العروس: ۱۸۷/۷)

لفظ حج کی لغوی تحقیق

حج حاء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں طرح مستعمل ہے، طبری نے نقل کیا ہے کہ حاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھنا اہل نجد کی لغت ہے اور حاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھنا باقی عرب کی لغت ہے، لیکن حسین جعفی نے نقل کیا ہے کہ حاء کے فتحہ کے ساتھ اسم ہے اور حاء کے کسرہ کے ساتھ مصدر ہے، باقی حضرات نے اس کا عکس کہا ہے، یعنی بالفتح مصدر ہے اور بالکسر اسم ہے۔ (اوجزالمسالک: ۱۵۰/۶)

حج کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

حج کا لغوی معنی بعض نے بیان کیا ہے **"القصد"** بعض نے کہا: اس کا معنی ہے: **"القصد الی المعظم"** بعض نے اس کا لغوی معنی بیان کیا ہے: **"القصد مرۃ بعد اخری"** خلیل بن احمد نے حج کا لغوی معنی بیان کیا: **"کثرۃ القصد الی من تعظمہٗ"**

حج کی اصطلاحی تعریف مختلف طرح سے کی گئی ہے، درمختار میں تعریف اس طرح سے کی گئی ہے:

"زیارۃ مکان مخصوص فی زمن مخصوص بفعل مخصوص" (اوجز: ۱۵۰/۶، درمختار: ۱۵۰/۲)

حج کے لغوی اور شرعی معنیٰ میں مناسبت

حج شرعی کی لغوی معنیٰ کے ساتھ مناسبت ظاہر ہے اسلئے کہ اس میں بھی بیت اللہ وغیرہ کا قصد کیا

جاتا ہے اور ہر سال لوگ ان مقامات مقدسہ کی زیارت کے قصد سے جاتے ہیں ۔(اشرف التوضیح:۲/۲۹۴)

حج کی فرضیت

حج کی فرضیت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور اجماع امت سے ثابت ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے: **"وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا"** (سورۂ آل عمران:۹۸) [اور لوگوں میں سے جو لوگ اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں ان پر اللہ تعالیٰ کے لئے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے ۔](آسان ترجمہ قرآن)

بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: **"بنی الاسلام علی خمس (وذکر فیھا الحج)"** (بخاری:۱/۶) اسی طرح فصل اول کی پہلی روایت میں ہے **"یا ایھا الناس قد فرض علیکم الحج فحجوا"** [لوگو! تم پر حج کرنا فرض کیا گیا ہے، پس تم حج کرو ۔]

اور امت کا بھی اس پر اجماع ہے کہ صاحب استطاعت پر عمر میں ایک مرتبہ حج فرض ہے ۔(مرقاۃ:۳/۱۶۶)

حج کب فرض ہوا؟

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ حج کب فرض ہوا؟ اس میں متعدد اقوال ہیں: **"قال القاری حتی تحصل احد عشر قولا"** (مرقاۃ:۳/۱۶۷)

ایک قول یہ بھی ہے کہ حج ہجرت سے پہلے ہی فرض ہوگیا تھا لیکن اس قول کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شاذ کہا ہے ۔(فتح الباری:۳/۳۷۸)

جمہور کی رائے یہ ہے کہ حج ہجرت کے بعد فرض ہوا ہے، پھر فرضیت کے سال میں علماء کے مختلف اقوال ہیں ۵ھ سے لے کر ۱۰ھ تک کے اقوال ملتے ہیں ۔(عمدۃ القاری:۹/۱۲۲)

واقدی نے فرضیت حج ۵ھ میں بیان کی ہے اور ان کا استدلال حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ ان کی حدیث پاک میں حج کا ذکر موجود ہے اور ان کی آمد اور حاضری حضرت رسول اللہ ﷺ کے پاس ۵ھ میں ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حج ۵ھ میں

فرض ہوا ہے۔(التعلیق:۱۷۰/۳)

مشہور یہ ہے کہ حج ۶ھ میں فرض ہوا ہے، رافعی نے اسی پر جزم کیا ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسی کو جمہور کا قول قرار دیا ہے۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے: **"وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ"** [اور حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو۔] (آسان ترجمہ) چونکہ اس آیت کا نزول ۶ھ میں بتلایا گیا ہے، اس لئے کہا جائے گا کہ حج بھی ۶ھ میں فرض ہوا ہے۔

لیکن راجح یہ ہے کہ حج ۹ھ کے اواخر میں فرض ہوا، قاضی عیاض اور ابن قیم رحمہما اللہ وغیرہ نے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس پر دلیل یہ آیت ہے: **"وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا"** [اور لوگوں میں سے جو لوگ اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں ان پر اللہ تعالیٰ کے لئے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے۔] (آسان ترجمہ) جو کہ ۹ھ کے اواخر میں نازل ہوئی ہے، چنانچہ فرضیت حج کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سال بھی حج کو موخر نہیں فرمایا اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کے مناسب بھی ہے۔(اوجز:۱۵۲/۶، فتح الباری:۳۷۸/۳، رد المحتار:۱۵۱/۲)

واقدی نے جو حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ طرطوشی نے ضمام بن ثعلبہ کی حاضری ۹ھ میں بتلائی ہے۔ اس لئے اگر ان کی حدیث میں حج کا ذکر ہے تو حج کی فرضیت اور ان کی آمد چونکہ دونوں ۹ھ میں ہیں، لہٰذا یہ ان کی حدیث ہمارے خلاف نہیں بلکہ تائید میں ہے۔ (عمدۃ القاری:۱۲۲/۹)

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے واقدی کے قول کو کئی قرائن اور متعدد دلائل کی بناء پر غلط قرار دیا ہے۔(فتح الباری:۱۵۲/۱)

پہلا قرینہ یہ ہے کہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں تصریح ہے کہ ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے، جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سوالات سے روک دیا گیا تھا وہ آیت یہ ہے: **"يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَاءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ"** (سورۃ المائدۃ:۱۰۱) [اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات نہ کیا کرو جو اگر تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں۔] (آسان ترجمہ) یہ آیت سورۂ مائدہ کی ہے جس کا نزول بہت متاخر

ہے، لہٰذا واقدی وغیرہ کا یہ کہنا کہ ضمام بن ثعلبہ ۵ ھ میں حاضر خدمت ہوئے غلط ہے۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ ضمام بن ثعلبہ کی حدیث میں یہ ذکر ہے کہ "آنحضرت ﷺ کے قاصد نے یہ بات بیان کی اور یہ بات بیان کی" اس سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ضمام بن ثعلبہ کی آمد ۵ ھ میں نہیں ہوئی، کیوں کہ دعوت ناموں اور قاصدوں کا سلسلہ حدیبیہ اور فتح مکہ کے بعد ہوا اور صلح حدیبیہ ۶ ھ میں ہوئی اور فتح مکہ ۸ ھ میں۔

تیسرا قرینہ یہ ہے کہ ضمام کے واقعہ میں ہے کہ "**ان قومه اوفدوه**" ضمام رضی اللہ عنہ کو ان کی قوم نے وفد بنا کر بھیجا تھا اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں وفود کی بیشتر آمد ۹ ھ میں ہوئی، اسی بناء پر اس سنہ کا نام "**سنة الوفود**" ہے، پھر یہ واقعہ ۵ ھ کا ہو سکتا ہے؟

چوتھا قرینہ یہ ہے کہ ضمام بن ثعلبہ جب قوم کے پاس واپس پہنچے تو قوم نے ان کی اطاعت کی اور اسلام میں داخل ہو گئے، قوم کون سی ہے؟ روایت میں ہے کہ "**اخو بنی سعد بن بکر**" یعنی قبیلہ ہوازن کا ایک بطن بنو سعد، یہ لوگ غزوہ حنین کے بعد مسلمان ہوئے جو شوال ۸ ھ میں واقع ہوا، لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ ۹ ھ میں آئے تھے، جیسا کہ ابن اسحق اور ابو عبیدہ وغیرہما کی تحقیق ہے۔

اور جہاں تک تعلق ہے آیت "**وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ**" [اور حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو۔] (آسان ترجمہ) کا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اتمام حج کا حکم دیا گیا ہے، جو پہلے سے مشروع تھا، حج کی فرضیت کا ذکر اس میں نہیں ہے اس لئے اس آیت سے ۶ ھ میں حج کی فرضیت پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ (نفحات التنقیح: ۲۸۴/۳، زاد المعاد: ۱۰۱/۲)

فرضیت حج کے دلائل

حج کی فرضیت عند الجمہور "**وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا**" سے ہے، اور بعض کے نزدیک "**وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ**" سے ہے۔ **والاوّل اظهر**۔ (تفسیر ابن کثیر: ۳۸۵/۱)

جاننا چاہئے کہ استطاعت کی تفسیر متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً زاد و راحلہ کے ساتھ مروی ہے، اگرچہ حافظ نے فتح الباری میں ابن المنذر سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں، وہ فرماتے ہیں:

آیت کریمہ "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ" عام ہے، مجمل نہیں ہے، لہٰذا بیان اور تفسیر کی محتاج نہیں۔ حافظ کہتے ہیں ابن المنذر کی مراد یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو قادر بالبدن یا قادر بالمال ہو وہ مستطیع ہے، لہٰذا اس پر حج فرض ہے **(قُلْتُ)** اور حدیث زاد وراحلہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ وجوب حج کا مدار صرف استطاعت بالمال پر ہے، لیکن یہ زاد وراحلہ والی حدیث صحاح میں سے ترمذی وابن ماجہ میں ہے، اس کے علاوہ مسند احمد ومستدرک حاکم میں بھی ہے، "**قال الحاکم صحیح علی شرط مسلم**" حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث متعدد صحابہ: حضرت انس، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً مروی ہے، **لکن فی اسانیدھا مقال**۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے "**ایجاب الحج بالزاد والراحلة**" مستقل باب قائم کیا ہے، جس میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہی حدیث ذکر کی ہے: "**وقال ھذا حدیث حسن وابراھیم بن یزید الخوزی قد تکلم فیه بعض اھل العلم من قبل حفظه**" حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس میں شک نہیں، اس سند کے تمام رواۃ ثقات ہیں، سوائے خوزی کے، لیکن ابن ابی حاتم نے ان کی متابعت ذکر کی ہے، لہٰذا یہ حدیث حسن یقیناً ہے۔ (الدر المنضود: ۱۵۶/ ۳)

استطاعت کی قسمیں جن پر وجوبِ حج کا مدار ہے

اس کے بعد آپ سمجھئے کہ فقہاء کرام بھی اس مسئلہ میں مختلف ہیں، علامہ آلوسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ کے ذیل میں فرماتے ہیں: قدرۃ کی تین قسمیں ہیں: **بالبدن، بالمال، بالبدن والمال**۔ اول کو اختیار کیا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اور ثانی کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (واحمد رحمۃ اللہ علیہ) نے، اسی لئے ان کے نزدیک اس زمن (اپاہج) پر بھی حج فرض ہے، جو اپنے نائب کو اجرت دیکر بھیج سکتا ہو، اور ثالث کو اختیار کیا ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے، اس کے بعد پھر حدیث زاد وراحلہ کے تحت وہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے موافق ہے، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بالکل خلاف ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث شریف میں بعض شروطِ استطاعت کا بیان ہے، چنانچہ اگر امن طریق مفقود ہو تو بالاجماع حج واجب نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ حدیث امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف نہ ہوئی۔ میں کہتا ہوں

زاد وراحلہ والی حدیث شافعیہ کے بھی پورے طور پر موافق نہیں، **کما قال الحافظ**۔ ورنہ لازم آئے گا کہ معذور شخص خود حج کرنے جائے، اگرچہ اس کو سواری پر باندھنا پڑھے، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اس صورت میں وہ انابت کے قائل ہیں، (کسی دوسرے کو اپنا نائب بنا کر بھیجنا) حدیث الخثعمیہ کی وجہ سے، لہٰذا زاد وراحلہ والی حدیث حدیث الخثعمیہ کے ضم کے ساتھ شافعیہ کی دلیل ہے، ورنہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (الدر المنضود: ۱۵۷،۵۶/ ۳)

حج واجب علی الفور ہے یا علی التراخی

حج ارکانِ اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے، اس کی فرضیت کتاب اللہ، حدیث پاک اور اجماع سے ثابت ہے، اس کی فرضیت کا منکر کافر ہے، حج کی فرضیت پر سب متفق ہیں۔ (مرقاۃ: ۱۶۶/ ۳)

البتہ اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ حج واجب علی الفور ہے یا علی التراخی، امام شافعی اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک حج واجب علی التراخی ہے۔ امام مالک، امام ابو یوسف اور امام احمد علیہم الرحمۃ کے نزدیک واجب علی الفور ہے۔ امام صاحب سے اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں۔ اصح روایت یہ ہے کہ حج واجب علی الفور ہے۔ (اوجز المسالک: ۲۹۵/ ۳)

حج کے واجب علی الفور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس سال وجوبِ حج کی شرائط پائی گئی ہیں، اسی سال حج کرنا واجب ہے، تاخیر سے گناہ گار ہوگا۔ واجب علی التراخی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسی سال حج کرنا ضروری نہیں، پوری عمر میں جب بھی کرلے جائز ہے، تاخیر کی وجہ سے گناہگار نہیں ہوگا لیکن یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ مندرجہ ذیل دو نقطوں پر دونوں فریق متفق ہیں۔

(۱)......اگر شرائط وجوب کے پائے جانے کے بعد حج کو مؤخر کرتا رہا یہاں تک کہ موت آگئی، اپنی زندگی میں حج نہ کیا تو فریقین کے نزدیک گناہگار ہوگا۔

(۲)......اگر کوئی شخص شرائط وجوب پائے جانے کے بعد حج کو مؤخر کر کے اداء کرے تو جب بھی ادا کرے گا وہ حج اداء ہی ہوگا، قضا نہیں ہوگا، حج کا وقت پوری عمر ہے، جب بھی کرے ہوگا ادا ہی، اختلاف صرف شرائط وجوب پائے جانے کے بعد تاخیر میں ہوا، شیخین کے نزدیک تاخیر سے

گناہ گار ہوگا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تاخیر کی وجہ سے گنہگار نہیں ہوگا۔ (اشرف التوضیح: ۲/۲۹۴)

چونکہ ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد، اور امام ابو یوسف علیہم الرحمۃ کے نزدیک حج واجب علی الفور ہے، لہٰذا بعد حصول الاستطاعۃ پہلے ہی سال مکلف پر حج کرنا واجب ہے، ورنہ تاخیر سے آثم ہوگا۔ **"یفسق وترد شهادته کما فی الطحطاوی"** (۷۲۷) اور امام شافعی و امام محمد کے نزدیک حج کا وجوب علی التراخی ہے، بشرطیکہ فوت نہ ہونے پائے۔ (اس کا ذمہ دار وہ خود ہوگا۔) لہٰذا تاخیر سے آثم نہ ہوگا لیکن اگر قبل الحج مرگیا تو گنہگار ہوگا۔

جمہور کا استدلال ابن عباس کی اس حدیث مرفوع سے ہے جو آگے متن میں آرہی ہے۔ **"من اراد الحج فلیتعجل"** [جو شخص حج کا ارادہ کرے اسے چاہئے کہ وہ جلدی کرے۔] اور دوسرے فریق کی دلیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاخیر سے سن ۱۰ھ میں حج فرمایا، اس کا جواب آئندہ ملاحظہ فرمائیں۔

اصولیین نے وقت حج کو مشکل قرار دیا ہے، یعنی اس کا نام مشکل رکھا ہے، اس لئے کہ نہ تو وہ من کل وجہ معیار ہے، اور نہ من کل وجہ ظرف ہے، اس لئے کہ جو حضرات حج کو واجب علی الفور کہتے ہیں اس کا تقاضا یہ تھا کہ حج کا وقت اس کے لئے معیار ہو، جس کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ حج تاخیر سے اداء کرنے کی صورت میں قضاء کہلائے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ اس کو اداء کہتے ہیں، اور واجب علی التراخی کا تقاضا یہ تھا کہ اس کا وقت اس کے لئے ظرف ہو اور فوت ہونے سے گنہگار نہ ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ گناہگار ہوتا ہے، پس اسی لئے وقت الحج کو مشکل کہا گیا ہے کہ اس کا وقت نہ ادھر ہے نہ ادھر۔ (طحطاوی علی المراقی: ۷۲۷)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تاخیر حج کی مصلحت

یہ بحث سابق پر متفرع ہے، اس لئے کہ جب یہ ثابت ہوگیا کہ عند الجمہور حج کی فرضیت علی الفور ہے، نیز یہ کہ اس کی فرضیت ان کے نزدیک ۶ھ میں ہوچکی تھی، تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ تک اتنی تاخیر کس مصلحت سے فرمائی؟ شیخ ابن الہمام نے تو اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ حج کی فرضیت اور اس میں تعجیل امت کے حق میں اس لئے ضروری قرار دی گئی ہے کہ کہیں حج فوت نہ ہوجائے، موت وحیات اور

عوارض کی کچھ خبر نہیں کب کیا عذر پیش آ جائے، لیکن آنحضرت ﷺ کی تاخیر میں اندیشۂ فوت نہ تھا، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنے بارے میں یہ علم تھا کہ آنحضرت ﷺ ابھی زندہ رہیں گے، یہاں تک کہ حج کریں گے، جس میں تبلیغ دین کی تکمیل فرمائیں گے، اور ملا علی قاری وغیرہ نے ایک دوسری مصلحت لکھی ہے وہ یہ ہے کہ ۶ ھ اور سات میں تو آنحضرت ﷺ حج اس لئے نہ فرما سکے کہ اس وقت تک مکہ مکرمہ فتح نہیں ہوا تھا، اور ۸ ھ میں بوجہ نسیٔ کے نہ اداء کر سکے، البتہ آنحضرت ﷺ نے عتاب بن اسید کو مسلمانوں کو حج کرانے کے لئے امیر حج بنا کر بھیجدیا تھا، اور ۹ ھ میں غالباً اس لئے نہیں کیا کہ اب تک مشرکین حج بیت اللہ کرتے تھے اور وہ کپڑے اتار کر عریانی کی حالت میں کیا کرتے تھے، آنحضرت ﷺ نے یہ پسند نہ فرمایا: کہ اس طرح مشرکین کے ساتھ مل کر حج کریں، اس لئے آنحضرت ﷺ نے ۹ ھ میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھیجا تا کہ وہ وہاں جا کر یہ اعلان کر دیں کہ آئندہ سال سے کوئی مشرک اس طرح حج نہ کر سکے گا، ایسے ہی اور بعض دوسرے ضروری اعلانات براءۃ عن المشرکین سے متعلق آنحضرت ﷺ نے کرائے اور ان انتظامات کی تکمیل کے لئے اس سال آنحضرت ﷺ حج نہ کر سکے تا کہ پھر آئندہ سال مکمل انتظام کے ساتھ حج کریں۔

اور بعض حضرات نے آنحضرت ﷺ کے ۹ ھ میں حج نہ کرنے کی علت نسیٔ کو لکھا ہے، لیکن ابن رشد نے ”مقدمات“ میں اس کی تردید کی ہے، کمافی الاوجز۔

ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ یہ صحیح ہے اس وقت مشرکین کی نسیٔ چل رہی تھی، اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حج فی غیر وقت الحج ہوا، یعنی ذیقعدہ میں، لیکن نسیٔ اس وقت تک منسوخ نہیں ہوئی تھی، اور اگر نسی منسوخ ہو چکی ہوتی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ کیا مشکل تھا کہ وہ حج کو اس کے صحیح وقت میں کرتے۔ علی ہذا القیاس۔ خود حضور اکرم ﷺ بھی اگر چاہتے تو ۹ ھ میں بھی حج نسیٔ کے خلاف ذی الحجہ میں کرتے، لیکن دراصل بات یہ ہے کہ اس سال آنحضرت ﷺ نے حج کرنا چاہا ہی نہیں ایک دوسری مصلحت سے **(اختلاط المشرکین وغیرہ) لا لاجل النسیٔ**۔ دراصل یہ مسئلہ علماء کے مابین اختلافی ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حج ذی الحجہ میں ہوا یا نسی کی وجہ سے ذیقعدہ میں ہوا، اس مسئلہ کو شراحِ حدیث نے اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے، جس میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یوم النحر میں خطبہ

دیا،جس میں یہ فرمایا:"**ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السموات والارض الخ**" کہ زمانہ گھوم پھر کر اپنی اصلی حالت پر آ گیا ہے،اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حجۃ الوداع والے ہی سال مہینوں کا حساب درست ہوا،اس سے قبل نہیں ،تھا،بلکہ نسئ چل رہی تھی،لامع الدراری جلد ثالث کے شروع میں بھی یہ بحث مختصراً موجود ہے۔

اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جن میں حافظ ابن القیم اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہما بھی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج میں تاخیر مطلقاً پائی ہی نہیں گئی۔ **کمامر**۔(الدر المنضود:۱۵۷/ ۳،مرقاۃ:۱۶۷/ ۳)

کیا حج اس امت کے خصائص میں سے ہے؟

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:اس میں اختلاف ہے کہ حج شرائع قدیمہ میں سے ہے یا اس امت کے خصائص میں سے،وہ فرماتے ہیں:**والاظھر الثانی (ای الخصوصیۃ)** اور شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے قولِ اول کو اختیار کیا ہے۔"**لما ورد ما من نبی الا وحج البیت**" [ہر ہر نبی نے بیت اللہ شریف کا حج کیا ہے۔]

یعنی ہر ہر نبی نے اپنے زمانہ میں حج کیا حتی کہ ہود اور صالح علیہما السلام نے بھی جیسا کہ مسند احمد کی روایت میں اس کی تصریح ہے جس کو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ''جزء حجۃ الوداع'' میں ذکر کیا ہے،لیکن درمنثور کی ایک روایت میں یہ ہے "**ما من نبی الا وقد حج غیر ھود وصالح فانھما تشاغلا عنہ لقومھما**"[حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کے علاوہ ہر نبی نے حج کیا یہ دونوں اپنی قوم کی وجہ سے مشغول رہے۔] کہ حضرت ہود وحضرت صالح علیہما السلام حج نہیں کر سکے،ان دونوں کو اپنی قوم کے سلسلہ میں اتنی مصروفیت رہی کہ حج کا موقع نہیں ملا،اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ یہ دوسری روایۃ مسند احمد کی روایۃ کا مقابلہ نہیں کر سکتی،ضعیف ہے۔

اسی طرح منقول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے پیدل چل کر ہندوستان سے چالیس حج کئے،اس پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ استدلال قوی نہیں،اول تو اس لئے کہ اس حدیث سے تو حج کا صرف مشروع ہونا ثابت ہوا،نہ کہ مفروض ہونا،دوسرے اس لئے کہ گفتگو تو امم سابقہ میں ہے نہ کہ انبیاء

سابقین میں، سو ہو سکتا ہے کہ گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں تو فرض یا مشروع ہو اور ان کی امتوں کے حق میں نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (مرقاۃ: ۱۶۶/ ۳، الدر المنضود: ۱۵۸/ ۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی تعداد

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد الہجرۃ صرف ایک حج کیا، جس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں، جو ۱۰ھ میں ہوا، قبل الہجرۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے حج کئے؟ اس میں اختلاف ہے۔ ابن الاثیر کہتے ہیں: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ کے زمانۂ قیام میں ہر سال حج کیا کرتے تھے، اور حاکم نے بسند صحیح سفیان ثوری سے نقل کیا ہے: **"حج قبل ان یھاجر حججا"** کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل الہجرۃ متعدد حج کئے ہیں، لیکن امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا: **"انه حج قبل ان یھاجر حجتین"** کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل الہجرۃ صرف دو حج کئے اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے: **"ثلاثا"** اس کا جواب یہ ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ اپنے علم کے اعتبار سے کہہ رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی سند پر کلام کیا ہے، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ یہ حدیث اس طرح محفوظ نہیں ہے بلکہ یہ حدیث فی الواقع مرسل ہے۔

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات یقینی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل الہجرۃ بہت سے حج کئے، لیکن ان کی تعداد کسی کے علم میں نہیں، سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

(نفحات التنقیح: ۲۸۴/ ۳، الدر المنضود: ۱۵۹/ ۳، مرقاۃ: ۱۶۷/ ۳)

حج کے اسرار وحکم

بحمد اللہ ابتدائی مباحث پورے ہوئے، ایک بحث یہاں پر اور ہے یعنی حکم حج اور اس کے اسرار ومصالح اس موضوع پر حضرت اقدس شاہ ولی اللہ نور اللہ مرقدہٗ نے کلام فرمایا ہے۔ جس کو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اوجز المسالک میں نقل کیا ہے۔ (الدر المنضود)

اسی طرح فضائل حج میں بھی اس مضمون کو قدرے تفصیل سے بیان فرمایا ہے، اس کی اہمیت اور

افادیت کی وجہ سے اس کی تلخیص یہاں بیان کرتا ہوں، ملاحظہ ہو:

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

حج در حقیقت دو منظروں کا نمونہ ہے اور اس کی ہر ہر چیز میں دو حقیقتیں پنہاں ہیں۔

(۱)……ایک یہ کہ نمونہ ہے موت کا اور مرنے کے بعد کے حالات کا۔

(۲)……دوسرا نمونہ ہے عشق اور محبت کے اظہار کا اور روح کو حقیقی عشق اور حقیقی محبت سے رنگنے کا۔

نمونہ کے طور پر دونوں منظروں کی طرف مختصر طریقہ سے تنبیہ کی جاتی ہے اور اس نمونہ پر غور کرنے سے سب چیزوں میں یہ امور ظاہر اور واضح ہو جائیں گے۔

پہلا نمونہ: موت اور اس کے مابعد کا منظر ہے کہ آدمی جس وقت گھر سے چلتا ہے، سب عزیز اور اقارب، گھر بار، وطن احباب کو یک لخت چھوڑ کر دوسرے ملک، گویا دوسرے عالم کا سفر اختیار کرتا ہے، جن چیزوں کے ساتھ دل مشغول تھا، گھر بار، کھیتی باغ، احباب کی مجالس سب ہی اس وقت چھوٹ رہی ہیں، جیسا کہ مرنے کے وقت سب کو بیک وقت خیر باد کہنا پڑتا ہے، حج کو روانگی کے وقت یہی چیز قابل غور اور فکر اور قابل عبرت و اعتبار ہے کہ جیسا کہ آج عارضی مدت کے لئے یہ سب کچھ چھوٹ رہا ہے،، بہت جلد وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ ہمیشہ کے لئے یہ سب چیزیں چھوٹنے والی ہیں۔ اس کے بعد سواری پر سوار ہونا اگر عبرت اور غور کی نگاہ سے دیکھا جائے تو جنازہ پر سوار ہو کر چل دینے کی یاد تازہ کرتا ہے۔ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد وہ بھی ہر قدم پر وطن اور احباب سے دوری اور جدائی بڑھاتی رہتی ہے اور جنازہ اٹھانے والے بھی ہر قدم پر سب اعزہ اور گھر بار، ساز و سامان سے دور لے جاتے ہیں، کچھ لوگ ضرور جنازہ کی نماز تک ساتھ دیتے ہیں اور کچھ قبر تک بھی پہنچا دیتے ہیں اور کچھ قبر میں رکھنے اور مٹی ڈالنے تک بھی ساتھ دیتے ہیں، یہ سارے منظر حاجی کے ساتھ بھی پیش آتے ہیں کہ کچھ لوگ گھر ہی سے مصافحہ کر کے ''فی امان اللہ'' کہہ دیتے ہیں، کچھ اسٹیشن تک تکلیف فرمالیتے ہیں اور کچھ بہت ہی خواص ہوتے ہیں جو آگے جہاز تک بھی پہنچا دیتے ہیں۔ جہاز (اور قبر) میں جانے والے صرف وہی رفیق اور ساتھی ہوتے ہیں جو اس عالم تک ساتھ دینے والے ہوں، چاہے وہ عزیز و اقارب ہوں یا مال و متاع

ہو، ان میں بعض رفیق سفر ایسے مخلص، وغمگسار، راحت رساں ہوں گے جو ہر ہر قدم پر راحت پہنچاتے ہیں اور بعض رفیق ایسے بدخلق، کج مزاج، ضدی، جھگڑالو ہوتے ہیں جو سفر کی ہر منزل میں بجائے راحت کے اور مصیبت کا سبب بنتے ہیں۔

بعینہٖ یہی ساری صورت آخرت کے سفر میں پیش آتی ہے کہ قبر میں ساتھ جانے والے وہی رفیق سفر ہیں جو آخرت تک ساتھ رہنے والے ہیں، ان میں اعمالِ حسنہ ہر قسم کی راحت اور آرام کا سبب ہیں اور اعمالِ سیئہ ہر قسم کی اذیت اور تکلیف کا سبب ہیں، اعمالِ حسنہ نہایت حسین وجمیل آدمی کی صورت میں قبر میں ساتھ رہتے ہیں اور اعمالِ سیئہ نہایت قبیح صورت، ڈراونی اور گندی بودار صورت میں ساتھ رہتے ہیں۔

پاسپورٹ وغیرہ جانچ پڑتال جتنے مناظر حاجی کو دیکھنا پڑتے ہیں وہ قبر کے سارے منظروں کی یاد دلاتے رہتے ہیں کہ منکر نکیر کا سوال بھی ہوگا، اپنے اعمال کا امتحان بھی ہوگا، اور سانپ بچھو وغیرہ کیڑے مکوڑے بھی قبر میں طرح طرح سے ستائیں گے، اعمال نامہ بھی اپنے ساتھ ہی ہوگا۔ بہت سے مالدار جن کو اللہ تعالیٰ نے دولت بے شمار دی ہے، وہ معمولی سی تفتیش اور پاسپورٹ وغیرہ کے بعد چند گھنٹوں میں حجاز پہنچ جاتے ہیں، اور جن کے پاس نیک اعمال کا ذخیرہ مالا مال کر دینے والا ہو، وہ قبر کے ان سارے احوال سے بے خبر اور بےفکر دلہنوں کی طرح اس میں ایسے آرام فرماتے ہیں کہ قیامت تک کا سارا طویل زمانہ ان کے لئے گھنٹوں اور منٹوں میں گذر جائے گا، جیسا کہ نئی دلہن پہلی شب میں کمخواب اور مخمل کے بستروں پر سوتی ہے، اسی طرح یہ لوگ قبر میں سوجاتے ہیں۔

اس کے بعد احرام کی دو سفید چادریں کفن کی چادروں کی یاد ہر وقت تازہ رکھتی ہیں، اگر عبرت کی نگاہ ہو تو جتنے دن احرام باندھا رہے، ہر وقت اسی طرح کفن کی دو چادروں میں لپٹے رہنا یاد رہنا چاہئے۔ اور احرام کے وقت لبیک (حاضر ہوں، حاضر ہوں) قیامت میں پکارنے والے کی آواز پر دوڑ پڑنے کی یاد دلاتی ہے۔ "**يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ**" (سورۂ طٰہٰ: ۱۰۸)
[اس دن سب کے سب (خدا کی طرف سے) پکارنے والے (یعنی صور پھونکنے والے فرشتہ)

کے کہنے پر ہولیں گے۔]

"وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ" (سورۃ جاثیہ:۲۸)[تو دیکھے گا ہر امت کو زانو پر گری ہوئی اور ہر امت پکاری جائے گی اپنی کتاب کی طرف۔]

اور مکہ مکرمہ میں داخل ہونا گویا اس عالم میں داخل ہو جانا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید ہے کہ مکہ مکرمہ دار الامن ہے، لیکن اپنی بد اعمالیوں سے یہ خوف بھی غالب ہے کہ امن کی جگہ بھی امن نہ ملے تو کیا ہوگا، مکہ مکرمہ کا سارا قیام اسی بیم ورجا (خوف وامید) کی یاد کو تازہ کرتا رہتا ہے کہ اس جگہ کا امن کی جگہ ہونا، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت اور کرم اور لطف، انعام واحسان کی یاد تازہ کرتا رہتا ہے اور اپنی بداعمالیاں جو ساری عمر کی ہیں وہ یاد آ کر: ع

مر کے بھی چین نہ آیا تو کدھر جائیں گے

کی یاد تازہ کرتی ہے۔ اور بیت اللہ پر نظر پڑنا قیامت میں گھر کے مالک کے دیدار کو یاد دلاتا ہے اور جس قدر خوف اور ہیبت، عظمت اور جلال کا مظہر ہے، وہی سارے آداب اس وقت ہونا چاہئیں جیسا کہ کسی بڑے بادشاہ کے دربار میں حاضری کے وقت ہوتے ہیں۔ اور بیت اللہ شریف کا طواف ان فرشتوں کی یاد تازہ کرتا ہے کہ جو عرش معلی کا طواف کرتے رہتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

اور کعبہ کے پردوں سے لپٹ کر رونا اور ملتزم کو چمٹنا اس قصوروار کی مثال ہے جس کسی بڑے محسن ومربی کا بڑا قصور کر کے اس کا دامن پکڑ کر معافی کے لئے روتا ہے اور اس کے گھر کے درودیوار کو پکڑ کر روتا ہے کہ قصور کی معافی کے یہی راستے ہیں اور قیامت میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے رونے کی مثال ہے۔ اور صفا مروہ کے درمیان دوڑنا، میدانِ حشر میں ادھر ادھر دوڑنے کی یاد تازہ کرتا ہے، قرآن پاک کا ارشاد ہے: "يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ" (سورۃ قمر:۷)[قبروں سے اس طرح نکل رہے ہوں گے، گویا وہ ٹڈی دَل ہے جو پراگندہ ہے۔]

عرفات کا میدان تو حشر کے میدان کا پورا نمونہ ہے ہی کہ آفتاب کی تمازت اور سب کا ایک لق

و دق میدان میں ایسی حالت میں اجتماع کہ مغفرت کی امید ہے، گناہوں کا خوف ہے۔ بندہ کے ناقص خیال میں عرفات کے میدان میں بڑی غور وفکر کی جو چیز ہے وہ عہد ومیثاق ہے، جو ازل میں "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" (سورۂ اعراف: ۱۷۲) سے لیا گیا تھا کہ عالم ارواح میں حق سبحانہ وتقدس نے ساری ارواح سے یہ سوال کیا تھا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا تھا: کہ بے شک آپ ہمارے رب ہیں۔ مشکوۃ شریف میں بروایت مسند احمد حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد نقل کیا ہے کہ یہ عہد عرفات ہی کے میدان میں ہوا تھا۔ یہ وقت اور یہ جگہ اس کے یاد کرنے کی ہے کہ کیا عہد کیا تھا؟ اور اس عہد کو کس طرح پورا کیا۔ اس کے بعد مزدلفہ اور منیٰ وغیرہ کے اجتماعات ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان مواقع میں لوگوں کا اژدحام اور ان کا شور وشغب، مختلف زبانیں، مختلف آوازیں اور لوگوں کا اپنے اپنے اماموں کے پیچھے چلنا، قیامت کے میدانوں میں اپنے اپنے انبیاء علیہم السلام اور مقتداؤں کے پیچھے چلنے کی اور حیرانی اور پریشانی کے عالم میں کبھی یہاں اور کبھی وہاں جانے کی یاد تازہ کرتا ہے، ان مواقع میں عاجزی اور زاری کا اہتمام کرنا کام آنے والی چیز ہے۔

یہ مختصر خاکہ ہے حج کے اس منظر کا جو قیامت کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔

دوسرا منظر: اظہار عشق ومحبت کا ہے۔ وہ حاجی کے حال سے ایسا ظاہر اور واضح ہے کہ اس کے لئے کسی تفصیل کی حاجت نہیں، بندوں کا تعلق حق تعالیٰ وتقدس کے ساتھ دو طرح کا ہے: ایک نیاز مندی اور بندگی کا کہ وہ پاک ذات مالک ہے، خالق ہے، اس تعلق کا مظہر "نماز" ہے جو سراسر نیاز واظہار عبدیت ہے، اسی لئے اس میں ساری چیزیں اسی تعلق کا مظہر ہیں کہ نہایت وقار اور سکون کے ساتھ موزوں لباس اور شاہی آداب کے مناسب حالات کے ساتھ حاضری دربار کی ہے کہ وضو اور پاک کپڑوں کے ساتھ نہایت وقار اور سکون سے اوّل کانوں پر ہاتھ رکھ کر عبدیت اور اللہ جل جلالہ کی بڑائی کا اقرار کرے، پھر ہاتھ باندھ کر معروضہ پیش کرے، پھر سر جھکا کر تعظیم کرے، اور پھر زمین پر ماتھا رگڑ کر اپنی نیاز مندی اور عجز کا اظہار کرے اور آقا کی بڑائی کا

زبان سے اقرار کرتا ہے اور کوئی قول وفعل اس کی بڑائی اور اپنے عجز کے خلاف نہ ہو۔

اس نوع میں سکون ووقار کی جتنی پابندی کی جائے گی وہ اس کے شایانِ شان ہوگا، اسی لئے نماز کے لئے بھاگ کر چلنا مکروہ ہے، نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے بھی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر بیٹھنا مکروہ ہے، نماز میں انگلیاں چٹخانا مکروہ ہے، بے ضرورت کھانسنا مکروہ ہے، حتی کہ ادھر ادھر نظر کرنا مکروہ ہے، بے ترتیب یعنی ناموزوں ہیئت سے کپڑا پہننا مکروہ ہے، ایسے ہی بدن پر کپڑا لٹکانا مکروہ ہے۔ یہ عبادت نماز میں بات کرنے سے ضائع ہوجاتی ہے، وضوٹوٹ جانے سے جاتی رہتی ہے، حتی کہ بے اختیار اور بے ارادہ بھی ہنس پڑنے سے ضائع ہوجاتی ہے، حتی کہ سجدہ میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھ جانے سے ضائع ہوجاتی ہے، اس لئے کہ یہ بھی سکون اور وقار کے خلاف ہے۔

حق تعالیٰ کے ساتھ دوسرا تعلق محبت اور عشق کا ہے کہ وہ مربی (تربیت کرنے والا) ہے۔ منعم (انعام دینے والا) ہے۔ محسن (احسان کرنے والا) ہے۔ اور جمال وکمال کے جتنے اوصاف ہوسکتے ہیں ان سب کے ساتھ متصف ہے۔ ادھر ہر آدمی میں فطری طور پر عشق ومحبت کا مادّہ موجود ہے۔

ترے فراق میں جینا بشر کا کام نہیں
ہزار شکر کہ اس عمر کو دوام نہیں
شاہد بزم ازل نے اک نگاہِ ناز سے
عشق کو اس انجمن میں مسند آرا کردیا

اسی تعلق کا مظہر حج ہے کہ سفر کی ابتداء ہی سب تعلقات کو ختم کرکے، سب عزیز واقارب، گھربار سے منہ موڑ کر، کوچۂ یار کی طرف جانا ہے اور جنگلوں اور گلی کوچوں میں مارے مارے پھرنا ہے کہ یہی دو چیزیں عاشقوں کا کام ہیں۔

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق
او بصحرا رفت وما در کوچہا رسوا شدیم

نیا رنگ لائی مری بے کسی
چھٹا دیس جنگل کی دھن ہوگئی

اور یہ ساری وحشت اور اشتیاق کیوں ہے؟ یہ اضطراب اور بے چینی آخر کیوں مسلط ہوئی، اس لئے کہ محبوب کے در پر عشاق کے اجتماع کا ایک وقت مقرر ہے، وہ قریب آ گیا۔

اجازت ہو تو آ کر میں بھی شامل ان میں ہو جاؤں
سنا ہے کل ترے در پر ہجومِ عاشقاں ہوگا

دوست آوارگی ہمی خواہد
رفتن حج بہانہ افتاد است

جب عشق کے طفیل یہ مبارک سفر ہے، تو راستہ کی سب مشقتیں اسی ذوق اور جذبہ کے ماتحت ہونا ضروری ہیں اور اسی فریفتگی سے ان کو برداشت کرنا چاہئے۔

درد و غم رنج والم فکر و قلق خوف وہراس
وہ بلا کونسی ہے جو شب ہجراں میں نہیں

اذیت مصیبت ملامت بلائیں
ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

الفت میں برابر ہے جفا ہو کہ وفا ہو
ہر چیز میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو

اس کے بعد احرام بھی اسی عاشقانہ رنگ کا پورا مظہر ہے کہ نہ سر پر ٹوپی، نہ بدن پر کرتا، فقیرانہ صورت، نہ خوشبو، نہ زینت، ایک مجنونانہ ہیئت، جو کرب و بے چینی کے کمال کو ظاہر کرتی ہے۔

خوشی سے اپنی رسوائی گوارا ہو نہیں سکتی
گریباں پھاڑتا ہے تنگ جب دیوانہ آتا ہے

چشم تر، خاک بسر، چاک گریباں، دل زار
عشق کا ہم نے یہ دنیا میں نتیجہ دیکھا

نہ رکھ لباس کا الجھاؤ تن پہ دست جنوں
کیا ہے چاک گریباں تو پھاڑ دامن بھی

اصل یہ تھا کہ گھر سے نکلتے ہی یہ حالت شروع ہوجاتی، اسی وجہ سے بعض علماء کے نزدیک گھر ہی سے احرام باندھ کر جانا افضل ہے، مگر چونکہ احرام کے بعد بہت سی چیزیں ناجائز ہوجاتی ہیں اور اس قسم کے لباس کا تحمل بھی بعض ناز پروردہ لوگوں کو مشکل ہوجاتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت نے اس کی اجازت دے دی کہ شروع سے احرام نہ باندھا جائے کہ اس میں مشقت ہوگی، البتہ جب کوئے یار کے قریب پہنچے، تو اس کا اہتمام ضروری ہے کہ اس کے کوچہ میں اسی حال سے داخل ہونا ہے کہ سر پر بال بکھرے ہوئے ہوں، لباس میں مجنونانہ ہیئت ہو، میلے کچیلے حال میں ازخود رفتہ عاشقوں کی سی صورت ہو، اسی کو حضور اقدس ﷺ نے اپنے پاک ارشاد میں ظاہر فرمایا: "اَلْحَاجُّ الشَّعِثُ التَّفِلُ" [حاجی بکھرے ہوئے بالوں والا میلا کچیلا ہوتا ہے۔] یعنی یہ کہ راستہ میں کچھ گرد وغبار بھی بے تابی اور شوق میں بدن پر پڑا ہو، اسی حالت کو حق تعالیٰ شانہ خود بھی تفاخر کے طور پر فرشتوں سے ظاہر فرماتے ہیں: "اُنْظُرُوْا اِلٰی زُوَّارِ بَیْتِیْ قَدْ جَاءُ وْنِیْ شُعْثًا غُبْرًا" [میرے گھر کے مشتاقوں کو دیکھو کہ میری طرف بکھرے ہوئے بالوں اور گرد وغبار کی حالت میں آئے ہیں۔]

اور ظاہر ہے کہ جب جنگلوں اور پہاڑوں کی خاک چھانتا ہوا، روتا پیٹتا وہاں پہنچتا ہے تو یہ چیزیں ضرور ہوں گی اور جتنے اثرات اس کے زیادہ ہوں گے، اتنا ہی شوق اور بے تابی کا اظہار ہوگا۔

اسی حالت میں مستانہ وار "لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ" [میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، حاضر ہوں۔] کا نعرہ لگاتا ہوا، روتا اور چلاتا ہوا، نالہ وفریاد کرتا ہوا، پہنچتا ہے، اسی کی طرف حضور اقدس ﷺ نے اپنے پاک ارشاد "اَلْحَجُّ اَلْعَجُّ وَالثَّجُّ" میں ارشاد فرمایا: کہ [حج (کا کمال خوب) چلانا اور قربانی کا خون بہانا۔] بہت سی احادیث میں مردوں کے لئے لبیک آواز سے پڑھنے کی ترغیب ہے۔ ظاہر بات ہے کہ نالہ وفریاد کے ساتھ چلانا عشق کی جان ہے۔

نالہ کر لینے دیں للہ نہ چھیڑیں احباب
ضبط کرتا ہوں تو تکلیف سوا ہوتی ہے

فغاں میں آہ میں فریاد میں شیون میں نالے میں
سناؤں دردِ دل طاقت اگر ہو سننے والے میں

دم بدم سینۂ سوزاں سے نہ کر نالہ گرم
پڑ نہ جائیں تیری منقار میں چھالے بلبل

اسی بے چینی اور اضطراب، نالہ اور فریاد کے ساتھ آخر وہ محبوب کے شہر تک پہنچ جاتا ہے اور مکہ مکرمہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

ایک دل کھویا ہوا جس کے دل میں واقعی زخم محبت ہو، جب محبوب کے گھر پہنچ جاتا ہے تو اس پر کیا گذرتی ہے اور وہ کیا سوچتا ہے، یہ چیزیں الفاظ سے تعبیر نہیں ہوتیں۔

اس کے بعد وہ جو جو حرکتیں کرتا ہے، وہ کسی ضابطہ اور آئین کی پابند نہیں، کہیں محبوب کے گھر کے چکر کاٹتا ہے، کہیں اس کے در و دیوار اور چوکھٹ کو چومتا ہے، آنکھیں ملتا ہے، پیشانی اور سر رگڑتا ہے۔

طواف کی ابتداء حجر اسود کے بوسہ سے ہے، جس کو حدیث پاک میں اللہ جل شانہ کے دست مبارک سے تعبیر کیا ہے اور اس کا بوسہ گویا دست بوسی ہے آقائے کریم کی اور انتہائی لطف و کرم ہے اس مالک کا جس نے یہ سعادت خاک کے پتلوں کو عطا فرمائی۔ عشاق کے نزدیک محبوب کے گھر کو، در و دیوار کو چومنا، اس کی عتبہ بوسی، قدم بوسی، دست بوسی وغیرہ عشق کے ایسے لوازمات میں سے ہیں کہ شاید ہی کوئی دل کھویا ہوا شاعر ایسا ہوگا، جس نے کسی نہ کسی عنوان سے اس کو اہم مقصد نہ بنایا ہو۔

أَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلٰى
أُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارَ وَذَا الْجِدَارَ

[میں جب لیلیٰ کے شہر میں پہنچتا ہوں، کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اس دیوار کو۔]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود پر اپنے لب مبارک رکھے اور بہت دیر تک رکھے رہے اور آنسو جاری تھے، اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی کھڑے رو رہے ہیں۔

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہی جگہ ہے جہاں آنسو بہائے جاتے ہیں۔''

مختصر یہ ہے ہماری داستاں
خود بخود ہیں آنکھ سے آنسو رواں

کعبہ شریف کے پردہ سے لپٹنا، چمٹنا بھی اسی عاشقانہ شان کا ایک خاص منظر ہے کہ محبوب کے دامن سے چمٹنا بھی عشق کے مظاہر میں سے ایک مخصوص مظہر ہے۔

اے ناتوانِ عشق تجھے حسن کی قسم
دامن کو یوں پکڑ کہ چھڑایا نہ جا سکے

ملتزم جو کعبہ شریف کی دیوار کا ایک خاص حصہ ہے، متبرک جگہ ہے، اس جگہ خصوصیت سے دعا قبول ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے چمٹ رہے تھے اور اپنے چہرہ کو اس سے لگا رہے تھے۔

آج ارشد کو عجب حال میں دیکھا ہم نے
رو رہا تھا وہ کسی شخص کی دیوار کے پاس

اس کے بعد صفا مروہ کے درمیان دوڑنا بھی اسی مجنونانہ انداز کا ایک پر کیف منظر ہے کہ ننگے سر، نہ کرتہ، نہ پاجامہ، ادھر سے ادھر، ادھر سے ادھر، بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں۔

اسی اضطراب، بے چینی، آوارہ گردی، صحرانوردی کا مظہر ہے کہ صبح کو مکہ مکرمہ میں، رات کو منی میں، پھر صبح کو عرفات کا جنگل بیابان، شام ہوتے ہی مزدلفہ بھاگ آئے، صبح ہی صبح وہاں سے پھر منی، دوپہر کو پھر مکہ مکرمہ واپسی شام کو پھر منی لوٹ گئے۔

ایک جا رہتے نہیں عاشق بدنام کہیں
دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں

اس سب کے بعد منی میں شیاطین کے پتھر مارنا، اس جنون ووحشت کے آخری حصہ کا نظارہ ہے، جو عشاق کو پیش آتا ہے، عاشق کا جنون جب حد سے تجاوز کرتا ہے تو وہ ہر اس شخص کے پتھر مارا کرتا ہے جس کو وہ اپنے کام میں مخل سمجھتا ہے۔ ع

میں اسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھائے ہے

اور سب سے آخر میں قربانی جو حقیقتاً اپنی جان کی قربانی ہے، اللہ جل شانہ نے اپنی غایت رحمت اور رافت سے اس کو جانور کی یعنی مال کی قربانی سے بدل دیا ہے، یہی عشق کا منتہا اور آخری حال ہے۔

موت ہی سے کچھ علاجِ دردِ فرقت ہو تو ہو
غسل میت ہی ہمارا غسل صحت ہو تو ہو

یہ مختصر اشارات ہیں حج کے اس منظر کے، جو عشق سے تعلق رکھتے ہیں، جس کے دل میں کچھ چوٹ ہوگی، کوئی زخم لگا ہوگا، دیوانگی سے کوئی سابقہ پڑا ہوگا؟ وہ ان اشارات کے بعد وہاں پہنچ کر دیکھے گا کہ اس سفر کا ہر ہر جز اس مظہر کو اپنے اندر پوری طرح لئے ہوئے ہے، تفصیل کے لئے دفتر بھی کافی نہیں اور پھر جذبات کاغذ پر آتے بھی نہیں۔

دردِ دل دور سے ہم تم کو سنائیں کیوں کر
ڈاک میں بھیج دیں آہوں کی صدائیں کیوں کر
کاغذ تمام کلک تمام اور ہم تمام
پر داستانِ شوق ابھی ناتمام ہے

سیاسی حضرات کے نزدیک بھی اس میں اتنے فوائد ہیں کہ وہ سب تحریر میں بھی نہیں آسکتے، نمونہ کے طور پر چند امور کی طرف متوجہ کرتا ہوں اور ان میں غور کرنے سے ہزاروں مصالح سمجھ میں آسکتے ہیں۔

(۱)...... ہر حاکم اور بادشاہ کو اپنی رعایا کے مختلف طبقات کو بیک وقت ایک جگہ جمع کرنے کا جتنا اہتمام اور خواہش ہوتی ہے، وہ سب کو معلوم ہے کہ اس کے لئے مختلف نوع کے جشن اور مختلف نام سے انجمنیں بنا کر ان کے سالانہ جلسے وغیرہ کرائے جاتے ہیں، حج میں یہ مصلحت علیٰ وجہ الاتم پوری ہوتی ہے۔

(۲)...... مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے مختلف ممالک کے اہل الرائے اگر کوئی لائحۂ عمل تجویز کریں تو اس کی تشکیل اور اشاعت کے لئے یہ بہترین موقع ہے۔

(۳)...... اگر اسلامی ممالک کے افراد کے درمیان اتحاد اور تعلقات کی وسعت کی کوئی صورت ہوسکتی

ہے تو حج کے موقع سے بہتر صورت نہیں۔

(۴)......علم الالسنہ کے شوقین حضرات کے لئے حج کے زمانہ سے بہترین موقع شاید نہ مل سکے کہ ایک ہی جگہ عربی، اردو، ترکی، فارسی، ہندی، پشتو، چینی، جاوی، انگریزی وغیرہ وغیرہ ہر زبان کے واقف لوگ ملیں گے۔

(۵)......سپاہیانہ زندگی جو اسلامی زندگی کا خصوصی شعار ہے، حج کے سفر میں پورے طور سے پائی جاتی ہے، لباس ومعاش میں بھی، چلنے پھرنے میں بھی۔

(۶)......سرمایہ داری کے مخالف، امیر وغریب میں مساوات پیدا کرنے کی جتنی کوشش کرتے رہتے ہیں، اس کو اخبار بین حضرات بخوبی جانتے ہیں اور یہ بھی ساتھ ہی معلوم ہے کہ کوئی صورت بھی آج تک کامیاب نہیں ہوسکی، اسلام کا ہر حکم نماز، روزہ، حج، زکوۃ اس مصلحت کو نہایت آسان اور کامیاب طریقہ سے پورا کرتا ہے۔ اسلامی اصول سے بہتر چیز نہ آج تک پیدا ہوسکی، نہ آئندہ ہو سکے، بشرطیکہ ان احکام کو اسلام کی صحیح تعلیم کے ماتحت ادا کیا جائے۔

(۷)......دنیا کے مختلف طبقات میں مساوات پیدا کرنے کے لئے بھی حج بہترین عمل ہے کہ امیر، غریب، بادشاہ، فقیر، ہندی، عربی، ترکی، چینی وغیرہ سب ایک ہی حال میں، ایک ہی لباس میں، ایک ہی مشغلہ میں، معتدبہ زمانہ تک رہتے ہیں۔

(۸)......قومی ہفتہ منانے کے لئے لوگ کتنے انتظامات، اعلانات، اخراجات کرتے ہیں، مسلمانوں کے لئے ذی الحجہ کے پہلے پندرہ دن قومی ہفتہ سے بھی بڑھ کر ہیں کہ جن کے لئے نہ انتظاماتِ خصوصی کرنے کی ضرورت ہے، نہ پروپیگنڈہ کی۔

(۹)......دنیا کے سب مسلمانوں میں آپس میں اخوت، محبت، تعلقات، تعارف اور رشتہ اتحاد قائم کرنے کے لئے حج بہترین موقع ہے۔

(۱۰)......اشاعت اسلام کے شوقین، دینی احکام کی اہمیت اور تبلیغ کو اس موقع پر اہتمام سے لے کر اٹھیں، مقامی حضرات باہر سے آنے والے مہمانوں کی اصل خاطر اور ضیافت اس کو سمجھیں کہ ان میں دینی جذبہ قوت پکڑے، ان میں دین کے احکام پر عمل کا ولولہ اور شوق پیدا ہو، ان میں جو

ضعف یا بد دینی کے اثرات ہوں وہ زائل ہو جائیں، اسی طرح باہر سے آنے والے حضرات مقامی اصحاب کی اعانت اس کو سمجھیں، تو دین کو جس قدر فروغ ہو، وہ اظہر من الشمس ہے۔

(۱۱)......غرباء اور امراء کا اختلاط جو مستقل طور پر ایک مقصود چیز ہے کہ اس کی وجہ سے ایک طرف امراء میں نخوت اور غرور دور ہو، دوسری جانب غرباء کا حوصلہ بڑھے، وہ حج میں ایسے کامل طور سے پایا جاتا ہے کہ جس کی نظیر دوسری جگہ نہ ملے گی۔ دونوں طبقوں کا اختلاط جو بسا اوقات تعارف اور مدارات سے بڑھ کر مودت اور دوستی تک پہنچ جاتا ہے، جس کا سفر حج میں پوری طرح سے مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔

(۱۲)......مسلمانوں کے اجتماع کو بالخصوص جبکہ وہ عاجزی اور مسکنت، زاری اور تضرع کے ساتھ ہو، اللہ جل شانہ کی رحمت اور لطف و کرم کے متوجہ کرنے میں جتنا دخل ہے، وہ عامی سے عامی آدمی سے بھی مخفی نہیں، حج کا موقع اس کا بہترین مظہر ہے کہ عرفات کا میدان اس کا خصوصی مظہر ہے۔

(۱۳)......آثارِ قدیمہ کا تحفظ اور اسلاف بالخصوص پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے احوال کا علم اور استحضار، سفر حج کا خصوصی ثمرہ ہے۔

(۱۴)......معاشی حیثیت سے دنیا کی معلومات کا ذریعہ سفر حج سے بہتر نہیں ہے کہ ہر ملک کی مصنوعات، ایجادات، پیدوار کے حالات اور اس قسم کی جتنی تفصیلات معلوم کرنا چاہیں، اس سفر میں بہترین طریقہ سے حاصل ہو سکتی ہیں۔

(۱۵)......علمی حیثیت سے سفر حج نہایت بہتر چیز ہے کہ اس موقع پر ہر جگہ کے علماء موجود ہوتے ہیں، ان کی علمی حیثیت اور ہر مقام کے علمی مراکز، علمی کارنامے، ان کی ترقیات اور تنزل اور ان کے اسباب پر تفصیل سے اطلاع ہو سکتی ہے اور مختلف نوع کے علماء سے افادہ اور استفادہ حاصل ہو سکتا ہے۔

(۱۶)......دنیا بھر کے اولیاء، ابدال و اقطاب کا ایک معتدبہ طبقہ ہر سال حج میں شرکت کرتا ہے، ان کے فیوض و برکات، انوار و کمالات سے استفادہ کا بہترین موقع ہے۔

(۱۷)......اللہ تعالیٰ کی معصوم مخلوق فرشتے جو عرشِ الٰہی کے طواف میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں، حج میں ان سے تشبہ حاصل ہوتا ہے اور حدیث شریف کے پاک ارشاد **"مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ**

مِنْهُمْ" [جوکسی قوم کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے، ان ہی میں شمار کیا جاتا ہے۔] کی بناء پر فرشتوں کے ساتھ جوکسی وقت اور کسی آن اللہ جل شانہ کی منشاء کے خلاف نہیں کرتے، مشابہت حاصل ہوتی ہے۔

(۱۸)......پہلی امتوں میں مذہبی حیثیت سے رہبانیت ایک بہت ہی اہم اور اونچی چیز شمار کی جاتی تھی، مگر اسلام نے اس کو روک کر اس کا بدل سفر حج کو قرار دیا، چنانچہ زینت کی اشیاء، بیوی سے صحبت درکنار، صحبت کا ذکر تک ناجائز کر دیا، اور اس کا نعم البدل اس کو قرار دیا۔

(۱۹)......دنیاوی حیثیت سے ہر قوم میں ایک میلہ لگتا ہے اور یہ ایک قدیم دستور رہے، ہر ملک اور ہر مذہب کے لوگ اس کے ہمیشہ سے عادی ہیں، عام طور پر لوگ اس کی طرف طبعاً متوجہ ہوتے ہیں، سال بھر تک اس کا انتظار و اہتمام کرتے ہیں، اسلام نے مسلمانوں کے لئے حج کو اس کا نعم البدل قرار دیا کہ بجائے لہو و لعب، کھیل کود، شور شغب کے مختلف مظاہروں اور نعروں کے انہی چیزوں کو عبادت کی شکل میں بدل دیا، جس میں ان سب جذبات کا جو لہو و لعب کی شکل میں تھے، توحید و عشق الٰہی کی طرف امالہ ہو گیا۔

(۲۰)......حج ان متبرک مقامات کی زیارت کا ذریعہ ہے اور برکات حاصل کرنے کا موقع ہے، جہاں لاکھوں عشاق نے ایڑیاں اور ماتھے رگڑ رگڑ کر جان دے دی۔

(۲۱)......سفر سے ایک طرف تو اخلاق کی جلا اور صفائی ہوتی ہے، دوسری طرف بدن کی صحت کے لئے معین ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: "سَافِرُوْا تَصِحُّوْا" [سفر کرو صحت یاب ہو گے۔] (کنز) تبدیل آب و ہوا صحت کے لئے معین و مددگار رہے، حج کا سفر اس کا بہترین ذریعہ ہے۔

(۲۲)......حج اس عبادت کی یادگار اور بقاء ہے جو حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے لے کر ہر مذہب و ملت میں رہی ہے۔

(۲۳)......اسلام کا ابتدائی دور جہاں مسلمان نہایت بے کسی کے عالم میں ہر وقت مظلومانہ زندگی بسر کرتے تھے اور ہر قسم کے ظلم و ستم کا شکار ہوتے تھے اور نہایت صبر و استقلال کے ساتھ ان سب

مظالم کو برداشت کرتے تھے، جو کفار کی طرف سے ان پر ہوتے رہتے تھے اور اسلام کا انتہائی دور جہاں وہ ہجرت کے بعد غالب اور فاتح کی شکل میں رہے اور غالب وقوی ہو کر اپنے کمالِ اخلاق سے نہ صرف یہ کہ پرانے مظالم کو بالکل نظر انداز کر دیا، بلکہ اپنے اخلاق کی خوبی اور وسعت سے اسلام کو ایسا پھیلایا کہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں اس کا نور پھیل گیا، اس سفر حج میں دونوں شہروں کی زیارت سے دونوں یادگاریں تازہ ہوتی ہیں اور دونوں سبق یاد کرنے کا امت کو موقع ملتا ہے۔

(۲۴)......مکہ مکرمہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد ہے، پیدائش یہاں ہوئی اور ۵۳ سال کی عمر تک کے مختلف دور یہاں گذرے، اس کے بعد مدینہ طیبہ ہجرت کا گھر ہے اور مزارِ مبارک وہاں ہے، رسالت کے اکثر احکام وہاں نازل ہوئے۔ اس سفر سے دونوں یادگاروں کی زیارت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر زمانہ کی یاد کو تازہ کرنے والی ہے اور محبت کو بڑھانے والی ہے، لوگ یادگار قائم کرنے کے لئے مختلف چیزیں ایجاد کیا کرتے ہیں، اسلام نے حج وزیارت کا حکم دے کر خود اس یادگار کو قائم کر دیا۔

(۲۵)......مرکز اسلام کی تقویت وقوت اور حرمین شریفین کے رہنے والون کی اعانت، نصرت، ان کے حالات کی تحقیق، ان کے ساتھ ہمدردی اور غمگساری کا بہترین ذریعہ حج وزیارت ہے کہ جب ان سے تفصیلی ملاقات ہوگی، تو ان کی اعانت اور رمدد کا جذبہ خود بخود دل میں پیدا ہوگا اور وہاں سے واپسی پر بھی عرصہ تک ان کی یاد رہے گی۔

نمونہ کے طور پر چند امور کی طرف مختصر اور مجمل اشارات کئے ہیں، غور کرنے سے بہت سے امور اور مصالح سمجھ میں آتے رہتے ہیں، لیکن یہ نہایت اہم جزو ہے کہ اصل مقصد اللہ جل شانہ کے ساتھ تعلق کا بڑھانا ہے اور دنیا کی محبت اور اس سے بے رغبتی پیدا کرنا ہے، اس مضمون کو ایک قصہ پر ختم کرتا ہوں جس کو صاحب اتحاف نے نقل کیا:

شیخ المشائخ قطب دوراں علامہ شبلی قدس سرہٗ کے مرید حج کر کے آئے، تو شیخ نے ان سے سوالات فرمائے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے شیخ نے دریافت فرمایا: کہ

تم نے حج کا ارادہ اور عزم کیا تھا؟

میں نے عرض کیا: کہ جی! پختہ قصد حج کا تھا۔

آپ نے فرمایا: کہ اس کے ساتھ ان تمام ارادوں کو ایک دم چھوڑنے کا عہد کر لیا تھا، جو پیدا ہونے کے بعد سے آج تک حج کی شان کے خلاف کئے؟

میں نے کہا: یہ عہد تو نہیں کیا تھا۔

آپ نے فرمایا: کہ پھر حج کا عہد ہی نہیں کیا۔

پھر شیخ نے فرمایا: کہ احرام کے وقت بدن کے کپڑے نکال دئے تھے؟

میں نے عرض کیا: جی بالکل نکال دیئے تھے۔

آپ نے فرمایا: اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کو اپنے سے جدا کر دیا تھا؟

میں نے عرض کیا: ایسا تو نہیں ہوا۔

آپ نے فرمایا: تو پھر کپڑے ہی کیا نکالے۔

آپ نے فرمایا: وضو اور غسل سے طہارت حاصل کی تھی؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں! بالکل پاک صاف ہو گیا تھا۔

آپ نے فرمایا: اس وقت ہر قسم کی گندگی اور لغزش سے پاکی حاصل ہو گئی تھی؟

میں نے عرض کیا: یہ تو نہ ہوئی تھی۔

آپ نے فرمایا: پھر پاکی ہی کیا حاصل ہوئی۔

پھر آپ نے فرمایا: لبیک پڑھا تھا؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں! لبیک پڑھا تھا۔

آپ نے فرمایا: کہ اللہ جل شانہ کی طرف سے لبیک کا جواب ملا تھا؟

میں نے عرض کیا: مجھے تو کوئی جواب نہیں ملا۔

تو فرمایا: کہ پھر لبیک کیا کہا۔

پھر فرمایا: کہ حرم محترم میں داخل ہوئے تھے؟

میں نے عرض کیا: کہ داخل ہوا تھا۔

فرمایا: اس وقت ہر حرام چیز کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ترک کا جزم کرلیا تھا؟

مں نے کہا: یہ تو میں نے نہیں کیا۔

فرمایا: کہ پھر حرم میں بھی داخل نہیں ہوئے۔

پھر فرمایا: کہ مکہ مکرمہ کی زیارت کی تھی؟

میں نے عرض کیا: جی! زیارت کی تھی۔

فرمایا: اس وقت دوسرے عالم کی زیارت نصیب ہوئی؟

میں نے عرض کیا: اس عالم کی تو کوئی چیز نظر نہیں آئی۔

فرمایا: پھر مکہ مکرمہ کی بھی زیارت نہیں ہوئی۔

پھر فرمایا: کہ مسجد حرام میں داخل ہوئے تھے؟

میں نے عرض کیا: کہ داخل ہوا تھا۔

فرمایا: کہ اس وقت حق تعالیٰ شانہ کے قرب میں داخل ہونا محسوس ہوا؟

میں نے عرض کیا: کہ مجھے تو محسوس نہیں ہوا۔

فرمایا: کہ تب تو مسجد میں بھی داخلہ نہیں ہوا۔

پھر فرمایا: کہ کعبہ شریف کی زیارت کی؟

میں نے عرض کیا: کہ زیارت کی۔

فرمایا: کہ وہ چیز نظر آئی جس کی وجہ سے کعبہ کا سفر اختیار کیا جاتا ہے؟

میں نے عرض کیا: کہ مجھے تو نظر نہیں آئی۔

فرمایا: پھر تو کعبہ شریف کو نہیں دیکھا۔

پھر فرمایا: کہ طواف میں رمل کیا تھا؟ (خاص طور سے دوڑنے کا نام ہے)۔

میں نے عرض کیا: کہ کیا تھا۔

فرمایا: کہ اس بھاگنے میں دنیا سے ایسے بھاگے تھے، جس سے تم نے محسوس کیا ہو کہ تم دنیا سے

بالکل یکسو ہو چکے ہو؟

میں نے عرض کیا: کہ نہیں محسوس ہوا۔

فرمایا: کہ پھر تم نے رمل بھی نہں کیا۔

پھر فرمایا: کہ حجر اسود پر ہاتھ رکھ کر اس کو بوسہ دیا تھا؟

میں نے عرض کیا: جی ایسا کیا تھا۔

تو انہوں نے خوفزدہ ہو کر ایک آہ کھینچی اور فرمایا: تیرا ناس ہو، خبر بھی ہے کہ جو حجر اسود پر ہاتھ رکھے وہ گویا اللہ جل شانہ سے مصافحہ کرتا ہے اور جس سے حق سبحانہ وتقدس مصافحہ کریں وہ ہر طرح سے امن میں ہو جاتا ہے، تو کیا تجھ پر امن کے آثار ظاہر ہوئے۔

میں نے عرض کیا: کہ مجھ پر تو امن کے آثار کچھ بھی ظاہر نہیں ہوئے۔

تو فرمایا: کہ تو نے حجر اسود پر ہاتھ ہی نہیں رکھا۔

پھر فرمایا: کہ مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر دو رکعت نفل پڑھی تھی؟

میں نے عرض کیا: کہ پڑھی تھی۔

فرمایا: کہ اس وقت اللہ جل شانہ کے حضور میں ایک بڑے مرتبہ پر پہنچا تھا، کیا اس مرتبہ کا حق ادا کیا؟ اور جس مقصد سے وہاں کھڑا ہوا تھا وہ پورا کر دیا؟

میں نے عرض کیا: کہ میں نے تو کچھ نہیں کیا۔

فرمایا: کہ تو نے پھر تو مقام ابراہیم پر نماز ہی نہیں پڑھی۔

پھر فرمایا: کہ صفا مروہ کے درمیان سعی کے لئے صفا پر چڑھے تھے؟

میں نے عرض کیا: کہ چڑھا تھا۔

فرمایا: وہاں کیا کیا؟

میں نے عرض کیا: کہ سات مرتبہ تکبیر کہی اور حج کے مقبول ہونے کی دعا کی۔

فرمایا: کیا تمہاری تکبیر کے ساتھ فرشتوں نے بھی تکبیر کہی تھی؟ اور اپنی تکبیر کی حقیقت کا تمہیں احساس ہوا تھا؟

میں نے عرض کیا: کہ نہیں۔

فرمایا: کہ تم نے تکبیر ہی نہیں کہی۔

پھر فرمایا: کہ صفا سے نیچے اترے تھے؟

میں نے عرض کیا: کہ اترا تھا۔

فرمایا: اس وقت ہر قسم کی علت دور ہو کر تم میں صفائی آ گئی تھی؟

میں نے عرض کیا: کہ نہیں۔

فرمایا: کہ نہ تم صفا پر چڑھے، نہ اترے،

پھر فرمایا: کہ صفا مروہ کے درمیان دوڑے تھے؟

میں نے عرض کیا: کہ دوڑا تھا۔

فرمایا: کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز سے بھاگ کر اس کی طرف پہنچ گئے تھے؟ غالباً "فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ" (سورۂ شعراء: ۲۱) کی طرف اشارہ ہے، جو قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے، دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے: "فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ" (سورۂ ذاریات: ۵۰)۔

میں نے عرض کیا: کہ نہیں۔

فرمایا: کہ تم دوڑے ہی نہیں۔

پھر فرمایا: کہ مروہ پر چڑھے تھے؟

میں نے عرض کیا: کہ چڑھا تھا۔

فرمایا: کہ تم پر وہاں سکینہ نازل ہوا اور اس سے وافر حصہ حاصل کیا؟

میں نے عرض کیا: کہ نہیں۔

فرمایا: کہ مروہ پر چڑھے ہی نہیں۔

پھر فرمایا: کہ منیٰ گئے تھے؟

میں نے عرض کیا: گیا تھا۔

فرمایا: کہ وہاں اللہ جل شانہ سے ایسی امیدیں بندھ گئی تھیں، جو معاصی کے حال کے ساتھ نہ ہوں؟

میں نے عرض کیا: کہ نہ ہوسکیں۔

فرمایا: کہ منیٰ ہی نہیں گئے۔

پھر فرمایا: کہ مسجد خیف میں (جو منیٰ میں ہے) داخل ہوئے تھے؟

میں نے عرض کیا: کہ داخل ہوا تھا۔

فرمایا: کہ اس وقت اللہ جل شانہ کے خوف کا اس قدر غلبہ ہوگیا تھا، جو اس وقت کے علاوہ نہ ہوا ہو؟

میں نے عرض کیا: کہ نہیں۔

فرمایا: کہ مسجد خیف میں داخل ہی نہیں ہوئے۔

پھر فرمایا: کہ عرفات کے میدان میں پہنچے تھے؟

میں نے عرض کیا: کہ حاضر ہوا تھا،

فرمایا: کہ وہاں اس چیز کو پہنچان لیا تھا کہ دنیا میں کیوں آئے تھے اور کیا کر رہے ہو اور کہاں اب جانا ہے اور ان حالات پر متنبہ کرنے والی چیز کو پہنچان لیا تھا؟

میں نے عرض کیا: کہ نہیں۔

فرمایا: کہ پھر تو عرفات پر بھی نہیں گئے۔

پھر فرمایا: کہ مزدلفہ گئے تھے؟

میں نے عرض کیا: کہ گیا تھا۔

فرمایا: کہ وہاں اللہ جل شانہ کا ایسا ذکر کیا تھا جو اس کے ماسوا کو دل سے بھلا دے؟ (جس کی طرف قران پاک کی آیت "فَاذْكُرُوا اللهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ" (سورۂ بقرہ:۱۹۸) میں اشارہ ہے)۔

میں نے عرض کیا: کہ ایسا تو نہیں ہوا۔

فرمایا: کہ پھر تو مزدلفہ پہنچے ہی نہیں۔

پھر فرمایا: کہ منیٰ میں جا کر قربانی کی تھی؟

میں نے عرض کیا: کہ کی تھی۔

فرمایا: کہ اس وقت اپنے نفس کو ذبح کر دیا تھا؟

میں نے عرض کیا: کہ نہیں۔

فرمایا: کہ پھر تو قربانی ہی نہیں کی۔

پھر فرمایا: کہ رمی کی تھی؟ (یعنی شیطانوں کے کنکریاں ماری تھیں)؟

میں نے عرض کیا: کہ کی تھیں۔

فرمایا: کہ ہر کنکری کے ساتھ اپنے سابقہ جہل کو پھینک کر کچھ علم کی زیادتی محسوس ہوئی؟

میں نے عرض کیا: کہ نہیں۔

فرمایا: کہ رمی بھی نہیں کی۔

پھر فرمایا: کہ طوافِ زیارت کیا تھا؟

میں نے عرض کیا: کیا تھا۔

فرمایا: کہ اس وقت کچھ حقائق منکشف ہوئے تھے؟ اور اللہ جل شانہ کی طرف سے تم پر اعزاز واکرام کی بارش ہوئی تھی؟ اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کا پاک ارشاد ہے: کہ "حاجی اور عمرہ کرنے والا اللہ کا زیارت کرنے والا ہے اور جس کی زیارت کو کوئی جائے، اس پر حق ہے کہ اپنے زائرین کا اکرام کرے۔"

میں نے عرض کیا: کہ مجھ پر تو کچھ منکشف نہیں ہوا۔

فرمایا: تم نے طوافِ زیارت بھی نہیں کیا۔

پھر فرمایا: کہ حلال ہوئے تھے؟ (احرام کھولنے کو حلال ہونا کہتے ہیں۔)

میں نے عرض کیا: ہوا تھا۔

فرمایا: کہ ہمیشہ حلال کمائی کا اس وقت عہد کرلیا تھا؟

میں نے عرض کیا: نہیں۔

فرمایا: کہ تم حلال بھی نہیں ہوئے۔

پھر فرمایا: کہ الوداعی طواف کیا تھا؟

میں نے عرض کیا: کہ کیا تھا۔

فرمایا: کہ اس وقت اپنے تن من کو کلیتاً الوداع کہہ دیا تھا؟

میں نے عرض کیا: نہیں۔

فرمایا: کہ تم نے طوافِ وداع بھی نہیں کیا۔

پھر فرمایا: دوبارہ حج کو جاؤ اور اس طرح حج کر کے آؤ جس طرح میں نے تم سے تفصیل بیان کی۔ فقط

یہ طویل قصہ اس لئے نقل کیا تاکہ انداز ہو کہ اہل ذوق کا حج کس طرح ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف و کرم سے کچھ ذائقہ اس نوع کے حج کا اس محروم کو بھی عطا فرمائے۔ آمین۔

فرائض حج

حج میں تین فرض ہیں:

(۱)……احرام باندھنا۔

(۲)……وقوفِ عرفہ۔

(۳)……طواف زیارت۔

حج کے واجبات

(۱) وقوف مزدلفہ۔ (۲) سعی بین الصفا والمروہ۔ (۳) رمی جمار۔ (۴) طواف وداع۔ (۵) الحلق یا قصر۔ (۶) میقات سے احرام باندھنا۔ (۷) غروب تک عرفہ میں رہنا۔ (۸) طواف کی ابتداء حجر اسود کے برابر سے کرنا۔ (۹) دائیں طرف سے طواف کرنا۔ (۱۰) غیر معذور کے لئے چل کر طواف کرنا۔ (۱۱) پاکی کی حالت میں طواف کرنا۔ (۱۲) ستر چھپانا۔ (۱۳) صفا سے سعی شروع کرنا۔ (۱۴) قارن اور متمتع کے لئے قربانی کرنا۔ (۱۵) ترتیب کا خیال رکھنا۔ (۱۶) طواف زیارت کا ایام نحر میں کرنا۔

حج کی سنتیں

حج کے چند اہم مسنون اعمال درج ذیل ہیں:

(۱)......احرام باندھنے کے لئے غسل کرنا۔

(۲)......حج کے مہینوں میں احرام باندھنا۔

(۳)......تلبیہ پڑھنا۔

(۴)......مفرد بالحج آفاقی اور قارن کو طوافِ قدوم کرنا۔

(۵)......طوافِ قدوم میں رمل کرنا، اگر اس میں نہ کرسکے تو طوافِ زیارت یا طوافِ وداع میں کرنا۔

(۶)......طواف کرتے وقت بدن اور کپڑے کا نجاست حقیقیہ سے پاک وصاف ہونا۔

(۷)......صفا ومروہ کی سعی کے دوران میلین اخضرین کے درمیان دوڑنا۔ (مردوں کیلئے)

(۸)......حجر اسود سے طواف شروع کرنا۔

(۹)......امام کا تین مقام پر خطبہ دینا (ساتویں ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ میں، نویں کو عرفہ میں اور گیارہویں کو منیٰ میں۔)

(۱۰)......نویں ذی الحجہ کی رات کو منی میں قیام کرنا۔

(۱۱)......نویں ذی الحجہ کو طلوع آفتاب کے بعد منیٰ سے عرفات جانا۔

(۱۲)......عرفات سے امام کے چلے جانے کے بعد نکلنا۔

(۱۳)......عرفات میں غسل کرنا۔

(۱۴)......ایام منیٰ میں رات کو منیٰ ہی رہنا۔

(۱۵)......تینوں جمرات کی رمی میں ترتیب باقی رکھنا۔

اس کے علاوہ اور دیگر سنتیں بھی ہیں جو ان شاء اللہ تعالیٰ مسائل کے ضمن میں بیان کی جائیں گی۔

”واما سننه: فالغسل للاحرام و كون الاحرام فی اشهر الحج والتلبية و طواف القدوم للأفاقی المفرد بالحج والقارن ولو فی غير اشهر الحج الخ“ (غنیۃ المناسک:۷۴، طحاوی علی المراقی اشرفیہ:۷۳۰، مناسک ملا علی قاریؒ:۷۴، تاتارخانیہ:۳/۵۰۶)

سنتوں کا حکم

سنتوں کا حکم یہ ہے کہ ان کو قصداً ترک کرنا برا ہے، مگر چھوٹ جانے سے جزا لازم نہیں ہوتی

ہے۔ "وحکمها الاساءة بترکها وعدم لزوم الجزاء۔" (غنیۃ المناسک:۴۷،ہندیہ:۲۲۰/۱،مناسک ملا علی قاری:۴۷،مجمع الانہر:۲۸۹/۱،حاشیۃ علی التبیین:۲/۲۷۷،کتاب المسائل)

اجمالی آداب

حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے تفسیر عزیزی میں تحریر فرمایا ہے: "**مَنْ تَهَاوَنَ بِالْآدَابِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ السُّنَّةِ وَمَنْ تَهَاوَنَ بِالسُّنَّةِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ الْفَرَائِضِ وَمَنْ تَهَاوَنَ بِالْفَرَائِضِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ الْمَعْرِفَةِ**" [یعنی جو شخص آداب میں سستی کرتا ہے، وہ سنت سے محرومی کی بلا میں گرفتار کیا جاتا ہے اور جو سنت میں سستی کرتا ہے، وہ فرائض کے چھوٹنے کی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اور جو فرائض میں سستی کرتا ہے وہ معرفت کی محرومی میں مبتلا ہوتا ہے۔]

یہاں حج کے چند آداب کا ذکر نمونہ کے طور پر کیا جاتا ہے۔

(۱)......جب اللہ جل شانہ کسی خوش نصیب کو اس سعادت کی توفیق عطا فرمائے، مثلاً حج فرض ہو جائے یا حج نفل کے اسباب پیدا ہو جائیں، تو پھر ارادہ کی تکمیل میں عجلت کرنا چاہئے، بالخصوص حج فرض کو معمولی اعذار کی وجہ سے ہرگز مؤخر نہ کرنا چاہئے کہ شیطان ایسے مواقع پر لغو خیالات اور بے محل ضروریات دل میں جمع کر دیتا ہے اور طرح طرح کے وسوسے دل میں ڈالتا ہے۔

(۲)......مناسب ہے کہ جب سفر کا ارادہ ہو تو مسنون استخارہ کرلے، نفس حج کے لئے استخارہ کی ضرورت نہیں، مثل مشہور ہے: "درکارِ خیر ہیچ حاجت استخارہ نیست" کارِ خیر میں استخارہ کی حاجت نہیں۔ لیکن چونکہ اہم سفر ہے، ان امور کے متعلق استخارہ کرے کہ کب چلے، کس جہاز میں جائے وغیرہ وغیرہ۔

(۳)......حج کے مسائل معلوم کرنے کی سعی کرے۔ ابن امیر الحاج لکھتے ہیں کہ سب سے اہم چیز ان مسائل کا معلوم کرنا ہے جو حج کو جانے کے قبل روانگی کے بعد اور حج کے دوران میں پیش آتے ہیں کہ علم کا سیکھنا حضور اقدس ﷺ نے ہر شخص پر فرض کیا ہے، اس لئے حج کے فرائض اور سنن اور جو چیزیں اس میں حرام یا مکروہ ہیں، ان کا معلوم کرنا ضروری ہے۔ (مدخل)

(۴)......جب سفر کرے تو نیت خالص اللہ تعالیٰ کی رضا ہونا چاہئے، لوگوں کا دکھلاوا یا "حاجی" کہلانے کا

شوق یا سیر وتفریح وغیرہ فاسد ارادے ہرگز نہ ہونا چاہئیں۔

(۵)......ایک یا اس سے زیادہ رفیق سفر ایسے لوگ تلاش کئے جائیں جو دیندار صالح نیک ہوں، دین کے کاموں میں دلچسپی اور شوق رکھنے والے ہوں، تاکہ راستے میں معین ومددگار ہوں، اگر یہ کسی کام کو بھول جائیں تو وہ یاد دلائیں اور نیک کاموں کی ترغیب دیتے رہیں، اگر کسی کام میں سستی پیدا ہو تو وہ ہمت بندھائیں، اگر کہیں بزدلی پیدا ہو تو وہ بہادری پیدا کریں، اگر کوئی پریشانی پیدا ہو تو صبر دلائیں، کوئی عالم ہو تو اور بھی بہتر ہے کہ مسائل میں بھی مدد دیتا رہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ رشتہ دار کی بہ نسبت اجنبی زیادہ بہتر ہے کہ راستہ میں بسا اوقات طبائع کے اختلاف کی وجہ سے آپس میں شکر رنجی پیدا ہو جاتی ہے، جس سے قطع تعلق کی نوبت آجاتی ہے، اگر رشتہ دار کے ساتھ ایسی نوبت آئے گی تو قطع رحمی کا گناہ ہوگا، البتہ اگر اپنے اوپر یا رفیق پر اس کا اطمینان ہو کہ ایسی نوبت نہ آئے گی تو مضائقہ نہیں۔

(۶)......حج کے لئے حلال مال تلاش کرے جس میں شبہ نہ ہو، حرام مال سے خواہ رشوت کا ہو یا ظلم سے کسی سے حاصل کیا ہو، ایسے مال سے حج فرض تو ادا ہو جاتا ہے لیکن وہ حج مقبول نہیں ہوتا۔

(۷)......اپنے سب پچھلے گناہوں سے توبہ کرے اور کسی کا مال ظلم سے لے رکھا ہو تو اس کو واپس کرے۔ اور کسی قسم کا کسی پر ظلم کیا ہو تو اس سے معاف کرائے، جن لوگوں سے اکثر سابقہ پڑتا رہتا ہو ان سے کہا سنا معاف کرالے، اگر کچھ قرضہ اپنے ذمہ ہو تو اس کو ادا کرے یا ادائیگی کا کوئی انتظام کردے، جو امانتیں لوگوں کی اپنے پاس ہوں ان کو واپس کرے یا کوئی مناسب انتظام امانت رکھنے والوں کی رضا سے کردے، جن لوگوں کا خرچ اپنے ذمہ ہے جیسے: بیوی، چھوٹی اولاد وغیرہ ان کے خرچ کا بندوبست اپنی واپسی کے زمانہ تک کردے۔

(۸)......حلال وطیب مال سے اتنا خرچہ اپنے ساتھ لے جو بغیر تنگی کے پورے سفر کی آمد ورفت کو کافی ہو جائے، بلکہ احتیاطاً کچھ زائد لے تاکہ راستہ میں غرباء کی کچھ اعانت کرسکے، کھانے میں سے اہل ضرورت کی تواضع کرسکے۔

(۹)......جب سفر شروع کرے تو دو رکعت نفل پڑھے، جس میں پہلی رکعت میں "قُلْ يَا اَيُّهَا

الْکٰفِرُوْنَ" اور دوسری میں "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھنا اولیٰ ہے اور بہتر یہ ہے کہ دو رکعت گھر میں پڑھے اور دو رکعت محلہ کی مسجد میں۔

(۱۰)...... چلنے سے پہلے اور چلنے کے بعد کچھ صدقہ کرے اور اپنی وسعت کے موافق کرتا رہے کہ صدقہ کرنے کو بلاؤں اور مصیبتوں کے دفع کرنے میں خاص دخل ہے۔

(۱۱)...... جب گھر سے نکلنے لگے تو اس وقت کی مخصوص دعائیں جو احادیث میں کثرت سے آئی ہیں، پڑھ کر نکلے۔

(۱۲)...... چلتے وقت مقامی رفقاء اعزہ احباب سے ملاقات کر کے ان کو الوداع کہے اور ان سے اپنے لئے دعا کی درخواست کرے کہ ان کی دعائیں بھی اس کے حق میں خیر کا سبب ہوں گی۔

(۱۳)...... جب گھر کے دروازے سے نکلے تو یہ دعا پڑھے۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ آدمی گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھے: "بِسْمِ اللّٰهِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ" تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اپنے مقصد کی طرف راستہ پائے گا اور راستہ میں تیری حفاظت کی جائے گی اور شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے۔ (اتحاف)

(۱۴)...... جب سفر شروع ہونے لگے تو قافلہ میں کسی دیندار، سمجھدار، تجربہ کار، متحمل مزاج، جفاکش، متواضع شخص کو امیر قافلہ بنالینا چاہئے۔ حضرت نبی کریم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ جب تین آدمی بھی سفر کریں تو چاہئے کہ ایک کو اپنے میں سے امیر قافلہ بنالیں۔ (مشکوۃ)

(۱۵)...... بہتر یہ ہے کہ سفر کی ابتداء پنج شنبہ کے دن صبح کے اوقات میں ہو۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ پنج شنبہ کے روز سفر کی ابتداء کو پسند فرماتے تھے۔ (مشکوۃ شریف)

(۱۶)...... سواری پر سوار ہونے کی اور اترنے کی دعائیں بھی احادیث میں متعدد وارد ہوئی ہیں۔ ان کو معلوم اور محفوظ کرنا اولیٰ ہے کہ ہر موقع پر پڑھتا رہے۔

(۱۷)...... جب کسی جگہ منزل میں پہنچے تو احتیاط یہ ہے کہ چلنے پھرنے میں بھی تنہا نہ جائے، تاوقتیکہ امن اور اطمینان کا حال معلوم نہ ہو کہ اجنبی جگہ کا حال معلوم نہیں ہوتا۔

(۱۸)...... سفر میں جب کسی اونچی جگہ چڑھے، تو علاوہ دوسری دعاؤں کے "اللّٰہ اکبر" تین مرتبہ اور جب نیچے

جگہ اترے تو علاوہ اور دعاؤں کے ''سبحان اللہ'' تین مرتبہ کہنا اولیٰ ہے۔ اور جب سفر میں کسی جگہ وحشت سوار ہوا اور گھبراہٹ ہونے لگے تو "سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ جَلَّلَتِ السَّمٰوَاتُ وَالْاَرْضُ بِالْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ" پڑھنا اولیٰ بھی اور مجرب بھی ہے۔

(۱۹)......اگر کوئی شخص بلا مشقت کے پیدل حج کرے، تو کیا ہی کہنا، بشرطیکہ کسی دوسرے مکروہ میں مبتلا نہ ہو جائے، لیکن اگر سواری پر حج کرے تب بھی اولیٰ یہ ہے کہ اپنی ہمت اور وسعت کے موافق جتنا بہ سہولت تحمل ہو سکے پاؤں چلے، بالخصوص مکہ سے عرفات کے درمیان کہ ہر ہر قدم پر سات سو نیکیاں حرم کی نیکیوں میں سے شمار ہوتی ہیں اور حرم کی نیکی ایک لاکھ کے برابر ہوتی ہے۔

(۲۰)......سواری کے جانور کی رعایت اور اس کے حقوق کی حفاظت بھی ضروری ہے، اس کے تحمل سے زیادہ مشقت اس پر ڈالنا جائز نہیں۔

(۲۱)......اسی طرح سواری کے مالک کے حقوق کی بھی رعایت ضروری ہے، اس کی اجازت سے زیادہ سامان رکھنا جائز نہیں، جتنی مقدار کرایہ میں طے ہو چکی ہے اتنی ہی رکھنا جائز ہے۔ اس میں ریل وغیرہ کا سفر بھی یہی حکم رکھتا ہے کہ چرا چھپا کر استحقاق سے زیادہ سامان بلا محصول ادا کئے رکھنا جائز نہیں۔

(۲۲)......سارے سفر میں تنعم اور زیب و زینت کے اسباب سے بچے کہ یہ سفر عاشقانہ سفر ہے، معشوقانہ نہیں ہے۔

(۲۳)......سفر میں جو کچھ خرچ کرے وہ نہایت بشاشت اور فراخ دلی سے خرچ کرے، دل تنگی اس مبارک سفر کے اخراجات میں ہرگز نہ ہونا چاہئے۔

(۲۴)......البتہ رشوت دینے سے حتی الوسع احتراز کرے اور جہاں تک مجبوری نہ ہو جائے، رشوت نہ دے کہ وہ حرام ہے۔ حتی کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ ٹیکس دینے کی وجہ سے حج نفل کا چھوڑ دینا اولیٰ ہے کہ ٹیکس دینے میں ظالمین کی اعانت ہے۔ (احیاء)

(۲۵)......اس سفر میں جو مشقتیں تکلیفیں پہنچیں، ان کو نہایت خندہ پیشانی اور بشاشت سے برداشت کرے، ہرگز ان پر ناشکری اور بے صبری کا اظہار نہ کرے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس سفر میں بدن کو کسی قسم

کی تکلیف پہنچنا بھی اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے قائم مقام ہے۔ (اتحاف) جیسا کہ مال خرچ کرنا مالی صدقہ ہے، یہ جانی صدقہ ہے۔

(۲۶)......معاصی سے بچنے کی بہت اہتمام سے کوشش کرے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اللہ جل شانہ تک وصول اس وقت تک نہیں ہوسکتا، جب تک لذتوں سے احتیاط اور شہوتوں سے حفاظت نہ ہو۔ (اتحاف)

(۲۷)......نمازوں کا نہایت اہتمام رکھے، بہت سے حاجی سفر کی مشقت اور کاہلی سے اس میں سستی کر دیتے ہیں، یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حج کے شرائط میں سے ہے کہ نماز کو اپنے اوقات میں ادا کرنے پر راستہ میں قدرت ہو، اگر راستہ ایسا بن جائے کہ نماز کے ادا کرنے کا وقت نہیں مل سکتا، تو حج کی فرضیت نہیں رہتی۔

(۲۸)......سارے سفر کو ذوق وشوق اور عاشقانہ والہانہ جذبہ سے کرے کہ یہ عبادت ساری ہی مظہر عشق ہے، یہ سمجھے کہ اللہ کے دربار میں حاضر ہو رہا ہے۔

میری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ خود نہیں اٹھتے اٹھائے جاتے ہیں

اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید رکھے کہ جب دنیا میں اس نے اپنے مکان کی زیارت کی سعادت نصیب فرمائی، تو آخرت میں اپنی زیارت سے بھی محروم نہ فرمائے گا۔

(۲۹)......اپنی ہر عبادت میں اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے قبول کی امید واثق رکھے، وہ بڑا کریم ہے اور اس کے کرم کا ہر شخص کو امیدوار رہنا چاہئے۔ کہ ؏

شیوہ ہے کریموں کا نبھانا اپنے چاکر کا

اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم، اس کا فضل وانعام، اس کی ذرہ نوازی، بندہ پروری سے کامل امید رکھے کہ ہر عمل قبول ہوگا۔

سفر حج میں رائج منکرات

خادم رسول سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پرانے کجاوہ اور ایک پرانی چادر پر حج فرمایا۔ جس کی قیمت چار درہم بھی نہ تھی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا: ''اَللّٰھُمَّ حَجَّةً لَا رِیَاءَ فِیْھَا وَلَا سُمْعَةَ'' [اے اللہ! میں ایسے حج کو چاہتا ہوں جس میں کوئی ریاکاری اور شہرت کا جذبہ نہ ہو۔] (الترغیب والترہیب: ۱۱۶/ ۲،سنن ابن ماجہ: حدیث نمبر: ۲۸۹۰)

اس کے برخلاف آج کل حج جیسی پر عظمت عبادت میں ریاکاری، شہرت طلبی، اسراف اور منکرات پر مبنی رسمیں جگہ پکڑتی جارہی ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کی یہ پیشین گوئی پوری طرح صادق آرہی ہے کہ: ''آخری زمانہ میں چارطرح کے لوگ حج کریں گے۔ بادشاہ تفریح کی غرض سے، امراء تجارت کے مقصد سے، فقراء بھیک مانگنے کے لئے، اور قراء وعلماء شہرت طلبی کیلئے۔'' (البحرالعمیق: ۲۹۰/ ۱،احیاء العلوم: ۱۶۲/ ۱)

یہ غیر شرعی التزامات حاجی کے سفر پر جانے سے کافی دنوں پہلے سے شروع ہوجاتے ہیں۔ حاجی کی طول طویل دعوتیں ہوتی ہیں، کہیں کہیں قوالی کی محفلیں بھی منعقد کی جاتی ہیں۔ اور بجائے اسکے کہ احکام حج کو سیکھا جائے اور آتش شوق میں اضافہ کیا جائے، فضول ملاقاتوں میں وقت ضائع کیا جاتا ہے۔ پھر جانے والے دن سارے خاندان کے افراد مرد وعورت جمع ہوتے ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ ایک ایک حاجی کو ایئر پورٹ تک چھوڑنے کیلئے پچاسوں افراد جاتے ہیں، جن میں بے پردہ عورتیں حتی کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی شامل ہوتے ہیں۔ اور ایئر پورٹ پر وہ شور غوغا، فوٹوگرافی اور بے حجابی کے نظارے دیکھنے میں آتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔ ایک میلہ لگا رہتا ہے، جس میں عبادت کا جذبہ برائے نام اور سیر وتفریح اصل مقصود ہوجاتی ہے۔ حاجی کو پھولوں سے لاد کر اس کے ساتھ تصاویر کھنچوائی جاتی ہیں۔ اور بعض لوگ تو باقاعدہ ''ویڈیو فلم میکر'' کو ساتھ لے کر جاتے ہیں، جو ان سب مناظر کو کیمرے میں محفوظ کرنے کا ''فرض'' انجام دیتا ہے۔ گویا پہلے ہی مرحلے میں اللہ رب العزت کی نافرمانی سامنے آتی ہے اور حج کے سفر کی روح نکال دی جاتی ہے۔ پھر بہت سے لوگ حج کے ارکان کی ادائیگی کے وقت بھی جائز وناجائز کی طرف قطعاً دھیان نہیں دیتے۔ بیت اللہ شریف میں حجر اسود کے بوسہ کیلئے اس قدر اژدہام ہوتا ہے کہ مرد وعورت کا امتیاز اور لحاظ باقی نہیں رہتا۔ عورتیں بے حیائی کے ساتھ غیر مردوں کے درمیان گھس جاتی ہیں۔ اور مرد بھی بے محابا اجنبی عورتوں پر گرے پڑتے ہیں۔ جبکہ اس طریقہ پر معصیت کرکے حجر اسود کا استلام ثواب نہیں بلکہ گناہ ہے۔ کیونکہ اگر بوسہ لینے کا موقع نہ ہو تو دور سے اشارہ کرکے ہاتھ چوم لینے سے بھی بعینہ وہی ثواب ملتا ہے، تو گناہ کے ارتکاب سے کیا فائدہ؟ اس مقدس اور مبارک مقام پر اس بے حیائی کا اظہار حد درجہ مذموم اور قابل ترک ہے۔ حج کے ہر ہر لمحہ میں اس طرح کے بے حیائی کے کاموں سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے۔ اللہ کا شکر ہے کہ حکومت سعودیہ کی

توجہ سے حرم نبوی مدینہ منورہ (زادہا اللہ شرفاً) میں زیارت کے لئے مردوں اور عورتوں کے الگ الگ اوقات مقرر کردینے سے وہاں بے محابہ اختلاط سے نجات مل گئی ہے۔ خدا کرے مسجد حرام میں بھی اس طرح کی کوئی شکل نکل آئے تو اس عموم بلویٰ سے چھٹکارا حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح اپنی نظر کی حفاظت میں لوگ بڑی کوتاہی کرتے ہیں۔ یہ بڑی محرومی اور بدبختی کی بات ہے کہ انسان وہاں جاکر بھی اپنے نفس کو قابو میں نہ رکھ سکے۔

پھر جوں جوں واپسی کا وقت قریب آتا جاتا ہے،، بہت سے حجاج اپنا مابقیہ وقت طواف وزیارت سے زیادہ حرم کے بازاروں اور جدہ کی مارکیٹوں میں گذارنے لگتے ہیں، اور وقت کو غنیمت نہ جان کر زیادہ تر احباب اور رشتہ داروں کے لئے تحفہ تحائف خریدنے میں مصروف رہتے ہیں، جو بجائے خود نہایت بے حسی اور محرومی کی بات ہے، گھروالوں کے لئے تحفے لانا یا خرید وفروخت ممنوع نہیں لیکن اس میں وقت کا ضرورت سے زیادہ ضیاع جذبہ حج کے منافی ہے اور اس سے بچنا لازم ہے۔

اس کے بعد جب حاجی فریضۂ حج ادا کر کے وطن واپس ہوتا ہے تو پہلے ہی سے اس کے استقبال کے لئے ایئر پورٹ پہنچنے والے رشتہ دار (جن میں مرد وعورت سب شامل ہوتے ہیں) معصیت اور نافرمانی کی چیزیں، فوٹو اور ویڈیو کیمرے اسی طرح پھولوں اور نوٹوں کے ہار لئے تیار رہتے ہیں اور اطاعت خداوندی کا عہد کر کے لوٹنے والا حاجی آتے ہی ان معاصی میں مبتلا ہو کر قبولیت دعا کی سعادت سے محروم ہو جاتا ہے، اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ ''حجاج سے گھر لوٹنے اور گناہوں میں مبتلا ہونے سے پہلے دعا کراؤ۔'' (مسند احمد: ۶۹/ ۲، انوار مناسک: ۵۳)

پھر گھر آکر جو رسمیات اپنائی جاتی ہیں وہ سب بھی حج کی روح سے میل نہیں کھاتیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''حج مبرور ومقبول کی نشانی یہ ہے کہ حاجی دنیا سے بے رغبت، آخرت کی یاد میں مستغرق اور دوبارہ زیارت حرمین شریفین کا شوق لے کر لوٹے۔ اگر یہ جذبات نہیں ہیں تو سمجھ لے کہ اس کا حج مبرور نہیں ہے۔'' (احیاء العلوم: ۱۶۲/ ۱)

ہونا یہ چاہئے کہ حج انسان کے اعمال میں انقلاب، اطاعت کی توفیق اور معاصی سے مکمل احتراز کا ذریعہ بن جائے، تبھی سفر حج کا پورا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ (کتاب المسائل)

الفصل الاول

حج زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے

{۲۳۹۱} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَیْکُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا فَقَالَ رَجُلٌ اَکُلَّ عَامٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَسَکَتَ حَتّٰی قَالَهَا ثَلَاثًا فَقَالَ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ ذَرُوْنِیْ مَا تَرَکْتُکُمْ فَاِنَّمَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِکَثْرَةِ سُوَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰی اَنْبِیَائِهِمْ فَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْئٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاِذَا نَهَیْتُکُمْ عَنْ شَیْئٍ فَدَعُوْهُ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۴۳۲، کتاب الحج، باب فرض الحج مرۃ فی العمر "حدیث نمبر: ۱۳۳۷۔

حل لغات: حج (ن) قصد کرنا، ذرونی: وذر (ض) وذرا، چھوڑنا۔ هلک: هلک (ض) هلاکاً، فنا ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے خطبہ دیا۔ پس فرمایا: اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے، پس حج کرو، پھر ایک شخص نے کہا: ہم ہر سال حج کریں؟ پس حضور اقدس ﷺ خاموش رہے، یہاں تک کہ اس شخص نے یہ بات تین بار کہی۔ پھر فرمایا: اگر میں ہاں کہتا تو (مبادا) ہر سال حج فرض ہوجاتا اور تم طاقت نہ رکھتے۔ پھر فرمایا: مجھ کو چھوڑ دو۔ جب تک کہ میں تم کو چھوڑ دوں۔ پس وہ لوگ جو تم سے پہلے تھے یعنی یہود و نصاریٰ کثرت سوال کی وجہ سے اور اپنے انبیاء کے اوپر اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے، پس جب میں کسی چیز کا حکم دوں تو اس کو انجام دو جہاں

تک ممکن ہو، جس وقت میں تم کو کسی چیز سے منع کروں، پس تم اس کو چھوڑ دو۔

تشریح: اس حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہے کہ حج زندگی میں ایک ہی دفعہ فرض ہے۔

فقال رجل اکل عام یارسول اللہ!: اللہ تعالیٰ نے جب حج کی فرضیت کا حکم نازل فرمایا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو امت پر نافذ فرمانے کے لئے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ حج کریں، چنانچہ جب آنحضرت ﷺ لوگوں کے سامنے حج کی فرضیت بیان فرمارہے تھے اور انہیں حج کرنے کا حکم دے رہے تھے، تو ایک صحابی جن کا نام اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ تھا، انہوں نے سوال کیا: کہ کیا حج ہر سال کیا جائے گا؟ چونکہ امر مقتضی تکرار نہیں، اس لئے اصولاً عمر میں ایک مرتبہ حج فرض ہونا چاہئے، اس کے باوجود انہوں نے یہ سوال کیا، تو اس کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ چونکہ حج کے معنی ان کے عرف میں "**القصد مرۃ بعد اخری**" کے ہیں، اسی طرح شروع میں خلیل نحوی کے حوالہ سے حج کے یہ معنی بھی ذکر کئے گئے ہیں: "**کثرۃ القصد الی من تعظمہ**" اس لئے لفظ حج سے یہ وہم ہوسکتا ہے کہ فریضۂ حج میں تکرار ہو، اس لئے انہوں نے سوال کیا لیکن ظاہر یہ ہے کہ سوال کرنے کی وجہ یہ ہوگی کہ انہوں نے حج کو دوسری عبادتوں پر قیاس کیا کہ جس طرح دیگر عبادتیں یعنی نماز، روزہ، زکوۃ میں تکرار ہے، اسی طرح حج میں بھی تکرار ہوگا لیکن رسول اللہ ﷺ کو یہ بات ناگوار ہوئی، اس لئے آنحضرت ﷺ نے پہلے زجراً و تنبیہاً سکوت اختیار فرمایا، اور کوئی جواب نہیں دیا، لیکن جب انہوں نے کئی بار سوال کیا، تو آخر کار آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ اگر میں اس سوال کے جواب میں ''ہاں'' کہہ دیتا تو یقیناً ہر سال حج فرض ہو جاتا، تو تم میں اتنی طاقت نہ ہوتی کہ ہر سال حج کرتے، پھر آنحضرت ﷺ نے متنبہ فرمایا: کہ کسی بھی دینی حکم کو مجھ پر چھوڑ دو، اس لئے کہ میں دنیا میں اسی لئے آیا ہوں کہ تم تک اسلام کے احکام مکمل وضاحت کے ساتھ پہنچاؤں، اس لئے جو بات جس طرح ہوتی ہے میں اسے اسی طرح بیان کر دیتا ہوں، تمہارے سوال کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے: کہ آنحضرت ﷺ نے وحی یا الہام کے انتظار میں سکوت اختیار فرمایا ہو۔ (مرقاۃ: ۳/۱۶۷) (نفحات التنقیح: ۳/۲۸۵)

فائدہ:……(۱)……معلوم ہوا کہ حج زندگی میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے۔

(۲)......بلاضرورت سوال کرنا پسندیدہ نہیں۔

(۳)......آنحضرت ﷺ کی اطاعت لازم ہے۔

حج مبرور کی فضیلت

{۲۳۹۲} وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ؟ قَالَ اِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حواله: بخاری شریف: ۱/۲۰۶، کتاب المناسک، باب فضل الحج المبرور، حدیث نمبر: ۱۴۹۷، مسلم شریف: ۱/۶۲، کتاب الایمان، باب کون الایمان افضل الاعمال، حدیث نمبر: ۱۳۵۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کونسا عمل بہتر ہے؟ ارشاد فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ عرض کیا: پھر کونسا؟ ارشاد فرمایا: کہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔ عرض کیا گیا: کہ پھر کونسا؟ ارشاد فرمایا: مقبول حج۔

تشریح: ای العمل افضل: افضل الاعمال کے سلسلے میں مختلف احادیث منقول ہیں، کسی حدیث میں کسی عمل کو افضل کہا گیا ہے اور کسی میں دوسرے عمل کو، ان تمام میں مطابقت یوں پیدا کی جاتی ہے کہ یہ اختلاف سائلین کے احوال مختلف ہونے کی بنیاد پر ہے۔

اس حدیث کے اندر اول مرتبہ اسلام کا اور ثانی مرتبہ جہاد کا اسلئے رکھا: کہ آدمی خود ایسان کے ذریعہ اپنے کو پاک کر کے جہاد کے ذریعہ اعلاء کلمۃ اللہ اور دوسرے لوگوں کا تزکیہ نفوس کرتا ہے۔

تیسرا درجہ حج مبرور کا ہے، اس کے مصداق میں علماء کے چند اقوال ہیں:

(۱)......ایسا حج جس کے بعد معصیت نہ ہو۔

(۲)......**ما لا فسوق فیه ولا جدال ولا رفث**۔ وہ حج جس میں کسی قسم کی معصیت اور نافرمانی نہ کی جائے، کسی سے لڑائی جھگڑا نہ کیا جائے، کسی قسم کی بے حیائی کی بات نہ کی جائے۔

(۳)......**ما لا ریاء فیه**۔ وہ حج جس میں کسی قسم کی ریاکاری نہ ہو۔

(۴)......**الحج المتقبل**۔ (حج مقبول)

(۵)......حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حج مبرور کی تفصیل معلوم کی گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ **افشاء السلام واطعام الطعام**۔ یعنی سلام کو عام کرنے اور اس کو خوب پھیلانے اور لوگوں کو کھانا کھلانے سے حج حج مبرور ہوتا ہے۔

حج مبرور

یعنی حج مبرور کی تفسیر میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔

بعض نے کہا: کہ حج مبرور اس کو کہتے ہیں جو جنایات سے خالی ہو۔

بعض نے کہا: کہ حج مبرور وہ ہے جس میں کسی گناہ کا اختلاط نہ ہو، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

بعض نے کہا: کہ حج مبرور سے مراد حج مقبول ہے، اور اس کے مقبول ہونے کی نشانی یہ ہے کہ حاجی کی حالت تقویٰ کے اعتبار سے قبل الحج کی حالت سے بہتر ہو جائے۔

بعض نے کہا: کہ حج مبرور وہ ہے جس میں ریاء نہ ہو۔

بعض نے کہا: کہ یہ وہ حج ہے جس کے بعد معصیت نہ ہو، یعنی حج کے بعد تمام گناہوں سے رک جائے۔

اور قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ حج مبرور کے متعلق جتنے اقوال منقول ہیں وہ سب متقارب المعنی ہیں، وہ یہ کہ حج مبرور وہ حج ہے جس کے تمام احکام کو پورا کیا گیا ہو اور مکلف سے حج کو جس طریقہ پر طلب کیا گیا ہے، اس کو علی الوجہ الاکمل پورا کرے۔ (معارف السنن: ۶/۱۲۱)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کے قریب قریب معنی بیان کئے ہیں۔ فرمایا: "**وعلامة كونه مقبولا الاتيان بجميع اركانه وواجباته مع اخلاص النية واجتناب ما نهى عنه**" حج کے مقبول ہونے کی علامت اس کو اس کے تمام ارکان وواجبات کے ساتھ بجالانا، اخلاص نیت اور اس کے نواہی سے پورے اجتناب کے ساتھ۔

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے جب حج مبرور کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا: "ان یرجع زاھدا فی الدنیا راغبا فی الأخرۃ" [وہ اس حالت میں لوٹے کہ وہ دنیا میں بے رغبت اور آخرت میں رغبت کرنے والا ہو۔] (طیبی: ۱۴۱/۵، مرقاۃ: ۱۶۸/۳) (نفحات التنقیح: ۲۸۷/۳)

دورانِ حج معصیت سے پرہیز کرے

{۲۳۹۳} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲۰۶/۱، کتاب المناسک، باب فضل الحج المبرور، حدیث نمبر: ۱۴۹۹، مسلم شریف: ۴۳۶/۱، کتاب الحج، باب فضل الحج والعمرۃ، حدیث نمبر: ۱۳۵۰۔

حل لغات: رفث: (ن) رفثا، فحش گوئی کرنا۔ فسق: (ن) فسقًا، بدکار ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے واسطے حج کرے۔ پس وہ اپنی عورت سے صحبت نہ کرے اور نہ فسق کرے۔ پھر وہ اس دن کی طرح واپس آئے گا۔ جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا ہے۔

تشریح: فلم یرفث: رفث جماع کو کہا جاتا ہے، اور تعریض بالجماع پر بھی اس کا اطلاق کیا جاتا ہے، ایسا ہی فحش فی القول پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، ازہری نے فرمایا: کہ **"الرفث اسم جامع لکل ما یریدہ الرجل من المرأۃ"** ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک رفث اس کلام کے ساتھ خاص ہے جس سے عورت کو خطاب کیا جائے۔

اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ یہ حدیث **"فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ"** [چنانچہ جو شخص ان مہینوں میں (احرام باندھ کر) اپنے اوپر حج لازم کرے لے تو حج کے دوران نہ وہ کوئی فحش بات کرے نہ کوئی گناہ، نہ کوئی جھگڑا۔] سے ماخوذ ہے، جمہور کے نزدیک آیت میں رفث سے مراد جماع ہے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ حدیث میں رفث سے معنی عام مراد لیا جائے جو مذکورہ تمام معانی کو شامل ہو جائے،

قرطبی کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ (نفحات التنقیح:۲۸۷/۳، طیبی:۲۴۲/۵، مرقاۃ:۱۶۸/۳)

لہٰذا عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور صرف اس کے حکم کی بجاآوری کے لئے حج کرے، دکھانے، سنانے کا جذبہ یا اور غرض و مقصد پیش نظر نہ ہو، اور رفث کا مطلب یہ ہوا کہ فحش گوئی میں مبتلا نہ ہو اور نہ عورتوں کے ساتھ ایسی باتیں کریں جو جماع کا داعیہ اور اس کا پیش خیمہ بنتی ہوں اور فسق کا مطلب یہ ہے کہ حج کے دوران گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کرے، اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرے۔

فائدہ: ایسا حج جس میں کسی قسم کی بے حیائی کی بات نہ ہو کسی قسم کی معصیت اور نافرمانی کا ارتکاب نہ کیا جائے، حج مبرور کہلاتا ہے۔ اور معلوم ہوگیا کہ حج مبرور سے ہر قسم کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسا کہ اس دن گناہوں سے پاک وصاف تھا جس دن اس کو اس کی ماں نے جنا تھا۔

حج مبرور کا ثمرہ جنت ہے

{۲۳۹۴} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعُمْرَةُ اِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِّمَا بَيْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲۳۸/۱، ابواب العمرۃ، باب وجوب العمرۃ وفضلها، حدیث نمبر: ۱۷۳۹۔ مسلم شریف: ۴۳۶/۱، کتاب الحج، باب فضل الحج والعمرۃ، حدیث نمبر: ۱۳۴۹۔

حل لغات: العمرة: طواف اور سعی کا نام عمرہ ہے، جمع: عمرات۔ المبرور: بر (س) براً، قبول کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک عمرہ دوسرے عمرے تک ان گناہوں کے لئے کفارہ ہے جو ان دونوں کے درمیان میں ہوئے ہیں۔ اور مقبول حج کا بدلہ صرف بہشت ہے۔

عمرہ سے متعلق بعض فقہی مسائل

عمرہ کو حج اصغر کہتے ہیں، عمرہ کے لغوی معنی زیارۃ کے ہیں، اور شرعاً بیت الحرام کی زیارت کرنا، طواف اور سعی کے ساتھ۔

عمرہ عند الشافعیہ والحنابلہ مشہور قول کے مطابق فرض عین ہے، مثل الحج، کتب شافعیہ وحنابلہ میں اس کی تصریح ہے، ویسے ایک روایت ان دونوں کے ہاں عدم وجوب کی بھی ہے۔ مالکیہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے، حنفیہ کے یہاں دو قول ہیں۔ سنیت اور وجوب، بعض فقہاء (کصاحب البحر) نے سنیت کو ترجیح دی ہے، وقال ھو ظاہر الروایۃ۔ اور بعض نے (کصاحب البدائع وقاضی خاں) وجوب کو۔ لیکن فرضیت کا کوئی قول ہمارے یہاں نہیں ہے۔

قائلین فرضیت کا استدلال "**اَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ۔ الاٰية**" سے ہے۔ اس کے علاوہ بعض ضعیف احادیث سے جن میں فرضیت کی تصریح ہے، حالانکہ ضعاف سے فرضیت کا ثبوت مشکل ہے۔ نیز استدلال بالاٰیۃ بھی مخدوش ہے۔ **اذ لا یلزم من وجوب الاتمام وجوب الابتداء۔** [وجوب اتمام سے وجوب ابتداء لازم نہیں آتا۔]

قائلین سنیت کہتے ہیں وہ احادیث مشہورہ صحیحہ جن میں فرائض اسلام کو شمار کرایا ہے، جیسے: "**بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ**" [اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ وغیرہ۔ ان میں حج کے ساتھ عمرہ مذکور نہیں ہے۔ (اوجز)

عمرہ کا احرام آفاقی کے لئے میقات حج سے ہوگا، اور حلّی کے لئے حل سے اور جو شخص مکہ مکرمہ میں ہو یا داخل حرم ہو اس کیلئے اقرب حل سے، تاکہ جمع بین الحل والحرم پایا جائے، جس طرح آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو محصب سے (جو کہ حد حرم میں ہے) احرام کے لئے تنعیم بھیجا تھا۔

نیز عمرہ کا کوئی وقت متعین نہیں ہے۔ پورے سال کرسکتے ہیں، صرف پانچ دن کے اندر کرنا مکروہ ہے۔ نویں ذی الحجہ سے لے کر آخر ایام تشریق (۱۳/ ذی الحجہ) تک۔ (الدر المنضود: ۳/۲۸۶)

العمرة الی العمرة کفارة الخ: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ کفارۂ ذنوب کے لئے

آدمی کو خوب عمرے کرنا چاہئے، چنانچہ جمہور کے نزدیک یہ مستحب ہے۔ حسن بصری، امام مالک رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ ایک سال کے اندر دو عمرے کرنا مکروہ ہے۔

عمرہ کے ارکان وشرائط

(۱)......عمرہ کی ادائیگی کے لئے اولاً احرام شرط ہے۔ **"اما الاحرام فقال بعض اصحابنا هو ركن في العمرة قال الكرماني: والاصح انه ليس بركن بل هو شرط لصحة ادائها۔"** (البحر العمیق: ۴/ ۲۰۲۸)

(۲)......اور عمرہ کا رکن اعظم بیت اللہ شریف کا طواف ہے اور اس طواف میں کم از کم ۴ ر چکر فرض ہیں۔ (بقیہ واجب ہیں)۔ **"اما ركنها فشيء واحد وهو الطواف الخ والركن فيه اربعة اشواط كما تقدم في الطواف"** (البحر العمیق: ۴/ ۲۰۲۱)

(۳)......اور بعض فقہاء نے صفا ومروہ کے درمیان سعی کو بھی عمرہ کا رکن قرار دیا ہے، لیکن اکثر فقہاء کے نزدیک یہ سعی فرض نہیں بلکہ واجب ہے۔ **"فالاحرام شرط ومعظم الطواف ركن وغيرهما واجب هو المختار"** (درمختار زکریا: ۳/ ۴۷۶) **وأشار بقوله: "هو المختار" الى ما في التحفة: حيث جعل السعي ركنا كالطواف، قال في شرح الباب وهو غير مشهور في المذهب۔ (شامی زکریا: ۳/ ۴۷۶، البحر العمیق: ۴/ ۲۰۲۲)**

عمرہ کے واجبات

عمرہ میں آٹھ چیزیں واجب ہیں:

(۱)......میقات سے احرام باندھنا۔

(۲)......طواف کے چار چکروں کے بعد مزید تین چکر کر کے طواف پورا کرنا۔ (یعنی طوافِ عمرہ میں اوّل چار چکر فرض ہیں اور آخری تین چکر واجب ہیں)

(۳)......باوضو طواف کرنا۔

(۴)......طواف پیدل کرنا۔ (الا یہ کہ کوئی عذر ہو)

(۵)......طواف کے بعد دو رکعت واجب الطواف نماز پڑھنا۔

(۶)......صفا و مروہ کی سعی (اور بعض فقہاء نے سعی کو رکن قرار دیا ہے، مگر وہ قول مرجوح ہے)

(۷)......سعی پیدل کرنا۔

(۸)......طواف وسعی کے بعد حلق یا قصر کرنا۔

"اما واجباتها ثمانية أشياء: الاحرام من الميقات والسعي بين الصفا والمروة والحلق او التقصير والمشي في الطواف والمشي في السعي وركعتا الطواف والطهارة للطواف وزيادة على اربعة اشواط من طوافها وجعله صاحب التحفة السعي في العمرة ركنا كما قدمناه عنه" (البحر العمیق: ۲۰۵۶/۴)

عمرہ کی سنتیں

عمرہ کی سنتیں وہی ہیں جو حج کے ضمن میں مذکور ہوئیں، البتہ عمرہ کرنے والے کے لئے ایک سنت ہے کہ طواف شروع کرتے ہی تلبیہ پڑھنا بند کردے۔ **"واما سننها فما ذكرنا في الحج غير انه اذا استلم الحجر الاسود يقطع التلبية عند اوّل شوط من الطواف عند عامة العلماء۔"**

(غنیۃ الناسک: ۱۹۷، بدائع الصنائع زکریا: ۴۸۰/۲، درمختار مع الشامی زکریا: ۵۶۳/۳، البحر الرائق: ۶۳۷/۲)

تنبیہ: بہت سے لوگ طوافِ عمرہ کے دوران تلبیہ پڑھتے نظر آتے ہیں، حالانکہ یہ طریقہ خلافِ سنت ہے۔

حج اور عمرہ کے احکام میں فرق

عمرہ میں اور حج میں احرام وغیرہ کی پابندیاں یکساں ہوتی ہیں، لیکن بنیادی طور پر چند امور میں عمرہ کا حکم حج سے مختلف ہے، جنہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

(۱)......عمرہ فرض نہیں ہے، جب کہ حج شرائط پائے جانے پر فرض ہوتا ہے۔

(۲)......عمرہ کا کوئی وقت متعین نہیں جب کہ حج کا وقت متعین ہے۔

(۳)......عمرہ کبھی فوت نہیں ہوتا، جب کہ حج وقت گذرنے پر فوت ہو جاتا ہے۔

(۴)......عمرہ میں وقوف عرفات، مزدلفہ، منیٰ، رمی جمرات کسی بات کا حکم نہیں ہے، جبکہ حج میں یہ سب چیزیں مناسک میں داخل ہیں۔

(۵)......عمرہ میں طواف قدوم نہیں ہوتا، بلکہ مکہ معظمہ پہنچتے ہی عمرہ کا طواف کیا جاتا ہے، جب کہ حج میں طواف قدوم ہوتا ہے۔

(۶)......عمرہ سے فراغت کے بعد مکہ معظمہ سے واپسی کے وقت طواف وداع کا حکم نہیں ہے، جب کہ حج میں طوافِ وداع واجب ہوتا ہے۔

(۷)......عمرہ اگر فاسد ہو جائے تو بدنہ واجب نہیں ہوتا، جب کہ حج میں بعض صورتوں میں بدنہ کی قربانی ضروری ہوتی ہے۔

(۸)......اگر عمرہ کا طواف بحالت جنابت کیا تو صرف بکری کی قربانی واجب ہوتی ہے، جب کہ حج میں طوافِ زیارت اگر جنابت کی حالت میں کیا تو بدنہ واجب ہوتا ہے۔

(۹)......عمرہ کی میقات ''حل'' ہے، جب کہ اہل مکہ کے لئے حج کی میقات ''حرم'' کو قرار دیا گیا ہے۔

(۱۰)......عمرہ کا طواف شروع کرتے ہی تلبیہ کا ورد بند کر دیا جائے گا، جب کہ حج میں تلبیہ رمی جمرۂ عقبہ تک جاری رہتا ہے۔

(۱۱)......عمرہ میں جنایت کی صورت میں صدقہ کسی صورت میں کافی نہیں ہوتا، بلکہ حسب ضابطہ بکری کی قربانی لازم ہوتی ہے۔ (والتفصیل فی مناسک ملا علی قاری: ۴۶۴، کتاب المسائل: ۳/۴۱۴)

رمضان میں عمرہ کی فضیلت

{۲۳۹۵} وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عُمْرَةً فِيْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۳۹، ابواب العمرۃ، باب عمرۃ فی رمضان، حدیث نمبر: ۱۷۸۲۔
مسلم شریف: ۱/۴۰۹، کتاب الحج، باب فضل العمرۃ فی رمضان، حدیث نمبر: ۱۲۵۶۔

حل لغات: **عمرۃ:** طواف اور سعی کا نام ہے۔ جمع: **عمرات**۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تحقیق رمضان میں عمرہ کرنا (ثواب میں) حج کے برابر ہوتا ہے۔

رمضان میں عمرہ کا ثواب

ایک حدیث شریف میں ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ یہ ''رمضان المبارک میں عمرہ کرنے کا ثواب میرے ساتھ حج کے ثواب کے برابر ہے۔''

(ابو داؤد شریف: حدیث نمبر: ۱۹۹۰، الترغیب والترہیب مکمل: ۲۶۴)

ایک روایت ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر شکایت کی کہ (میرے شوہر) ابوطلحہ اور ان کے بیٹے خود حج کو چلے گئے اور مجھے چھوڑ گئے، تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ''ام سلیم! رمضان کا عمرہ میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔''

(صحیح ابن حبان: حدیث نمبر: ۳۶۹۱، الترغیب والترہیب مکمل: ۲۶۴)

یہ رمضان المبارک کی برکت کا نتیجہ ہے، اور یہاں پر برابری ثواب میں ہے، یعنی رمضان المبارک میں عمرہ کرنے کا ثواب حج کے ثواب کے برابر یا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے، مگر پھر بھی حج کا ثواب اصلی اور عمرہ کا ثواب تضعیفی مراد ہے اور یہ اس حدیث کی نظیر ہے، جس میں یہ آیا ہے کہ "ان قل ھو اللہ احد تعدل ثُلُث القرآن" یہاں بھی "قل ھو اللہ" کا اجر تضعیفی اور ثلث القرآن کا اجر اصلی مراد ہے، اس لئے اس حدیث شریف سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ آدمی نے جب رمضان میں عمرہ کرلیا تو چونکہ وہ عمرہ حج کے برابر ہے اس لئے اس پر حج فرض نہ ہوگا اور حج کی فرضیت اس سے ساقط ہو جائے گی، کیونکہ اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ عمرہ حج فرض کے قائم مقام نہیں ہوسکتا۔

اور یہ حدیث شریف اس بات پر بھی دلیل ہے کہ جیسا عمل کے ثواب میں حضور قلب اور

خلوص قصد کی وجہ سے زیادتی ہوتی ہے، اسی طرح شرافت وقت کی وجہ سے بھی عمل کے ثواب میں زیادتی ہوتی ہے۔ (فتح الباری: ۳/۶۰۴) (نفحات التنقیح: ۳/۲۸۸، مرقاۃ: ۳/۱۶۹)

اشکال مع جواب

جب ایک حج کے برابر ثواب ملتا ہے تو حضور اقدس ﷺ نے رمضان کے اندر عمرہ کیوں نہیں فرمایا، بلکہ آپ کے تمام عمرے غیر رمضان بلکہ اشہر حرم کے اندر ہوئے۔

جواب یہ ہے کہ امت کے لئے آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا، آنحضرت ﷺ کے لئے اشہر حرم کے اندر ہی افضل ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ابطال عقیدہ کے لئے اشہر حرم کے اندر عمرہ فرمایا، کیونکہ قریش زمانہ جاہلیت کے اندر اشہر حرام میں عمرہ کو موجب ثواب نہیں سمجھتے تھے۔

نابالغ کو بھی حج کا ثواب ملتا ہے

{۲۳۹۶} وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَ رَكْبًا بِالرَّوْحَاءِ فَقَالَ مَنِ الْقَوْمُ قَالُوْا الْمُسْلِمُوْنَ فَقَالُوْا مَنْ اَنْتَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَعَتْ اِلَيْهِ امْرَاَةٌ صَبِيًّا فَقَالَتْ اَلِهٰذَا حَجٌّ قَالَ نَعَمْ وَلَكِ اَجْرٌ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۳۱، کتاب الحج، باب صحة حج الصبی، حدیث نمبر: ۱۳۳۶۔

حل لغات: ركبا: اسم جمع ہے، بمعنی اونٹ یا گھوڑوں کے سوار۔ صبيا: بچہ، جمع: صبيان۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ایک قافلے سے (مقام) روحاء میں ملاقات کی۔ پس ارشاد فرمایا: کونسی قوم ہو؟ قافلہ والوں نے کہا: ہم مسلمان ہیں۔ پھر قافلہ والوں نے پوچھا: کہ تم کون ہو؟ فرمایا: کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ پس حضور اقدس ﷺ کی طرف ایک عورت نے لڑکے کو بلند کیا، (یعنی آنحضرت ﷺ کو کجاوے سے اونچا کر کے دکھایا) پھر کہا: اس کے واسطے حج (کا ثواب) ہے؟ فرمایا: ہاں، اور تیرے واسطے بھی ثواب ہے۔

تشریح: مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان جو منازل ہیں ان میں سے ایک منزل کا نام ''روحاءٗ'' ہے، یہ مدینہ طیبہ سے دوسری منزل ہے۔

حضور اقدس ﷺ جب حجۃ الوداع میں سفر حج سے مدینہ منورہ واپس تشریف لا رہے تھے، تو راستہ میں مقام روحاء میں آپ کی اس قافلہ سے ملاقات ہوئی، جس کا واقعہ حدیث پاک میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ راستہ میں ملاقات کا قصہ کس وقت کا ہے؟ حج کو جاتے وقت کا ہے یا واپسی میں؟

نسائی کی روایت میں لفظ **"صدر"** واقع ہے، جس کے معنی واپسی کے ہیں، ایسے ہی مسند شافعی میں لفظ **"قفل"** ہے، لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر نسائی میں یہ ہے کہ یہ حج کو جاتے وقت کا قصہ ہے، لیکن روایات میں جس کی تصریح ہے ظاہر ہے کہ ترجیح اسی کو ہوگی۔

ایک سوال یہاں پر یہ ہوتا ہے کہ جب یہ قصہ واپسی کا ہے تو ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے حج میں حضور اقدس ﷺ کو دیکھا ہوگا تو پھر اس وقت انہوں نے آنحضرت ﷺ کو کیوں نہیں پہچانا، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا کہ ممکن ہے رات کا وقت ہو یا اگر دن ہی کا قصہ ہے تو ہوسکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ انہوں نے اب تک واقعی حضور اقدس ﷺ کو نہیں دیکھا تھا، بلکہ اسلام میں داخل ہو کر اپنے ہی وطن میں مقیم رہے ہوں، ہجرت نہ کی ہو اور آج پہلی مرتبہ دیکھا ہو (یعنی حج بھی انہوں نے آپ کے ساتھ نہ کیا ہو) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حج صبی کے معتبر ہونے میں فقہا کی رائے

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ حج صبی معتبر ہے، اس کا احرام اور جملہ افعالِ حج معتبر ہیں، وہ خود ان سب کاموں کو کریگا، یہی مذہب جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کا ہے، لیکن اس کا یہ حج نفلی ہوگا، بلوغ کے بعد اگر استطاعت پائی گئی تو حج فرض کرنا ہوگا، بعض ظاہریہ کے نزدیک بس یہی حج کافی ہو جائے گا، صبی سے مراد صبی ممیز ہے، اور اگر صبی غیر ممیز ہو تو اس کا احرام اور افعال معتبر نہیں بلکہ اس کا ولی اس کی طرف سے احرام اور دوسرے افعالِ حج ادا کریگا، لیکن حج صبی میں جمہور اور حنفیہ کے مسلک میں ایک فرق ہے وہ یہ

کہ عند الجمہور محظوراتِ احرام کے ارتکاب سے کفارہ اور فدیہ واجب ہوگا، اور حنفیہ کے نزدیک واجب نہ ہوگا۔ یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ عام طور سے شراحِ حدیث یہ لکھ رہے ہیں کہ عند الحنفیہ حج صبی معتبر نہیں کیا یہ صحیح ہے؟ جواب یہ ہے کہ ان کی بات بھی ایک لحاظ سے صحیح ہے، اس لئے کہ ایک روایت ہمارے یہاں یہی ہے، جیسا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بذل المجہود میں فقہاءِ احناف کی عبارات نقل فرمائی ہیں۔ الحاصل فقہاءِ حنفیہ کے کلام سے اس کا معتبر ہونا اور بعض سے غیر معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے اور تطبیق کی شکل حضرت نے بذل میں یہ لکھی ہے کہ جن فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ احرام صبی منعقد نہیں ہے، ان کی مراد نفس انعقاد کی نفی نہیں ہے بلکہ لزوم انعقاد کی نفی مراد ہے کہ احرام کے بعد افعالِ حج کا اداء کرنا اس پر واجب اور لازم نہیں ہے، اسی طرح محظوراتِ احرام کے ارتکاب سے کفارہ اور فدیہ بھی اس پر واجب نہیں ہے، کیونکہ صبی غیر مکلف ہے اور اس کا یہ حج نفلی ہے صرف تمرین واعتیاد کے لئے ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

فائدہ: حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جزء حجۃ الوداع میں حج الصبی کے بارے میں سات فقہی واختلافی مسائل تحریر فرمائے ہیں، شروع میں تو وہ اوجز المسالک میں لکھے تھے، اس کے بعد وہاں سے لامع الدراری میں پھر، وہاں سے جزء الحج میں نقل کئے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ درس بخاری میں یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ بعض شراح نے جو یہ لکھا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک حج الصبی معتبر نہیں، یہ نقل صحیح نہیں ہے، حنفیہ کے نزدیک حج صبی معتبر ہے، البتہ محظوراتِ احرام سے بچنا ہمارے یہاں اس پر ضروری نہیں۔ (الدر المنضود: ۱۶۳، ۱۶۵/ ۳)

ولكِ اجرٌ: پھر اگر صبی ممیز ہے تو چونکہ تم اسے افعالِ حج سکھاؤ گی اور پھر یہ کہ تم ہی اس کے حج کا سبب بنو گی، اس لئے تمہیں بھی ثواب ملے گا، اور اگر غیر ممیز ہے تو پھر افعال حج یعنی نیت، احرام، رمی، طواف، سعی اور وقوف وغیرہ میں نیابت کا ثواب تمہیں ملے گا۔ (مرقاۃ: ۱۶۹/ ۳، نفحات التنقیح: ۲۸۹/۳)

دوسرے کی طرف سے حج کرنا

{۲۳۹۷} وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ امْرَأَةً مِنْ خَثْعَمٍ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّ فَرِيْضَةَ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ فِي الْحَجِّ اَدْرَكَتْ اَبِيْ شَيْخًا كَبِيْرًا لَا

یَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ أَفَأَحُجُّ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ وَذٰلِکَ فِيْ حَجَّةِ الْوِدَاعِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۰۵، کتاب المناسک، باب وجوب الحج وفضلہ، حدیث نمبر: ۱۴۹۱، مسلم شریف: ۱/۴۳۱، کتاب الحج، باب الحج عن العاجز، حدیث نمبر: ۱۳۳۵۔

حل لغات: ادرکت: ادرک (افعال) اپنے وقت پر پہنچنا، الوداع: ودع (ف) ودعا: رخصت کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم تحقیق اللہ کے فریضہ نے جو اس کے بندوں پر لازم ہے میرے والد کو بڑے بوڑھاپے کی حالت میں پایا ہے، جو سواری پر ٹھیک سے بیٹھ نہیں سکتا۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ ارشاد فرمایا: کہ ہاں! حج کرو اور یہ سوال وجواب حجۃ الوداع کے موقع پر تھا۔

تشریح: یہاں سے ایک نیا مسئلہ شروع ہو رہا ہے، **حج عن الغیر** جس کو عرف عام میں ''حج بدل'' کہتے ہیں، اب یہاں یہ مسئلہ ہے عبادات میں استنابۃ یعنی دوسرے کو اپنا نائب بنانا جائز ہے یا نہیں؟

کن عبادات میں نیابت عن الغیر جاری ہو سکتی ہے؟

جاننا چاہئے کہ عبادات بدنیہ محضہ میں **استنابۃ عند الائمۃ الاربعۃ** مطلقاً جائز نہیں، نہ عند القدرۃ نہ عند العجز، جیسے صلوۃ وصوم اور عبادۃ مالیہ محضہ جیسے زکوۃ میں مطلقاً جائز ہے، اگر کوئی شخص اپنی زکوۃ دوسرے سے کہہ کر اس سے ادا کرا دے تو جائز ہے اور ان دو قسم (بدنیہ محضہ مالیہ محضہ) کے علاوہ جیسے حج اس میں ائمہ ثلثہ ابو حنیفہ شافعی واحمد کا مسلک یہ ہے کہ اس میں **استنابۃ عند العجز** تو جائز ہے، **عند القدرۃ** جائز نہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے، ان کے نزدیک **حج عن الغیر الحی** جائز نہیں، **لا عند القدرۃ ولا عند العجز الا عن میت او صی،** یعنی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زندہ آدمی کی طرف سے مطلقاً جائز نہیں، صرف میت کی طرف سے جائز ہے۔ بشرطیکہ اس نے وصیت کی ہو۔

اس تفصیل کا تعلق حج فرض سے ہے اور حج نفل کا مسئلہ الگ ہے۔

حنفیہ کے نزدیک حج نفل عن الغیر مطلقاً جائز ہے۔

اور شافعیہ کے نزدیک صرف **عند العجز** جائز ہے، **عند القدرة** جائز نہیں۔ گویا ان کے نزدیک حج نفل اور فرض اس میں برابر ہیں۔

وعن احمد روایتان (من الاوجز) لیکن صوم میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ تفصیل ہے کہ واجب اصلی یعنی صوم رمضان میں تو نیابت جائز نہیں، اور واجب غیر اصلی (صوم منذور وغیرہ) میں میت کی طرف سے نیابۃ جائز ہے۔ اگر میت کے ذمہ صوم منذور ہو تو اس کی طرف سے ولی قضا کرسکتا ہے۔

ان امرأة من خثعم قال: قبیلہ خثعم کی ایک خاتون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ دریافت کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ شانہ کا جو ایک اہم فریضہ اپنے بندوں پر ہے وہ میرے والد کو آ پہونچا ہے، اس حال میں کہ وہ شیخ فانی ہے، سواری پر ٹھیر نہیں سکتا، تو کیا میں اس کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں کرسکتی ہو۔

حج علی المعضوب کا مسئلہ

اس حدیث میں حج علی المعضوب کا مسئلہ مذکور ہے، اس قسم کے ضعیف کو معضوب کہتے ہیں، مسئلہ اختلافی ہے، امام شافعی واحمد اور صاحبین کا مسلک یہ ہے کہ اگر آدمی زاد وراحلہ کا مالک ایسے وقت میں ہوا کہ اس میں جسمانی طاقت سفر کی بالکل نہ ہو، سواری پر سوار نہ ہوسکتا ہو، تو ان حضرات کے نزدیک ایسے شخص پر بھی حج واجب ہوجاتا ہے، اور چونکہ وہ خود قادر نہیں، اس لئے اس پر حج بدل واجب ہے، امام اعظم وامام مالک کے نزدیک ایسے شخص پر حج فرض ہی نہیں ہوتا، لہٰذا حج بدل بھی واجب نہیں۔

اصلاً یہاں پر دو مسئلے ہیں، اول یہ کہ معضوب پر حج فرض ہوتا ہے یا نہیں؟ تو ابھی گذر چکا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ معضوب کی طرف سے دوسرا آدمی حج کرسکتا ہے یا نہیں۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کرسکتا ہے امام مالک کے نزدیک نہیں کیونکہ ان کے نزدیک کسی زندہ آدمی کی طرف سے حج کرنا جائز نہیں۔ **کما تقدم قریباً۔**

یہ حدیث بظاہر ان دونوں امام کے خلاف ہے، ان کی طرف سے اس کی دو توجیہ کی گئی ہیں:

(۱)......**ادرکت ابی شیخا الخ:** سے اس کی موجودہ حالت بیان کرنا مقصود ہے، نہ یہ کہ حج اس پر اسی حال میں واجب ہوا ہے، مطلب یہ ہے کہ ان کی حالت فی الحال یہ ہے، حالانکہ حج ان پر اس سے قبل واجب ہو چکا تھا، (جب ان میں قدرۃ وقوۃ تھی) لہٰذا اب یہ حدیث حنفیہ ومالکیہ کے خلاف نہیں رہی۔

(۲)......حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حج جو کہ فریضۃ اللہ علی عبادہ ہے، اس کا انتظام سواری وغیرہ کا بندوبست میرے باپ کو اس حال میں حاصل ہوا کہ وہ شیخ کبیر ہے، اس میں اس کی تصریح نہیں کہ حج جو کہ میرے باپ پر واجب ہے بلکہ ''فریضۃ اللہ علی عبادہ'' کہا جا رہا ہے اور اس میں کیا شک ہے کہ حج ''فریضۃ اللہ علی عبادہ'' ہے، غرضیکہ اس حدیث میں سواری کے نظم وغیرہ کا ذکر ہے کہ وہ اس حالت میں ہوا ہے باپ پر حج فرض ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور اس دوسری توجیہ کی صورت میں حضور اقدس ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ اگر تم ان کی طرف سے حج کرنا چاہو تو کر سکتی ہو، اس میں مضائقہ کیا ہے اور پہلی توجیہ میں آپ کی مراد یہ ہوگی ہاں اس کی طرف سے تم حج کرو اس کی قضا واجب ہے۔ **سبحان اللہ** دونوں توجیہیں بہت عمدہ ہیں۔ (عمدۃ القاری: ۲۱۳/ ۱۰، الدر المنضود: ۲۰۵/ ۳)

شرائط حج بدل

حج بدل کی چند شرطیں ہیں:

(۱)......آمر پر حج فرض ہو چکا ہو۔

(۲)......وہ ہمیشہ کے لئے حج کرنے سے عاجز ہو گیا ہو۔

(۳)......حج کی نیت آمر کی طرف سے کی جائے۔

(۴)......عاجز یا وارث حج کرنے کا حکم دے۔

(۵)......مامور حج کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ (درمختار)

تنبیه: حج بدل کے سلسلے میں جو یہ غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ مامور کا پہلے حج کیا ہوا ہونا ضروری ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔ البتہ افضل ضرور ہے۔ (ردالمحتار)

حج بدل

{۲۳۹۸} وَعَنْهُ قَالَ اَتٰی رَجُلٌ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اُخْتِیْ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ وَاِنَّهَا مَاتَتْ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ کَانَ عَلَیْهَا دَیْنٌ اَکُنْتَ قَاضِیَةً قَالَ نَعَمْ فَاقْضِ دَیْنَ اللّٰهِ فَهُوَ اَحَقُّ بِالْقَضَاءِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۹۹۱، کتاب الایمان والنذور، باب من مات وعلیہ نذر، حدیث نمبر: ۶۶۴۳۔

حل لغات: نذرت: نذر (ن) نذراً، غیر واجب کو اپنے اوپر واجب کرنا۔ **دین:** قرض، جمع: دیون۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہ میری بہن نے نذر مانی تھی کہ وہ حج کرے گی اور وہ مرگئی۔ پس حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر اس پر قرض ہوتا کیا تو اس کو ادا کرتا؟ کہا: کہ ہاں! (فرمایا) پس اللہ کا دین بھی ادا کرو۔ پس وہ ادا کرنے کے زیادہ لائق ہے۔

تشریح: ان اختی نذرت ان تحج وانها ماتت: یعنی زمانۂ نبوت میں ایک عورت نے حج کی نذر مانی لیکن حج ادا کرنے سے پہلے پہلے ان کی موت ہوگئی، تو ان کے بھائی نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: کہ اب کیا کیا جائے گا؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ان کی طرف سے حج کر دیا جائے۔

اس مسئلہ کے اندر اتفاق ہے کہ اگر میت نے وصیت کی ہے تو حج کرانا ضروری ہے اور اگر وصیت نہیں کی تو اس کے اندر اختلاف ہے، امام شافعی، حسن بصری، امام احمد، طاؤس علیہم الرحمۃ کے

نزدیک ولی کے لئے ضروری ہے کہ اس کی جانب سے حج کرائے۔ امام اعظم، امام مالک رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ حج کرانا ضروری نہیں ہے، اور اس سے وجوب پر استدلال نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لائق ہے کہ وہ حج کرادے، ضروری نہیں ہے، دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ عورت مرد کی طرف سے نیابت کر سکتی ہے یا نہیں، جمہور کے نزدیک کر سکتی ہے، حسن بن صالح کے نزدیک نہیں کر سکتی، اس کے علاوہ صورتیں کہ مرد عورت کی طرف سے یا عورت مرد کی طرف سے یہ سب صورتیں جائز ہیں۔

عورت کے ساتھ سفر میں محرم کا ہونا ضروری ہے

{۲۳۹۹} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ وَلَا تُسَافِرَنَّ امْرَأَةٌ اِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اُكْتُتِبْتُ فِيْ غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا وَخَرَجَتْ امْرَأَتِيْ حَاجَّةً قَالَ اذْهَبْ فَاحْجُجْ مَعَ امْرَأَتِكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۴۲۱، کتاب الجهاد، باب من اكتتب فى جيش الخ، حديث نمبر: ۲۹۱۴، مسلم شریف: ۱/ ۴۳۴، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم الخ، حدیث نمبر: ۱۳۴۱۔

حل لغات: یخلون: خل (ن) خلوة تنہائی میں ملنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ ملے، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! فلاں غزوے میں میرا نام لکھا جا چکا ہے اور میری بیوی حج کے لئے جا رہی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جاؤ اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔

تشریح: اس حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت حج کرے تو اپنے محرم کے ساتھ جائے، ورنہ موقوف کردے۔

عورت کا بغیر خاوند یا محرم کے حج کرنا

حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک عورت پر وجوبِ حج کے لئے

زوج یا محرم کا ساتھ ہونا شرط نہیں ہے۔ چنانچہ اگر قافلہ کے ساتھ عورت کا شوہر یا محرم نہ ہو اور دوسری قابل اعتماد عورتیں موجود ہوں تو اس عورت پر حج واجب ہوگا۔

امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک عورت پر وجوبِ حج کے لئے سفر میں عورت کے ساتھ اس کے زوج یا محرم کا ہونا ضروری ہے، بغیر خاوند اور محرم کے اس پر حج واجب نہیں۔ (بدایۃ المجتہد: ۳۲۲/۱، بذل: ۹۷/۳)

امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کا استدلال حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے، اس میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "**یوشك ان تخرج المرأة من الحیرة بغیر جوار احد حتی تحج البیت**" (سنن دار قطنی: ۲۲۲/۲)

اسی طرح قرآن مجید کی آیت "**وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا**" [اور لوگوں میں سے جو لوگ اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں ان پر اللہ تعالیٰ کے لئے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے۔] (آسان ترجمہ) میں وجوب حج کے لئے استطاعت سبیل کو شرط قرار دیا ہے، اور سبیل کی تفسیر حدیث میں زاد اور راحلہ سے کی گئی ہے، چنانچہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: "**ما السبیل**"، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**الزاد والراحلة**" (مستدرک حاکم: ۴۴۲/۱)

اس لئے عورت پر وجوب حج کے لئے محرم کے ساتھ ہونے کو شرط قرار دینا درست نہیں ہوگا، لہٰذا اگر اسے زاد اور راحلہ میسر ہے تو اس پر حج فرض ہوگا، نیز چونکہ سفر حج سفر واجب ہے، اس لئے بھی محرم کے ساتھ ہونے کو شرط قرار نہیں دیا جائے گا، جیسے کہ کوئی مسلمان عورت جب کفار کی قید سے آزادی پالے تو وہ بغیر محرم کے سفر کر سکتی ہے۔

حضرات حنفیہ اور حنابلہ کا استدلال اسی زیر بحث حدیث سے ہے، اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر محرم کے عورت کو سفر کرنے سے منع فرمایا ہے، اس پر ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کہ میرا نام فلاں غزوہ میں جانے کے لئے لکھ دیا گیا ہے، اور میری بیوی سفر حج کے ارادے سے نکل چکی ہے، تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ "**اذھب فاحجج مع امراتك**" [واپس جا اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کر۔] یعنی چونکہ جہاد میں جانے والے اور بہت ہیں، لیکن تمہاری بیوی کے ساتھ جانے والا

تمہارے علاوہ اور کوئی محرم نہیں ہے، اس لئے جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی روایت کا جواب یہ ہے کہ اس سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کا سفر پایا جائے گا، لہٰذا اس سے عورت کے لئے بغیر محرم کے سفر کرنے کے جواز پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ حافظ ابن حجر (تلخیص الحبیر: ۲/۲۲۲، میں) اس حدیث شریف کے متعلق لکھتے ہیں:

(تنبیہ) هذا الحدیث استدلوا به علی ان المحرمة لیست شرط، ووجهه ابن العربی بأنه صلی الله علیه وسلم لا یبشر الا بما هو حسن عند الله، وتعقب بأن الخبر المحض لا یدل علی جواز ولا علی غیره، وقد صح نهیه صلی الله علیه وسلم عن تمنی الموت، وصح انه صلی الله علیه وسلم قال: لاتقوم الساعة حتی یمر الرجل بقبر الرجل فیقول یا لیتنی کنت مکانه، وهذا لا یدل علی جواز التمنی المنهی عنه بل فیه الاخبار بوقوع ذلك۔

یہی وجہ ہے کہ اس کے لئے فرض حج کے علاوہ بھی بغیر محرم سفر کرنا جائز نہیں ہے، اور جہاں تک وجوب حج کے لئے زاد اور راحلہ کے شرط ہونے کا تعلق ہے، تو یہ شرط مرد کے لئے ہے، عورت کے لئے نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ فقہاء نے بالاتفاق عورت کے سفر کے لئے اس کے ساتھ محرم کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں تصریح ہے کہ وہ (غیر) محرم ہوگا، اس لئے کہا جائے گا کہ عورت پر وجوب حج کے لئے زاد اور راحلہ کے ساتھ ساتھ محرم کا ہونا بھی ضروری ہے۔

اور یا یہ کہا جائے گا کہ وجوب حج کے لئے زاد اور راحلہ کا اعتبار جب کیا جائے گا کہ دوسری شرائط بھی پائی جائیں، چنانچہ فقہاء نے وجوب حج کے لئے راستہ کا پر امن ہونا، سفر کا ممکن ہونا، دین کا ذمہ میں نہ ہونا، اور اہل وعیال کے نفقہ کی فراہمی ان تمام چیزوں کو شرط قرار دیا ہے، لہٰذا عورت کے حق میں جس شرط کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے، یعنی محرم یا زوج کا ساتھ ہونا اس کا بطریق اولیٰ اعتبار کیا جائے گا۔

باقی یہ کہنا کہ سفر حج واجب ہے، اس لئے بغیر محرم کے سفر جائز ہونا چاہئے، جیسا کہ وہ مسلمان عورت جو کفار کی قید سے چھٹکارا پالے تو وہ سفر بغیر محرم کے کر سکتی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مسلمان عورت جو کہ

کفار کی قید میں ہے اس کا سفر سفر ضرورت اور اضطراری ہے، اس لئے اس پر حالت اختیار کے سفر کو قیاس کرنا درست نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اس صورت میں وہ تنہا بھی سفر کر سکتی ہے۔ نیز اس سفر کے ذریعہ یقینی ضرر جو کفار کی طرف سے ہے اس کو دفع کرنا ہے اور راستہ میں کسی ضرر کا پیش آنا یہ امر موہوم ہے، اس لئے اس سفر کو جائز کہا جائے گا۔ (اوجز المسالک: ۸/۱۸۸، نفحات التنقیح: ۳/۲۹۰)

عورت کیلئے بغیر خاوند یا محرم کے مسافت سفر کی تحدید

اس حدیث شریف میں مسافت سفر کے لئے کوئی تحدید ذکر نہیں کی گئی ہے کہ کتنی مسافت کا سفر عورت اکیلی نہیں کر سکتی، البتہ دوسری روایات میں تحدید مسافت کا ذکر موجود ہے، بعض روایات میں **مسیرۃ یوم و لیلۃ** کا ذکر ہے۔ (صحیح البخاری: ۱/۱۴۷، **باب فی کم یقصر الصلوۃ**)

بعض روایات میں یومین کا ذکر ہے۔ (صحیح البخاری: ۱/۲۵۱، **باب حج النساء**)

اور بعض روایات میں ثلاثۃ ایام کا ذکر ہے۔ (صحیح البخاری: ۱/۱۴۷، **باب فی کم یقصر الصلوۃ**)

ان روایات میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہا جائے گا کہ اصل مدار تو وہی روایات ہیں جن میں تین دن کی مسافت کا ذکر ہے، اس لئے کہ شرعی سفر کی مقدار اتنی ہی ہے، اور جن روایات میں ایک دن یا دو دن کی مسافت کا ذکر ہے، تو اس کو فتنہ اور فساد پر محمول کیا جائے گا، یعنی اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو دو دن کی مسافت سے بھی منع کیا جائے گا، اور اگر فتنہ کا اندیشہ زیادہ ہو جیسا کہ موجودہ دور میں ہے تو ایک دن کی مسافت سے بھی منع کیا جائے گا۔ (اعلاء السنن: ۹/۱، نفحات التنقیح: ۳/۲۹۲)

عورتوں کا جہاد حج ہے

{۲۴۰۰} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا قَالَتْ اِسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ جِهَادُ كُنَّ الْحَجُّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۴۰۲، **کتاب الجهاد، باب جهاد النساء**، حدیث نمبر: ۲۷۹۰، **لم اجد فی المسلم**۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں: کہ میں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کرنے کی اجازت مانگی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارا جہاد حج ہے۔

تشریح: عورتوں کو جہاد کا ثواب حج میں مل جاتا ہے۔

فقال جهاد كن الحج: [تمہارا جہاد حج ہے۔] یعنی عورتوں پر جہاد نہیں ہے؛ بلکہ اگر استطاعت ہے تو ان کیلئے حج ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ خوب نفلی حج کرو۔ یہی تمہارا جہاد ہے۔

عورت کو بغیر محرم سفر کرنے کی اجازت نہیں

{۲۴۰۱} وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُسَافِرُ امْرَأَةٌ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ اِلَّا وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۴۸، ابواب تقصير الصلوة، باب في كم تقصر الصلوة، حدیث نمبر: ۱۰۷۷،

مسلم شریف: ۱/۴۳۴، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم، حدیث نمبر: ۱۳۳۸۔

حل لغات: مسيرة: مسافت، سار (ض) مسيرة، جانا، چلنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کوئی عورت ایک دن اور ایک رات کی مسافت کی بقدر سفر نہ کرے، مگر اس کے ساتھ محرم ہو۔

تشریح: حدیث الباب کا مضمون یہ ہے کہ عورت کو بغیر محرم یا زوج کے سفر کرنا جائز نہیں، کتنی مسافت کا سفر جائز نہیں، اس میں روایات مختلف ہیں، جس کی توجیہ ہم آگے بیان کریں گے۔

مسئلہ ثابتہ بالحدیث

ائمہ فقہ بھی اس میں مختلف ہیں، شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک تو مطلق سفر جائز نہیں، خواہ مسافت قصیر

ہو یا طویل اور حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک اس میں سفر شرعی معتبر ہے، جس کی مقدار حنفیہ کے نزدیک **ثلثة ایام** ہے، اور مالکیہ کے نزدیک **یوم و لیلة**۔

مدت مسافت میں اختلاف روایات کی توجیہ

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ ان احادیث میں سفر کی مقدارِ مسافت کے بارے میں شدید اختلاف ہے، بعض میں مطلق سفر مذکور ہے، اور بعض میں مسیرۃ یومین کی قید ہے، اور بعض میں ثلثۃ ایام کی، اور یہ سب روایاتِ مختلفہ اس کتاب کے علاوہ صحیحین میں بھی اسی طرح ہیں، البتہ ابوداؤد کی ایک روایت میں "**بریدًا**" آیا ہے، کہ ایک منزل کا سفر اور برید نصف یوم کی مسافت ہوتی ہے، شافعیہ تو یہ کہتے ہیں کہ ممانعت مطلق سفر کی ہے، طویل ہو چاہے قصیر اور روایات کے اس اختلاف کو وہ محمول کرتے ہیں اختلافِ سائلین پر نہ کہ تحدید پر، یعنی یہ تحدید آپ کی طرف سے ابتداءً نہیں ہے، بلکہ جیسا جس نے سوال کیا، آپ نے اسی کے مطابق جواب دیا، ایک شخص نے ایک دن کے سفر کے بارے میں سوال کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمادیا کہ ہاں! ایک دن کا سفر بھی نہیں کرسکتی، کسی نے دو دن کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا عورت دو دن کا سفر بغیر محرم کرسکتی ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: نہیں، وھکذا۔ اور حنفیہ کہتے ہیں یہ قید تحدید کے طور پر ہے، اب جب کہ تحدید کی مدت روایات میں مختلف ہے، کم وبیش ہے، تو اس صورت میں اقل مدت مشکوک ہوگئی اور اکثر مدت متیقن رہی، جس کا تقاضہ یہ ہے کہ تین دن کا سفر تو یقیناً ممنوع ہے اور اس سے کم میں منع غیر یقینی ہے، لہٰذا متیقن کو اختیار کیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (الدر المنضود: ۳/۱۶۱)

مواقیت حج

{۲۴۰۲} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ وَقَّتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ذَاالْحُلَیْفَةِ وَلِاَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ وَلِاَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ وَلِاَهْلِ الْیَمَنِ یَلَمْلَمَ فَهُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ اَتٰی عَلَیْهِنَّ مِنْ غَیْرِ اَهْلِهِنَّ لِمَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَمَنْ کَانَ دُوْنَهُنَّ فَمُهَلُّهٗ مِنْ اَهْلِهٖ وَکَذَاکَ وَکَذَاکَ حَتّٰی اَهْلُ مَکَّةَ یُهِلُّوْنَ مِنْهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حواله: بخاری شریف: ۱/۲۰۶، کتاب المناسک، باب مهل اهل الشام، حدیث نمبر: ۱۵۰۴، مسلم شریف: ۱/۳۷۴، کتاب الحج، باب مواقیت الحج، حدیث نمبر: ۱۱۸۱۔

حل لغات: المدینة: شہر۔ جمع مدن، العمرة: طواف وسعی کا نام عمرہ ہے۔ جمع عمرات۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے لئے ''ذوالحلیفہ'' اہل شام کے لئے **''جحفه''** اہل نجد کے لئے ''قرن المنازل'' اور اہل یمن کے لئے **''یلملم''** میقات مقرر فرمائی ہے۔ اس لئے ان کے لئے اور ان مقامات کے علاوہ کے وہ لوگ جو حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتے ہیں اور ان مقامات پر کو گذریں ان کے لئے بھی میقات یہی ہیں۔ اور جو ان مقامات کے اندر کے ہیں ان کے لئے میقات ان کے گھر ہیں۔ وعلی ھذا القیاس، یہاں تک کہ مکہ والے مکہ مکرمہ سے احرام باندھیں۔

احرام کی حقیقت

تشریح: احرام کا مطلب یہ ہے کہ ایک مخصوص ہیئت ولباس کے ساتھ حج یا عمرہ کی نیت سے تلبیہ پڑھنا، یا کوئی ایسا عمل کرنا، جو تلبیہ کے قائم مقام ہو، یعنی سوق ہدی (حرم میں قربانی کی نیت سے اپنے ساتھ جانور لے کر چلنا) حج کے اسرار وحکم میں بڑی حکمت بیت اللہ شریف کی تعظیم ہے، اس تعظیم کی

ابتداء احرام کے ذریعہ میقات ہی سے شروع ہو جاتی ہے کہ بغیر اس مخصوص ہیئت و ارادے کے آپ بیت اللہ تک نہیں پہونچ سکتے، احرام کی ہیئت کفن میت کے مشابہ ہے، گویا اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ اس شخص نے اپنی خودی اور وجود کو فنا کر دیا ہے، اس مالک کے لئے جس کے دربار کی زیارت کے لئے حاضری دے رہا ہے۔

مواقیت: میقات کی جمع ہے، میقات، وقت سے ماخوذ ہے، میقات کی دو قسمیں ہیں۔

(۱)......میقات زمانی۔

(۲)......میقات مکانی۔

میقاتِ زمانی

حج کے مناسک کی ادائیگی کے لئے شرعاً ایک وقت مقرر ہے، جس کو "میقات زمانی" کہا جاتا ہے۔ یہ شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں۔ اس وقت سے پہلے حج کا کوئی عمل مثلاً طوافِ زیارت یا سعی وغیرہ ادا کرنا معتبر نہیں ہے، اور حج کا احرام باندھنا بھی ان مہینوں سے پہلے مکروہِ تحریمی ہے، اس لئے شوال کا مہینہ شروع ہونے کے بعد ہی حج کے اعمال کا آغاز کرنا چاہئے۔ "**واما الميقات الزماني فأشهر الحج وهي شوال وذوالقعدة وعشر من ذي الحجة كما روى عن العبادلة الثلاثة**" (غنية الناسک: ۴۹، درمختار زکریا: ۳/۴۷۴) **وفائدة التوقيت بها ابتداء انه لو فعل شيئا من افعال الحج قبلها لايجزيه۔** (غنیۃ الناسک: ۴۹، درمختار زکریا: ۳/۴۷۴، ومثله في الهندية: ۱/۲۱۶، تاتارخانية: ۳/۴۸۶) **وحتى لو أحرم به قبلها يكره تحريماً مطلقاً**" (غنیۃ الناسک: ۴۹، درمختار زکریا: ۳/۴۷۴)

میقاتِ مکانی

جس طرح مناسک حج کی ادائیگی کے لئے وقت متعین ہے، اسی طرح جگہیں بھی متعین ہیں، جن کو "میقات مکانی" کہا جاتا ہے، اس اعتبار سے ساری دنیا درج ذیل تین حصوں میں بٹی ہوئی ہے: "**واما**

المیقات المکانی فیختلف باختلاف الناس فانهم فی حق المواقیت أصناف ثلاثة أهل الأفاق وأهل الحل وأهل الحرم۔

(غنیۃ الناسک: ۵۰، تاتارخانیۃ: ۳/ ۵۵۰، شامی زکریا: ۳/۴۷۸، بدائع الصنائع: ۱/ ۳۷۱)

(۱)...... **حرم:** یہ بیت اللہ شریف کے اردگرد کا مخصوص علاقہ ہے، جس کی تعیین سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی نشان دہی پر کی تھی اور اس کے نشانات حکومت کی طرف سے نصب ہیں۔ اس کی مشہور حدود درج ذیل ہیں۔

(الف)...... **تنعیم:** یہ طریق المدینۃ المنورہ پر واقع ہے۔ یہاں اس وقت شاندار "مسجد عائشہ" بنی ہوئی ہے، یہ جگہ حرم مکی سے ساڑھے سات کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

(ب)...... **نخلہ:** یہ طائف اور مکہ کے درمیان حرم مکی سے ۱۳ رکلو میٹر دور ہے۔

(ج)...... **اضاۃ لبن:** اسے عکیشیہ بھی کہا جاتا ہے، اس کا فاصلہ مسجد حرام سے ۱۶ رکلو میٹر ہے۔

(د)...... **جعرانہ:** یہ بھی طائف کی جانب واقع ہے، اور مسجد حرام سے ۲۲ رکلو میٹر کے فاصلہ پر ہے۔

(ہ)...... **حدیبیہ:** جسے شمیسیہ بھی کہا جاتا ہے، اس کا فاصلہ بھی ۲۲ رکلو میٹر ہے۔

(و)...... **جبل عرفات:** اس کو ذات السلیم بھی کہتے ہیں، اس جانب کا فاصلہ بھی ۲۲ رکلو میٹر ہے۔

(اطلس السیرۃ النبویہ، شوقی ابوالخلیل: ۲۵۳)

ان حدود کے اندر رہنے والے کو اہل حرم یا مکی کہا جاتا ہے۔ **"وعلی الحرم علامات منصوبة فی جمعی جوانبه نصبها ابراهیم الخلیل علیه الصلوۃ والسلام وکان جبرئیل علیه السلام یریه مواضعها"** (شامی زکریا: ۳/ ۴۸۵، غنیۃ الناسک: ۵۹)

(۲)...... **حل:** یہ حرم اور خارجی میقات کا درمیانی حصہ ہے، یہاں کے رہنے والوں کو اہل حل یا حلی کہا جاتا ہے، اور ان کے لئے بلا احرام حدود حرم میں جانے کی فی الجملہ اجازت ہے۔ (جبکہ حج یا عمرہ کا قصد نہ ہو) **"وهم أهل داخل المواقیت الی الحرم، والمراد بالداخل غیر الخارج الخ، وحل لهم دخول مکة بلا احرام مالم یریدوا نسکا"** (غنیۃ الناسک: ۵۵، ومثلہ فی الدر المختار مع الشامی زکریا: ۳/ ۴۸۳، تاتارخانیۃ: ۳/ ۵۵۱، ہندیۃ: ۱/ ۲۲۱)

(۳)……**آفاق:** یہ دنیا کا وہ تمام علاقہ ہے جو میقات سے باہر ہے، یہاں کے رہنے والوں کو "آفاقی" کہا جاتا ہے، اور ان کیلئے احرام کے بغیر میقات سے گذرنا ممنوع ہے۔ (جب کہ ان کا حدودِ حرم میں جانے کا ارادہ ہو) **"ولا یجوز للافاقی ان یدخل مکة بغیر احرام نوی النسک اولا"**

(ہندیۃ: ۲۲۱/۱، ومثلہ فی الدر المختار مع الشامی زکریا: ۴۸۲/۳، تاتارخانیۃ: ۵۵۱/۳) (کتاب المسائل)

اہل آفاق کی میقات

حضرت نبی اکرم ﷺ سے پانچ میقاتوں کا تعین ثابت ہے:

(۱)……**ذوالحلیفہ:** یہ اہل مدینہ اور وہاں سے گذرنے والوں کے لئے میقات ہے، یہ مدینہ منورہ سے طریق ہجرت پر چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، یہاں ایک شاندار "مسجد میقات" بنی ہوئی ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں یہیں سے احرام باندھا تھا۔ اس مقام سے مکہ معظّمہ کا فاصلہ ۴۱۰ رکلو میٹر ہے۔

(۲)……**جحفہ:** جو لوگ مصر و شام سے تبوک ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ کا سفر کریں، ان کے لئے "جحفہ" میقات ہے۔ آج کل یہ جگہ متعین نہیں ہے، اس لئے اس کے قریب "رابغ" نامی ساحلی قصبہ سے احرام باندھا جاتا ہے، جو طریق بدر پر واقع ہے، اس جگہ سے مکہ معظّمہ کی مسافت ۱۸۷ رکلو میٹر ہے۔

(۳)……**قرن المنازل:** نجد سے آنے والے لوگوں کے لئے "قرن المنازل" میقات ہے، اس مقام کو آج کل "السیل" کہا جاتا ہے، یہاں سے مکہ معظّمہ کا فاصلہ تقریباً ۸۰ رکلو میٹر ہے۔

(۴)……**یلملم:** یہ اہل یمن کے لئے میقات ہے، اس کو آج کل "سعدیہ" کہا جاتا ہے، یہاں سے مکہ معظّمہ کا فاصلہ ۱۲۰ رکلو میٹر یا اس سے کچھ زائد ہے۔

(۵)……**ذات العرق:** یہ عراق کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے، امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اہل عراق کے سوال کے جواب میں اس کے میقات ہونے کی صراحت فرمائی تھی۔ یہاں سے مکہ معظّمہ کی مسافت ۹۰ رکلو میٹر ہے۔

نیز بعض روایات میں ''وادئ عقیق'' نام کی میقات کا بھی ذکر ہے، جو مدائن کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات قرار دی گئی۔ یہ جگہ ''ذاتِ عرق'' کے قریب ہے۔

اس کے علاوہ جو لوگ جس جانب سے بھی حرم کے لئے آئیں گے، ان کو مذکورہ مواقیت کی سیدھ سے گذرنے سے پہلے احرام باندھنا لازم ہوگا، خواہ وہ خشکی پر سفر کر رہے ہوں یا ہوائی جہاز سے سفر ہو رہا ہو۔

''جدہ'' کی حیثیت کیا ہے؟

اس وقت سعودی عرب میں عازمین حج کی آمد کا سب سے بڑا مرکز شہر ''جدہ'' ہے، جو بحر احمر کے ساحل پر آباد ہے، یہاں نہایت عظیم الشان وسیع وعریض ایئر پورٹ ہے، اور دنیا کی اہم ترین بندرگاہ ہے۔ جدہ سے مکہ معظمہ کا فاصلہ تقریباً ۸۰ رکلو میٹر ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جدہ حج وعمرہ کے مسائل میں ''حل'' میں ہے یا ''آفاق'' میں؟ اگر ''حل'' میں ہے تو میقات کے اندر ہے یا بجائے خود میقات ہے؟ چونکہ اس موضوع پر علماء نے بہت زیادہ بحثیں کی ہیں، اس لئے تمام مباحث وجزئیات سامنے رکھ کر راقم الحروف نے جو سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص آفاق سے ایسے راستہ سے جدہ پہنچے کہ اس کا گذر کسی عین میقات سے نہ ہو، مثلاً مصر اور سوڈان سے بحری راستہ سے آنے والے لوگ، یا افریقہ اور مغرب وغیرہ سے ہوئی راستہ سے آنے والے حجاج، تو ان کے لئے جدہ اکثر علماء کے نزدیک میقات کے حکم میں ہے۔ لہٰذا وہ جدہ آکر احرام باندھ سکتے ہیں۔ پہلے سے احرام باندھنا ان پر لازم نہیں ہے، لیکن جو حضرات مذکورہ پانچ متعینہ مواقیت میں سے کسی عین میقات سے گذر کر آئیں۔ مثلاً مدینہ منورہ سے طریق الہجرۃ سے مکہ معظمہ جانے والا شخص یقیناً ''ذوالحلیفہ'' سے گذرے گا، جو متعین میقات ہے، اب اگر وہ ذوالحلیفہ سے احرام نہ باندھے، بلکہ جدہ آکر احرام باندھے تو اس کے لئے جدہ میقات نہیں ہے، کیونکہ فقہاء کا اصول ہے کہ ''عین میقات سے گذرنے والے کے لئے بعد میں محاذات سے گذرنے کا کوئی اعتبار نہیں۔'' اور جدہ عین میقات نہیں؛ بلکہ محاذات یا مسافت کے اعتبار سے میقات کے حکم میں ہے، اس لئے مدینہ منورہ سے خشکی کے راستہ سے آنے والے شخص کے لئے جدہ تک احرام کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہوگا، لہٰذا وہ اگر جدہ سے احرام باندھے گا تو مذکورہ اصول کے مطابق اس پر دم جنایت واجب ہونا چاہئے، البتہ مدینہ منورہ سے بذریعہ ہوائی جہاز جدہ

آنے والے شخص کا گذر عین میقات ذوالحلیفہ سے نہیں ہوتا؛ بلکہ ''ذوالحلیفہ'' کی محاذات سے گذر کر جدہ پہنچتا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں اگرچہ اولیٰ یہی ہے کہ پہلی محاذات سے قبل احرام باندھ لیا جائے، لیکن دوسری محاذات تک مؤخر کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ لہٰذا مدینہ منورہ سے ہوائی جہاز سے سفر کر کے جدہ آ کر احرام باندھنے کی گنجائش ہوگی۔

اہل ہندوستان و پاکستان وغیرہ کی میقات

ہندو پاک اور دیگر مشرقی علاقوں سے جو ہوائی جہاز جدہ جاتے ہیں، ان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ''قرن المنازل'' کی عین میقات سے گذرتے ہیں، لہٰذا مذکورہ اصول کے تحت ہوائی سفر کرنے والے حجاج کے لئے ''قرن المنازل'' کی میقات سے قبل احرام باندھنا لازم ہے، اور جدہ تک احرام کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر یہ تحقیق ہو جائے کہ جہاز کا گذر عین ''قرن المنازل'' سے نہیں ہوا، بلکہ اس کی محاذات سے ہوا ہے، تو ایسے لوگوں کے لئے جدہ جا کر بھی احرام باندھنے کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جدہ کلی طور پر مطلق میقات نہیں ہے، بلکہ اسے محاذات یا مسافت کے اعتبار ہی سے میقات کے حکم میں رکھا گیا ہے۔

تنبیہ: شہر ''جدہ''، جحفہ (رابغ) اور ''**یلملم**'' کے درمیان واقع ہے، اب اگر نقشہ کے اعتبار سے جحفہ سے **یلملم** تک لکیر کھینچی جائے تو یہ لکیر مقام ''بحرہ'' سے گذرتی ہے، جو جدہ سے کچھ فاصلہ پر مکہ معظمہ کے راستہ پر واقع ہے، اس اعتبار سے جدہ ''حل'' سے باہر ہو جاتا ہے، جیسا کہ ''زبدۃ المناسک'' میں حضرت مولانا شیر محمد صاحب سندھی نے ایک نقشہ بنا کر اس کی وضاحت فرمائی ہے، لیکن بہت سے جزئیات سے یہ واضح ہے کہ فقہاء نے جدہ کو ''حل'' کے اندر شمار فرمایا ہے، اور آج تک لوگوں کا عمل بھی اسی پر ہے کہ جدہ کو حل میں داخل سمجھتے ہیں، اور جدہ کے لوگ بے تکلف احرام کے بغیر مکہ معظمہ آتے جاتے ہیں، اس لئے جدہ کو اقرب المواقیت یعنی ''قرن المنازل'' کے بقدر مسافت (۸۰ رکلومیٹر) پر واقع ہونے کے اعتبار سے حل میں داخل ماننا چاہئے، جو آفاق والوں کے لئے بحکم میقات ہے۔ (کتاب المسائل)

اہل حل کی میقات

جولوگ حل میں رہتے ہیں وہ اگر حج وعمرہ کاارادہ کریں توان کے لئے پوراعلاقہ حل میقات ہے، البتہ اپنی جائے سکونت سے احرام باندھناان کے لئے افضل ہے۔ **"واما میقات اھل الحل الخ، فالحل للحج والعمرۃ واحرامھم من دویرۃ اھلھم أفضل"**

(غنیۃ الناسک:۵۵،ومثلہ فی الدر المختار مع الشامی زکریا:۴۸۴/ ۳،البحر الرائق زکریا:۵۵۹/ ۲،تبیین الحقائق:۲۴۸/ ۲)

اہل حرم کی مقات

اہل حرم اگر حج کاارادہ کریں تو پورادائرہ حرم ان کے لئے میقات ہے،اوراگرعمرہ کاارادہ کریں تو حدودِحل مثلاً تنعیم وغیرہ میں جاکراحرام باندھناضروری ہوگا۔ **"واما میقات اھل الحرم الخ فالحرم للحج فیحرمون من دورھم و من المسجد افضل، و جاز تاخیرہ الی اٰخر الحرم والحل للعمرۃ والافضل احرامھما من التنعیم من معتمر عائشۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھا۔"**

(غنیۃ الناسک:۵۷،درمختار زکریا:۴۸۴/ ۳،البحر الرائق زکریا:۵۶۰/ ۲،تبیین الحقائق:۲۴۸/ ۲)

تنبیہ: جوحجاج حج تمتع کا عمرہ کرنے کے بعد مکہ معظمہ میں مقیم رہتے ہیں،وہ اہل حرم کے حکم میں ہیں، لہٰذاوہ حج کااحرام اپنے گھروں سے باندھیں گے،اورمسجد حرام میں جاکراحرام کی نیت کریں توفضیلت زیادہ ہوگی۔ **"وکذلک ای مثل حکم اھل الحرم کل من دخل الحرم من غیر العلۃ وان لم ینو الاقامۃ بہ کالمفرد بالعمرۃ والمتمتع ای من اھل الاٰفاق"**

(مناسک کبیر:۸۳،شامی زکریا:۴۸۴/ ۳،البحر الرائق:۳۱۹/ ۲)(کتاب المسائل)

میقات کی حکمت

شاہی دربار میں حاضری کے کچھ آداب اورضوابط ہوتے ہیں،اسی اعتبار سے احکم الحاکمین رب العالمین کے دربار میں حاضری کے آداب بھی مقرر ہیں۔میقات کی پابندیاں اسی قبیل سے ہیں کہ جوشخص

باہر سے دربارِ خداوندی میں حاضری کے ارادہ سے اندر آ ــــئے، اس کے لئے میقات پر پہنچتے ہی احرام کی پابندی لازم ہے، اور احرام کی حالت کمال عاجزی کی حالت ہے، جس میں آدمی اپنی سب شان وشوکت کو اتار کر ایک عاجز بندے کی شکل میں ننگے سر اور کھلے پاؤں حاضر ہوتا ہے، اس حکم میں امیر غریب، بادشاہ یا رعایا میں کوئی فرق نہیں ہے، اس عالی دربار میں سب کو یکساں انداز میں حاضر ہونے کا حکم ہے۔ **"ولأن هذه بقعة شريفة لها قدر وخطر عند الله تعالى فالدخول فيها يقتضي التزام عبادة اظهارا لشرفها على سائر البقائع"** (بدائع الصنائع زکریا: ۱۷۳/ ۲)

ذیل میں میقات سے گذرنے سے متعلق چند اہم مسائل درج کئے جاتے ہیں:

میقات سے احرام باندھے بغیر گذر جانا

میقات سے باہر رہنے والا مکلف مسلمان اگر مکہ مکرمہ (یا حدودِ حرم) کیلئے عازم سفر ہے خواہ یہ سفر کسی بھی مقصد سے ہو، اور وہ میقات سے احرام باندھے بغیر گذر جائے تو اس پر حج یا عمرہ کی ادائیگی اور احرام باندھنے کے لئے میقات کی طرف لوٹنا واجب ہے، اگر نہ لوٹے تو گنہگار ہوگا اور دم بھی لازم ہوگا۔ **"افاقي مسلم مكلف أراد دخول مكة أو الحرم ولو لتجارة أو سياحة وجاوز أخر مواقيته غير محرم ثم أحرم أو لم يحرم اثم ولزمه دم وعليه العود الى ميقاته الذى جاوزه الخ"** (غنیۃ الناسک: ۶۰، ومثلہ فی الہندیۃ: ۲۵۳/ ۱) **ومن دخل اى من اهل الأفاق مكة او الحرم بغير احرام فعليه احد النسكين اى من الحج والعمرة، وكذا عليه دم المجاوزة او العود"**

(مناسک ملا علی قاریؒ: ۸۷، ومثلہ فی البحر العمیق: ۶۱۸/ ۳، درمختار: ۶۲۶/ ۳، تاتارخانیۃ: ۵۵۲/ ۳)

میقات سے آگے احرام باندھ لیا

جو آفاقی شخص حدودِ حرم میں بغیر احرام باندھے داخل ہوجائے اور میقات پر واپس آئے بغیر احرام باندھ لے اور اسے کوئی عذر بھی نہ ہو اس کو تو دوہرا گناہ ہوگا۔ (ایک میقات سے بلا احرام گذرنے کا اور دوسرے میقات کے بغیر احرام باندھنے کا)۔ **"فان لم يعد ولا عذر له اثم اخرى لتركه العود الواجب"**

(غنیۃ الناسک: ۶۰، ومثلہ فی التاتارخانیۃ: ۵۵۲/ ۳، ہندیۃ: ۲۵۳/ ۱، درمختار زکریا: ۶۲۱/ ۳)

کسی عذر کی وجہ سے میقات پر واپس نہ آسکا

آفاقی شخص حدودِ حرم میں احرام باندھے بغیر داخل ہوگیا اور کسی عذر مثلاً وقت تنگ پڑنے یا رفقاء سفر سے بچھڑ جانے کا خوف ہونے کی وجہ سے میقات تک واپس آئے بغیر احرام باندھ لیا تو اس پر صرف میقات سے بلا احرام گذرنے کا گناہ ہوگا، واپس نہ لوٹنے کا گناہ نہ ہوگا، لیکن میقات سے احرام نہ باندھنے کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔ **"عن ابن عباس رضی الله عنه قال: اذا جاوز الوقت فلم یحرم حتی دخل مکة رجع الی الوقت فاحرم وان خشی ان رجع الی الوقت فانه یحرم ویهریق لذلک دما"** (فتح القدیر: ۴۳۳/ ۲، بیروت: ۴۲۶/ ۲) **فان کان له عذر کخوف الطریق او الانقطاع عن الرفقة، او ضیق الوقت او مرض شاق ونحو ذلک فاحرم من موضعه ولم یعد الیه لم یأثم بترک العود وعلیه الاثم والدم بالاتفاق۔**

(غنیۃ الناسک: ۶۰، البحر العمیق: ۶۱۹/ ۳، الدر المختار: ۶۲۲/ ۳، ہندیۃ: ۲۵۳/ ۱)

تنبیہ: یہ صورت سعودی عرب میں ملازمت پیشہ غیر ملکی عازمین حج کے ساتھ عموماً پیش آتی ہے کہ وہ حکومتی گرفت سے بچنے کے لئے ریاض یا دمام وغیرہ سے احرام کی نیت کئے بغیر مکہ معظمہ میں داخل ہوجاتے ہیں۔ اور پھر ان کے لئے کسی میقات کی طرف واپس جانا اور وہاں سے احرام باندھنا سخت مشکل ہوتا ہے، تو ایسے لوگوں پر مکہ معظمہ سے حج کا احرام باندھنے کا حکم ہوگا، اور ایک دم دینا ضروری ہوگا، جیسا کہ عبارت بالا سے واضح ہے، البتہ اگر ایسے لوگ میقات سے گذرتے ہوئے سلے ہوئے کپڑے پہنے پہنے احرام کی نیت کرکے تلبیہ پڑھ لیں اور مکہ معظمہ پہنچ کر کپڑے اتار کر احرام پہن لیں، تو ان کا احرام صحیح ہوجائے گا اور کچھ دیر (۱۲ر گھنٹے سے کم) احرام کی خلاف ورزی کی وجہ سے صدقہ واجب ہوگا۔ **"وکذا لا یشترط ای لصحة الاحرام هیئة ای صوریة ولا هالة فلو احرم لابسا المخیط او مجامعا انعقد فی الاول صحیحاً ای ویجب علیه دم ان دام لبسه یوما والا فصدقة۔"** (کتاب المسائل)

(مناسک ملا علی قاریؒ: ۹۴، ومثلہ فی الدر المختار: ۵۷۷/ ۳، ہدایہ: ۲۴۵/ ۱، ہندیۃ: ۲۴۲/ ۱)

مکۃ المکرمہ میں احرام کے بغیر بار بار داخل ہونا

آفاقی شخص مکۃ المکرمہ یا حدودِ حرم میں احرام کے بغیر داخل ہو تو حنفیہ کے نزدیک جتنی بار داخل ہوگا ہر مرتبہ کے بدلہ ایک حج یا ایک عمرہ کرنا اس پر لازم ہوگا، اور ہر مرتبہ الگ دم بھی واجب ہوگا۔ **"ولو دخلها مرارا بلاا حرام فعلیہ لکل دخول حج او عمرۃ"** (غنیۃ الناسک:۶۲، ہندیۃ:۲۵۳/۱، تاتارخانیۃ:۵۵۲/۳، البحر العمیق:۶۲۳/۳) **وکذا لکل دخول دم مجاوزۃ۔** (مناسک کبیر:۸۸)

کاروباری حضرات اور ڈرائیوروں وغیرہ کیلئے گنجائش

ایسے ٹیکسی ڈرائیور جنہیں بار بار آفاق سے حدودِ حرم میں جانا پڑتا ہے، یا وہ کاروباری لوگ جنہیں وقفہ وقفہ سے بار بار مکہ مکرمہ آنے جانے کی ضرورت پیش آتی ہے، اگر انہیں ہر مرتبہ احرام باندھنے اور عمرہ کرنے کا حکم دیا جائے تو بڑی مشقت پیش آئے گی، جس کا تحمل دشوار ہوگا، اس لئے ایسے حضرات کے لئے گنجائش ہے کہ وہ مذہب شافعی وغیرہ پر عمل کرتے ہوئے ہر مرتبہ مکہ معظمہ آتے وقت احرام نہ باندھیں، البتہ جب عمرہ یا حج کے ارادہ سے آئیں تو احرام باندھنا ہوگا۔ **"عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: لایدخل مکۃ احد بغیر احرام الا الحطابون والعمالون واصحاب منافعھما۔"**

(مصنف ابن ابی شیبہ:۲۲۷/۸)

"قال الشیخ محمد زکریا الکاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نقلا عن الامام موفق ابن قدامۃ القسم الثانی من یرید دخول الحرم اما الی مکۃ او غیرھا فھم علی ثلاثۃ اضرب احدھا من یدخلھا لقتال مباح او من خوف او لحاجۃ متکررۃ کالحشاش والحطاب وناقل المیرۃ، ومن کانت لہ ضیعۃ یتکرر دخولہ وخروجہ الیھا فھؤلاء لا احرام علیھم الخ، وبھذا قال الشافعی رحمۃ اللہ علیہ، وقال ابوحنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ لا یجوز لاحد دخول الحرم بغیر احرام الا من کان دون المیقات"

(اوجز المسالک قدیم:۷/۳۳۱/۳، انوار مناسک:۲۵۱، وغیرہ)

اہل مکہ کا حل میں جانا آنا

اہل مکہ اگر حدودِ حل میں آئے جائیں توان پر احرام باندھنے کالزوم نہیں ہے،لیکن اگر عمرہ کاارادہ ہوتو حل سے احرام باندھ کرآئیں گے۔ **"المکی اذا خرج الی الحل لحاجة له ان یدخل المکة بلا احرام"** (غنیۃ الناسک: ۶۴، ومثلہ فی الہندیۃ: ۲۲۱ / ۱، درمختار مع الشامی زکریا: ۴۸۴ / ۳)

اہل مکہ کا آفاق میں جاکر واپس آنا

اگرکوئی مکی شخص کسی ضرورت سے آفاق میں جائے تو واپسی کے وقت اسے بھی احرام باندھ کر واپس آنا ہوگا۔ **"المکی اذا خرج منها وجاوز المیقات لا یحل له العود بلا احرام"**

(شامی زکریا: ۴۸۴ / ۳، غنیۃ الناسک: ۶۵)

اہل حل کا آفاق میں جاکر اپنے وطن واپس آنا

حل میں رہنے والا شخص اگر آفاق میں چلا جائے تو اس کے لئے اپنے جائے قیام واپسی کے وقت احرام باندھنا لازم نہیں ہے، البتہ اگر حدود حرم میں جانے کا ارادہ ہو تو احرام باندھنا ہوگا۔ **"مستفاد: اما لو قصد موضعا من الحل کخلیص و جدہ حل له مجاوزته بلاا حرام"**
(الدر المنتقیٰ: ۳۹۳ / ۱، درمختار زکریا: ۴۸۲ / ۳)

آفاقی کا حدودِ حل میں جانا

اگر آفاقی شخص حدود حل میں جانے کاارادہ کرے تو اس پر احرام باندھنا لازم نہیں ہے، مثلاً ہندوستان کا کوئی شخص اپنی ضرورت سے جدہ جانا چاہتا ہے تو اس کے لئے احرام باندھ کر جانے کا حکم نہیں ہے۔ **"واما لو قصد موضعا من الحل کخلیص وجدہ حل له مجاوزته بلاا حرام"**
(درمختار: ۴۸۲ / ۳، ومثلہ فی البحر الرائق کراچی: ۴۹ / ۳، الدر المنتقیٰ: ۳۹۳ / ۱)

تنبیہ: اگر آفاقی شخص اپنے کسی کام سے جدہ گیا پھر وہاں جا کر ارادہ ہوا کہ مکہ معظمہ بھی حاضری دیدیں تو اس کے لئے احرام باندھ کر مکہ جانا لازم نہیں، بلا احرام جاسکتا ہے، لیکن عمرہ یا حج کا ارادہ ہو تو احرام باندھنا ہوگا۔ **"ومن جاوز وقتہ یقصد مکاناً فی الحل ثم بدأ لہ ان یدخل مکۃ فلہ ان یدخلھا بلا احرام"**

(البحر الرائق کراچی: ۴۹/ ۳، تاتارخانیۃ: ۵۵۳/ ۳، منحۃ الخالق زکریا: ۵۵۲/ ۲، غنیۃ الناسک: ۵۷)

اہل جدہ کا مکہ معظمہ آکر احرام باندھنا

''جدہ'' یا حل میں رہنے والا شخص اگر مکہ معظمہ یا حدودِ حرم میں آکر حج یا عمرہ کا احرام باندھے تو اس پر اپنی میقات (حل) کے بغیر احرام باندھنے کی وجہ سے دم واجب ہو جائے گا، لیکن جب وہ عرفات پہنچے گا تو حل سے تلبیہ پڑھتے ہوئے گذرنے کی وجہ سے اس کا دم ساقط ہو جائے گا۔ **"قال العلامۃ قطب الدین فی منسکہ ومما یجب التیقظ لہ سکان جدۃ بالجیم واھل حدۃ بالمھملۃ واھل الاودیۃ القریبۃ من مکۃ فانھم فی الاغلب یأتون الی مکۃ فی سادس ذی الحجۃ او فی السابع بغیر احرام ویحرمون من مکۃ للحج، فعلی من کان حنفیا منھم ان یحرم بالحج قبل ان یدخل الحرم والا فعلیہ دم لمجاوزۃ المیقات بغیر احرام"** (حاشیۃ لمناسک ملا علی قاری: ۸۳، ومثلہ فی منحۃ الخالق زکریا: ۵۵۹/ ۲) **لکن بعد توجھھم الی عرفات ینبغی سقوطہ عنھم بوصولھم اولی اول الحل مبیناً لخ۔** (غنیۃ الناسک: ۵۷، شامی زکریا: ۴۸۴/ ۳) (میقات سے متعلق یہ تمام تفصیل ''کتاب المسائل'' جلد: ۳ر سے ماخوذ ہے۔)

فھن لھن ولمن اتی علیھن من غیر اھلھن: یعنی یہ مواقیت جن جن شہر والوں کے لئے بیان کی گئی ہیں ان کے لئے تو ہیں ہی اور ان کے علاوہ بھی جو شخص ان مواقیت میں سے کسی میقات پر کو گذرے گا وہی میقات اس کی ہوگی، مثلاً شامی اگر مدینہ میں داخل ہو کر ذوالحلیفہ پر کو گذرے (جیسا کہ آج کل عام طور سے شامی ایسا ہی کرتے ہیں) تو وہ بھی ذوالحلیفہ ہی سے احرام باندھے گا۔

یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر شامی جو ذوالحلیفہ پر کو گذر رہا ہے ذوالحلیفہ سے احرام نہ باندھے بلکہ

اپنی اصلی میقات یعنی **جحفه** پر پہنچ کر باندھے تو یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: شافعیہ کے نزدیک تو جائز نہیں، اگر وہ ایسا کریگا تو دم واجب ہوگا، مالکیہ وحنفیہ کے نزدیک جائز ہے، بلکہ حنفیہ کے نزدیک تو خود مدنی کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ بجائے ذوالحلیفہ کے جحفہ پر جا کر احرام باندھ سکتا ہے، گو مکروہ ہے۔ (زیلعی) چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں منقول ہے کہ وہ حج کے لئے تو احرام ذوالحلیفہ سے ہی باندھتی تھیں اور جب مدینہ طیبہ سے عمرہ کے لئے جاتی تھیں تو بجائے ذوالحلیفہ کے جحفہ سے باندھتی تھیں۔ لیکن دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ جائز نہیں بلکہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ جو شخص اپنی اصلی میقات پر کو گذر رہا ہے اس کو وہیں سے احرام باندھنا ضروری ہے، وہاں سے بغیر احرام کے تجاوز نہیں کرسکتا۔

ومن کان دون ذلك: یعنی آفاقی کا حکم تو یہ ہے کہ ان مواقیت سے احرام باندھے اور جو لوگ داخل میقات رہتے ہیں یعنی میقات اور حرم کے درمیان (جس کو حل کہتے ہیں) تو وہ جہاں سے انشاءِ سفر کر رہے ہیں، وہیں سے احرام باندھیں، یعنی اپنے محل اقامت اور مسکن سے اور ان کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ پیچھے لوٹ کر میقات سے احرام باندھیں، اس جملہ کی تشریح تو یہی ہے اور جمہور کا مسلک بھی یہی ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک ان لوگوں کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنے محل اقامت سے احرام باندھیں، بلکہ حد حرم سے پہلے آخر حل سے بھی احرام باندھ سکتے ہیں، اس لئے کہ میقات سے لے کر حد حرم تک کا تمام حصہ مکان واحد کے حکم میں ہے، جس کو حل کہتے ہیں۔ (الدر المنضود: ۱۶۶/۳)

شرح حدیث میں اختلافِ علماء

حتی اهل مكة يهلون منها: یعنی داخل میقات رہنے والے اپنے محل اقامت سے ہی احرام باندھیں گے، حتی کہ جو لوگ حل کو پار کر کے اس سے بھی آگے رہتے ہیں، یعنی حرم میں یا اس سے بھی آگے، خاص مکہ میں (کیونکہ حرم پورے مکہ مکرمہ کو محیط ہے) تو وہ وہیں سے احرام باندھیں گے۔

یہ اس جملہ کی تشریح ہے اس کے بعد آپ سمجھئے کہ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ مکی کو مکہ مکرمہ سے ہی احرام باندھنا چاہئے، جیسا کہ اس حدیث شریف میں ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ مکی کے لئے ایسا کرنا صرف

اولیٰ ہے، یا ضروری؟

جواب: اس میں اختلاف ہے۔ شافعیہ کے نزدیک تو مکی کا احرام مکہ ہی سے ہونا واجب ہے، خارج مکہ یعنی حرم یا حل سے باندھنا جائز نہیں، ورنہ دم واجب ہوگا، اور حنفیہ کے نزدیک مکی حج کا احرام مکہ اور خارجِ مکہ حدِّ حرم کے اندر باندھ سکتا ہے، اور مالکیہ وحنابلہ کے نزدیک نہ مکہ کی قید ہے، نہ حرم کی بلکہ حل سے بھی باندھنا جائز ہے۔ **کذا فی الاوجز نقلا عن کتب الفروع۔**

تنبیہ: بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم عام ہے، حج اور عمرہ دونوں کے لئے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ بالنسبت الی الحج ہے۔ اور عمرہ میں مکی کے لئے ضروری ہے کہ وہ احرام مکہ سے باہر حل میں آکر باندھے۔ **کما فعلت عائشۃ فی عمرۃ التنعیم بامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھذا عند الائمۃ الاربعۃ خلافا لبعض العلماء ومنھم الحافظ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ۔**

(الدر المنضود: ۳/۱۶۷، مرقاۃ: ۳/۱۷۲)

دخول مکہ بغیر احرام کے

ممن کان یرید الحج والعمرۃ: یہ حدیث متفق علیہ ہے، صحیح بخاری ومسلم دونوں میں ہے، جس کا صریح مفہوم جس کو منطوق کہتے ہیں، یہ ہے کہ میقات سے احرام باندھنے کا حکم اس شخص کے لئے ہے جو مکہ مکرمہ میں حج یا عمرہ کی نیت سے داخل ہونا چاہتا ہو، لہٰذا اس کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ جس شخص کا ارادہ حج یا عمرہ کا نہ ہو بلکہ وہ مکہ مکرمہ اپنی کسی ضرورت سے جارہا ہو تو وہ بغیر احرام کے میقات پر سے گذر سکتا ہے۔ حضرت امام شافعی کا قول راجح یہی ہے، خواہ وہ حاجت متکررہ ہو، یا غیر متکررہ۔ دوسرا قول ان کا یہ ہے کہ اگر وہ حاجت متکررہ ہے، باربار پیش آنے والی ہے، تب تو تجاوز عن المیقات بغیر احرام جائز ہے، اور حاجت غیر متکررہ کے لئے جائز نہیں۔ اور یہی مسلک ہے مالکیہ اور حنابلہ کا، اور حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ بغیر احرام کے گذرنا مطلقاً ناجائز ہے۔ خواہ وہ حاجت متکررہ ہو، یا غیر متکررہ۔ البتہ جو لوگ داخل مواقیت رہتے ہیں ان کیلئے جائز ہے کہ اگر وہ اپنی ضرورت سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوں تو بغیر احرام کے داخل ہو سکتے ہیں، جیسا کہ خود اہل مکہ کہ وہ اگر اپنی کسی ضرورت سے مکہ مکرمہ سے باہر آئیں تو ان کو مکہ میں داخل ہونے کیلئے احرام کی

ضرورت نہیں۔حدیث الباب شافعیہ کی دلیل اور حنفیہ کے خلاف ہے۔

دلائل فریقین

جمہور کا استدلال ایک تو اسی حدیث کے مفہوم مخالف سے ہے، اور دوسری دلیل حضور اقدس ﷺ کا فتح مکہ کے لئے مکہ مکرمہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا ہے۔ **کما فی روایۃ مسلم والنسائی انہ علیہ السلام دخل مکۃ یوم الفتح وعلیہ عمامۃ سوداء بغیر احرام۔** [حضرت نبی کریم ﷺ بغیر احرام کے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور اس وقت آنحضرت ﷺ کے اوپر سیاہ عمامہ تھا۔] اور خود سنن ابوداؤد میں کتاب الجہاد میں آرہا ہے: **دخل مکۃ وعلی راسہ مغفرۃ۔** (بذل: ۱۸/ ۴)

اور حنفیہ کی دلیل طبرانی اور مصنف ابن ابی شیبہ (۴/ ۵۲) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مرفوع ہے، **لایجاوز الوقت الا باحرام۔** [میقات سے بغیر احرام کے تجاوز نہ کرے۔] اور مسند شافعی میں ابوالشعثاء سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما جو شخص میقات پر بغیر احرام کے گذرتا تھا، اس کو لوٹا دیتے تھے۔ اور حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ یہ استدلال بالمفہوم ہے، اور ہمارا استدلال منطوق سے ہے۔ **وھو اولیٰ من المفھوم۔**

اور دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ خود اسی حدیث میں مذکور ہے: آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: **"انما احلت لی ساعۃ من نھار"** کہ اس روز آنحضرت ﷺ کے لئے مکہ مکرمہ کچھ دیر کے لئے حلال کر دیا گیا تھا، یعنی اس میں قتال اور بغیر احرام کے دخول۔

ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ ممکن ہے آنحضرت ﷺ اس وقت بھی محرم ہوں، لیکن ضرورۃً وقتی طور پر تغطیۂ راس مباح کر دیا گیا ہو۔ لیکن یہ ذرا بعید معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ اگر یہ بات تھی تو پھر تحلل عن الاحرام منقول ہونا چاہئے تھا۔ حالانکہ روایات میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر مستقل باب باندھا ہے، وہ اس میں شافعیہ کے ساتھ ہیں۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، شافعیہ کے نزدیک ایسے شخص کے لئے دخول مکہ بغیر احرام کے جائز ہے۔ **لقولہ فی حدیث ابن عباس ممن اراد الحج والعمرۃ،**

والمشهور عن الائمة الثلاثة الوجوب۔ حاجت متکررہ وغیر متکررہ سے انہوں نے کوئی تعرض نہیں فرمایا۔(الدر المنضود:۱۶۷،۱۶۸/۳،التعلیق:۱۷۶/۳)

میقات سے احرام باندھنا افضل ہے یا اپنے مکان سے؟

پھر اس میں اختلاف ہے کہ ان مواقیت مذکورہ سے احرام باندھنا افضل ہے یا اپنے مکان سے احرام باندھ کر جانا افضل ہے؟

چنانچہ امام مالک اور امام احمد اور امام اسحق رحمہم اللہ کے نزدیک میقات سے احرام باندھنا افضل ہے، ان کا استدلال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اسی روایت سے ہے، اور اسی طرح ان تمام روایتوں سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں جن میں میقات سے احرام باندھنے کا ذکر ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام ثوری رحمہم اللہ کے نزدیک اپنے مکان سے احرام باندھ کر جانا افضل ہے۔(عمدۃ القاری:۱۴۱/۹)

بشرطیکہ اپنے نفس پر اطمینان ہو کہ وہ کسی امر ممنوع ومحظور میں مبتلا نہ ہوگا۔

ان حضرات کا استدلال حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فعل سے ہے کہ اکثر صحابہ کرام مثلاً ابن مسعود، ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہم میقات سے پہلے احرام باندھتے تھے، چونکہ یہ حضرات اعرف بالسنہ تھے، اس لئے ان کا یہ فعل حجت ہوگا۔

جہاں تک تعلق ہے ان احادیث کا جن میں میقات سے احرام باندھنے کا ذکر ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ مواقیت احرام باندھنے کے لئے آخری حد ہیں، جن سے بغیر احرام گذرنا ممنوع ہے، باقی افضلیت کے متعلق وہی معتبر ہوگا جس کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا۔

(التعلیق:۱۷۶/۳،نفحات التنقیح:۲۹۴/۳)

ذاتِ عرق

{۲۴۰۳} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُهَلُّ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مِنْ ذِى الْحُلَيْفَةِ وَالطَّرِيْقُ الْاٰخِرُ الْجُحْفَةُ وَمُهَلُّ اَهْلِ الْعِرَاقِ مِنْ ذَاتِ عِرْقٍ وَمُهَلُّ اَهْلِ نَجْدٍ قَرْنٌ وَمُهَلُّ اَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمُ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۳۷۵، کتاب الحج، باب مواقیت الحج، حدیث نمبر: ۱۱۸۳۔

حل لغات: الطریق: راستہ۔ جمع طرق۔ مهل: اهلّ (افعال)۔ الملبی بتلبیہ کے وقت آواز بلند کرنا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اہل مدینہ کی میقات ذوالحلیفہ اور دوسرے راستے سے جحفہ ہے۔ اہل عراق کی میقات ذات عرق ہے، اہل نجد کی میقات قرن المنازل اور اہل یمن کی میقات یلملم ہے۔

تشریح: ومهل اهل العراق من ذات عرق: ذات عرق مکہ مکرمہ سے دو مرحلے کی مسافت پر ایک جگہ کا نام ہے، جو اہل عراق کی میقات ہے۔ (مرقاۃ: ۵/۲۷۱)

ذاتِ عرق کی توقیت کس کی جانب سے ہے؟

اس حدیث شریف سے معلوم ہو رہا ہے کہ ذاتِ عرق کی توقیت خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، لیکن صحیح بخاری شریف کی حدیث میں تصریح ہے کہ ذات عرق کی تحدید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے ہے، ان کے زمانہ میں جب عراق فتح ہوا تو کوفہ و بصرہ والوں نے خلیفۂ ثانی سے عرض کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجد کے لئے جو میقات مقرر فرمائی ہے، اگر ہم اس کا راستہ اختیار کریں (یعنی مکہ مکرمہ کے سفر میں) تو یہ ہمارے لئے بہت دشوار ہے، لہٰذا ہمارے لئے مستقل میقات مقرر کر دیجئے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو راستہ تمہارے لئے سہل ہے اس راستہ میں قرن المنازل کی محاذات میں ایک جگہ متعین کرلو چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے ذات عرق کی توقیت عمل میں آ گئی۔ بہرحال اس اختلاف روایات کی بناء پر علماء کی دو جماعتیں ہوگئیں، ایک جماعت نے و منہم الغزالی والرافعی فی شرح المسند والنووی فی شرح مسلم ومالک فی المدونہ بخاری کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے یہ کہا: ہے کہ

ذات عرق کی توقیت خلیفۂ ثانی کی طرف سے ہے اور دوسری جماعت ومنہم الحنفیہ والحنابلہ وجمہور الشافعیہ والرافعی فی الشرح الصغیر والنووی فی شرح المہذب نے سنن کی روایات کو اختیار کرتے ہوئے اس کی نسبت حضور اقدس ﷺ کی طرف کی ہے اور یہ کہا ہے کہ ممکن ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس ﷺ کی توقیت کا علم نہ ہوا ہو اس لئے انہوں نے اجتہاد فرمایا اور ان کا اجتہاد حدیث مرفوع کے موافق ہوگیا۔ (الدر المنضود:۱۶۸/۳، التعلیق:۱۷۷/۳)

آنحضرت ﷺ کے حج وعمرے کی تعداد

{۲۴۰۴} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ اِعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَ عُمَرٍ كُلُّهُنَّ فِیْ ذِی الْقَعْدَةِ اِلَّا الَّتِیْ كَانَتْ مَعَ حَجَّتِهٖ عُمْرَةٌ مِّنَ الْحُدَیْبِیَّةِ فِیْ ذِی الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةٌ مِّنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فِیْ ذِی الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةٌ مِّنَ الْجِعِرَّانَةِ حَیْثُ قَسَّمَ غَنَائِمَ حُنَیْنٍ فِیْ ذِی الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةٌ مَعَ حَجَّتِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حواله: بخاری شریف: ۲/۵۹۷، کتاب المغازی، باب غزوة الحدیبیة، حدیث نمبر: ۳۹۹۹، مسلم شریف ۱/۴۰۹، کتاب الحج، باب بیان عدد عمر النبیؐ، حدیث نمبر: ۱۲۵۳۔

حل لغات: غنائم: جمع ہے غَنِیْمَۃٌ کی، وہ مال جو جنگ میں حاصل ہو۔

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے چار عمرے فرمائے، تین ذی قعدہ میں اور ایک حج کے ساتھ، ایک عمرہ حدیبیہ سے ذی قعدہ میں، دوسرا اگلے سال ذی قعدہ میں، تیسرا جعرانہ سے ذی قعدہ میں جہاں آپ نے حنین کا مال غنیمت تقسیم فرمایا تھا اور چوتھا عمرہ حج کے ساتھ ذی الحجہ میں۔

تشریح: اعتمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع عمر الخ: حضرت نبی کریم ﷺ نے کل ۴ر عمرے فرمائے، ان میں تو ۳ر ذی قعدہ کے مہینوں میں فرمائے، اسلئے کہ زمانۂ جاہلیت میں کفار ومشرکین ذی قعدہ میں عمرہ نہیں کیا کرتے تھے، اور اس کو گناہ سمجھتے تھے۔ انکے اس عقیدہ کی تردید حضرت نبی کریم ﷺ نے ذی قعدہ میں متعدد عمرے فرما کر فرمادی۔ (فتح الملہم: ۳/۳۱۴)

وعمرة من الحدیبیة فی ذی القعدة: مراد وہ عمرہ ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ ۶ھ میں عمرہ کی نیت سے مدینہ منورہ سے نکلے، لیکن ذی قعدہ کے مہینے میں مشرکین مکہ نے آپ کو مع اصحاب کے حدیبیہ میں روک دیا اور آگے نہ جانے دیا اور بات چند معاہدے پر ختم ہوئی، جو صلح حدیبیہ کے نام سے

مشہور رہے، اس وقت آپ عمرہ تو نہ فرما سکے، مگر آپ کی نیت کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو بھی ایک عمرہ کہہ دیا گیا ہے۔ (فتح الملہم: ۳۱۴/۳)

وعمرۃ من العام المقبل فی ذی القعدۃ: اس صلح نامہ میں ایک بات یہ بھی تھی کہ مسلمان اس سال لوٹ جائیں اگلے سال آ کر جو عبادت کرنا چاہیں کریں، اس بات کی بنیاد پر حضرت نبی کریم ﷺ نے اگلے سال ذی قعدہ کے مہینے میں مکہ مکرمہ جا کر عمرہ کیا، اسی کو عمرۃ القضاء کہا جاتا ہے۔ (مرقاۃ: ۱۷۱/۵)

وعمرۃ من الجعرانۃ حیث قسم غنائم حنین الخ: فتح مکہ کے بعد حضرت نبی کریم ﷺ کو جب اہل ہوازن کی ریشہ دوانیوں کا علم ہوا تو آنحضرت ﷺ مع اصحاب کے اس شر کو دبانے کے لئے نکلے، چنانچہ مقام حنین میں مقابلہ ہوا، مسلمانوں کی فتح ہوئی، وہاں جو مال غنیمت ہاتھ لگا، اس کو مقام جعرانہ میں لا کر تقسیم فرمایا، جعرانہ ہی میں آنحضرت ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی، اس کے بعد مکہ مکرمہ کے لئے نکلے، فجر کی نماز مکہ میں پڑھی، عمرہ کیا، پھر آنحضرت ﷺ واپس ہوئے۔ یہی عمرۂ جعرانہ ہے۔

وعمرۃ مع حجتہ: یعنی یہ حضرت نبی کریم ﷺ کا چوتھا عمرہ ہے، جسے آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے ساتھ کیا تھا۔ **"ای مقرونۃ مع حجۃ"** (مرقاۃ: ۲۷۲/۵)

حج سے پہلے آنحضرت ﷺ کے عمرے

{۲۴۰۵} وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اِعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ ذِی الْقَعْدَۃِ قَبْلَ اَنْ یَّحُجَّ مَرَّتَیْنِ۔ (روہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۲۳۹/۱، ابواب العمرۃ، باب کم اعتمر النبی ﷺ، حدیث نمبر: ۱۷۳۶۔

حل لغات: **قبل:** پہلے، یہ ظرف زمان ہے۔ **یحج:** **حج (ن) حجا،** ارادہ کرنا۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے حج

سے پہلے ذی قعدہ کے مہینوں میں دو عمرے کئے تھے۔

آنحضرت ﷺ کے عمروں کی تعداد

تشریح: حضرت نبی کریم ﷺ کے عمرے کتنے تھے؟ اس کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال مختلف نظر آتے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چار عمرے کئے۔

(۱)......اول ۶ھ صلح حدیبیہ کا عمرہ، مگر کفار کے روک دینے کی وجہ سے واپس تشریف لے گئے، تو اس موقع پر اگرچہ عمرہ نہیں فرمایا؛ لیکن نیت وارادہ کی وجہ سے اس کو بھی عمرہ شمار کرلیا۔

(۲)......دوسرا عمرۃ القضاء، جو ۷ھ میں ماہ ذیقعدہ میں کیا۔

(۳)......تیسرا عمرہ جعرانہ جو ۸ھ میں مقام جعرانہ سے کیا۔

(۴)......چوتھا ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے ساتھ کیا۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں دو تین کا ذکر ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت میں دو کا ذکر ہے۔ تو وجہ تطبیق یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر عمرہ جعرانہ مخفی تھا۔ کیونکہ وہ ایک سفر سے واپسی پر ہوا تھا۔ اس لئے ہر ایک پر ظاہر نہ ہوا۔ بنابریں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر نہیں کیا اور حضرت براء رضی اللہ عنہ چونکہ ذیقعدہ والے عمرے بیان کررہے ہیں۔ اور حج کے ساتھ جو عمرہ کیا وہ چونکہ ذی الحجہ میں تھا، اس کو شمار نہیں کیا اور صلح حدیبیہ والا عمرہ چونکہ نہیں کر سکے اس لئے اس کو بھی شمار نہیں کیا۔ لہٰذا ہر ایک اپنی جگہ میں صحیح ہے۔ کوئی اختلاف نہیں۔ اور چونکہ حنین کی طرف آنحضرت ﷺ شوال میں روانہ ہوئے تھے، پھر مقام جعرانہ میں آکر ذیقعدہ کے اندر عمرہ کا احرام باندھا، تو روانگی کے اعتبار سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے شوال میں عمرہ جعرانہ کا ذکر کیا اور احرام چونکہ ذیقعدہ میں ہوا اس اعتبار سے بقیہ حضرات نے ذیقعدہ کا ذکر کیا۔ لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے۔ (التعلیق: ۳/۱۷۸)

الفصل الثانی

حج ایک مرتبہ فرض ہے

{۲۴۰۶} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَیُّھَا النَّاسُ! اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ عَلَیْکُمُ الْحَجَّ فَقَامَ الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ فَقَالَ اَفِیْ کُلِّ عَامٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! قَالَ لَوْ قُلْتُھَا نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَوْ وَجَبَتْ لَمْ تَعْمَلُوْا بِھَا وَ لَمْ تَسْتَطِیْعُوْا وَالْحَجُّ مَرَّۃٌ فَمَنْ زَادَ فَتَطَوَّعٌ۔ (رواہ احمد والدارمی والنسائی)

حوالہ: مسند احمد: ۵۵/۲، حدیث نمبر: ۲۳۰۴، نسائی شریف: ۱/۲، کتاب المناسک، باب وجوب الحج، حدیث نمبر: ۲۶۲۱، دارمی: ۴۶/۲، کتاب المناسک، باب کیف وجوب الحج، حدیث نمبر: ۱۷۸۸۔

حل لغات: عام: سال، جمع: اعوام۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر حج فرض کیا ہے، تو اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! کیا ہر سال فرض ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو واجب ہو جاتا، اور اگر واجب ہو جاتا تو تم لوگ عمل نہیں کر سکتے تھے اور نہ اس کی طاقت ہے، حج تو ایک مرتبہ ہے، تو جس نے زیادہ کیا وہ نفل ہے۔

تشریح: فمن زاد فتطوع: مراد یہ ہے کہ حج تو صرف ایک ہی مرتبہ فرض ہے، جو لوگ ایک سے زیادہ حج کریں گے، یہ ان کے لئے نوافل میں شمار ہوں گے۔ تفصیل ما قبل میں گذر چکی۔

ترک حج پر وعید

{۲۴۰۷} وَعَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَمُوْتَ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا وَذٰلِكَ أَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ: ''وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا''۔ (رواه الترمذی) وَقَالَ: هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَفِيْ إِسْنَادِهٖ مَقَالٌ، وَهِلَالُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ مَجْهُوْلٌ، وَالْحَارِثُ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۶۷، ابواب الحج، باب ماجاء من التغلیظ فی الحج، حدیث نمبر: ۸۱۲۔

حل لغات: زاد: توشہ، جمع: ازودۃ، راحلۃ: سواری، جمع: اراحل۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اتنے توشہ اور سواری کا مالک ہو کہ جو اس کو بیت اللہ تک پہنچا دے اور اس نے حج نہیں کیا تو اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ یہودی ہو کر یا نصرانی ہو کر مرے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول: "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا" کی وجہ سے ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روایت کیا اور کہا: کہ یہ حدیث غریب ہے، اور اس کی سند محل کلام ہے، اور ہلال بن عبد اللہ مجہول ہیں اور حارث روایت حدیث میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔

باوجود قدرت کے ترکِ حج پر وعید

تشریح: اس حدیث شریف میں تارکِ حج کو یہودی اور نصرانی کے مشابہ قرار دیا ہے، اس میں قدرے تفصیل ہے، اگر اس نے استطاعت اور قدرت کے باوجود حج اس لئے نہیں کیا کہ وہ سرے سے فرضیت حج کا منکر تھا تو پھر یہود اور نصاریٰ کے ساتھ مشابہت کفر میں ہوگی، یعنی جس طرح یہودی اور نصرانی کفر کی حالت میں مرتے ہیں، اسی طرح یہ بھی کفر کی حالت میں مرے گا، اور اگر فرضیت حج کا منکر نہیں ہے، سستی اور کاہلی کی وجہ سے بغیر عذر کے حج نہیں کرتا تو اس صورت میں مشابہت گناہ میں ہوگی۔ اور یہ وعید تغلیظ اور تشدید پر محمول ہوگی۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ تارکِ حج کو یہودی اور نصرانی کے ساتھ

مشابہ قرار دینے میں نکتہ یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ نماز تو پڑھتے تھے، لیکن حج نہیں کرتے تھے اور تارکِ صلوۃ کو مشرکین کے مشابہ اس لئے قرار دیا کہ مشرکین حج تو کرتے تھے لیکن نماز نہیں پڑھتے تھے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ: ۵۷/۲، نفحات التنقیح: ۲۹۶/۳)

سبیلاً: اس کی تفسیر کے اندر علماء کے مختلف قول ہیں، علامہ دردیر الشرح الکبیر کے اندر تحریر فرماتے ہیں کہ سبیل سے مراد امکان الوصول ہے، لہٰذا اگر کسی اندھے کو کوئی قائد مل جائے اور پہنچنا ممکن ہو تو اس اندھے پر حج فرض ہے۔

جمہور کے نزدیک اس کی تفسیر زاد و راحلہ کے ساتھ ہے، چنانچہ ایک روایت کے اندر ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے اس کی تعبیر معلوم کی گئی، تو آنحضرت ﷺ نے زاد و راحلہ فرمایا۔

اسلام میں صرورت

{۲۴۰۸} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَرُوْرَةَ فِي الْإِسْلَامِ۔

(رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲۴۲/۱، کتاب المناسک، حدیث نمبر: ۱۷۲۹۔

حل لغات: صرورۃ: وہ شخص جو نکاح نہ کرے یا حج نہ کرے، واحد جمع دونوں کے لئے مستعمل ہے۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسلام میں صرورت نہیں ہے۔

تشریح: علماء نے اس کی دو بلکہ تین تفسیریں لکھی ہیں:

(۱)......صرورۃ یعنی "**الذی لم یتزوج**" غیر شادی شدہ آدمی جس نے قصداً نکاح نہ کیا ہو، **بطریق تبتل والقطاع عن الدنیا** پس حدیث شریف کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام میں کوئی شخص تارکِ نکاح نہ ہونا چاہئے، کیونکہ نکاح طریق سنت ہے اور ترکِ نکاح رہبانیت ہے، اس لئے ہر مستطیع نکاح

والا ہونا چاہئے، کوئی مانع اور عذر ہو تو وہ امر آخر ہے۔

(۲)......صرورۃ **"بمعنی الذی لم یحج"** یعنی وہ شخص جس نے اب تک حج نہیں کیا، اس صورت میں حدیث شریف کا مطلب یہ ہوگا کہ اسلام میں کوئی شخص غیر حاجی نہ ہونا چاہئے، بلکہ ہر صاحب استطاعت کو حاجی بننا چاہئے، مصنف نے یہی معنی مراد لئے ہیں، اسی لئے اس کو کتاب الحج میں لائے ہیں۔

(۳)......بعض نے اس کے ایک تیسرے معنی بھی لکھے ہیں، وہ یہ کہ صرورۃ کا مصداق تو **"من لم یحج"** ہی ہے، لیکن مقصود یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایسا تھا، اگر کسی شخص نے کسی پر جنایت کی مثلاً اس کو ناحق قتل کر دیا تو وہ جانی حرم میں جا کر پناہ لیتا تھا اور اگر ولی الدم (اولیائے مقتول میں سے کوئی شخص) اس جانی سے تعرض کرتا اور انتقام کا ارادہ کرتا تو لوگ یوں کہہ دیتے کہ ارے بھائی! یہ شخص تو صرورہ ہے، یعنی اس نے ابھی تک ایک حج بھی نہیں کیا، لہٰذا اس کو ابھی چھوڑ دو، حج کرنے دو اس کے بعد دیکھا جائے گا۔ تو اس حدیث شریف میں اس طرز جاہلیت کی تردید کی گئی ہے کہ حج نہ کرنا کوئی عذر معتبر نہیں جو مانع ہو حدود و قصاص سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

صرورۃ کے اندر جو ہاء ہے یہ تانیث کے لئے نہیں بلکہ مبالغہ کے لئے ہے، اسی لئے مرد اور عورت دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ **"یقال رجل صرورۃ وا مرأۃ صرورۃ"** اور اس میں ایک لغت صارورۃ بھی ہے۔ **"رجل صارورۃ کما فی مختار الصحاح"** (الدر المنضود: ۳/۱۶۲، التعلیق: ۳/۱۷۹)

حج علی الفور واجب ہے یا علی التراخی

{۲۴۰۹} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَرَادَ الْحَجَّ فَلْيُعَجِّلْ۔

(رواہ ابوداؤد والدارمی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۴۲، باب: ۵، کتاب المناسک، حدیث نمبر: ۱۷۳۲، دارمی: ۲/۴۵، کتاب المناسک، باب من اراد الحج فلیستعجل، حدیث نمبر: ۱۷۸۴۔

حل لغات: اراد: اراد (افعال) ارادہ کرنا۔ **فلیعجل:** عجل (تفعیل) جلدی کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص حج کا ارادہ رکھے اس کو جلدی کرنی چاہیے۔

فرضیت حج علی الفور ہے یا علی التراخی؟

تشریح: اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا حج کی فرضیت علی الفور ہے یا علی التراخی؟ ہمارے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ حج کی فرضیت علی الفور ہے، اور یہی امام ابو یوسف اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت اس کے مطابق ہے۔

یعنی جس سال حج کے شرائط پائے جائیں گے اسی سال کے حج کے مہینے ادائے حج کے لئے متعین ہوں گے، اس پر اسی سال حج ادا کرنا لازم ہوگا، کیونکہ آئندہ سال تک زندہ رہنا ایک امر موہوم ہے، اور وقت کافی دراز ہے، پس حج فوت ہونے کے امکان سے بچنے کے لئے احتیاطاً پہلے ہی سال حج کرنا لازم ہوگا۔

جب کہ امام محمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک حج کی فرضیت علی التراخی ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت اسی کے مطابق ہے، یعنی آخر عمر تک حج میں تاخیر جائز ہے، بشرطیکہ مرنے سے پہلے پہلے ادا کرلیا جائے اور اس کی زندگی میں حج فوت نہ ہونے پائے، جیسا کہ نماز میں آخر وقت تک تاخیر جائز ہے۔ (مرقاۃ: ۵/۲۷۴)

ثمرۂ اختلاف اس طرح ظاہر ہوگا کہ اگر کسی شخص نے اسی سال حج ادا نہ کیا، جس سال اس پر وہ فرض ہوا تھا تو وہ حضرات جو وجوب علی الفور کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ شخص گناہ گار، فاسق اور مردود الشہادت ہوگا، پھر جب اس نے دوسرے سال حج کرلیا تو یہ گناہ مرتفع ہو جائے گا اور اس کی شہادت قبول کرلی جائے گی، یہی بات آئندہ کے ہر سال کے بارے میں کہی جائے گی، یعنی حج نہ کرنے سے گناہ گار ہوگا اور پھر اس کے بعد حج ادا کر لینے سے اس کا گناہ دور ہو جائے گا۔

اور جو حضرات وجوب علی التراخی کے قائل ہیں، ان کے نزدیک تاخیر حج کی وجہ سے گنہگار نہ ہوگا،

ہاں اگر موت آ گئی، یا موت کی علامات ظاہر ہوگئیں اور حج نہ کر سکا تو لامحالہ گناہگار ہوگا اور یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اگر اس نے پہلے سال حج نہ کیا اور اس کے بعد آئندہ سالوں میں ادا کیا تو فریقین کے نزدیک یہ حج ادا ہوگا قضاء نہ ہوگا۔ (مرقاۃ: ۵/۲۷۴)(نفحات التنقیح: ۲۹۷/۳)

حج وعمرہ ایک ساتھ کرنا

{۲۴۱۰} وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ، كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ. وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُوْرَةِ ثَوَابٌ إِلَّا الْجَنَّةَ۔ (رواه الترمذی والنسائی) وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ إِلٰى قَوْلِهٖ خَبَثَ الْحَدِيْدِ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۶۷/۱، ابواب الحج، باب ماجاء فی ثواب الحج الخ، حدیث نمبر: ۸۱۰، نسائی شریف: ۲/۲، کتاب المناسک، باب فضل المتابعة بین الحج والعمرة، حدیث نمبر: ۲۶۳۲، مسند احمد: ۳۸۷/۱، حدیث نمبر: ۳۶۶۹، ابن ماجه شریف: ۲۰۷، کتاب المناسک، باب فضل الحج والعمرة، حدیث نمبر: ۲۸۸۷۔

حل لغات: ینفیان: نفی (ض) نفیا، نابود ہونا۔ الذنوب: جمع ہے ذنب کی بمعنی گناہ۔ الکیر: بھٹی، جمع: اکیار۔ المبرور: شبہ، جھوٹ اور خباثت سے خالی۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ حج وعمرہ دونوں ساتھ کرو، اس لئے کہ یہ دونوں گناہ اور فقر کو ایسے ختم کر دیتے ہیں؛ جیسے بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کے میل کو ختم کر دیتی ہے۔ اور حج مقبول کا بدلہ ہی جنت ہے۔

تشریح: تابعوا بین الحج والعمرة الخ: مراد یہ ہے کہ حج قران کرے یا حج وعمرہ دونوں ایک ہی زمانے میں کرے۔ (مرقاۃ: ۲۷۵/۵)

عمرہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ سنت ہے یا واجب یا فرض تو امام شافعی و احمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک واجب ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس میں مختلف ہے، صاحب بدائع نے وجوب کے قول کو اختیار کیا۔ اور علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے سنت کے قول کو اختیار کیا۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے۔ اور صاحب درالمختار نے بھی اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور یہی مالکیہ کا مشہور قول ہے۔ امام شافعی و احمد نے آیت قرآنی: "**وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ**" سے استدلال کیا کہ یہاں امر کا صیغہ ہے، جو وجوب کو مستلزم ہے، دوسری دلیل دارقطنی میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اور کامل بن عدی میں حضرت جابر سے روایت ہے: "**اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ فَرِيْضَتَانِ وَاجِبَتَانِ**" [حج اور عمرہ دونوں فرض وواجب ہیں۔]

حنفیہ و مالکیہ دلیل پیش کرتے ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے: "**سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن العمرۃ أواجبۃ ھی قال لا وان تعمر افضل۔**" (رواہ الترمذی) اگرچہ اس میں ایک راوی حجاج بن ارطاۃ ہے، جس کو دارقطنی نے ضعیف قرار دیا ہے، مگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث شریف کو صحیح حسن قرار دے رہے ہیں۔

اسی طرح ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کہ حجاج کی حدیث حسن سے کمتر نہیں ہے، اور اسی حدیث کو حضرت ابوہریرہ وابن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم بھی روایت کرتے ہیں۔

نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: "**الحج فریضۃ والعمرۃ تطوع۔**" [حج فرض ہے اور عمرہ نفل ہے۔] (**رواہ ابن ابی شیبۃ**) ان تمام روایات سے ثابت ہوا کہ عمرہ واجب نہیں ہے، بلکہ سنت ہے، شوافع نے جس آیت سے استدلال کیا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں پورے پورے کرنے کا ذکر ہے، ابتداء وجوب کا ذکر نہیں ہے، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر شروع کردو تو وہ لازم ہوجاتا ہے، اتمام کرنا ضروری ہے۔ اور دونوں حدیث کا جواب یہ ہے کہ پہلی موقوف علی ابن عباس ہے، اور دوسری میں ابن لہیعہ راوی ضعیف ہے۔ لہٰذا قابل استدلال نہیں ہے۔ (درس مشکوۃ: ۲/۲۲۴)

فانھما ینفیان الفقر: مراد ظاہری اور باطنی دونوں فقر ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ اس کو مال دے دے یا یہ کہ اس کا دل غنی کردے۔ (مرقاۃ: ۵/۲۷۵)

والذنوب: تشبیہ کے لحاظ سے "الذنوب" سے گناہ کبیرہ مراد لے لیا جائے تو کوئی حرج کی بات نہ ہونی چاہئے؛ البتہ حقوق العباد اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ (مرقاۃ: ۵/۲۷۵)

حج کے شرائط

{۲۴۱۱} **وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا يُوْجِبُ الْحَجَّ؟ قَالَ: الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ۔** (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۶۸، ابواب الحج، باب ماجاء فی ایجاب الحج بالزاد الخ، حدیث نمبر: ۸۱۳، ابن ماجہ شریف: ۲۰۸، باب مایوجب الحج، حدیث نمبر: ۲۸۹۶۔

حل لغات: الزاد: توشہ، جمع: **ازودۃ، الراحلۃ:** سواری، جمع: **اراحل۔**

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر عرض کیا: یارسول اللہ! کون سی چیز حج کو واجب کرتی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: توشہ اور سواری۔

تشریح: توشہ اور سواری حج کے لئے بنیادی ضروریات میں سے ہیں۔

مایوجب الحج: یعنی وجوبِ حج کی شرائط کیا ہیں؟

قال الزاد والراحلۃ: یعنی جس کے پاس یہ دو چیزیں ہوں اس پر حج فرض ہے۔

کامل حاجی کی علامت

{۲۴۱۲} **وَعَنْهُ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا الْحَاجُّ؟ قَالَ: الشَّعِثُ التَّفِلُ. فَقَامَ آخَرُ. فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَيُّ الْحَجِّ أَفْضَلُ؟ قَالَ: الْعَجُّ وَالثَّجُّ. فَقَامَ آخَرُ. فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا السَّبِيْلُ؟ قَالَ: زَادٌ وَرَاحِلَةٌ۔** (رواہ فی شرح السنۃ)

وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ فِيْ سُنَنِهٖ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرِ الْفَصْلَ الْاَخِيْرَ۔

حوالہ: شرح السنة: ۲۴۰/۴، باب وجوب الحج اذا وجد الزاد الخ، حدیث نمبر: ۱۸۴۷، ابن ماجہ شریف: ۲۰۸، باب مایوجب الحج، حدیث نمبر: ۲۸۹۶۔

حل لغات: الحاج: مقامات مقدسہ کی زیارت کرنے والا، اسم جمع ہے۔ **الشعث:** غبار آلود بالوں والا۔ **شعث (س) شعثاً الشعر،** بالوں کا غبار آلود ہونا۔ **تفل:** صیغہ صفت۔ **تفل (س)** تیل وخوشبو نہ لگانے کی وجہ سے بدبودار ہونا۔ **العج: عج (ن) عجاً** آواز بلند کرنا۔ **الثج: ثج (ن) ثجوجاً،** بہنا بہانا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: حاجی کامل کون لوگ ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غبار آلود سر اور پراگندہ بال، دوسرے نے کھڑے ہو کر کہا: یارسول اللہ! کون سا حج افضل ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلند آواز سے لبیک کہنا اور قربانی کا خون بہانا۔ تیسرے نے کھڑے ہو کر کہا: یارسول اللہ! سبیل کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: توشہ اور سواری۔

تشریح: ما الحج: مراد یہ ہے کہ حاجی کامل کی صفت وکیفیت کیا ہوتی ہے؟

قال الشعث التفل: مراد یہ ہے کہ عبادت میں اس قدر ہمہ وقت مستغرق رہتا ہو کہ وہ اپنے بدن کی زیادہ دیکھ بھال نہ کرپاتا ہو، بناؤ سنگار کی طرف اس کی توجہ ہو۔ (مرقاۃ: ۵/۲۷۶)

ای الحج افضل: حج سے مکمل حج مراد نہیں ہے؛ بلکہ اس کا ایک عمل مراد ہے، یعنی حج میں ارکان کے بعد کون سا عمل ہے؟ جس کا ثواب بہت زیادہ ہے؟

وقال العج والثج: یعنی زیادہ سے زیادہ تلبیہ پڑھنا اور قربانی کرنا۔ یعنی حج میں یہ دو عمل زیادہ پسندیدہ اور افضل ہیں۔

ما السبیل: یعنی قرآن کریم میں جو "مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا" آیا ہے، تو اس میں سبیل سے کیا مراد ہے؟

قال زاد وراحلة: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سبیل سے مراد توشہ اور سواری ہے کہ جس کو

یہ دو چیزیں میسر ہوں اس پر حج فرض ہو جاتا ہے۔

باپ کی طرف سے حج کرنا

{۲۴۱۳} وَعَنْ اَبِیْ رَزِیْنٍ الْعُقَیْلِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّهٗ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّ اَبِیْ شَیْخٌ کَبِیْرٌ لَا یَسْتَطِیْعُ الْحَجَّ وَلَا الْعُمْرَةَ وَلَا الظَّعْنَ، قَالَ: حُجَّ عَنْ اَبِیْکَ وَاعْتَمِرْ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد والنسائی) وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ: هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۸۶، باب ماجاء فی الحج عن الشیخ الکبیر وباب منہ، حدیث نمبر: ۹۳۰، ابوداؤد شریف: ۲۵۲/۱، باب الرجل یحج عن غیرہ، حدیث نمبر: ۱۸۱، نسائی شریف: ۳/۲، باب العمرۃ عن الرجل الذی لا یستطیع، حدیث نمبر: ۲۶۳۸۔

حل لغات: شیخ: بوڑھا، جمع شیوخ، کبیر: بڑا، جمع کبار۔ الظعن: ظعن (ن) ظعناً کوچ کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو رزین عقیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے والد صاحب بہت بوڑھے ہیں، حج و عمرے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ سفر کرنے کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے باپ کی طرف سے حج و عمرہ کرو۔

تشریح: لا یستطیع الحج ولا العمرۃ: یعنی حج و عمرے کے افعال ادا نہیں کر سکتے۔

ولا الظعن: یعنی حج و عمرہ کے لئے سفر کی طاقت بھی نہیں رکھتے۔

قال حج عن ابیک واعتمر: تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو اپنے والد محترم کی طرف سے حج بھی کر لے اور عمرہ بھی کر لے، ان کو ثواب مل جائے گا۔ باقی تفصیل ما قبل میں گذر چکی ہے۔

حج بدل کون کرے؟

{۲۴۱۴} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ: لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ، قَالَ: مَنْ شُبْرُمَةُ؟ قَالَ: اَخٌ لِيْ اَوْ قَرِيْبٌ لِيْ، قَالَ: اَحَجَجْتَ عَنْ نَّفْسِكَ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: حُجَّ عَنْ نَفْسِكَ، ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ۔

(روہ الشافعي وابوداؤد وابن ماجة)

حوالہ: مسند شافعی: باب الرجل یحج عن غیرہ، ابوداؤد شریف: ۱/۲۵۲، کتاب المناسک، باب الرجل یحج عن غیرہ، حدیث نمبر: ۱۸۱۱، ابن ماجہ شریف: ۲۰۸، باب الحج عن المیت، حدیث نمبر: ۲۹۰۳۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو کہتے ہوئے سنا: "لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: شبرمہ کون ہے؟ کہا: میرا بھائی ہے، یا قریبی رشتہ دار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تو نے اپنی طرف سے حج کرلیا؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پہلے اپنی طرف سے حج کر۔ پھر شبرمہ کی طرف سے۔

جس نے اپنا حج ادا نہ کیا ہو وہ حج بدل کرسکتا ہے یا نہیں؟

تشریح: "حج عن نفسک ثم حج عن شبرمة"

اس میں اختلاف ہوا ہے، صرورۃ آدمی یعنی وہ آدمی جس نے اپنا حج ادا نہ کیا ہو وہ حج بدل کرسکتا ہے یا نہیں؟

امام شافعی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ایسا شخص دوسرے کی طرف سے حج نہیں کرسکتا، اگر حج بدل کا احرام باندھے گا بھی تو وہ اس کا اپنا ہی احرام شمار ہوگا۔

امام مالک اور حنفیہ کے نزدیک ایسا شخص دوسرے کی طرف سے حج کرسکتا ہے، اگر

حج بدل کا احرام باندھے گا تو وہ اسی کی طرف سے ہوگا، جس کی طرف سے اس نے حج کی نیت کی ہے۔ البتہ ایسے شخص کے لئے بہتر یہ ہے کہ پہلے اپنا حج اسلام ادا کرے، پھر دوسرے کی طرف سے حج کرے۔ (التعلیق:۱۸۰/ ۳)

حنفیہ کے مذہب کی مزید وضاحت یہ ہے کہ اگر کسی آدمی پر اپنا حج واجب ہو چکا ہو، پھر اپنا حج چھوڑ کر دوسرے کی طرف سے کرے تو یہ مکروہ تحریمی ہے، اور اگر اپنے او پر حج فرض نہ ہوا ہو تو ایسی حالت میں دوسرے کی طرف سے حج کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ (اعلاء السنن:۴۶۱/ ۱۰)

حنفیہ و مالکیہ کے دلائل وہ بہت سی احادیث ہیں، جن میں آنحضرت ﷺ سے حج عن الغیر کے متعلق دریافت کیا گیا، تو آنحضرت ﷺ نے اس کی اجازت دی یا حکم دیا، اور سائل سے یہ سوال نہیں کیا کہ تم نے اپنا حج بھی کیا ہے یا نہیں؟ اگر حج عن الغیر کی صحت کے لئے پہلے اپنا حج کرنا شرط ہوتا تو آنحضرت ﷺ سائلین سے ضرور یہ سوال فرماتے۔

شوافع زیر بحث حدیث سے استدلال کرتے ہیں، حنفیہ و مالکیہ کی طرف سے اس کے کئی جوابات دئے گئے ہیں:

(۱)......اس حدیث شریف کی سند میں رفعاً و وقفاً اضطراب ہے، بعض اس کو موقوفاً نقل کر رہے ہیں، بعض مرفوعاً، دونوں میں تطبیق بھی نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ یہ بات مستبعد ہے کہ ایک آدمی کو حضرت نبی کریم ﷺ نے اس طرح تلبیہ پڑھتے ہوئے سنا ہو اور اس سے یہ سوال و جواب ہوئے ہوں اور پھر اسی نام کے آدمی کے بھائی کے ساتھ یہ واقعہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بھی پیش آیا ہو۔ (بذل المجہود:۱۱/ ۳، اعلاء السنن:۴۵۸/ ۱۰)

(۲)......حدیث میں **"حج عن نفسک الخ"** کا امر وجوب کے لئے نہیں، استحباب کے لئے ہے، یعنی بہتر یہ ہے کہ پہلے اپنی طرف سے حج کرو، پھر دوسرے کی طرف سے۔ استحباب کے ہم بھی قائل ہیں۔

(۳)......ہوسکتا ہے کہ شبرمہ کے بھائی پر خود حج فرض ہو، اس لئے حضرت نبی کریم ﷺ نے اس کو پہلے اپنا حج کرنے کا حکم دیا ہو، اب یہ امر ہمارے نزدیک بھی اپنے معنی پر ہی رہے گا، کیونکہ

حنفیہ کے نزدیک بھی اپنا حج فرض ہوتو پہلے اپنا حج کرنا واجب ہے، اپنا حج کئے بغیر دوسرے کی طرف سے حج کرنا مکروہ تحریمی ہے، لیکن اگر دوسرے کی طرف سے کرلے گا تو وہ حج بدل ہی سمجھا جائے گا، حدیث سے صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ اپنا فرض حج ادا کئے بغیر دوسرے کی طرف سے نہیں کرنا چاہئے، باقی یہ بات کہ اگر وہ دوسرے کی طرف سے کرلے تو وہ حج بدل ہوگا یا نہیں؟ زیر بحث روایت کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔ (اشرف التوضیح: ۲/۳۰۰)

مشرق والوں کی میقات

{۲۴۱۵} وَعَنْهُ قَالَ وَقَّتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَهْلِ الْمَشْرِقِ الْعَقِيْقَ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۷۱، باب ماجاء فی مواقیت الاحرام لخ، حدیث نمبر: ۸۳۲، ابوداؤد شریف: ۱/۲۴۳، باب فی المواقیت، حدیث نمبر: ۱۷۴۰۔

حل لغات: وقت: وقت (تفعیل) وقت مقرر کرنا، اور کبھی جگہ کے لئے بھی آتا ہے۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مشرق کے لئے "**العقیق**" میقات مقرر فرمائی۔

تشریح: لاهل المشرق العقيق: مراد وہ لوگ ہیں جو حرم سے باہر مکہ مکرمہ کی مشرقی جانب کے علاقوں میں رہتے ہیں، اور عقیق ایک جگہ کا نام ہے، جو ذات عرق کے محاذات میں واقع ہے۔

اہل عراق کی میقات

{۲۴۱۶} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَّتَ لِاَهْلِ الْعِرَاقِ ذَاتَ عِرْقٍ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۴۳، باب فی المواقیت، حدیث نمبر: ۱۷۳۹، نسائی شریف: ۲/۵۴، باب میقات اہل العراق، حدیث نمبر: ۲۶۵۷۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے اہل عراق کے لئے ''ذات عرق'' میقات مقرر فرمائی ہے۔

تشریح: اہل عراق کے لئے **''ذات عرق''** میقات ہے۔

دو حدیثوں میں رفع تعارض

یہاں پر ایک اشکال یہ ہے کہ اہل عراق کی میقات حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ذات عرق کو قرار دیا گیا ہے، اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں عقیق کو؟

خطابی کہتے ہیں: حدیث عقیق اثبت ہے دوسری حدیث کے مقابلہ میں۔ اور یا یہ کہا جائے کہ ان میں سے **احدھما میقات الاستحباب** ہے۔ اور دوسری **میقات الوجوب**، پس ان میں سے جو ابعد ہے، یعنی عقیق وہ تو **میقات الاستحباب** ہے، جو اقرب ہے، وہ **میقات الوجوب** ہے، اور یا یہ کہا جائے کہ بعض اہل عراق (اہل بصرہ) کے لئے میقات ذات عرق ہے اور بعض (اہل مدائن) کے لئے عقیق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (الدر المنضود: ۱۶۹/۳)

ایک توجیہ اس کی یہ کی گئی ہے کہ ذات عرق ایک قریہ اور منزل ہے، جس کا محل وقوع شروع میں وادیٔ عقیق ہی تھا، بعد میں یہ آبادی ذات عرق جو کہ نسبۃً مکہ مکرمہ کے زیادہ قریب ہے، وہاں منتقل ہوگئی تھی، لہٰذا جس روایت میں ذات عرق آیا ہے وہ اس کے قدیم محل کے اعتبار سے ہے، **وھما شیء واحد**، لیکن یہ توجیہ اس لئے درست نہیں کہ اس کا مقتضی یہ ہے کہ اہل عراق کی اصل میقات عقیق ہی ہو اور ان کے لئے ذات عرق سے احرام باندھنا صحیح نہ ہو، حالانکہ یہ خلاف اجماع ہے۔ (حاشیہ الدر المنضود: ۱۶۹/۳)

مسجد اقصیٰ سے احرام کی فضیلت

{۲۴۱۷} وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ اَهَلَّ بِحَجَّةٍ اَوْ عُمْرَةٍ مِنَ الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى اِلَى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ غُفِرَ لَهٗ مَا

تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَمَا تَأَخَّرَ اَوْ وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃُ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۴۳، باب فی المواقیت، حدیث نمبر: ۱۷۴۱، ابن ماجہ شریف: ۲۱۵، باب من اہل بعمرۃ من بیت المقدس، حدیث نمبر: ۳۰۰۲۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: کہ جس شخص نے حج یا عمرہ کے لئے مسجد اقصیٰ سے مسجد حرام کا احرام باندھا، اس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ یا یہ فرمایا: کہ اس کے لئے جنت واجب ہو گئی۔

تشریح: آدمی حرم سے جتنی دوری پر احرام باندھے اتنا ہی اچھا ہے۔

من اہل بحجۃ او عمرۃ: مراد حج اور عمرہ کے لئے احرام باندھنا ہے۔

من المسجد الاقصیٰ: بیت المقدس مراد ہے، جو پہلے انبیاء علیہم السلام کا قبلہ رہا ہے۔

غفر لہ ما تقدم من ذنبہ و ما تأخر: مراد صغائر ہیں اور کبائر کی معافی کی بھی امید کی جا سکتی ہے۔

او وجبت لہ الجنۃ: یعنی ابتدائی مرحلے ہی میں جنت واجب ہو جائے گی۔

فائدہ (۱): اس حدیث شریف سے بیت المقدس سے احرام باندھ کر حج و عمرہ کرنے کی خاص فضیلت معلوم ہوئی۔

فائدہ (۲): نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مواقیت سے پہلے احرام باندھ سکتا ہے، اس کے اندر اختلاف ہے، داؤد ظاہری، ابن حزم کے نزدیک جائز نہیں ہے، جمہور کے نزدیک جائز ہے، مالکیہ حنابلہ کے یہاں اولیٰ یہ ہے کہ مواقیت سے احرام باندھے اور حنفیہ و شافعیہ کے یہاں مواقیت سے پہلے افضل ہے۔ یہ حدیث ہمارا مستدل ہے۔ تفصیل ماقبل میں گذر چکی ہے۔ (التعلیق: ۳/۱۸۱)

﴿الفصل الثالث﴾

حج میں سوال کی ممانعت

{۲۴۱۸} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ كَانَ اَهْلُ الْيَمَنِ يَحُجُّوْنَ فَلَا يَتَزَوَّدُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ نَحْنُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ فَإِذَا قَدِمُوْا مَكَّةَ سَأَلُوْا النَّاسَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى ''وَتَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى''۔ (رواه البخاری)

حواله: بخاری شریف: ۱/۲۰۶، کتاب المناسک، باب قوله تعالیٰ "وتزودو" الأية، حدیث نمبر: ۱۵۰۱۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اہل یمن حج تو کرتے تھے؛ لیکن زادِ راہ نہیں لاتے تھے، اور کہتے تھے: کہ ہم لوگ توکل کرنے والوں میں ہیں؛ مگر جب مکہ مکرمہ پہنچتے، لوگوں سے سوال شروع کر دیتے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "وَتَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى"۔ [اور (حج کے سفر میں) زادِ راہ ساتھ لے جایا کرو، کیونکہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔] (آسان ترجمہ)

تشریح: آدمی حج کو جائے تو ضروریات کے سامان ساتھ لے کر جائے، تاکہ حج کے دوران دست سوال دراز کرنے سے بچے۔

فاذا قدموا مكة سألوا الناس: لیکن ان کی حالت یہ تھی کہ لوگ جب مکہ مکرمہ آجاتے تو دست سوال دراز کرنا شروع کر دیتے۔

فانزل اللہ تعالیٰ الخ: تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

گویا ان لوگوں نے توکل کو زادِ راہ کا درجہ دے دیا تھا، اور یہ سمجھتے تھے کہ حج کے ضروری اخراجات کی فراہمی سے قطع نظر توکل بہترین چیز ہے؛ لیکن حقیقت میں نہ تو وہ توکل تھا، اور نہ یہ کوئی اچھی بات تھی کہ حج کے لئے مکہ مکرمہ پہنچ کر لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائے جائیں، جو انسانی شرافت اور عظمت کے خلاف ہے، اس لئے فرمایا گیا کہ سب سے بڑی بات اور خوبی یہ ہے کہ زادراہ اپنے ساتھ رکھو، اور گداگری سے بچو۔

مسئلہ: اس بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ حج کے ضروری اخراجات ساتھ رکھے، بغیر زادِ راہ کے حج کے لئے جانا درست نہیں ہے، جس کے نفس میں توکل کی قوت نہ ہو۔ اور اس کو غالب گمان ہو کہ میں شکوہ شکایت و بے صبری اور گداگری میں مبتلا ہو کر خود بھی پوری طمانیت اور سکون کے ساتھ افعال حج ادا نہ کرسکوں گا اور دوسروں کو بھی پریشانی میں مبتلا کروں گا۔ ایسے شخص کو حج کو جانا درست نہیں۔ اس کو چاہئے کہ پہلے زادِ راہ کا انتظام کرے، پھر حج کا سفر کرے، اہل توکل کی شان دوسری ہوتی ہے وہ کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے۔

آیت اور حدیث شریف میں اس طرف اشارہ ہے کہ ضروری وسائل اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے، چنانچہ کاملین کے نزدیک یہی افضل ہے۔ (مرقاۃ:۳/۱۷۹)

عورتوں کا جہاد حج و عمرہ ہے

{۲۴۱۹} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! عَلَى النِّسَاءِ جِهَادٌ؟ قَالَ: نَعَمْ! عَلَيْهِنَّ جِهَادٌ لَا قِتَالَ فِيْهِ الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ۔ (رواہ ابن ماجة)

حوالہ: ابن ماجہ شریف:۲۰۸، کتاب المناسک، الحج جہاد النساء، حدیث نمبر: ۲۹۰۱۔

حل لغات: جهاد: اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جنگ۔ **جهد (ک) جهدا:** بہت

کوشش کرنا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے کہا: یارسول اللہ! کیا عورتوں پر جہاد ہے؟ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں! ایسا جہاد ہے جس میں قتال نہیں ہے، وہ حج وعمرہ ہے۔

تشریح: قلت یا رسول اللہ! علی النساء جهاد: یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے شوق جہاد کی ایک جھلک ہے کہ انہوں نے حضرت نبی کریم ﷺ سے یہ دریافت کیا: کہ کیا عورت کے لئے جہاد ہے؟

قال: نعم علیهن جهاد لا قتال فیه: حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ ہاں عورت کے لئے جہاد ہے؛ لیکن ایسا جہاد ہے کہ اس میں قتال نہیں ہے۔

الحج والعمرة: یعنی وہ جہاد حج اور عمرہ ہے، یعنی حج وعمرہ میں جہاد کی طرح ہی سفر کرنا، ضروری سامان اٹھانا، اہل خانہ اور شہر والوں سے دور ہوجانے کی پریشانی ہے، قدم قدم پر پریشانی ہے اسی لئے حج وعمرے کو جہاد کہا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عورتیں حج وعمرہ کرتی رہیں، ان کے لئے یہی جہاد ہے۔

حج نہ کرنے والوں کے لئے وعید

{۲۴۲۰} وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ یَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ یَحُجَّ فَلْیَمُتْ اِنْ شَاءَ یَهُوْدِیًّا وَاِنْ شَاءَ نَصْرَانِیًّا۔ (رواہ الدارمی)

حوالہ: دارمی: ۴۵/۲، کتاب المناسک، باب من مات ولم یحج، حدیث نمبر: ۱۷۸۵۔

حل لغات: یمنعه: منع (ف) منعاً، روکنا، منع کرنا۔ جائر: جار (ن) جوراً علیه، ظلم کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد

فرمایا: جس شخص کو ظاہری ضرورت، ظالم بادشاہ اور خطرناک مرض نے حج سے نہیں روکا اور وہ حج کئے بغیر مرگیا، تو اس کو اختیار ہے کہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔

تشریح: حاجة ظاهرة: ظاہری ضرورت سے مراد زادِ راہ اور سواری ہے۔ (مرقاۃ:۵/۲۷۹)

او سلطان جائر: یعنی ایسا بادشاہ ہے کہ جو حج کرنے والوں کو قید کرلیتا ہو یا قتل کردیتا ہو یا اسباب لٹوادیتا ہو؛ تو ایسے حالات میں حج فرض نہیں ہے۔

او مرض حابس: یعنی ایسا مرض کہ آدمی سفر نہ کرسکے؛ تو حج فرض نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حج فرض ہونے کی تمام شرطیں پائی جائیں اور کوئی مانع موجود نہ ہو اور پھر بھی وہ حج ادا کئے بغیر مرگیا تو اس کے لئے حدیث شریف میں مذکورہ وعید ہے۔ اس کی تفصیل پیچھے بھی گذرچکی۔

حاجی اللہ تعالیٰ کے مہمان

{۲۴۲۱} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ: اَلْحَاجُّ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللّٰهِ اِنْ دَعَوْهُ اَجَابَهُمْ وَاِنِ اسْتَغْفَرُوْهُ غُفِرَ لَهُمْ۔ (رواه ابن ماجة)

حوالہ: ابن ماجہ شریف:۲۰۸، کتاب المناسک، باب فضل دعاء الحاج، حدیث نمبر:۲۸۹۲۔

حل لغات: وفد: وہ لوگ جو اکٹھے کسی جگہ جائیں۔ جمع: **وفود، دعوہ: دعا(ن) دعوة،** بلانا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ حج وعمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، اگر یہ لوگ دعا کریں تو اللہ تعالیٰ قبول کرے گا اور اگر استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے گا۔

تشریح: حاجی لوگ اللہ تعالیٰ کے گھر میں حاضری دیتے ہیں، اس لئے یہ سب اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔

الحاج والعمار: مراد وہ لوگ ہیں جو حج اور عمرہ کرنے کے لئے مکہ مکرمہ جاتے ہیں۔

وفد اللہ: مراد اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔

ان دعوہ اجابھم: اور چونکہ مہمان کی فرمائشیں قبول کی جاتی ہیں: اس لئے اللہ تعالیٰ بطور خاص ان کی دعا کو بھی قبول کرتا ہے اور بخشش بھی کرتا ہے۔

فائدہ: حدیث پاک سے حاجی کی فضیلت بھی معلوم ہوئی اور ذمہ داری بھی۔ فضیلت تو حدیث پاک میں بیان فرمادی ہے۔اور ذمہ داری "**وفد اللہ**" اللہ کے مہمان سے معلوم ہورہی ہے کہ اس پاک پروردگار خالق کائنات نے جب اپنے عاجز اور گنہگار بندہ کو اپنے مہمان ہونے کا شرف بخشا، تو ضروری ہے کہ بندہ ہمیشہ اس کی شکرگذاری بجالائے۔ پختہ توبہ کرے، آئندہ ہر چھوٹے بڑے گناہ سے اپنی حفاظت کرے، اللہ تعالیٰ کی پوری پوری اطاعت وفرمانبرداری کرے۔اور اپنے عزیز واقارب اور دوسری مخلوق کو بھی ان چیزوں کی طرف متوجہ کرتا رہے۔اوروں میں ہمیشہ اس کا استحضار رکھے کہ پروردگار عالم نے مجھ جیسے گنہگار بندہ کو اپنے دربار میں بلا کر اور اپنا مہمان بنا کر کتنا بڑا احسان فرمایا ہے۔میں اس کا حق شکر کس طرح ادا کرسکتا ہوں۔

اللہ کے وفود

{۲۴۲۲} وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَفْدُ اللّٰهِ ثَلَاثَةٌ: الْغَازِىْ وَالْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ۔

(رواہ النسائی والبیہقی فی شعب الایمان)

حوالہ: نسائی شریف: ۲/۲، کتاب مناسک الحج، باب فضل الحج، حدیث نمبر: ۲۶۲۶، شعب الایمان للبیہقی: ۴۷۵/۳، باب فضل الحج والعمرۃ، حدیث نمبر: ۴۱۰۳۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کے تین وفود ہیں: (۱) غازی۔ (۲) حاجی۔ (۳) عمرہ کرنے والے۔

تشریح: الغازی: مراد وہ لوگ ہیں جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کفار سے جہاد کرتے ہیں۔

حاجی سے سلام ومصافحہ کرو

{۲۴۲۳} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا لَقِیْتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَیْہِ وَصَافِحْہُ وَمُرْہُ اَنْ یَسْتَغْفِرَ لَکَ قَبْلَ اَنْ یَدْخُلَ بَیْتَہٗ فَاِنَّہٗ مَغْفُوْرٌ لَہٗ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد: ۶۹/۲، حدیث نمبر: ۶۱۱۲۔

حل لغات: صافحہ: صافح (مفاعلت) مصافحہ کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب حاجی سے ملو تو ان کو سلام کرو، مصافحہ کرو اور ان سے کہو: کہ وہ تمہارے لئے استغفار کریں، اپنے گھر داخل ہونے سے پہلے، اسلئے کہ وہ اس وقت تک مغفور ہوتے ہیں۔

تشریح: اذا لقیت الحاج الخ: یعنی جب حاجی اور معتمر واپس آئے تو ان سے خاص طور پر ملے اور ان سے دعا کے لئے کہے۔

قبل ان یدخل بیتہ الخ: مراد یہ ہے کہ گھر گرہستی میں لگ کر غفلت کے شکار ہونے سے پہلے پہلے۔ اس لئے کہ حاجی مستجاب الدعوات ہو جاتے ہیں، جس وقت وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے ہیں، اور گھر واپس آنے کے چالیس دن تک ایسے ہی رہتے ہیں، جیسا کہ ایک دوسری حدیث پاک میں اس کو بیان فرمایا ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ ان سے ملاقات کرو، اور مصافحہ کرو، اور دعاء کی درخواست کرو۔ اور گھر میں داخل ہونے سے پہلے کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ نہ صرف یہ کہ وہ اس وقت تک دنیا میں ملوث اور اپنے اہل وعیال میں مشغول نہیں ہوتا، بلکہ اس وقت تک راہِ خدا ہی میں ہوتا ہے، اور گناہوں سے پاک وصاف ہوتا ہے، اس لئے اس سے اپنی مغفرت کی دعا کرانی چاہئے۔

حضرات علماء لکھتے ہیں کہ عمرہ کرنے والا، جہاد کرنے والا، اور دینی طالب علم بھی حاجی کے حکم میں

ہیں، جب یہ لوٹ کر اپنے گھر آئیں تو ان سے بھی گھر میں داخل ہونے سے پہلے سلام ومصافحہ کیا جائے اور دعاء مغفرت کی درخواست کی جائے، کیونکہ یہ لوگ بھی مغفور ہوتے ہیں، اور ان کی دعا قبول ہوتی ہے۔ (مظاہر حق:۲۷۹/۳)

فائدہ: حدیث پاک سے حاجی کا ادب معلوم ہوا کہ جب حاجی حج سے واپس آئے تو اس سے ملاقات کرنا چاہئے اور سلام ومصافحہ کے بعد دعا واستغفار کی درخواست کرنا چاہئے۔

دوران سفر مرنے والے حاجی کا حکم

{۲۴۲۴} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا اَوْ غَازِیًا ثُمَّ مَاتَ فِیْ طَرِیْقِهٖ کَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اَجْرَ الْغَازِیْ وَالْحَاجِّ وَالْمُعْتَمِرِ۔ (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

حوالہ: شعب الایمان للبیهقی:۴۷۴/۳، فضل الحج والعمرة، حدیث نمبر:۴۱۰۰۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص حج، عمرہ یا جہاد کے لئے نکلا؛ لیکن راستے میں اس کی موت ہوگئی، تو اللہ تعالیٰ اس کو غازی، حاجی اور عمرہ کرنے والے کا ثواب عنایت کرتا ہے۔

تشریح: من خرج حاجا الخ: مراد یہ ہے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلے؛ خواہ حج وعمرہ کے لئے ہو یا جہاد وطلب علم کے لئے۔

ثم مات فی طریقه: یعنی عمل کرنے سے پہلے ہی اس کی موت ہوگئی۔

کتب الله له اجر الغازی الخ: یعنی وہ جس مقصد کے لئے نکلا تھا، اللہ تعالیٰ اس کو اس کا ثواب دے دیتا ہے۔ اگر حج وعمرہ کے لئے نکلا تھا تو حج وعمرہ کا ثواب۔ غزوہ کے لئے نکلا تھا تو غزوہ کا ثواب۔ طلب علم کے لئے نکلا تھا تو طلب علم کا ثواب اس کو عطا فرما دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی مہربانی ہے کہ محض قصد اور ارادہ پر اس عمل کا اجر وثواب عطا فرما دیتا ہے۔

فائدہ: حدیث پاک میں تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، لیکن اس سے سمجھ میں آتا ہے ان تین چیزوں کے علاوہ کسی اور دینی مقصد کے لئے کوئی بندہ نکلا، مثلاً کوئی شخص چلّہ، تین ماہ، یا سال کے لئے دعوت وتبلیغ کی نیت سے نکلا اور اس کا انتقال ہوگیا تو امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کو اس کا اجر ملے گا۔

باب الاحرام والتلبیة

احرام اور تلبیہ کا بیان

رقم الحدیث: ۲۴۲۵ تا ۲۴۳۹

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

باب الاحرام والتلبیۃ

احرام اور تلبیہ کا بیان

دل میں حج یا عمرہ یا دونوں کی نیت کر کے تلبیہ پڑھ لینا احرام کہلاتا ہے، اس کے بعد احرام کی تمام پابندیاں شروع ہو جاتی ہیں، احرام حج یا عمرہ کے لئے ایسا ہی ہے جیسے تحریمہ نماز کے لئے اور حلق یا تقصیر بمنزلہ سلام کے ہے۔

حنفیہ کے ہاں احرام کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ احرام سے پہلے اپنی حجامت وغیرہ کرالے، بال ناخن وغیرہ ٹھیک کر لے، غسل کر کے خوشبو لگائے، سلے ہوئے کپڑے اتار کر چادریں پہن لے، پھر اگر مکروہ وقت نہ ہو تو دو رکعت نفل پڑھے، نماز سر ڈھانپ کر ہی پڑھے، کیونکہ ابھی احرام کی پابندیاں شروع نہیں ہوئیں۔ نماز کے سلام کے بعد سر ننگا کر کے دل سے نیت کرے، زبان سے بھی کہہ دے "**اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُرِيْدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِيْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّيْ**" [اے اللہ! بے شک میں حج کا ارادہ کرتا ہوں، پس تو اس کو میرے لئے آسان فرما اور اس کو میری طرف سے قبول فرما۔]

اور عمرہ کا احرام باندھنا ہو تو یوں کہے: "**اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُرِيْدُ الْعُمْرَةَ فَيَسِّرْهَا لِيْ وَتَقَبَّلْهَا مِنِّيْ**" [اے اللہ! بے شک میں عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں، پس تو اس کو میرے لئے آسان فرما اور میری طرف سے اس کو قبول فرما۔]

دونوں کا احرام ہو تو یوں کہے: "**اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُرِيْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَيَسِّرْهُمَا لِيْ وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّيْ**" [اے اللہ! بے شک میں حج اور عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں، پس تو دونوں کو میرے لئے آسان فرما اور

میری طرف سے دونوں کو قبول فرما۔]

اس کے بعد وہیں بیٹھا بیٹھا تلبیہ بھی پڑھ لے۔ احرام سے پہلے جو غسل کیا جاتا ہے، یہ غسل نظافت ہے غسل طہارت نہیں، لہٰذا حائضہ یا نفساء احرام باندھنے لگے تو اس کے لئے بھی غسل کر لینا مسنون ہے۔

اس بات پر تو اتفاق ہے کہ احرام کے لئے ضروری ہے کہ حج یا عمرہ یا دونوں کی نیت ہو، بغیر نیت کے احرام نہیں ہوگا، اس میں اختلاف ہوا ہے کہ محرم بننے کے لئے صرف نیت ہی کافی ہے، یا نیت کے علاوہ کوئی اور کام بھی ضروری ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مطلق نیت کافی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نیت کے ساتھ تلبیہ پڑھنا بھی ضروری ہے، اگر صرف نیت کی تلبیہ نہ پڑھا تو احرام شروع نہیں ہوگا، البتہ تلبیہ کے قائم مقام سوق ہدی بھی کافی ہے۔ (مغنی ابن قدامہ: ۳/۲۸۱) (اشرف التوضیح: ۲/۳۰۱)

﴿الفصل الاول﴾

احرام میں خوشبو لگانا

{۲۴۲۵} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاِحْرَامِهٖ قَبْلَ اَنْ يُّحْرِمَ وَلِحِلِّهٖ قَبْلَ اَنْ يَّطُوْفَ بِالْبَيْتِ بِطِيْبٍ فِيْهِ مِسْكٌ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى وَبِيْصِ الطِّيْبِ فِيْ مَفَارِقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۰۸، باب الطیب عند الاحرام، حدیث نمبر: ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، مسلم شریف: ۱/۳۷۸، باب استحباب الطیب قبیل الاحرام، حدیث نمبر: ۱۱۸۹، ۱۱۹۰۔

حل لغات: مسک: کستوری، جمع: مَسِک۔ انظر: نظر (ن) نظراً، دیکھنا۔ الطیب:

خوشبو۔ جمع: **اطیاب۔ وبیص: وَبَص (ض) وبصاً**، چمکنا۔

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں احرام باندھنے سے پہلے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو احرام کے لئے اور حلال ہونے کے لئے خانہ کعبہ کا طواف کرنے سے پہلے ایسی خوشبو لگاتی تھی جس میں مشک ہوتا تھا، گویا کہ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں؛ حالانکہ آپ محرم تھے۔

تشریح: کنت اطیب الخ: یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگوایا کرتے تھے۔

ولحله قبل ان یطوف بالبیت: طواف سے مراد ''طواف افاضہ'' ہے، یعنی رمی جمرات کے بعد چونکہ جماع اور دواعِ جماع کے علاوہ تمام چیزیں حلال ہوجایا کرتی ہیں؛ اس لئے اب خوشبو لگانے میں بھی حرج نہیں ہے۔ (اختلاف الائمہ)

احرام سے پہلے اگر خوشبو لگائے تو امام مالک ومحمد کے نزدیک احرام کے وقت اس کو اچھی طرح صاف کرے کہ اثر بالکل باقی نہ رہے، اگر اثر باقی رہ جائے تو یہ مکروہ ہوگا۔ یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے۔

امام ابوحنیفہ واحمد وابویوسف علیہم الرحمۃ کے نزدیک اثر باقی رہنے میں کوئی حرج نہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح قول بھی یہی ہے۔ **کما قال العینی**۔ بلکہ جمہور کے نزدیک متصل ارادۂ احرام کے وقت خوشبو لگانا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے، البتہ امام مالک کے نزدیک خوشبو لگانا حرام ہے۔

فریق اول نے یعلی بن امیہ کی حدیث سے استدلال کیا کہ **''اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجل متضمخ بطیب فقال اما الطیب الذی بک فاغسله ثلاث مرات''** (متفق علیہ)

فریق ثانی کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، بخاری ومسلم میں **''کنت اطیب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاحرامه قبل ان یحرم بطیب فیه مسک کانی انظر الی وبیص الطیب فی مفارق النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو محرم''** [میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے احرام کے لئے احرام باندھنے سے قبل خوشبو لگاتی تھی، جس میں مشک ہوتا تھا، گویا کہ میں

آنحضرت ﷺ کی مانگوں میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں، درانحالیکہ آنحضرت ﷺ محرم ہیں۔]اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ احرام کے بعد خوشبو کا اثر باقی رہا، اور بہت سی حدیثیں ہیں جو بقاء اثر الطیب پر دلالت کرتی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ممنوعات احرام تو بعد الاحرام خوشبو لگانا ہے، خوشبو باقی رہنا نہیں ہے، انہوں نے جو یعلی کی حدیث پیش کی اس کا جواب یہ ہے کہ وہ خوشبو زعفرانی رنگ کی تھی، جیسا کہ بعض روایت میں ہے جو مردوں کیلئے جائز نہیں۔ اس لئے غسل کا حکم دیا۔ یا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے منسوخ ہے۔ (فتح الباری: ۳/۳۹۸، درس مشکوۃ)

احرام کی حکمت

احرام دراصل دربارِ خداوندی میں حاضری کے آداب میں داخل ہے کہ جو شخص بھی آفاق سے حدودِ حرم میں آئے وہ ویسے ہی لاپرواہی سے نہ آجائے، بلکہ حج یا عمرہ کے احرام کی نیت کر کے تلبیہ کی رٹ لگاتے ہوئے آئے، تاکہ عظمت خداوندی کا اظہار ہو، اسی لئے بحالت احرام بہت سی حلال چیزوں کی بھی ممانعت کر دی گئی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے بندوں پر یہ باور فرمایا کہ تحلیل وتحریم کا اختیار بندوں کے پاس نہیں ہے، بلکہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاس ہے، جس کی تعمیل کے بغیر چارۂ کار نہیں۔ احرام اسی حقیقت کو یاد دلانے کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔

احرام کی فضیلت

احرام کی حالت میں رہنا بجائے خود باعث فضیلت ہے، سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَا مِنْ مُؤْمِنٍ يَظِلُّ يَوْمَهُ مُحْرِمًا إِلَّا غَابَتِ الشَّمْسُ بِذُنُوبِهِ"

(رواہ الترمذی: ۸۱۰، الترغیب والترھیب مکمل: ۲۶۷)

[جو مسلمان شخص ایک دن احرام کی حالت میں رہتا ہے تو سورج اس کے گناہوں کو اپنے ساتھ

لے کر ڈوبتا ہے۔]

بریں بنا احرام کی طوالت کو بوجھ نہیں سمجھنا چاہئے، بلکہ عبادت سمجھ کر احرام کا وقت گذارنا چاہئے۔
ذیل میں احرام سے متعلق چند ضروری مسائل نقل کئے جاتے ہیں:

احرام کی حقیقت

احرام: دراصل نیت اور تلبیہ (یا اس کے قائم مقام کوئی ذکر خداوندی) کے اجتماع سے عبارت ہے، یعنی حج یا عمرہ کی نیت کر کے تلبیہ پڑھ لینے سے احرام شروع ہو جاتا ہے، خاص کپڑوں یا ہیئت کا نام احرام نہیں ہے۔ (بقیہ پابندیاں احرام سے ملحق امور میں شامل ہیں، بجائے خود احرام نہیں ہیں، جن کی تفصیل آگے آئے گی)۔ **"الاحرام شرعاً الدخول فی حرمات مخصوصة ای التزامها غیر انه لا یتحقق شرعا الا بالنیة مع الذکر والمراد بالذکر التلبیة ونحوها۔"** (شامی زکریا:۴۸۵/۲، منحة الخالق زکریا:۵۶۰/۲، فتح القدیر:۴۲۹/۲) **"وکذا لا یشترط ای لصحة الاحرام هیئة ای صورة ولا حالة"** (مناسک کبیر:۹۴)

احرام کے واجبات

احرام میں فی الجملہ تین چیزیں واجب ہیں:

(۱)……میقات سے احرام باندھنا۔

(۲)……ممنوعات احرام سے بچنا۔

(۳)……(مردوں کے لئے) سلے ہوئے کپڑوں کو اتار دینا۔ (لہٰذا اگر کسی نے احرام اس حالت میں باندھا کہ وہ سلا ہوا کپڑا پہنے ہوئے تھا تو اس پر ان کپڑوں کا اتارنا لازم ہوگا اور جزا بھی حسب قواعد واجب ہوگی) **"اما واجباته فکونه من المیقات وصونه من المحظورات والتجرد عن المخیط حتی لو احرم وهو لابسه یکره ویلزمه ا لترک والجزاء"** (غنیة الناسک:۶۷، ومثلہ فی الدر المختار مع الشامی زکریا:۴۷۱/۳، البحر الرائق زکریا:۳۰۸/۲، ہندیہ:۲۲۴/۱)

احرام کی چند سنتیں

احرام باندھتے وقت کی چند اہم سنتیں درج ذیل ہیں:

(۱)……حج کے مہینوں میں احرام باندھنا۔(اگر شوال سے قبل احرام باندھ لیا تو خلافِ سنت اور مکروہ ہوگا۔)(شامی زکریا:۴۸۳/۳)

(۲)……اپنے شہر کے مخصوص راستہ اور میقات سے احرام باندھنا۔(شامی زکریا:۴۸۱/۳)

(۳)……احرام سے قبل غسل یا وضو کرنا۔(دارقطنی:۱۹۷/۲، تاتارخانیہ:۴۸۵/۳، ہندیہ:۲۲۲/۱، منحۃ الخالق:۵۶۱/۲)

(۴)……ایک چادر اور ایک لنگی پہننا۔(مردوں کے لئے)(ہندیہ:۲۲۲/۱،شامی زکریا:۴۸۷/۳)

(۵)……دو رکعت نماز ادا کرنا(لیکن کسی نے اگر مکروہ وقت میں احرام باندھا ہے تو اس وقت نماز ادا نہیں کرے گا)۔(البحر الرائق زکریا:۵۶۳/۲،شامی زکریا:۴۸۸/۳)

(۶)……احرام کے بعد تلبیہ کا برابر ورد رکھنا۔(کتاب الام، رقم:۹۱۹، شامی زکریا:۵۰۱/۳، البحر الرائق زکریا:۵۷۰/۲)

(۷)……تلبیہ بلند آواز سے پڑھنا۔(مردوں کیلئے)(شامی زکریا:۵۰۲/۳،البحر الرائق زکریا:۵۷۰/۲)

احرام کے بعض مستحبات

احرام کے چند مستحبات درج ذیل ہیں:

(۱)……دو نئے یا دھلے ہوئے کپڑے پہننا(مردوں کے لئے)۔(البحر الرائق زکریا:۵۶۰/۲)

(۲)……چپل پہننا۔

(۳)……نماز کے فوراً بعد بیٹھنے کی حالت ہی میں نیت کرنا اور تلبیہ پڑھنا۔(درمختار مع الشامی:۴۸۹/۳)

(۴)……اگر ممنوعات احرام سے بچنے کی پوری امید ہو تو(اشہر حج میں)احرام میقات سے پہلے باندھنا۔

(البحر الرائق کوئٹہ:۳۱۹/۲،ہندیہ:۲۲۱/۱)

(۵)......مونچھ کترنا۔ (تاتارخانیہ:۳/۴۸۵)

(۶)......ناخن تراشنا۔ (البحر الرائق زکریا:۲/۵۶۱)

(۷)......بغل کے بال صاف کرنا۔ (تاتارخانیہ:۳/۴۸۵)

(۸)......موئے زیر ناف صاف کرنا۔ (درمختار مع الشامی زکریا:۳/۴۸۷)

(۹)......اگر بیوی پاس ہو اور کوئی مانع نہ ہو تو اس سے جماع کرنا۔ (تاکہ احرام کے دوران دل فارغ رہے)۔ (درمختار مع الشامی زکریا:۳/۴۸۷، البحر الرائق زکریا:۲/۵۶۱، مجمع الانہر:۱/۲۶۷، ہندیہ:۱/۲۲۲)

بدن پر خوشبو لگانے کا حکم

احرام باندھنے کے لئے غسل کرنے کے بعد بدن میں عطر وغیرہ لگانا مسنون ہے۔ جب کہ خوشبو بسہولت میسر ہو۔ **"ویسن بعد الغسل ان یستعمل الطیب فی بدنہ ان کان عندہ والا فلا یطلبہ"** (غنیۃ الناسک:۷۰، ومثلہ فی درمختار مع الشامی زکریا:۳/۴۸۸، اللباب:۱/۱۶۶، تبیین الحقائق:۲/۲۵۱، البحر الرائق زکریا:۲/۴۶۲، مجمع الانہر:۱/۲۶۷)

احرام کے کپڑوں میں خوشبو لگانا

احرام کے کپڑوں میں ایسی گاڑھی خوشبو لگانا (مثلاً جما ہوا مشک) جس کا اثر بعد تک باقی رہے ناجائز ہے، البتہ ایسی خوشبو جو گاڑھی نہ ہو اور اس کا اثر بعد میں باقی نہ رہے، اس کا کپڑوں پر لگانا گو کہ جائز ہے مگر نہ لگانا ہی بہتر ہے۔ **"اما الثوب فلا یجوز ان یطیب بما تبقی عینہ بعد الاحرام الخ، والاولیٰ ان لا یطیب ثوبہ"** (غنیۃ الناسک:۷۰، ومثلہ فی البحر الرائق زکریا:۲/۴۶۲، مجمع الانہر:۱/۲۶۷، ہندیہ:۱/۲۲۲، درمختار مع الشامی زکریا:۳/۴۸۸)

غسل کرنے کے بعد کنگھی کرنا

احرام کیلئے غسل کرنے کے بعد کنگھی کرنا مستحب ہے۔ **"ویستحب ان یسرح رأسہ عقیب**

الغسل" (غنیۃ الناسک:۷۰،ومثلہ فی تبیین الحقائق:۲۵۱/۲،الدر المنتقی:۲۶۷/۱،اللباب:۱۶۶/۱)

غسل کے بعد تیل لگانا

احرام کے لئے غسل کرنے کے بعد سر اور داڑھی میں تیل لگالینا بھی مستحب ہے۔وہ تیل چاہے خوشبو دار ہو یا خوشبو دار نہ ہو۔ **"وان یدھنہ بای دھن کان مطیبا کان او غیر مطیب و کذالحیتہ"** (غنیۃ الناسک:۷۰،ومثلہ فی التاتارخانیۃ:۴۸۶/۳،ہندیۃ:۲۲۲/۱،خانیۃ:۲۸۵/۱،حاشیۃ الشلبی علی التبیین:۲۵۰)

احرام میں مردوں کے لئے سفید کپڑوں کا استعمال

احرام میں مردوں کے لئے سفید کپڑوں کا استعمال افضل ہے۔ **"ابیضین ککفن الکفایۃ فی العدد والصفۃ غیر مخیطین"**

(غنیۃ الناسک:۷۱،شامی زکریا:۴۸۸/۲،البحر الرائق زکریا:۵۶۲/۲تبیین الحقائق:۲۵۰/۲)

احرام میں رنگین کپڑوں کا استعمال

اگر کسی نے سفید کے علاوہ کوئی اور دوسرا رنگ مثلاً کالا،لال،پیلا یا ہرا وغیرہ استعمال کرلیا تو بھی درست ہے،یا رنگین اونی چادر یا رزائی وغیرہ اوڑھ لی تو بھی کوئی حرج نہیں۔ **"وفی اسودین و کذا فی اخضرین و ازرقین وفی مرقعۃ"** (غنیۃ الناسک:۷۱،ومثلہ فی الشامی:۴۸۸/۳)

سلی ہوئی لنگی کا استعمال

احرام کے کپڑوں میں بہتر یہی ہے کہ وہ بالکل سلے ہوئے نہ ہوں،لیکن اگر کسی نے لنگی کے ایک کونے کو دوسرے سے باندھ دیا یا سلوالیا تو اس پر کوئی جزا لازم نہیں ہوگی۔ "والافضل ان لا یکون فیہ خیاطۃ اصلا وان زرر احدھما اوخللہ بخلال و میلہ اوعقد عقدہ بان ربط طرفہ الاٰخر او شدہ علی نفسہ بحبل ونحوہ اساء ولا شیء علیہ" (غنیۃ الناسک:۷۱،الشامی زکریا:۴۹۹/۳،البحر الرائق زکریا:۵۶۸/۲)

تنبیہ: اگرکسی شخص کو بےسلی لنگی پہننے کی بالکل عادت نہ ہو، اور ایسی لنگی پہننے سے کشف عورت کا واقعی خطرہ ہو تو اس کیلئے سلی ہوئی لنگی پہننے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے۔

پرس کمر میں باندھنا

روپئے پیسے کی حفاظت کے لئے کمر میں پٹہ یا پرس وغیرہ باندھنا بلا کراہت درست ہے۔

"بخلاف شد الهمیان فی وسطه فانه لا بأس به"

(غنیۃ الناسک: ۱۷، ہندیۃ: ۲۲۴/ ۱، اللباب: ۱۶۸/ ۱، تبیین الحقائق: ۲۶۲/ ۲)

احرام کی پابندیاں (مردوں کے لئے)

احرام شروع ہونے کے بعد مردوں کو درج ذیل باتوں کی پابندی کرنا لازم ہے:

(۱)……خوشبو استعمال نہ کرے۔

(۲)……سلا ہوا کپڑا نہ پہنے۔

(۳)……سر اور چہرہ نہ ڈھانکے۔

(۴)……بالوں کو نہ کاٹے۔

(۵)……بدن سے جوں وغیرہ نہ مارے اور نہ گرائے۔

(۶)……ناخون نہ تراشے۔

(۷)……جماع یا دواعی جماع اختیار نہ کرے۔

(۸)……خشکی کے جانور کو نہ چھیڑے اور نہ مارے۔

(۹)……بند جوتے نہ پہنے۔ (مستفاد: درمختار مع الشامی زکریا: ۴۹۵/ ۳، تبیین الحقائق: ۲۵۹/ ۲، ملتقی الابحر جدید: ۳۹۷/ ۱، ہندیۃ: ۲۲۴/ ۱، اللباب: ۱۶۷/ ۱، غنیۃ الناسک: ۲۲۸)

احرام کی پابندیاں (عورتوں کے لئے)

عورت کے لئے بھی وہی پابندیاں ہیں جو مردوں کے لئے ہیں؛ البتہ وہ سلا ہوا کپڑا اور بند جوتا

پہنچ سکتی ہے، اسی طرح سر حسب دستور ڈھانپے گی، لیکن چہرہ کو اس طرح رکھے کہ اس پر کپڑا نہ لگنے پائے (تاہم اجنبیوں سے چہرہ چھپانے کی کوشش ضرور کرے)۔ **"هي فيه كالرجل غير انها لاتكشف رأسها وتكشف وجهها والمراد بكشف الوجه عدم مماسة شيء له"** (غنیۃ الناسک: ۹۴، ومثلہ فی الطحطاوی علی المراقی جدید: ۷۳۸، اللباب: ۱/۷۶، درمختار مع الشامی زکریا: ۳/۵۵۱، البحر الرائق زکریا: ۲/۶۲۲)

کن ٹوپ لگانا

حالت احرام میں سردی سے بچنے کے لئے ایسا ''کن ٹوپ'' لگانا جس سے چہرہ یا سر نہ ڈھکے جائز ہے۔ **"ولا بأس بان يغطي اذنيه وقفاه... الخ"** (غنیۃ الناسک: ۲۵۵، درمختار مع الشامی زکریا: ۳/۵۷۹، تاتارخانیۃ: ۳/۵۷۸، خانیۃ: ۱/۲۷۹، ہندیۃ: ۱/۲۲۴)

احرام میں کیسا چپل، جوتا پہنا جائے؟

احرام کی حالت میں مردوں کے لئے ایسا جوتا پہننا منع ہے جس سے قدم کی اوپری ابھری ہوئی ہڈی ڈھک جائے؛ لہٰذا اگر ایسا جوتا پہنا جس سے یہ ہڈی اور ٹخنے کھلے رہتے ہیں، تو اس کو بحالت احرام پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ **"ولبس كل شيء في رجله لايغطي الكعب الذي في وسط القدم"** (غنیۃ الناسک: ۹۲، درمختار مع الشامی زکریا: ۳/۵۰۰، البحر الرائق زکریا: ۲/۵۶۷) **"بل وجب قطعهما حتى يكونا اسفل من الكعبين"** (غنیۃ الناسک: ۸۷) **"والكعب هنا المعضل الذي في وسط القدم عند معقد الشراك"** (ہندیۃ: ۱/۲۲۴، اللباب: ۱/۷۶)

تنبیہ: بعض لوگ احرام میں ہوائی چپل پہننا ہی ضروری سمجھتے ہیں تو ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے، بلکہ ہر وہ چپل یا جوتا احرام میں پہننا جائز ہے جس سے ٹخنے اور قدم کی اوپری ہڈی نہ ڈھکتی ہو۔

عورت کا احرام میں دستانے پہننا

عورت کے لئے احرام کی حالت میں ہاتھ میں دستانے پہننا علماء حنفیہ کے نزدیک پسندیدہ نہیں

ہے۔ ”واما المرأۃ فیندب لھا عدمہ عندنا لقولہ علیہ السلام: ”ولا تلبس القفازین“

(غنیۃ الناسک: ۸۶، ومثلہ فی الشامی زکریا: ۴۹۹/ ۳، البحر الرائق زکریا: ۵۶۸/ ۲)

عورت کا زیورات پہننا

عورت کو حالت احرام میں ہر طرح کے زیورات پہننا جائز ہے۔ ”وتلبس الحریر والذھب وتتحلی بأی حلی شاءت“ (غنیۃ الناسک: ۹۴، ومثلہ فی الدر المختار مع الشامی زکریا: ۵۵۱/ ۳، طحطاوی: ۴۳۸، سکب الانہر: ۴۲۱/ ۱) (احرام سے متعلق یہ مسائل ”کتاب المسائل“ جلد: ۳ سے ماخوذ ہیں)

تلبید وتلبیہ

{۲۴۲۶} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُھِلُّ مُلَبِّدًا یَقُوْلُ: لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَا یَزِیْدُ عَلٰی ھٰؤُلَاءِ الْکَلِمَاتِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۸۷۶/۲، کتاب اللباس، باب التلبید، حدیث نمبر: ۵۶۸۲، مسلم شریف: ۳۷۶/۱، کتاب الحج، باب التلبیۃ الخ، حدیث نمبر: ۱۱۸۴۔

حل لغات: ملبدا: لَبَّد (تفعیل) کسی چیز کے ذریعہ سے بالوں کو آپس میں چپکا دینا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلبید کی حالت میں بلند آواز سے کہتے ہوئے سنا: ”لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ“ [میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بے شک ہر قسم کی حمد اور نعمت تیرے ہی لئے ہے اور ملک تیرے ہی لئے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات سے زیادہ نہیں کہتے تھے۔

تلبید کی تعریف

تشریح: احرام باندھتے وقت سر کے بالوں میں گوند کا پانی یا اسی قسم کی کوئی چیز لگانا تاکہ احرام کی حالت میں بال منتشر نہ ہوں کیونکہ مرد احرام کی حالت میں اپنے سر کو ڈھانپ تو سکتا نہیں، تو جس شخص کے پٹھے ہیں اگر وہ احرام کے وقت بالوں کو جمانے کی کوئی تدبیر نہ کرے تو ظاہر ہے کہ وہ منتشر رہیں گے۔ (اسی کو تلبید کہتے ہیں۔)

محرم کے لئے تلبید کا حکم

شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک تلبید مطلقاً جائز ہے اور حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک تلبید یسیر جس سے تغطیہ رأس لازم نہ آئے جائز ہے۔

یہ روایت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے، ان کے نزدیک محرم کے لئے تلبید جائز ہے۔

حنفیہ کے نزدیک محرم کے لئے تلبید کثیر ناجائز ہے، کیونکہ تلبید سر ڈھانکنے کے حکم میں ہے اور حالت احرام میں مردوں کے لئے سر ڈھانکنا ممنوع ہے، چنانچہ حنفیہ کے یہاں نفس تلبید سے جس میں خوشبو نہ ہو ایک دم واجب ہوتا ہے اور اگر اس میں خوشبو بھی ملی ہوئی ہو تو اس سے دو دم واجب ہوتے ہیں، ایک دم تو تلبید کی وجہ سے اور دوسرا خوشبو استعمال کرنے کی وجہ سے۔

جہاں تک تعلق ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر کی وجہ سے تلبید اختیار کی ہو۔ یا یہ کہا جائے گا کہ اس تلبید سے مراد تلبید لغوی ہے، یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بالوں کو درست کر رکھا تھا اور جما رکھا تھا۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تلبید یسیر ہو، جس سے تغطیہ رأس حاصل نہیں ہوتا، یعنی گیلے ہاتھ پر معمولی سا اثر گوند وغیرہ کا ہو اور اس کے ذریعہ بالوں کو منتشر ہونے سے روکا گیا ہو، یہ مطلب نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطمی یا گوند وغیرہ کا استعمال فرمایا تھا۔

(مرقاۃ: ۳۸۲/۲، اوجز: ۲۰۹/۶، الدر المنضود: ۱۷۲/۳، نفحات التنقیح: ۳۰۰/۳)

یقول لبیک اللھم لبیک: لبیک یہ تلبیہ داعی کی اجابت ہے۔لیکن اس کے اندر اختلاف ہے کہ داعی کون ہے، بعض کے نزدیک اللہ تعالیٰ۔اور بعض کے نزدیک حضور اکرم ﷺ، اور بعض نے کہا کہ داعی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔اسی کو صاحب ہدایہ اور اکثرین نے اختیار کیا ہے۔

ان الحمد والنعمة والملک الخ: ان کو امام صاحب کے یہاں بالکسر اور امام شافعی کے یہاں بالفتح پڑھا جائے گا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ استقلال کلام کے لئے ہوتا ہے، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بالکسر کو راجح قرار دیا ہے۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام نووی کے قول سے لازم آیا کہ علامہ زمخشری نے جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بالفتح کا قول نقل کیا ہے وہ محل کلام ہے، لیکن ضروری نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی رائے بیان کی ہو۔

صحت احرام کے لئے تلبیہ ضروری ہے یا نہیں؟

اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ نیت کے بغیر احرام صحیح نہیں ہوتا، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ صحت احرام کے لئے تلبیہ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک صحت احرام کے لئے فقط نیت کافی ہے، تلبیہ لازم اور ضروری نہیں ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تلبیہ فی الحج کا وہی حکم ہے جو حکم نماز میں تکبیر تحریمہ کا ہے، جس طرح تحریمہ صلوۃ میں ہر وہ لفظ جو تعظیم پر دال ہو کافی ہو جاتا ہے، اللہ کبر بخصوصہ فرض نہیں ہے، اسی طرح تلبیہ کے لئے بھی جو الفاظ حدیث میں ذکر کئے گئے ہیں ان کا بخصوصہ پایا جانا شرط نہیں ہے۔(فتح الباری:۴۱۱/۲، بدایۃ المجتہد:۳۳۷/۱)

شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ تلبیہ عند ابتداء الاحرام ایک مرتبہ شرط ہے اور اس کے بعد پھر سنت ہے۔(التعلیق:۱۸۶/۲)

ولا یزید علی ھؤلاء الکلمات: اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ ان کلمات مذکورہ میں کمی

کرنا مکروہ ہے، البتہ ان کلمات پر زیادتی کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔

چنانچہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کلمات پر زیادتی درست نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ۵/۲۸۳)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے اور ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کراہت کا قول نقل کیا ہے۔ ان حضرات کا استدلال حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اسی روایت سے ہے۔ (التعلیق: ۳/۱۸۵)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور کے نزدیک زیادتی مکروہ نہیں ہے، بلکہ زیادتی مستحسن ہے، اس لئے کہ جمہور صحابہ اور تابعین سے ان کلمات پر زیادتی منقول ہے۔ (نصب الرایہ: ۳/۲۴)

اور خود ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت جو فصل ثانی میں آ رہی ہے اس میں زیادتی موجود ہے۔ چنانچہ اس میں ہے **"لبیک اللھم لبیک لبیک وسعدیک والخیر فی یدیک لبیک والرغباء الیک والعمل"**

اس لئے کہا جائے گا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں جو یہ مذکور ہے **"لا یزید علی ھولاء الکلمات"** یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت پر محمول ہے۔

(نفحات التنقیح: ۳/۳۰۱، التعلیق: ۳/۱۸۴)

تلبیہ کب کہے؟

{۲۴۲۷} وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَدْخَلَ رِجْلَهٗ فِي الْغَرْزِ وَاسْتَوَتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ قَائِمَةً اَهَلَّ مِنْ عِنْدِ مَسْجِدِ ذِي الْحُلَيْفَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۴۰۱، کتاب الجهاد، باب الرکاب والغرز للدابة، حدیث نمبر: ۲۸۶۵، مسلم شریف: ۱/۳۷۷، کتاب الحج، باب بیان ان الافضل ان یحرم حین تنبعث الخ، حدیث نمبر: ۱۱۸۷۔

حل لغات: رِجل: پیر۔ جمع: ارجل، الغَرْز: رکاب۔ جمع: غروز۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے

پیر مبارک رکاب میں ڈالے اور اونٹنی آپ کو لے کر کھڑی ہوئی، تب آنحضرت ﷺ نے مسجد ذی الحلیفہ کے پاس تلبیہ کہا۔

تشریح: اہل مدینہ کا میقات ذوالحلیفہ ہے اور بیداء بھی ذوالحلیفہ کے حدود میں ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ کے موضع احرام وتلبیہ کے بارے میں روایات مختلف ہیں، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام بیداء میں احرام باندھا، کمافی الترمذی۔ اور ابن عمر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد ذوالحلیفہ سے باندھا، کمافی مسلم۔ اور حضرت انس وابن عباس، ابن عمر رضی اللہ عنہم کی ایک روایت میں ہے کہ مسجد سے خارج ہونے کے بعد سواری پر سوار ہو کر احرام باندھا۔ اور ابو داؤد وحاکم کی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے کہ احرام کی دو رکعت پڑھ کر مصلی ہی میں احرام باندھا۔ اب مختلف روایات کے پیش نظر فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ سب صورتیں جائز ہیں، اور افضلیت میں کچھ اختلاف ہے، چنانچہ امام اوزاعی وعطاء کے نزدیک مقام بیداء سے احرام باندھنا افضل ہے، کمافی روایت جابر۔ اور یہی امام شافعی وبعض حجازیین کا قول ہے۔

لیکن امام ابوحنیفہ مالک واحمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک نماز کے بعد مصلی ہی میں احرام باندھنا افضل ہے اور یہی امام شافعی کا ایک قول ہے۔ کمافی روایت ابن عباس۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت اس بارے میں زیادہ واضح ہے، کیونکہ وہ ہر جگہ میں احرام کا ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: **"وایم اللہ لقداوجب فی مصلاہ واوجب حین استقلت بہ ناقتہ واھل حین علاعلی شرف البیداء"**

[اور قسم بخدا! بے شک آپ نے واجب فرمالیا تھا اپنے نماز پڑھنے کی جگہ ہی میں اور واجب فرمالیا تھا، جب آپ کی ناقہ آپ کو لے کر اٹھی اور آپ نے تلبیہ پڑھا جب آپ بیداء کی بلندی پر چڑھے۔] اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے احرام کا ایجاب کیا مصلی میں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ روایات کا اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سماع وعلم کے اختلاف کی بناء پر ہے، جس نے جہاں سنا اسی کو بیان کیا۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف اپنے اپنے سماع کے اعتبار سے ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما ان میں سب سے اعلم ہیں، کہ وہ تینوں مقام کے تلبیہ کا ذکر کر رہے ہیں، اور وہ مثبت زیادۃ ہیں، لہٰذا یہی زیادہ اولیٰ ہوگا۔ (درس مشکوۃ: ۲۲۷/۲، مرقاۃ: ۲۸۴/۵)

بہ آواز بلند تلبیہ

{۲۴۲۸} وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَصْرُخُ بِالْحَجِّ صُرَاخًا۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۰۸، کتاب الحج، باب جواز التمتع فی الحج والقران، حدیث نمبر: ۱۲۴۷۔

حل لغات: صرخ (ن) صراخاً، سخت چیخنا۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے لئے زور سے تلبیہ کہتے ہوئے نکلے۔

تشریح: آدمی زور سے تلبیہ پڑھے۔

بالحج: جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وعمرہ دونوں کیا تھا لیکن راوی نے یہاں پہ صرف حج کا تذکرہ کیا ہے، یہ اس لئے کہ حج ہی مقصود اصلی تھا۔ (مرقاۃ: ۵/۲۸۴)

ایضاً

{۲۴۲۹} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کُنْتُ رَدِیْفَ اَبِیْ طَلْحَۃَ وَاِنَّہُمْ لَیَصْرُخُوْنَ بِہِمَا جَمِیْعًا الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۴۱۹، کتاب الجهاد، باب الارتداف فی الغزو والحج، حدیث نمبر: ۲۸۹۴۔

حل لغات: ردیف: سواری کے پیچھے سوار ہونے والا، جمع: رُدَفَاءُ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں سواری پر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا اور وہ لوگ حج وعمرہ دونوں کے ساتھ آواز بلند کر رہے تھے۔

تشریح: کنت ردیف ابی طلحۃ: یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سواری پر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ

کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔

لیصرخون بهما جمیعا الخ: یعنی حضرات صحابہ کرام ﷺ حج قران کی نیت کر کے زور سے تلبیہ پڑھ رہے تھے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ حج قران کرنا افضل ہے، اس لئے کہ اگر یہ افضل نہ ہوتا تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ نہ کرتے۔(مرقاۃ: ۲۸۴/۴)

فائدہ: تلبیہ بلند آواز سے پڑھنے کی فضیلت معلوم ہوئی۔

(۲) حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا حج حج قران تھا۔

تلبیہ ندائے ابراہیمی کا جواب ہے

تلبیہ دراصل ندائے ابراہیمی کا جواب ہے، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کے بعد بحکم خداوندی پہنچائی تھی، تو جس شخص نے بھی اس ندا کے جواب میں عالم ارواح میں جتنی مرتبہ لبیک کہا تھا، اسے اتنی ہی مرتبہ حج وعمرہ کی توفیق نصیب ہوگی۔ حضرت ابوالطفیل سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کہ کیا تمہیں معلوم ہے تلبیہ کی اصل کیا ہے؟ تو میں نے عرض کیا: کہ نہیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا: کہ "جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کا اعلان کرنے کا حکم ہوا تو پہاڑوں نے اپنی چوٹیاں جھکالیں اور شہر اور آبادیاں ان کے لئے بلند کردی گئیں۔ پھر آپ علیہ السلام نے لوگوں میں حج کا اعلان کیا، تو ہر چیز نے **"لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ"** کہہ کر جواب دیا۔" (تفسیر قرطبی: ۳۶/۱۲)

نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قیامت تک وہی لوگ حج کریں گے جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جواب (تلبیہ پڑھ کر) دیا ہوگا۔

(عمدۃ القاری: ۱۷۲/۹ بحوالہ: رسول اللہ کا طریقۂ حج: ۱۷۰)

تلبیہ: حج کا شعار ہے

تلبیہ حج کا خاص ذکر ہے، حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ "میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر یہ ہدایت کی کہ آپ اپنے صحابہ کو بلند

آواز سے تلبیہ پڑھنے کا حکم دیں، کیونکہ تلبیہ حج کا خاص شعار ہے۔“

(سنن ابن ماجہ: ۲۹۲۳، ابن حبان: ۹۷۴، مستدرک حاکم: ۴۵۰/۱، الترغیب والترہیب مکمل: ۲۶۷)

اور سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کہ حج میں کونسا عمل سب سے زیادہ افضل اور پسندیدہ ہے؟ تو پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ”اَلْعَجُّ وَالثَّجُّ“ [یعنی بلند آواز سے تلبیہ پڑھنا اور قربانی میں خون بہانا۔] (رواہ ابن ماجہ والترمذی وغیرہم، الترغیب والترہیب مکمل: ۲۶۷)

تلبیہ سے گناہ معاف

تلبیہ کی کثرت گناہوں کی معافی کا سبب بھی ہے، چنانچہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”ما راح مسلم فی سبیل اللہ مجاھدا او حاجا مھلا او ملبیا الا غربت الشمس بذنوبه وخرج منھا“ (رواہ الطبرانی فی الاوسط: ۶/۱۶۱، الترغیب والترہیب مکمل: ۲۶۱)

[جو مسلمان اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد یا حج کے لئے کلمہ طیبہ یا تلبیہ پڑھتے ہوئے چلے تو سورج غروب ہونے تک اس کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور وہ گناہوں سے باہر آجاتا ہے۔]

تلبیہ محبت الٰہی کا مظہر ہے

جب بندہ یہ سوچ کر لبیک کہتا ہے کہ اس کے رب کریم نے اسے بلایا ہے تو واقعتاً انسان کے دل میں چھپی ہوئی عشق خداوندی کی چنگاری شعلۂ جوالہ بن جاتی ہے، اور جس طرح ایک چھوٹا بچہ ماں کے آواز دینے پر بے قراری کے عالم میں اس کی جانب لپکتا ہے اسی طرح حج وعمرہ کا مسافر دیوانہ وار لبیک کی صدا لگاتے ہوئے چل پڑتا ہے، اس کیف ومستی کا صحیح اندازہ عشاق ہی لگا سکتے ہیں، اور بکمال استحضار تلبیہ پڑھنے کی کیفیت کو الفاظ کے قالب میں ڈھالنا مشکل ہے، خدا کرے سچے عشاق کے عشق حقیقی کا کوئی قطرہ ہم سیاہ کاروں کو بھی نصیب ہوجائے۔ آمین!

تلبیہ زبان سے کہنا شرط ہے

تلبیہ زبان سے اس طرح کہنا شرط ہے کہ حروف صحیح ادا ہوں اور کم از کم خود سن رہا ہو، اگر دل دل میں تلبیہ پڑھا یا اس طرح زبان سے پڑھا کہ حروف تو صحیح ہو گئے مگر خود سن نہیں سکا یعنی بہت ہی آہستہ پڑھا تو بھی تلبیہ معتبر نہیں ہوگا۔ **"وشرط التلبية ان تكون باللسان فلو ذكرها بقلبه لم يعتد بها وكذا لو صحح الحروف بلسانه ولم يسمع نفسه لم يعتد بها على الصحيح"**

(غنیۃ الناسک: ۴۷، ومثلہ فی الشامی زکریا: ۴۹۰/ ۳، مناسک ملا علی قاریؒ: ۱۰۱)

تلبیہ کے الفاظ میں کمی زیادتی

تلبیہ کے الفاظ میں زیادتی تو مستحب ہے، مگر درمیان میں زیادتی کرنا یا تلبیہ کے منقول الفاظ سے کم کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ **"وندب ان يزيد فيها لا في خلالها بل بعدها و جاز قبلها الخ، اما النقص عنها او الزيادة في خلالها فيكره تنزيها"** (غنیۃ الناسک: ۴۷، ومثلہ فی تبیین الحقائق زکریا: ۲۵۵/ ۲، البحر الرائق کوئٹہ: ۳۲۲/ ۲، شامی زکریا: ۴۹۲/ ۳، ہندیۃ: ۲۲۳/ ۱)

تلبیہ کتنی بار مستحب ہے؟

تلبیہ تین بار پڑھنا مستحب ہے، جس کی صورت یہ ہونی چاہئے کہ تین بار لگاتار پڑھے اور تلبیہ کے دوران کوئی اور بات چیت نہ کرے۔ **"ويستحب ان يكرر التلبية ثلاثا وان يوالي بين الثلاث ولا يقطعها بكلام او غيره"**

(غنیۃ الناسک: ۴۷، شامی زکریا: ۴۹۲/ ۳، البحر العمیق: ۶۵۶/ ۲، البحر الرائق کوئٹہ: ۳۲۵/ ۲)

ہر حال میں تلبیہ زیادہ سے زیادہ پڑھنا مطلوب ہے

احرام کی ابتداء میں ایک مرتبہ تلبیہ پڑھنا شرط ہے اور ایک سے زائد مرتبہ تلبیہ پڑھنا مسنون ہے،

مگر ہر حال میں اٹھتے بیٹھتے، کھڑے بیٹھے، چلتے پھرتے اور پاکی ناپاکی الغرض ہر حالت میں تلبیہ زیادہ سے زیادہ پڑھنا مطلوب ہے۔ **"والتلبیة مرة شرط وھو عند الاحرام لاغیر الزیادة علی الا مرة سنة والاکثار منھا مستحب فی کل حال قائما او قاعدا او مضطجعا او ما شیا او راکبا او نازلا او واقفا وسائرا او طاھرا او محدثا او جنبا او حائضا۔"**

(غنیۃ الناسک:۷۵، البحر العمیق:۶۶۸/ ۲، تاتارخانیۃ:۴۹۰/ ۳، شامی زکریا:۴۹۲/ ۳)

اوقات اور احوال کے تغیر کے وقت تلبیہ کا حکم

ہر حال میں تلبیہ زیادہ سے زیادہ پڑھنا مستحب اور مطلوب ہے، مگر احوال اور اوقات کی تبدیلی مثلاً کسی بلند مقام کی طرف چڑھتے وقت یا کسی پست جگہ کی طرف اترتے وقت، صبح اور شام اور فرض نمازوں کے بعد اس کے استحباب میں اور زیادہ تاکید ہو جاتی ہے، یعنی ان اوقات میں بطور خاص تلبیہ کا اہتمام کرنا چاہئے۔ **"ویتأکد استحباب اکثارھا عند تغیر الاحوال والازمان وکلما علا شرفا او ھبط وادیا او لقی رکبانا او عند اقبال اللیل وبالاسحار وبعد المکتوبات اتفاقا"** (غنیۃ الناسک:۷۵، شامی زکریا:۴۹۲/ ۳، البحر الرائق زکریا:۵۷۰/ ۲، شامی زکریا:۴۹۲/ ۳، ملتقی الابحر:۲۷۰/ ۱، تبیین الحقائق زکریا:۲۶۳/ ۲، مبسوط سرخسی بیروت:۸/ ۴)

(تلبیہ سے متعلق یہ مسائل کتاب المسائل جلد:۳ سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔)

حج کے اقسام

{۲۴۳۰} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ. فَمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ وَعُمْرَةٍ وَمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِالْحَجِّ وَاَهَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ. فَاَمَّا مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ فَحَلَّ، وَاَمَّا مَنْ اَهَلَّ بِالْحَجِّ اَوْ جَمَعَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَلَمْ يَحِلُّوْا

حَتّٰی کَانَ یَوْمَ النَّحْرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۱۲، کتاب المناسک، باب التمتع والاقران الخ، حدیث نمبر:۱۵۳۸۔ مسلم شریف: ۱/۳۸۸، باب بیان وجوہ الاحرام الخ، حدیث نمبر: ۱۲۱۱۔

حل لغات: فحل: حل (ض) حلا الرجل، احرام سے نکلنا۔

ترجمہ: ام المومنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع کے سال نکلے تو ہم سے بعض نے صرف عمرے کا احرام باندھا، ہم میں سے بعض نے حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھا اور ہم میں سے بعض نے صرف حج کا احرام باندھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صرف حج کا احرام باندھا تھا، تو جن لوگوں نے صرف عمرے کا احرام باندھا تھا وہ حلال ہو گئے، اور جن لوگوں نے صرف حج یا حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا، وہ لوگ قربانی کے دن حلال ہوئے۔

حج کی قسمیں اور افضلیت میں اختلاف فقہاء

تشریح: حج کی تین قسمیں ہیں: (۱) افراد۔ (۲) تمتع۔ (۳) قران۔

حج افراد: حج افراد اس حج کو کہتے ہیں جس میں آدمی میقات سے صرف حج کا احرام باندھے۔

حج تمتع: اس حج کو کہتے ہیں، جس میں میقات سے عمرہ کا احرام ہوتا ہے، اور عمرہ ادا کرنے کے بعد پھر متمتع اگر سائق الہدی نہیں تو حلال ہو جاتا ہے اور پھر مکہ سے یوم الترویہ میں حج کا احرام باندھ کر حج ادا کرتا ہے، اور اگر متمتع سائق الہدی ہے تو پھر اس کے لئے حلال ہونا جائز نہیں ہے اور یہ حج کے بعد حلال ہوگا، جب اس کی ہدی دس ذی الحجہ کو ذبح ہوگی۔

حج قران: قران اس حج کو کہتے ہیں جس میں میقات سے حج وعمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھ کر پہلے عمرہ ادا کرے اور پھر اسی احرام سے حج ادا کرے۔

تمام فقہاء کا حج کی ان تینوں قسموں کے جواز پر اتفاق ہے، البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔

چنانچہ امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک سب سے افضل افراد ہے، پھر

تمتع، پھر قران۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سب سے افضل تمتع ہے، پھر افراد، پھر قران۔

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سب سے افضل قران ہے، پھر تمتع، پھر افراد۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: (المغنی لابن قدامہ: ۳/۱۲۲)

تنبیہ: یہ اس صورت میں ہے جب کہ سفر ایک ہو اور دوسرے سفر کا انتظام نہ ہو، باقی اگر عمرہ کے لئے مستقل سفر ہو اور حج کے لئے مستقل سفر ہو تو ہمارے نزدیک بھی افراد افضل ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں اس کی تصریح کی ہے۔ **(موطا امام محمد: ۲۰۰، باب القران الخ)**

بہر حال مسئلہ اختلافیہ میں بناء اختلاف یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں افراد کو اختیار کیا تھا، یا تمتع کو یا قران کو، چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس بارے میں روایات مختلف ہیں، اس لئے فقہاء اور ائمہ میں بھی اختلاف ہو گیا۔

امام شافعیؒ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا استدلال ان روایات سے ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حج افراد کرنا مروی ہے۔

چنانچہ مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: **"عن ابن عمر رضی اللہ عنہ فی روایۃ یحییٰ قال اھللنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالحج مفردا و فی روایۃ ابن عون ان رسول اللہ صلی اللہ علہ وسلم اھل بالحج مفردا"** (مسلم شریف: ۱/۴۰۴) [یحییٰ کی روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج افراد کا احرام باندھا۔ اور ابن عون کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج افراد کا احرام باندھا۔]

اسی طرح مسلم میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے: **"عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افرد الحج"** (مسلم: ۱/۳۸۹) [حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج افراد فرمایا۔]

ایسے ہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: **"عن جابر رضی اللہ عنہ انہ قال "اقبلنا مھلین مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحج مفرد"** (مسلم: ۱/۳۹۱) [حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج افراد کا احرام باندھ کر آئے۔]

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی روایت سے ہے، دونوں روایتیں ترمذی میں مذکور ہیں۔

چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روایت یوں ہے: **"عن محمد بن عبداللّٰہ بن الحارث بن نوفل انه سمع سعد بن ابی وقاص والضحاک بن قیس وهما یذکران التمتع بالعمرة الی الحج فقال الضحاک بن قیس لا یصنع ذلک الا من جهل امر اللّٰہ تعالیٰ فقال سعد بئس ما قالت یا ابن اخی فقال الضحاک فان عمر بن الخطاب قد نهی عن ذلک فقال سعد قد صنعها رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم و صنعناها معه"** (ترمذی: ۱/۱۶۹) [سعد بن ابی وقاص اور ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہما حج تمتع کا ذکر فرمارہے تھے، ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا: حج تمتع وہی شخص کرسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاہل ہو، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھتیجے! تم نے بہت بری بات کہی ہے، ضحاک رضی اللہ عنہ نے کہا: حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس سے منع فرمایا ہے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہم نے بھی کیا ہے۔]

ایسے ہی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: **"ان سالم بن عبداللّٰہ حدثه انه سمع رجلا من اهل الشام وهو یسأل عبداللّٰہ بن عمر عن التمتع بالعمرة الی الحج، فقال عبداللّٰہ بن عمر هی حلال فقال الشامی ان اباک قد نهی عنها فقال عبداللّٰہ بن عمر ارأیت ان کان ابی نهی عنها وصنعها رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم امر ابی یتبع ام امر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم؟ فقال الرجل بل امر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال لقد صنعها رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم"** (ایضاً) [حضرت سالم ابن عبد اللہ نے اہل شام میں سے ایک شخص کو سنا کہ وہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حج تمتع کے بارے میں سوال کررہا ہے، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ حلال ہے، شامی نے کہا: کہ آپ کے ابا نے تو اس سے منع کیا ہے؟ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر میرے ابا نے منع کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو کیا ہے تو میرے باپ کے حکم کا اتباع کیا جائے گا یا رسول اللہ ﷺ کے حکم کا اتباع کیا جائے گا؟ اس شخص نے کہا: بلکہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کا اتباع کیا جائے گا، حضرت عبد اللہ بن

عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: پس بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا ہے۔]

یہ دونوں روایتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متمتع ہونے پر دال ہیں۔

ان کا استدلال اس بات سے بھی ہے کہ تمتع کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے: **"فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ"** (سورۂ بقرہ: ۱۹۶) [تو جو شخص حج کے ساتھ عمرے کا فائدہ بھی اٹھائے۔] (آسان ترجمہ)

بخلاف افراد اور قران کے کہ ان کا ذکر قرآن کریم میں نہیں ہے، اس لئے کہا جائے گا کہ تمتع کا قرآن میں منصوص علیہ ہونا اس کی افضلیت کی واضح دلیل ہے۔

ان کا استدلال ان روایات سے بھی ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیت اللہ شریف کا طواف کرلیا تو ان کو احرام کھولنے کا حکم دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس کی تمنا کی تھی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"لو استقبلت من امری ما استدبرت ما اھدیت ولولا ان معی الھدی لاحللت"** (بخاری شریف: ۱/۲۲۴) [اگر میں اپنے (حج کا) معاملہ پہلے جان لیتا جو میں نے بعد میں جانا تو میں ہدی لے کر نہ آتا اور اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی تو میں حلال ہوجاتا۔]

لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام کھولنے کے لئے فرمانا، اسی لئے تھا کہ تمتع کریں، چنانچہ احرام کھول کر پھر انہوں نے حج کا احرام باندھ کر حج کیا اور یہی تمتع ہے۔

اس لئے کہا جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تمتع کا حکم دینا اور خود اس کی تمنا کرنا اس کی افضلیت کی دلیل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قارن ہونے کے دلائل

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قارن ہونے کے متعلق احناف کی تائید میں کئی روایات مروی ہیں، جن میں سے ہم یہاں چند روایت کا ذکر کرتے ہیں:

(۱)…… چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: **"عن سالم بن عبداللہ ان عبداللہ بن عمر قال تمتع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع بالعمرۃ الی**

الحج واھدی فساق معه الھدی من ذی الحلیفة وبدأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاھل بالعمرة ثم اھل بالحج" (بخاری شریف: ۱/۲۲۹) [سالم بن عبداللہ سے منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع فرمایا اور ہدی قربان فرمائی اور ذوالحلیفہ سے اپنے ساتھ ہدی لے کر آئے اور ابتداءً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا، پھر حج کا احرام باندھا۔]

یہاں پر لفظ اگرچہ تمتع کا استعمال ہوا ہے، لیکن اس سے تمتع لغوی مراد ہے، اور تمتع لغوی اور قران ایک ہیں۔

(۲)...... نیز صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مثل حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما مروی ہے۔ (بخاری شریف: ۱/۲۲۹، مسلم شریف: ۱/۴۰۴)

(۳)...... بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: **"سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بوادی العقیق یقول اتانی اللیلة من ربی فقال صل فی ھذا الوادی المبارک وقل عمرة فی حجة"** (۱/۲۰۷) [میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وادیٔ عقیق میں فرماتے ہوئے سنا: کہ رات میں میرے پاس میرے رب کی طرف سے کوئی آنے والا آیا اور کہا: اس وادی مبارک میں نماز پڑھئے اور یہ کہئے: **"عُمْرَةٌ فِي حَجَّةٍ"**]

(۴)...... مسلم شریف میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے: **"عن حفصة رضی اللہ عنھا قالت قلت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ما شان الناس حلوا ولم تحل من عمرتک، قال انی قلدت ھدیی ولبدت رأسی فلا احل حتی احل من الحج"** (مسلم شریف: ۱/۴۰۴)

[حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: کہ لوگوں کی کیا حالت ہے کہ وہ حلال ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عمرہ سے حلال نہیں ہوئے، ارشاد فرمایا: میں نے اپنی ہدی کے قلادہ ڈالا ہے، اور اپنے سر کی تلبید کی ہے، پس میں جب تک حج سے حلال نہ ہو جاؤں حلال نہیں ہو سکتا۔]

(۵)...... نسائی شریف میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: **"عن البراء قالت**

کنت مع علی بن ابی طالب حین امرہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن الیمن فلما قدم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال علی فاتیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف صنعت قلت اهللت باهلالک، قال فانی سقت الهدی وقرنت، قال وقال صلی اللہ علیہ وسلم لاصحابه لو استقبلت من امری ما استدبرت لفعلت کما فعلتم ولکنی سقت الهدی وقرنت" (سنن نسائی: ۲/۱۳) [حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم نے کس طرح کیا؟ میں نے کہا: کہ میں نے آپ کے احرام کے مطابق احرام باندھا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ میں ہدی لے کر آیا ہوں اور میں نے قران کیا ہے، اور آنحضرت ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے فرمایا: اگر میں پہلے سے جان لیتا جو میں نے بعد میں جانا تو میں بھی اسی طرح کرتا جس طرح تم نے کیا لیکن میں ہدی لایا ہوں اور میں نے قران کیا ہے۔]

یہ روایت آنحضرت ﷺ کے قارن ہونے پر صریح دلیل ہے۔

(۶)……مسند احمد میں حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ:
"سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول دخلت العمرة فی الحج الی یوم القیامة قال وقرن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجة الوداع" (مسند احمد: ۴/۱۷۵) [میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: کہ عمرہ حج میں داخل ہوگیا قیامت تک اور رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں قران فرمایا۔]

(۷)…… اسی طرح مسند احمد میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، اس میں ہے:
"سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول اهلوا یاآل محمد بعمرة فی حج" (مسند احمد: ۶/۲۹۷) [میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: اے آلِ محمد! حج وعمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھو۔]

(۸)……ایسے ہی مسند احمد میں حضرت ہرماس بن زیاد رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی گئی ہے: **"عن**

ہرماس قال: کنت ردف ابی فرأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی بعیر وھو یقول لبیک حجة وعمرة معا" (مسند احمد: ۳/۴۸۵) [حضرت ہرماس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے باپ کا ردیف تھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا: آپ ﷺ اونٹ پر سوار تھے اور فرما رہے تھے: **"لبیک حجة وعمرة معا"**]

(۹)......حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: **"عن انس بن مالک قال خرجنا نصرخ صراخا فلما قدمنا مکة امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نجعلھا عمرة وقال لو استقبلت من امری ما استدبرت لجعلتھا عمرة لکن سقت الھدی وقرنت الحج والعمرة"** (مجمع الزوائد: ۳/۲۳۵) [حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم بلند آواز سے تلبیہ پڑھتے ہوئے نکلے، پس جب مکہ مکرمہ پہنچے، ہم کو رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا: کہ ہم اس کو عمرہ بنالیں اور ارشاد فرمایا: اگر میں پہلے سے جان لیتا جو میں نے بعد میں جانا ہے تو میں بھی اس کو عمرہ بنالیتا لیکن میں ہدی لے کر آیا ہوں اور میں نے حج وعمرہ کا قران کیا ہے۔]

(۱۰)...... **عن ابن ابی اوفیٰ قال: "انما جمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین الحج والعمرة لانہ علم انہ لا یجمع بعد ذلک"** (مجمع الزوائد: ۳/۲۳۶) [پس بے شک رسول اللہ ﷺ نے حج وعمرہ دونوں کو جمع فرمایا، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کو علم تھا کہ آپ آئندہ دونوں کو جمع نہیں فرماسکیں گے۔]

(۱۱)......حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: **"عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدم فقرن بین الحج والعمرة وساق الھدی وقال من لم یقلد الھدی فلیجعلھا عمرة"** (مجمع الزوائد: ۳/۲۳۶) [حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور حج وعمرہ کے درمیان قران فرمایا، اور ہدی لے کر آئے اور فرمایا: جس نے ہدی کے قلادہ نہ ڈالا ہو پس وہ اس کو عمرہ بنالے۔]

(۱۲)......مسلم شریف میں حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے: **"عن مطرف قال قال لی عمران بن حصین احدثک حدیثا عسی اللہ ان ینفعک بہ ان رسول اللہ صلی اللہ**

علیہ وسلم جمع بین حجۃ وعمرۃ ثم لم ینہ عنہ حتی مات ولم ینزل فیہ قرآن یحرمہ" (مسلم شریف:۴۰۲/۱)[بے شک رسول اللہ ﷺ نے حج وعمرہ کو جمع فرمایا اور پھر وفات تک اس سے منع نہیں فرمایا اور نہ قرآن اس کی حرمت میں نازل ہوا۔]

(۱۳)......نسائی شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے: **"عن مروان بن الحکم قال "کنت جالسا عند عثمان فسمع علیا یلبی بعمرۃ وحجۃ فقال الم تکن تنھی عن ھذا قال بلی ولکنی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یلبی بھما جمیعا فلم ادع قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقولک"** (سنن نسائی:۱۳/۲)[حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حج وعمرہ کا ایک ساتھ تلبیہ پڑھتے ہوئے سنا ہے، پس میں تمہارے قول کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کو نہیں چھوڑ سکتا۔]

(۱۴)......ابوداؤد شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: **"عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: اعتمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع عمر، عمرۃ الحدیبیۃ والثانیۃ حین تواطؤا علی عمرۃ من قابل والثالثۃ من الجعرانۃ والرابعۃ التی قرن مع حجتہ"** (ابوداؤد شریف:۲۷۳/۱)[ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے فرمائے: (۱) حدیبیہ کا عمرہ۔ (۲) حدیبیہ سے آئندہ سال عمرۃ القضاء۔ (۳) جعرانہ سے عمرہ۔ (۴) وہ عمرہ جو اپنے حج کے ساتھ فرمایا۔]

(۱۵)......ایسے ہی ابوداؤد شریف میں مروی ہے: **"عن ابی وائل قال: قال الصبی بن معبد اھللت بھما معا فقال عمر ھدیت لسنۃ نبیک صلی اللہ علیہ وسلم"** (ابوداؤد شریف:۲۵۱/۱)
[حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صبی بن معبد نے کہا کہ میں نے دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم کو اپنے نبی ﷺ کی سنت کی ہدایت دی گئی۔]

جہاں تک تعلق ہے ان روایات کا جن میں رسول اللہ ﷺ کا حج افراد مروی ہے اور جن سے امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما نے استدلال کیا ہے تو ان روایات کا جواب یا تو یہ دیا جائے کہ **"افرد**

الحج اجاز افراد الحج" کے معنی میں ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ نے حج افراد کو مشروع قرار دیا، یہ مطلب نہیں کہ رسول اللہ ﷺ خود مفرد تھے۔ (العرف الشذی علی الترمذی: ۱/۱۷۰)

یا یہ کہا جائے کہ "**افرد اعمال الحج عن اعمال العمرة**" کے معنی میں ہیں، یعنی حج کے اعمال کو مستقل طور پر ادا کیا اور عمرہ کے اعمال کو مستقل طور پر ادا کیا۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ "**افرد الحج**" سے مراد یہ ہے کہ عمرہ اور حج کے درمیان حلال ہوئے بغیر احرام واحد سے ان دونوں کو ادا کیا۔ (ایضاً)

اور یا یہ کہا جائے گا کہ چونکہ قارن کے لئے یہ گنجائش ہے کہ وہ یا تو صرف "**لبیک بحجة**" کہے، یا صرف "**لبیک بعمرة**" کہے اور یا "**لبیک بحجة وعمرة**" دونوں کہے، اس لئے یہ عین ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قارن ہونے کی حیثیت سے "**لبیک بحجة عمرة**" بھی کہا ہو اور "**لبیک بحجة**" اور "**لبیک بعمرة**" بھی کہا ہو، لہٰذا رواۃ میں سے ہر ایک نے اپنے سماع اور فہم کے مطابق روایت کو نقل کیا، تو جس نے صرف "**لبیک بحجة**" کو سنا اس نے "**افرد الحج**" نقل کیا، حالانکہ یہ تلبیہ قران کے منافی نہیں ہے، اس لئے اس سے افراد ثابت نہیں ہوسکتا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ اختلاف رسول اللہ ﷺ کے احرام کے متعلق نہیں ہے، آنحضرت ﷺ کا احرام تو قران ہی کا تھا، اختلاف صرف تلبیہ کے لفظ میں ہے۔

اور جہاں تک تعلق ہے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کا جن سے حنابلہ نے تمتع کی افضلیت پر استدلال کیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان روایات میں تمتع سے مراد تمتع لغوی ہے، جو قران کو بھی شامل ہے اور یہاں پر قران ہی مراد ہے۔ اس لئے کہ قران میں بھی ایک سفر سے یہ فائدہ حاصل کیا جاتا ہے کہ دو نسک ساتھ ساتھ ادا کئے جاتے ہیں۔ (دیکھئے زاد المعاد: ۲/۱۱۲)

رہا یہ سوال کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تمتع سے کیوں منع کیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھی اس ممانعت کی نسبت کی گئی ہے، اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ ان حضرات کا مقصود تمتع ہو یا قران اس کی مخالفت وممانعت نہیں ہے، بلکہ اس کی ترغیب دینا ہے کہ عمرہ کے لئے مستقل اور حج کے لئے مستقل سفر اختیار کیا جائے، چنانچہ بالاتفاق **حجة کوفیة** اور

عمرۃ کوفیۃ کو افضل کہا گیا ہے۔

باقی رہا حنابلہ کا استدلال کہ رسول اللہ ﷺ نے تمتع کی تمنا فرمائی تھی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمنا اس وجہ سے نہیں فرمائی کہ تمتع افضل ہے، بلکہ مشرکین چونکہ اشہر حج میں عمرہ کرنے کو گناہ سمجھتے تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے یہ تمنا فرمائی کہ اگر میں ہدی اپنے ساتھ نہ لاتا تو حلال ہو جاتا تاکہ ان کے اس زعم باطل کی عملاً تردید ہو جاتی۔

افضلیتِ قران کی وجوہ ترجیح

قران کو مزید کئی وجوہ سے افراد اور تمتع پر ترجیح حاصل ہے:

(۱)......قران کی روایات افراد کی روایات سے باعتبار عدد کے بہت زیادہ ہیں، اس لئے ان کی کثرت کی بناء پر قران کو ترجیح ہوگی۔

(۲)......روایات قران میں جس طرح رسول اللہ ﷺ کے فعل کی حکایت بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے صراحۃً آنحضرت ﷺ کا تلبیہ "**لَبَّیْكَ بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ**" ذکر کیا ہے۔ بعض نے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ مجھے قران کا حکم ہوا ہے۔ اور بعض نے خود رسول اللہ ﷺ کی اس خبر کو ذکر کیا ہے کہ میں قارن ہوں۔ اس لئے تنوع روایات کی وجہ سے قران کو ترجیح ہوگی۔

(۳)......جن روایات میں **"ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتمر اربع عمر... والرابعة مع حجته"** مذکور ہے، ان سے بھی آنحضرت ﷺ کے قارن ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

(۴)......قران کی روایات صریح غیر محتمل ہیں، جب کہ افراد کی روایات میں احتمالِ تاویل موجود ہے۔

(۵)...... چونکہ قران کی روایات میں **"لبیک بحجة وعمرة"** دونوں کا ذکر ہے، بخلاف افراد کی روایات کے کہ ان میں صرف حج مذکور ہے، اس لئے قران کی روایات مثبت زیادۃ ہیں۔ لہٰذا مثبت زیادت کو ترجیح ہوگی۔

(۶)......افراد کے چار راوی حضرت عائشہ، ابن عمر، جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم ہیں، یہی حضرات قران کو

بھی روایت کرتے ہیں، تو اگر ان کی روایت کو تعارض کی وجہ سے نظر انداز کر دیا جائے تب بھی حضرت عمر، حضرت انس، حضرت براء بن عازب، حضرت عمران بن حصین اور ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہم وغیرہم اور بہت سے راوی ہیں جن کی روایات سے قران ثابت ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب افراد کے راوی خود افراد کے خلاف قران کو نقل کر رہے ہیں تو گویا قران متفق علیہ بین الرواۃ ہے اور افراد مختلف فیہ، لہٰذا متفق علیہ کو ترجیح دی جائے گی۔

(۷)......حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **"دخلت العمرة فی الحج الی یوم القیامة"** اس دخولِ عمرہ فی الحج سے قران ہی کو مراد لینا زیادہ بہتر ہے، چونکہ دخول الشی فی الشی اگر جزء بن کر ہو تو وہ اعلیٰ درجہ ہوگا اور قران میں چونکہ ایک احرام میں دونوں شریک ہوتے ہیں، لہٰذا وہاں دونوں قران کا جزء بن رہے ہیں، اس لئے قران مراد لینا اولیٰ ہے۔

(۸)......افراد کی تمام روایات فعلی ہیں، جب کہ قران کی روایات فعلی بھی ہیں اور قولی بھی، اس لئے قران کو ترجیح ہوگی۔

(۹)......چونکہ قران میں تمام افعال احرام، طواف اور سعی وغیرہ نسکین یعنی عمرہ اور حج دونوں کی طرف سے ادا ہوتے ہیں، بخلاف تمتع اور افراد کے کہ ان میں وہ افعال صرف ایک نسک عمرہ یا حج کی طرف سے ادا ہوتے ہیں، تو ظاہر ہے کہ نسکین کی طرف سے افعال کا ادا ہونا اس سے افضل ہوگا کہ وہ نسک واحد کی طرف سے ادا ہوں۔

(۱۰)......حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے جب صُبَیّ بن معبد نے اپنے احرام کا ذکر کیا، جس پر زید بن صوحان یا سلمان بن ربیعہ نے اعتراض کیا تھا تو حضرت نے فرمایا: **"هديت لسنة نبيك صلى الله عليه و سلم"** یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے موافق ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قران کا حکم منجانب اللہ بتلایا گیا ہے۔

ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوا کہ قران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قران کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی دیا گیا ہے۔ جس کا امتثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یقیناً

کیا ہوگا۔ "تلک عشرة کاملة"

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے افضلیت قران کی پندرہ وجوہ ترجیح ذکر کی ہیں، نیز اس بحث سے متعلق مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: زاد المعاد: ۱۰۷-۱۳۵/۲۔ التعلیق (۱۸۷/۳) میں بھی پندرہ وجوہ ترجیح موجود ہیں۔

حج نبی صلی اللہ علیہ وسلم

{۲۴۳۱} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا تَمَتَّعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ بَدَأَ فَأَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ ثُمَّ أَهَلَّ بِالْحَجِّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲۲۹/۱، باب من ساق البدن معہ، حدیث نمبر: ۱۶۹۱، مسلم شریف: ۴۰۳/۱، باب وجوب الدم علی المتمتع۔ حدیث نمبر: ۱۲۲۷۔

حل لغات: تمتع: تمتع (تفعل) حج تمتع کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں عمرہ کو حج سے ملا کر تمتع کیا؛ بایں طور کہ عمرے کے احرام سے شروع کیا، پھر آپ نے حج کا احرام باندھا۔

تشریح: تمتع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ: اس روایت میں جو لفظ تمتع ہے اس سے لغوی تمتع مراد ہے۔ ورنہ تو حقیقتاً یہ حج قران ہے۔ (مرقاۃ: ۸۵/۵)

افراد، تمتع، قران کے افعال اور بعض ضروری مسائل

مکی اور حلی کیلئے قران و تمتع ممنوع

حدود حرم اور حدود حل میں رہنے والوں کے لئے حج کے مہینوں میں حج و عمرہ کو جمع کرنا یعنی تمتع یا قران کرنا ممنوع ہے، اگر انہوں نے ایسا کرلیا تو گنہگار ہوں گے اور جنایت میں دم واجب ہو جائے گا۔

"لاقران لاھل مکۃ ای حقیقۃ وحکما ولا لاھل المیواقیت وھم الذین منزلھم فی نفس المیقات، وکذا من حاذاھم من غیرھم، ولا لاھل الحل وھم الذین بین المواقیت والحرم وھذا القولہ تعالیٰ: "ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" والاشارۃ الی التمتع وفی معناہ القران" (مناسک ملا علی قاریؒ: ۲۶۹، کنز الدقائق مع البحر زکریا: ۶۴۰/ ۲، خانیۃ: ۳۰۶/ ۱، تنویر الابصار مع الشامی زکریا: ۵۶۷/ ۳)

عمرہ کے افعال

۱	احرام باندھنا	شرط
۲	طواف	رکن
۳	بعد طواف دو رکعت نماز	واجب
۴	رمل	سنت
۵	اضطباع	سنت
۶	سعی	واجب
۷	سر منڈانا، یا کتروانا	واجب

تنبیہ: ☆......رمل واضطباع کا حکم صرف مردوں کے لئے ہے، عورتوں کے لئے نہیں ہے۔ **"ولا تضطبع ولا ترمل"**

(غنیۃ الناسک: ۹۴، الدر المختار: ۵۵۱/ ۳، خانیۃ: ۲۸۶/ ۱، البحر الرائق زکریا: ۶۲۲/ ۲، طحطاوی علی المراقی: ۷۳۸)

☆......اور ہر طواف کے بعد دو رکعت واجب الطواف پڑھنا سب کے لئے ضروری ہے۔ **"ومن الواجبات رکعتا الطواف"**

(غنیۃ الناسک: ۱۱۶، ومثلہ فی البحر الرائق زکریا: ۵۸۰/ ۲، الدر المختار زکریا: ۵۱۲/ ۳)

☆......عمرۂ منفردہ میں طوافِ قدوم یا طوافِ وداع کا حکم نہیں ہے۔ **"ولیس لھا طواف القدوم ولا بعدھا طواف الصدر"** (غنیۃ الناسک: ۱۹۷)

حجِ افراد کے افعال

۱	حج کا احرام	شرط
۲	طوافِ قدوم	سنت
۳	قیامِ منیٰ (از ظہر ۸/ ذی الحجہ تا فجر ۹/ ذی الحجہ)	سنت
۴	وقوفِ عرفہ (۹/ ذی الحجہ)	رکن
۵	وقوفِ مزدلفہ (۱۰/ ذی الحجہ)	واجب
۶	آخری جمرہ کی رمی (۱۰/ ذی الحجہ)	واجب
۷	سرمنڈانا، یا کتروانا	واجب
۸	طوافِ زیارت (۱۰/ تا ۱۲/ ذی الحجہ)	رکن
۹	رمل واضطباع	سنت
۱۰	سعی	واجب
۱۱	تینوں جمرات کی رمی (۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ)	واجب
۱۲	منیٰ میں شب گذاری (۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ)	سنت
۱۳	طوافِ وداع (بوقت واپسی)	واجب

تنبیہ: ☆......حج افراد کرنے والے کے لئے طوافِ زیارت کے بعد سعی کرنا افضل ہے۔ (شامی زکریا: ۳/۵۳۷)

☆......لیکن اگر وہ چاہے تو طوافِ قدوم کے بعد بھی سعی کرسکتا ہے، ایسی صورت میں وہ طوافِ قدوم میں رمل واضطباع کرے گا، اور طوافِ زیارت میں نہیں کرے گا، کیونکہ رمل واضطباع صرف اسی طواف میں مسنون ہے جس کے بعد سعی کا ارادہ ہو۔

(غنیۃ الناسک: ۲۰۵، البحر الرائق زکریا: ۲/۵۷۸)

☆......اور حج افراد میں قربانی واجب نہیں ہے، بلکہ صرف مستحب ہے۔ لہٰذا اگر چاہے تو نفلی قربانی کرسکتا ہے۔ (شامی زکریا: ۳/۵۳۴)

حجِ قران کے افعال

۱	حج وعمرہ کا احرام	شرط
۲	طوافِ عمرہ (۴ر شوط)	رکن
۳	رمل واضطباع	سنت
۴	عمرہ کی سعی	واجب
۵	طوافِ قدوم مع رمل واضطباع	سنت
۶	حج کی سعی	واجب
۷	قیام منیٰ (از ظہر ۸ر ذی الحجہ تا فجر ۹ر ذی الحجہ)	سنت
۸	وقوفِ عرفہ (۹ر ذی الحجہ)	رکن
۹	وقوفِ مزدلفہ (۱۰ر ذی الحجہ)	واجب
۱۰	آخری جمرہ کی رمی (۱۰ر ذی الحجہ)	واجب
۱۱	قربانی (۱۰ر تا ۱۲ر ذی الحجہ)	واجب
۱۲	سر منڈانا	واجب
۱۳	طوافِ زیارت	رکن
۱۴	تینوں جمرات کی رمی (۱ر تا ۱۲ر ذی الحجہ)	واجب
۱۵	منیٰ میں شب گذاری (۱۱ر ۱۲ر ذی الحجہ)	سنت
۱۶	طوافِ وداع (بوقت واپسی)	واجب

تنبیہ: ☆……قارن کے لئے حج کی سعی طوافِ قدوم کے ساتھ کرنا افضل ہے، لیکن اگر وہ چاہے تو طوافِ زیارت کے بعد بھی سعی کرسکتا ہے۔ ایسی صورت میں طوافِ زیارت کے ساتھ رمل واضطباع کرے گا، اور اگر احرام سے حلال ہونے کے بعد طوافِ زیارت کرے اور سعی کا ارادہ ہو تو صرف رمل کرے گا، اضطباع کا حکم نہیں ہے۔ **"ثم یسعی ان ارادہ بعد طواف القدوم کما ھو الافضل للقارن اویسن، وان اخرہ الی مابعد طواف الزیارۃ یؤخر الرمل الیہ أیضا وسقط الاضطباع"**

(غنیۃ الناسک: ۲۰۵، ومثلہ فی الشامی زکریا: ۳/۵۵۷، تبیین الحقائق: ۲/۳۳۷، البحر الرائق کوئٹہ: ۲/۳۵۹)

قران کے صحیح ہونے کی شرطیں

حج قران کے صحیح اور معتبر ہونے کے لئے پانچ شرطیں لازم ہیں:

(۱)……عمرہ قران کے طواف کے کم از کم چار چکر حج کے مہینوں میں ادا کرنا، (لہٰذا اگر شوال سے قبل طواف کرلیا تو قران نہ ہوگا)۔

(۲)……طوافِ عمرہ کا اکثر حصہ وقوفِ عرفہ سے قبل بجالانا۔ (لہٰذا اگر طوافِ عمرہ کے بغیر وقوفِ عرفہ کرلیا تو قران باطل ہوجائیگا۔)

(۳)……اکثر طوافِ عمرہ سے قبل حج کا احرام باندھ لینا۔ (لہٰذا اگر اکثر طوافِ عمرہ کے بعد حج کا احرام باندھا تو وہ قران نہ ہوگا، بلکہ تمتع ہوجائے گا۔)

(۴)……عمرہ کو فاسد کرنے سے قبل حج کا احرام باندھ لینا۔

(۵)……حج وعمرہ کو فساد سے محفوظ رکھنا۔ (پس اگر طواف سے قبل عمرہ کو فاسد کردیا یا وقوفِ عرفہ سے قبل جماع وغیرہ کرکے حج کو فاسد کرلیا تو قران باطل ہوجائے گا۔) (غنیۃ الناسک: ۲۰۳)

قارن کا المامِ صحیح موجب بطلان نہیں

اگر قارن شخص عمرہ کرکے اپنے وطن واپس چلا جائے اور برابر احرام میں رہے اور حج کے وقت آکر حج

کے مناسک ادا کر کے حلال ہو جائے تو اسکا حج قران صحیح اور درست ہو جائیگا (جب کہ تمتع المام صحیح یعنی وطن اصلی کی طرف لوٹ جانے سے باطل ہو جاتا ہے۔) **"ولا یشترط لصحته الالمام الصحیح"** (غنیۃ الناسک: ۲۰۳)

حج تمتع کے افعال

نمبر	فعل	حکم
۱	عمرہ کا احرام	شرط
۲	طوافِ عمرہ	رکن
۳	رمل واضطباع	سنت
۴	عمرہ کی سعی	واجب
۵	سر منڈانا یا کتروانا	واجب
۶	حج کا احرام باندھنا	شرط
۷	قیام منیٰ (از ظہر ۸ر ذی الحجہ تا فجر ۹ر ذی الحجہ)	سنت
۸	وقوفِ عرفہ (۹ر ذی الحجہ)	رکن
۹	وقوفِ مزدلفہ (۱۰ر ذی الحجہ)	واجب
۱۰	آخری جمرہ کی رمی (۱۰ر ذی الحجہ)	واجب
۱۱	قربانی	واجب
۱۲	سر منڈانا، یا کتروانا	واجب
۱۳	طوافِ زیارت	رکن
۱۴	حج کی سعی	واجب
۱۵	تینوں جمرات کی رمی (۱۱ر ۱۲ر ذی الحجہ)	واجب
۱۶	منی میں شب گذاری (۱۱ر ۱۲ر ذی الحجہ)	سنت
۱۷	طوافِ وداع	واجب

تنبیہ: ☆......تمتع کرنے والا طواف زیارت کے بعد سعی کرے گا؛ لیکن اگر وہ پہلے سعی کرنا چاہے تو احرام باندھنے کے بعد ایک نفلی طواف کر کے حج کی سعی کرسکتا ہے، اس نفلی طواف میں رمل واضطباع کرے گا، پھر بعد میں طوافِ زیارت میں رمل واضطباع نہیں کیا جائے گا۔ **"ویرمل فی طواف الزیارۃ ویسعی بعدہ، وان اراد تقدیم السعی لزمہ ان یتنفل بطواف بعد احرامہ للحج ویضطبع فیہ ویرمل ثم یسعی بعدہ"**

(غنیۃ الناسک: ۲۱۶، ومثلہ فی الشامی زکریا: ۵۶۴/۳، الجوہرۃ النیرۃ: ۲۴۰/۱، اللباب: ۱۷۸/۱)

تمتع صحیح ہونے کی شرطیں

حج تمتع صحیح ہونے کے لئے درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱)......تمتع کرنے والا شخص آفاق (میقات سے باہر) کا رہنے والا ہو (اہل مکہ اور اہل حل کے لئے تمتع کی اجازت نہیں ہے۔)

(۲)......تمتع والے عمرہ کا اکثر حصہ (چار چکر) حج کے مہینوں (شوال شروع ہونے کے بعد) میں ادا کیا ہو۔

(۳)......تمتع کا عمرہ حج کا احرام باندھنے سے قبل ادا کیا ہو۔

(۴)......جس سال اشہر حج میں عمرہ کرے اسی سال حج بھی کرے۔

(۵)......عمرہ اور حج کے درمیان "المام صحیح" نہ پایا جائے یعنی ایسا نہ ہو کہ عمرہ کر کے آفاق میں اپنے وطن اصلی لوٹ جائے اور اس کے بعد آکر حج کرے تو یہ شخص متمتع نہ ہوگا۔ (مثلاً کسی شخص نے شوال میں ہندوستان سے آکر عمرہ کیا، پھر وہ واپس ہندوستان لوٹ گیا اور پھر اسی سال میقات سے حج کا احرام باندھ کر آیا تو وہ متمتع نہ ہوگا؛ بلکہ مفرد کہلائے گا۔)

(۶)......تمتع کے عمرہ کو فاسد نہ کیا ہو۔

(۷)......حج کو فاسد نہ کیا ہو۔

(۸)......عمرہ کے بعد مکہ کو وطن اصلی دائمی بنانے کی نیت نہ کی ہو۔ (اگر مکہ معظمہ کو دائمی وطن بنالیا تو پھر

اسی سال حج کیا تو وہ تمتع نہ کہلائے گا۔)

(۹)......اشہرِ حج کے شروع میں وہ شخص غیر محرم ہونے کی حالت میں مکہ معظمہ یا حل میں مقیم نہ ہو۔ (پس اگر یکم شوال کو کوئی شخص احرام عمرہ کے بغیر مکہ مکرمہ میں مقیم ہو اور بعد میں مکہ ہی سے عمرہ کر کے اسی سال حج کرے تو اس کا تمتع صحیح نہ ہوگا، کیونکہ وہ مکی کے حکم میں ہے، البتہ اگر وہ اپنے وطن اصلی لوٹ جائے اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر واپس آئے اور عمرہ کے بعد اسی سال حج کرلے تو اس کا تمتع صحیح ہو جائے گا۔)(تلخیص: غنیۃ الناسک: ۲۱۲)(کتاب المسائل: ۱۲۰/ ۳)

﴿الفصل الثانی﴾

احرام کے کپڑے کیسے ہوں؟

{۲۴۳۲} وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجَرَّدَ لِإِهْلَالِهِ وَاغْتَسَلَ۔

(رواه الترمذی والدارمی)

حواله: ترمذی شریف: ۱/۱۷۱، باب ماجاء فی الاغتسال عند الاحرام، حدیث نمبر: ۸۳۰، دارمی: ۲/۴۸، باب الاغتسال فی الاحرام، حدیث نمبر: ۱۷۹۴۔

حل لغات: تجرد: جرد (س) جردا، جرد (تفعیل) کپڑے اتارنا۔

ترجمه: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کے لئے کپڑے اتارے، اور غسل فرمایا۔

تشریح: احرام کے لئے غسل کرنے کے بعد بغیر سلے ہوئے کپڑے پہنے۔

تجرد لاهلاله واغتسل: یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلے ہوئے کپڑے اتارے، غسل فرمایا، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر سلے ہوئے کپڑے پہنے۔ (مرقاۃ: ۵/۲۸۶)

واغتسل: اور غسل فرمایا، معلوم ہوا کہ احرام کے لئے غسل کرنا سنت ہے۔ (مرقاۃ: ۵/۲۸۶)

یہی جمہور کا مسلک ہے، اور یہ غسل امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مستحب ہے، اور ظاہریہ کے نزدیک واجب ہے۔

تلبید

{۲۴۳۳} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبَّدَ رَأْسَهُ بِالْغِسْلِ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/ ۲۴۴، باب التلبید، حدیث نمبر: ۱۷۴۸۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بالوں کو جمایا ایسی چیزوں سے جن سے سر دھویا جاتا ہے۔

تشریح: اس سے پہلی حدیث بھی ابن عمر کی تھی، جس میں یہ تھا "**یهل ملبدا**" صحیحین کے الفاظ بھی یہی ہیں، لیکن ایک دوسری روایت میں "**لبد رأسه بالعسل**" ہے، اس میں اشکال یہ ہے کہ شہد پر تو مکھی آتی ہے، اس کا جواب بعض شراح نے یہ دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ ہے کہ "**لاینزل علیه ذباب**" [آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی] اور بعض شراح یہ کہتے ہیں یہ لفظ **عَسَل** عین مہملہ کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ "**غِسْل بکسر المعجمة وسکون السین**" ہے، جیسا کہ مذکورہ روایت میں ہے، "**غِسْل**" کہتے ہیں خطمی وغیرہ کو جس سے سر کے بال دھوتے ہیں، حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر یہ لفظ "**غِسْل**" (**بالغین المعجمة**) ہے پھر تو کوئی اشکال ہی نہیں، اور اگر "**بالعسل**" ہے تو پھر یوں کہا جائے کہ اس سے مراد معروف معنی یعنی شہد نہیں ہے بلکہ "**عَسَل**" کے معنی "**صَمْغ العُرفُط**" کے بھی آتے ہیں، جو ایک قسم کا گوند ہوتا ہے۔ (کما فی القاموس) اور شہد مراد لینے کی صورت میں شراح نے جو جواب دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نزول ذباب سے محفوظ تھے، یہ چاہے اپنے مقام پر صحیح ہو لیکن فی نفسہ بالوں پر شہد لگانا جس میں مٹھاس و چپکاہٹ ہوتی ہے نظیف اور لطیف الطبع شخص کو گوارہ نہیں ہو سکتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون لطیف المزاج و نظیف الطبع ہو سکتا ہے۔ (بذل المجہود، الدر المنضود: ۳/۱۷۳)

تلبیہ میں آواز بلند کرنا

{۲۴۳۴} وَعَنْ خَلَّادِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَانِيْ جِبْرِيْلُ فَأَمَرَنِيْ أَنْ آمُرَ أَصْحَابِيْ أَنْ يَرْفَعُوْا أَصْوَاتَهُمْ بِالْإِهْلَالِ أَوِ التَّلْبِيَةِ۔ (رواہ مالک

والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجة والدارمی)

حواله: موطا امام مالک: ۱۲۹، باب رفع الصوت بالاهلال، ترمذی شریف: ۱۷۱، باب ماجاء فی رفع الصوت بالتلبیة، حدیث نمبر: ۸۲۹، ابوداؤد شریف: ۱/۲۵۲، کیف التلبیة، حدیث نمبر: ۱۸۱۴، نسائی شریف: ۲/۱۴، باب رفع الصوت بالاهلال، حدیث نمبر: ۲۷۵۴، ابن ماجه شریف: ۲۰۹، باب رفع الصوت بالتلبیة، حدیث نمبر: ۲۹۲۲، دارمی: ۲/۵۳، باب فی رفع الصوت بالتلبیة، حدیث نمبر: ۱۴۰۹۔

حل لغات: یرفعوا: رفع (ف) رفعاً، بلند کرنا، اصوات: جمع ہے صوت کی، بمعنی آواز۔

ترجمه: حضرت خلاد بن سائب رضی اللہ عنہ اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جبریل علیہ السلام نے میرے پاس آ کر کہا: کہ میں اپنے اصحاب کو حکم دوں کہ وہ لوگ تلبیہ میں آواز بلند کریں۔

تشریح: اس حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہے کہ تلبیہ زور سے پڑھا جائے۔

عن خلاد بن السائب عن ابیه: خلاد بن سائب انصاری صحابی ہیں۔ (رضی اللہ عنہ) یہ اپنے والد محترم سائب بن خلاد خزرجی سے روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ تلبیہ کے وقت رفع صوت کرنا چاہئے، چنانچہ داؤد ظاہری، عطا کے نزدیک واجب ہے، بلکہ فرض ہے، اور جمہور کے نزدیک مستحب ہے۔ اور یہ سب مردوں کے لئے ہے۔ عورتیں اتنا آہستہ کہیں کہ خود ہی سن سکیں۔ (مرقاة: ۳/۱۸۴)

لبیک کہنے والے کی فضیلت

{۲۴۳۵} وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُلَبِّيْ اِلَّا لَبّٰى مَنْ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَشِمَالِهٖ مِنْ حَجَرٍ اَوْ شَجَرٍ اَوْ مَدَرٍ حَتّٰى تَنْقَطِعَ الْاَرْضُ مِنْ هٰهُنَا وَهٰهُنَا۔ (رواه الترمذی وابن ماجة)

حواله: ترمذی شریف: ۱/۱۷۰، باب ماجاء فی فضل التلبیة، حدیث نمبر: ۸۲۸، ابن ماجه

شریف: ۲۰۹، باب التلبیة، حدیث نمبر: ۲۹۲۱۔

حل لغات: **حجر:** پتھر، جمع: **احجار، المدر:** مٹی کا ڈھیلا۔

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب کوئی مسلمان لبیک کہتا ہے، تو اس کے دائیں اور بائیں زمین کے آخری حصہ تک خواہ پتھر ہوں کہ درخت یا مٹی کے ڈھیلے، سب لبیک کہتے ہیں۔

تشریح: **مامن مسلم یلبی الا لبی الخ:** اس حدیث شریف کی مراد یہ ہے کہ تلبیہ کہنے والے کی موافقت میں دنیا کی ہر چیز تلبیہ کہنا شروع کر دیتی ہے۔ (مرقاۃ: ۵/۲۸۷) جس سے تلبیہ کی فضیلت ظاہر ہے۔

احرام کیلئے نماز مسنون ہے

{۲۴۳۶} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْكَعُ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ اِذَا اسْتَوَتْ بِهِ النَّاقَةُ قَائِمَةً عِنْدَ مَسْجِدِ ذِي الْحُلَيْفَةِ اَهَلَّ بِهٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ وَيَقُوْلُ "لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِيْ يَدَيْكَ لَبَّيْكَ وَالرَّغْبَاءُ اِلَيْكَ وَالْعَمَلُ"۔ (متفق علیه) ولفظه لمسلم۔

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۱۰، باب التلبیة، حدیث نمبر: ۱۵۲۵، مسلم شریف: ۱/۳۷۶، باب التلبیة وصفتها الخ، حدیث نمبر: ۱۱۸۴۔

حل لغات: **یرکع: رکع (ف) رکوعاً:** جھکنا، **سعد:** خوش بختی، جمع: **اسعد، الرغباء: رغب (س) رغبا ورغباء،** عاجزی ظاہر کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے اور جب آپ کی اونٹنی مسجد ذی الحلیفہ کے پاس آپ کو لے کر کھڑی ہوتی، تو آپ ان

کلمات کے ساتھ لبیک کہتے: "لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِيْ يَدَيْكَ لَبَّيْكَ وَالرَّغْبَاءُ اِلَيْكَ وَالْعَمَلُ"

تشریح: یرکع بذی الحلیفة رکعتین: مراد نماز پڑھنا ہے، یعنی احرام کے وقت دو رکعت نماز پڑھنا سنت ہے اور جیسے ہی نماز ختم ہو سر سے کپڑا ہٹادے اور فوراً تلبیہ پڑھے۔

اهل بهؤلاء الکلمات: یعنی حضرت نبی کریم ﷺ بلند آواز سے تلبیہ پڑھتے تھے۔(مرقاۃ:۵/۲۸۷)

یقول لبیک الخ: یہاں تو تلبیہ ان الفاظ میں ہے، اور مشہور جو تلبیہ ہے اس کے الفاظ دوسرے ہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل تلبیہ تو وہی ہے جو مشہور ہے، اس لئے کہ وہ حضرت نبی کریم ﷺ سے منقول ہے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما چونکہ بعض دفعہ تلبیہ کے الفاظ بدل لیا کرتے تھے، اس لئے ان کی روایتوں میں تلبیہ کے مختلف الفاظ ملتے ہیں، جس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔(مرقاۃ:۵/۲۸۷)

فائدہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تلبیہ کے الفاظ میں کمی زیادتی درست ہے۔

تلبیہ کے بعد دعا

{۲۴۳۷} وَعَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَانَ اِذَا فَرَغَ مِنْ تَلْبِيَتِهٖ سَاَلَ اللّٰهَ رِضْوَانَهُ وَالْجَنَّةَ وَاسْتَعْفَاهُ بِرَحْمَتِهٖ مِنَ النَّارِ۔ (رواه الشافعي)

حوالہ: مسند شافعی: ۲/۱۷۱، باب مایستحب من القول فی اثر التلبیة، دار الفکر بیروت۔

حل لغات: فرغ: فرغ (ف،ن،س) فراغاً، کام سے خالی ہونا۔

ترجمہ: حضرت عمارہ بن خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم ﷺ جب تلبیہ سے فارغ ہوتے تو اللہ تعالیٰ سے اس کی رضامندی، جنت اور اس کی رحمت کے ذریعہ دوزخ سے معافی چاہتے۔

تشریح: آدمی جب احرام کی نماز سے فارغ ہو کر تلبیہ پڑھے، پھر اس کے بعد حضرت نبی

کریم ﷺ پر درود بھیجے، پھر اس کے بعد دعا بھی کرے۔

سأل الله رضوانه: مراد دنیا اور عقبیٰ میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے۔

والجنة: مراد وہ جنت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے، یعنی جب مرضی مولیٰ مل گئی تو اب جنت کا بھی سوال کرلیا گیا۔

واستعفاه: مراد استغفار ہے، اس لئے کہ بعض روایتوں میں لفظ استغفار کی صراحت مل جاتی ہے۔

برحمته: مراد محض اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ (مرقاۃ: ۵/۲۸۸)

من النار: مراد عذاب دوزخ ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ تلبیہ کے بعد دعا کرنا بھی مسنون ہے کہ اس وقت دعا قبول ہوتی ہے۔

﴿الفصل الثالث﴾

حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان عام

{۲۴۳۸} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَرَادَ الْحَجَّ اَذَّنَ فِي النَّاسِ فَاجْتَمَعُوْا فَلَمَّا اَتَى الْبَيْدَاءَ اَحْرَمَ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: لم اجد فی البخاری۔

حل لغات: البیداء: ذوالحلیفہ میں ایک جگہ کا نام ہے، جہاں حضرت نبی کریم ﷺ نے احرام باندھا تھا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے حج کا ارادہ فرمایا تو آنحضرت ﷺ نے لوگوں میں اعلان کیا، چنانچہ لوگ جمع ہو گئے، جب آپ بیداء پہنچے تو آپ نے احرام باندھا۔

تشریح: لما اراد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحج: حضرت نبی کریم ﷺ کو یہ ہدایت تھی کہ آپ لوگوں میں حج کا اعلان فرمادیں، اس لئے حضرت نبی کریم ﷺ نے ارادہ فرمایا تو آنحضرت ﷺ نے لوگوں مین حج کا اعلان کرادیا۔ "لقولہ تعالیٰ: وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ۔ الاٰیة" (مرقاۃ: ۵/۲۸۹)

فاجتمعوا: یعنی حضرت نبی کریم ﷺ کا اعلان سن کر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ میں جمع ہو گئے۔

فلما اتی البیداء: یہ ذوالحلیفہ میں اس مخصوص جگہ کا نام ہے جہاں حضرت نبی کریم ﷺ نے احرام باندھا تھا۔ تفصیل اوپر گذر چکی۔

مشرکین کا تلبیہ

{۲۴۳۹} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْھُمَا قَالَ کَانَ الْمُشْرِکُوْنَ یَقُوْلُوْنَ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ فَیَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَیْلَکُمْ قَدٍ قَدٍ اِلَّا شَرِیْکًا ھُوَ لَکَ تَمْلِکُہٗ وَمَا مَلَکَ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا وَھُمْ یَطُوْفُوْنَ بِالْبَیْتِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۳۷۶، باب التلبیۃ وصفتھا الخ، حدیث نمبر: ۱۱۸۵۔

حل لغات: **المشرکون:** جمع ہے **مشرک** کی بمعنی خدا کے ساتھ شریک کرنے والا، **البیت:** گھر، جمع: **بیوت**۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مشرکین تلبیہ میں یہ "**لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ**" کہتے تھے، تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: افسوس تم پر، بس کر بس کر؛ مگر مشرکین یہ کلمات "**اِلَّا شَرِیْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ**" کہتے اور طواف کرتے۔

تشریح: مشرکین نے چونکہ عبادتوں میں ملاوٹ کر ڈالی تھی؛ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ تلبیہ بھی محفوظ نہ تھا، تو جہاں تک تلبیہ ٹھیک تھا، مشرکین جب اس کو پڑھتے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو وہیں روکنے کی کوشش کرتے؛ مگر وہ لوگ مانتے نہیں اور تلبیہ میں بھی بعض شرکیہ کلمات پڑھ ڈالتے۔

قَدْ قَدْ: یہ لفظ سکونِ دال کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور **بکسر الدال مع التنوین** بھی پڑھا گیا ہے، "**کفاکم ھذا الکلام فاقتصروا علیھا**" یعنی مشرکین جب تلبیہ پڑھتے اور "**لبیک لا شریک لک**" تک پہنچ جاتے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ بس اتنا ہی کافی ہے، اور اس سے آگے مت کہو، لیکن چونکہ ان کی عقلوں پر پردے پڑے ہوئے تھے، اس لئے وہ آگے کے کلمات بھی کہتے تھے، حالانکہ یہ کلمات "**الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک**" درحقیقت ان کی انتہائی حماقت کو ظاہر کرتے تھے کہ بتوں کو خدا کی ملکیت بھی بتاتے تھے اور پھر انہیں خدا کا

شریک بھی کہتے تے، اگر انہیں عقل سلیم کی ذرا بھی راہنمائی حاصل ہوتی تو وہ خود یہ سمجھ سکتے تھے کہ بھلا مملوک اپنے مالک کا شریک کیونکر ہوسکتا ہے؟

باب قصة حجة الوداع

قصۂ حجۃ الوداع کا بیان

رقم الحدیث: ۲۴۴۰ تا ۲۴۴۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

باب قصة حجة الوداع

قصۂ حجۃ الوداع کا بیان

﴿الفصل الاول﴾

حجۃ الوداع کی تفصیل

{۲۴۴۰} وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَثَ بِالْمَدِيْنَةِ تِسْعَ سِنِيْنَ لَمْ يَحُجَّ، ثُمَّ اَذَّنَ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ فِی الْعَاشِرَةِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجٌّ، فَقَدِمَ الْمَدِيْنَةَ بَشَرٌ كَثِيْرٌ فَخَرَجْنَا مَعَهٗ حَتّٰی اِذَا اَتَيْنَا ذَا الْحُلَيْفَةِ، فَوَلَدَتْ اَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ مُحَمَّدَ بْنَ اَبِیْ بَكْرٍ، فَاَرْسَلَتْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَيْفَ اَصْنَعُ؟ قَالَ: اغْتَسِلِیْ وَاسْتَثْفِرِیْ بِثَوْبٍ وَاَحْرِمِیْ، فَصَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی الْمَسْجِدِ، ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ حَتّٰی اِذَا اسْتَوَتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ عَلَی الْبَيْدَاءِ، اَهَلَّ بِالتَّوْحِيْدِ "لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ" قَالَ جَابِرٌ

رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ لَسْنَا نَنْوِيْ إِلَّا الْحَجَّ لَسْنَا نَعْرِفُ الْعُمْرَةَ حَتّٰى إِذَا اَتَيْنَا الْبَيْتَ مَعَهٗ اسْتَلَمَ الرُّكْنَ فَطَافَ سَبْعًا، فَرَمَلَ ثَلَاثًا وَمَشٰى اَرْبَعًا، ثُمَّ تَقَدَّمَ إِلٰى مَقَامِ إِبْرَاهِيْمَ، فَقَرَأَ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَجَعَلَ الْمَقَامَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْبَيْتِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ: اَنَّهٗ قَرَأَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ وَقُلْ يَا اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى الرُّكْنِ، فَاسْتَلَمَهٗ ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْبَابِ إِلَى الصَّفَا، فَلَمَّا دَنَا مِنَ الصَّفَا، قَرَأَ: "إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ" اَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللهُ بِهٖ فَبَدَأَ بِالصَّفَا، فَرَقِيَ عَلَيْهِ حَتّٰى رَأَى الْبَيْتَ، فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، فَوَحَّدَ اللهَ وَكَبَّرَهٗ وَقَالَ: "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ" ثُمَّ دَعَا بَيْنَ ذٰلِكَ، قَالَ: مِثْلَ هٰذَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ نَزَلَ وَمَشٰى إِلَى الْمَرْوَةِ حَتّٰى انْصَبَّتْ قَدَمَاهُ فِيْ بَطْنِ الْوَادِيْ، ثُمَّ سَعٰى حَتّٰى إِذَا صَعِدَتَا مَشٰى حَتّٰى اَتَى الْمَرْوَةَ، فَفَعَلَ عَلَى الْمَرْوَةِ كَمَا فَعَلَ عَلَى الصَّفَا حَتّٰى إِذَا كَانَ اٰخِرُ طَوَافٍ عَلَى الْمَرْوَةِ نَادٰى وَهُوَ عَلَى الْمَرْوَةِ وَالنَّاسُ تَحْتَهٗ فَقَالَ: لَوْ اَنِّيْ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِيْ مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ اَسُقِ الْهَدْيَ وَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ لَيْسَ مَعَهٗ هَدْيٌ فَلْيَحِلَّ وَلْيَجْعَلْهَا عُمْرَةً، فَقَامَ سُرَاقَةُ ابْنُ مَالِكِ ابْنِ جُعْشُمٍ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! اَلِعَامِنَا هٰذَا اَمْ لِاَبَدٍ؟ فَشَبَّكَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَابِعَهٗ وَاحِدَةً فِي الْاُخْرٰى، وَقَالَ دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ مَرَّتَيْنِ لَا بَلْ لِاَبَدٍ اَبَدٍ وَقَدِمَ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ بِبُدْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهٗ: مَاذَا قُلْتَ حِيْنَ فَرَضْتَ الْحَجَّ؟ قَالَ: قُلْتُ "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ اُهِلُّ بِمَا اَهَلَّ بِهٖ رَسُوْلُكَ" قَالَ: فَإِنَّ مَعِيَ الْهَدْيَ فَلَا تَحِلَّ، قَالَ: فَكَانَ جَمَاعَةُ الْهَدْيِ الَّذِيْ قَدِمَ بِهٖ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ وَالَّذِيْ اَتٰى بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَةً، قَالَ: فَحَلَّ النَّاسُ كُلُّهُمْ وَقَصَّرُوْا إِلَّا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ وَمَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ تَوَجَّهُوْا اِلٰى مِنًى، فَاَهَلُّوْا بِالْحَجِّ وَرَكِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَصَلّٰى بِهَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ. ثُمَّ مَكَثَ قَلِيْلًا حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَاَمَرَ بِقُبَّةٍ مِنْ شَعَرٍ تُضْرَبُ لَهٗ بِنَمِرَةَ. فَسَارَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَشُكُّ قُرَيْشٌ اِلَّا اَنَّهٗ وَاقِفٌ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ كَمَا كَانَتْ قُرَيْشٌ تَصْنَعُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ. فَاَجَازَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَتٰى عَرَفَةَ. فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ لَهٗ بِنَمِرَةَ. فَنَزَلَ بِهَا حَتّٰى اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ اَمَرَ بِالْقَصْوَاءِ فَرُحِلَتْ لَهٗ. فَاَتٰى بَطْنَ الْوَادِي، فَخَطَبَ النَّاسَ، وَقَالَ: اِنَّ دِمَائَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ وَاِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ بْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ وَكَانَ مُسْتَرْضِعًا فِيْ بَنِيْ سَعْدٍ فَقَتَلَهٗ هُذَيْلٌ وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ وَاَوَّلُ رِبًا اَضَعُ مِنْ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَاِنَّهٗ مَوْضُوْعٌ كُلُّهٗ. فَاتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَاءِ، فَاِنَّكُمْ اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَّا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهٗ فَاِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَقَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَالَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ كِتَابُ اللهِ وَاَنْتُمْ تُسْئَلُوْنَ عَنِّيْ، فَمَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ؟ قَالُوْا: نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ. فَقَالَ بِاِصْبَعِهٖ السَّبَّابَةِ يَرْفَعُهَا اِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا اِلَى النَّاسِ اَللّٰهُمَّ اِشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اِشْهَدْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ اَذَّنَ بِلَالٌ، ثُمَّ اَقَامَ. فَصَلَّى الظُّهْرَ، ثُمَّ اَقَامَ. فَصَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا. ثُمَّ رَكِبَ حَتّٰى اَتَى الْمَوْقِفَ. فَجَعَلَ بَطْنَ نَاقَتِهِ الْقَصْوَاءِ اِلَى الصَّخْرَاتِ وَجَعَلَ حَبْلَ الْمُشَاةِ بَيْنَ يَدَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ. فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتّٰى غَرَبَتِ

الشَّمۡسُ وَذَهَبَتِ الصُّفۡرَةُ قَلِيۡلًا حَتّٰى غَابَ الۡقُرۡصُ وَاَرۡدَفَ اُسَامَةَ وَدَفَعَ حَتّٰى اَتَى الۡمُزۡدَلِفَةَ، فَصَلّٰى بِهَا الۡمَغۡرِبَ وَالۡعِشَاءَ بِاَذَانٍ وَاحِدٍ وَاِقَامَتَيۡنِ وَلَمۡ يُسَبِّحۡ بَيۡنَهُمَا شَيۡئًا، ثُمَّ اضۡطَجَعَ حَتّٰى طَلَعَ الۡفَجۡرُ، فَصَلَّى الۡفَجۡرَ حِيۡنَ تَبَيَّنَ لَهُ الصُّبۡحُ بِاَذَانٍ وَاِقَامَةٍ، ثُمَّ رَكِبَ الۡقَصۡوَاءَ حَتّٰى اَتَى الۡمَشۡعَرَ الۡحَرَامَ، فَاسۡتَقۡبَلَ الۡقِبۡلَةَ، فَدَعَاهُ وَكَبَّرَهُ وَهَلَّلَهُ وَوَحَّدَهُ فَلَمۡ يَزَلۡ وَاقِفًا حَتّٰى اَسۡفَرَ جِدًّا، فَدَفَعَ قَبۡلَ اَنۡ تَطۡلُعَ الشَّمۡسُ وَاَرۡدَفَ الۡفَضۡلَ بۡنَ عَبَّاسٍ حَتّٰى اَتٰى بَطۡنَ مُحَسِّرٍ، فَحَرَّكَ قَلِيۡلًا، ثُمَّ سَلَكَ الطَّرِيۡقَ الۡوُسۡطٰى الَّتِيۡ تَخۡرُجُ عَلَى الۡجَمۡرَةِ الۡكُبۡرٰى حَتّٰى اَتَى الۡجَمۡرَةَ الَّتِيۡ عِنۡدَ الشَّجَرَةِ، فَرَمَاهَا بِسَبۡعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ مِنۡهَا مِثۡلَ حَصَى الۡخَذۡفِ رَمٰى مِنۡ بَطۡنِ الۡوَادِيۡ، ثُمَّ انۡصَرَفَ اِلَى الۡمَنۡحَرِ، فَنَحَرَ ثَلَاثًا وَسِتِّيۡنَ بُدۡنَةً بِيَدِهٖ، ثُمَّ اَعۡطٰى عَلِيًّا، فَنَحَرَ مَا غَبَرَ وَاَشۡرَكَهُ فِيۡ هَدۡيِهٖ، ثُمَّ اَمَرَ مِنۡ كُلِّ بَدَنَةٍ بِبِضۡعَةٍ، فَجُعِلَتۡ فِيۡ قِدۡرٍ، فَطُبِخَتۡ فَاَكَلَا مِنۡ لَحۡمِهَا وَشَرِبَا مِنۡ مَرَقِهَا ثُمَّ رَكِبَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ، فَاَفَاضَ اِلَى الۡبَيۡتِ، فَصَلّٰى بِمَكَّةَ الظُّهۡرَ، فَاَتٰى عَلٰى بَنِيۡ عَبۡدِ الۡمُطَّلِبِ يَسۡقُوۡنَ عَلٰى زَمۡزَمَ، فَقَالَ: انۡزِعُوۡا بَنِيۡ عَبۡدِ الۡمُطَّلِبِ، فَلَوۡلَا اَنۡ يَغۡلِبَكُمُ النَّاسُ عَلٰى سِقَايَتِكُمۡ لَنَزَعۡتُ مَعَكُمۡ، فَنَاوَلُوۡهُ دَلۡوًا فَشَرِبَ مِنۡهُ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۳۹۴، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر: ۱۲۱۸۔

حل لغات: **بشر:** انسان۔ مذکر، مؤنث، واحد اور جمع سب کے لئے مستعمل ہے۔ **استثفری:** **استثفری (استفعال)** کپڑے کا لنگوٹ کسنا۔ **القصواء: بالفتح والضم** دونوں طرح سے پڑھا جاتا ہے۔ **رمل: رمل (ن) رملاً** کندھوں کو ہلاتے ہوئے چلنا۔ **رقی: رقی (س) رقیا،** پہاڑ پر چڑھنا۔ **الصبت: الصب (انفعال) علیہ،** اترنا۔ **مکث: مکث (ن) مکثاً** رکنا۔ **زاغت: زاغ (ض) زیغاً الشمس** سورج کا ڈھلنا۔ **برح: برح (س) برحاً** نشان کا ظاہر ہونا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں نو

سال رہے؛ لیکن آنحضرت ﷺ نے کوئی حج نہیں کیا، پھر ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ نے اعلان کرایا کہ اس سال آپ کا ارادہ حج کرنے کا ہے، یہ اطلاع پا کر لوگ بہت بڑی تعداد میں مدینہ طیبہ جمع ہو گئے، ہر ایک کی خواہش اور آرزو یہ تھی کہ اس مبارک سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہ کر آنحضرت ﷺ کی پوری پوری پیروی کرے، اور آنحضرت ﷺ کے نقش قدم پر چلے، (حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر جب روانگی کا دن آیا تو حضرت نبی کریم ﷺ کی قیادت میں) یہ پورا قافلہ مدینہ روانہ ہو کر ذوالحلیفہ آیا، اور اس دن یہیں قیام کیا، یہاں پہنچ کر ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا (جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، اور وہ بھی اس قافلہ میں تھیں) ان کے یہاں بچہ پیدا ہوا، (یعنی محمد بن ابی بکر)، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرایا کہ ایسی حالت میں میں کیا کروں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ اسی حالت میں احرام کے لئے غسل کر لیں، اور جس طرح عورتیں ایسی حالت میں کپڑے کا لنگوٹ استعمال کرتی ہیں، اسی طرح استعمال کریں، اور احرام باندھ لیں، پھر حضرت رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ کی مسجد میں آخری نماز (ظہر کی) پڑھی، پھر آنحضرت ﷺ اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہوئے، یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کی اونٹنی آنحضرت ﷺ کو لے کر بیداء کے میدان میں کھڑی ہوئی، تو آنحضرت ﷺ نے بلند آواز سے تلبیہ کے یہ الفاظ کہے: "**لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ**"

[میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، آپ کا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بے شک ہر طرح کی حمد اور نعمت سب آپ کیلئے ہیں، اور ملک آپ ہی کیلئے ہے، آپ کا کوئی شریک نہیں۔]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے (حجۃ الوداع کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے) بتلایا: کہ اس سفر میں ہماری نیت (اصلاً) صرف حج کی تھی۔ (مقصد سفر کی حیثیت سے) عمرہ ہمارے ذہن میں نہیں تھا، یہاں تک کہ جب ہم سفر پورا کر کے حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیت اللہ پر پہنچ گئے تو آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے حجر اسود کا استیلام کیا، (یعنی قاعدے کے مطابق اس پر ہاتھ رکھ کے اس کو چوما، پھر آنحضرت ﷺ نے طواف شروع فرمایا) جس میں تین چکروں میں آنحضرت ﷺ نے رمل کیا (یعنی وہ خاص چال چلے جس میں قوت اور شجاعت کا اظہار ہوتا ہے) اور باقی چار چکروں میں اپنی عادت

کے مطابق چلے، پھر (طواف کے ساتھ چکر پورے کر کے) آنحضرت ﷺ مقام ابراہیم کی طرف بڑھے اور یہ آیت تلاوت فرمائی: "وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى" [اور مقام ابراہیم کے پاس نماز ادا کرو]۔ پھر اس طرح کھڑے ہو کر کہ مقام ابراہیم آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان تھا، آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھی، (یعنی دوگانہ ادا کیا)۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں رکعتوں میں "قُلْ يَا اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" کی قرأت کی، اس کے بعد آنحضرت ﷺ حجر اسود کی طرف واپس آئے اور پھر اس کا استیلام کیا، پھر ایک دروازہ سے (سعی کے لئے) صفا پہاڑی کی طرف چلے گئے، اور اس کے بالکل قریب پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ" [بلا شبہ صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں، جن کے درمیان سعی کا حکم ہے۔] اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں اسی صفا سے سعی شروع کرتا ہوں، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پہلے کیا ہے۔"

چنانچہ آنحضرت ﷺ پہلے صفا پر آئے اور اس حد تک اس کی بلندی پر چڑھے کہ بیت اللہ آنحضرت ﷺ کی نظر کے سامنے آ گیا، اس وقت آنحضرت ﷺ قبلہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو گئے اور اللہ کی توحید اور تکبیر وتحمید میں مصروف ہو گئے۔ اور آنحضرت ﷺ نے پڑھا: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ" [اللہ کے سوا کوئی عبادت اور پرستش کے لائق نہیں، وہی تنہا معبود و مالک ہے، کوئی اس کا شریک ساجھی نہیں، ساری کائنات پر اسی کی فرماں روائی ہے، اور حمد وستائش اسی کا حق ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی تنہا مالک و معبود ہے، اس نے (مکہ پر اور سارے عرب پر اقتدار بخشنے اور اپنے دین کو سربلند کرنے کا) اپنا وعدہ پورا فرما دیا، اپنے بندے کی اس نے بھرپور مدد فرمائی، اور کفر وشرک کے لشکروں کو اس نے تنہا شکست دی۔]

آنحضرت ﷺ نے تین دفعہ یہ کلمات فرمائے اور ان کے درمیان میں دعا مانگی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ صفا سے اتر کر مروہ کی طرف چلے، یہاں تک کہ جب آنحضرت ﷺ کے قدم وادی کے نشیب میں پہنچے تو آنحضرت ﷺ کچھ دوڑ کر چلے، پھر جب آنحضرت ﷺ نشیب

سے او پر آ گئے تو پھر اپنی عام رفتار کے مطابق چلے، یہاں تک کہ مروہ پہاڑی پر آئے اور یہاں آنحضرت ﷺ نے بالکل وہی کیا جو صفا پر کیا تھا، یہاں تک کہ جب آنحضرت ﷺ آخری چکر پورا کر کے مروہ پر پہنچے، آنحضرت ﷺ نے اپنے رفقاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا: اگر پہلے سے میرے خیال میں وہ بات آ جاتی جو بعد میں آئی تو میں قربانی کے جانور مدینہ سے ساتھ نہ لاتا اور اس طواف وسعی کو جو میں نے کیا ہے عمرہ بنا دیتا، تو اب میں تم لوگوں سے کہتا ہوں کہ تم میں سے جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں آئے ہیں وہ اپنا احرام ختم کر دیں اور اب تک جو طواف وسعی انہوں نے کی اس کو عمرہ بنا دیں۔ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سن کر سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا یہ حکم کہ اشہر حج (حج کے مہینوں) میں عمرہ کیا جائے، خاص اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے یہی حکم ہے؟ آنحضرت ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر فرمایا: کہ "دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ مَرَّتَيْنِ لَا بَلْ لِأَبَدِ أَبَدٍ" [عمرہ حج میں داخل ہو گیا، خاص اسی سال کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔]

اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (جو کہ زکوۃ اور دوسرے مطالبات کی وصولی وغیرہ کے لئے حضرت نبی کریم ﷺ کے حکم سے یمن گئے ہوئے تھے) وہاں سے حضرت نبی کریم ﷺ کی قربانی کے لئے مزید جانور لیکر مکہ معظمہ پہنچے، تو حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ جب تم نے حج کی نیت کی اور تلبیہ کہہ کر احرام باندھا تو اس وقت تم نے کیا کہا تھا؟ یعنی افراد کے طریقے پر صرف حج کی نیت کی تھی یا تمتع کے طریقے پر صرف عمرہ کی، یا قران کے طریقے پر دونوں کی ساتھ ساتھ نیت کی تھی؟ انہوں نے عرض کیا: کہ میں نے نیت اس طرح کی تھی: کہ "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُهِلُّ بِمَا أَهَلَّ بِهٖ رَسُوْلُكَ" [اے اللہ! میں احرام باندھتا ہوں اس چیز کا جس کا احرام باندھا ہو تیرے رسول ﷺ نے]۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ میں چونکہ قربانی کے جانور ساتھ لایا ہوں (اور اس کی وجہ سے اب حج سے پہلے احرام ختم کرنے کی میرے لئے گنجائش نہیں ہے، اور تم نے میرے جیسے احرام کی نیت کی ہے) اس لئے تم بھی میری طرح احرام ہی کی حالت میں رہو، آگے حضرت جابر ﷺ بیان کرتے ہیں کہ قربانی کے جو جانور رسول اللہ ﷺ ساتھ لے کر آئے تھے اور جو بعد میں آنحضرت ﷺ کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ

یمن سے لے کر آئے ان کی مجموعی تعداد سو تھی۔ (بعض روایات سے تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ ۶۳/اونٹ آنحضرت ﷺ کے ساتھ لائے تھے اور ۳۷/حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لائے تھے)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آگے بیان کیا: کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی ہدایت کے مطابق تمام ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے احرام ختم کر دیا جو قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے تھے اور صفامروہ کی سعی سے فارغ ہونے کے بعد اپنے سروں کے بال ترشوا کے وہ سب حلال ہو گئے اور جو طواف وسعی انہوں نے کی تھی اس کو مستقل عمرہ قرار دے دیا، بس حضرت نبی کریم ﷺ اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حالت احرام میں رہے، جو اپنی قربانیاں ساتھ لائے تھے۔

پھر جب یوم الترویہ (یعنی ۸/ذی الحجہ کا دن) ہوا تو سب لوگ منی جانے لگے، (اور جو صحابہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے صفامروہ کی سعی کر کے اپنا احرام ختم کر چکے تھے اور حلال ہو گئے تھے) انہوں نے حج کا احرام باندھا، اور حضرت نبی کریم ﷺ اپنی ناقہ پر سوار ہو کر منی کو چلے، پھر وہاں پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے (اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسجد خیف میں) ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر پانچوں نمازیں پڑھیں، پھر فجر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر آنحضرت ﷺ منی میں اور ٹھہرے، یہاں تک کہ جب سورج نکل آیا، تو آنحضرت ﷺ عرفات کی طرف روانہ ہوئے، اور آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ صوف کا بنا ہوا خیمہ آنحضرت ﷺ کے لئے نمرہ میں نصب کیا جائے، (نمرہ دراصل وہ جگہ ہے جہاں سے آگے عرفات کا میدان شروع ہوتا ہے) آنحضرت ﷺ کے خاندان قریش کے لوگوں کو اس کا یقین تھا اور اس کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا کہ آنحضرت ﷺ "مشعر حرام" کے پاس قیام کریں گے، جیسا کہ قریش زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے، (لیکن آنحضرت ﷺ نے ایسا نہیں کیا؛ بلکہ) آنحضرت ﷺ مشعر حرام کے حدود سے آگے بڑھ کے عرفہ پہنچ گئے اور آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ (آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے مطابق) نمرہ میں آنحضرت ﷺ کا خیمہ نصب کر دیا گیا ہے تو آنحضرت ﷺ اس خیمہ میں اتر گئے، یہاں تک کہ جب آفتاب ڈھل گیا، آنحضرت ﷺ نے اپنی ناقہ قصواء پر کجاوا کسنے کا حکم دیا، چنانچہ اس پر کجاوا کس دیا گیا، آنحضرت ﷺ اس پر سوار ہو کر وادی (وادیٔ عرفہ) کے درمیان آئے اور آنحضرت ﷺ نے

اونٹنی کی پشت ہی پر سے لوگوں کو خطبہ دیا، جس میں فرمایا: کہ لوگو! تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر حرام ہیں، (یعنی ناحق کسی کا خون کرنا اور ناجائز طریقے پر کسی کا مال لینا تمہارے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے)؛ بالکل اسی طرح جس طرح کہ آج یوم العرفہ کے دن ذی الحجہ کے اس مبارک مہینہ میں اپنے اس مقدس شہر مکہ میں (تم ناحق کسی کا خون کرنا اور کسی کا مال لینا حرام جانتے ہو) خوب ذہن نشین کرلو کہ جاہلیت کی ساری چیزیں (یعنی اسلام کی روشنی کے دور سے پہلے تاریکی اور گمراہی کے زمانہ کی ساری باتیں اور سارے قصے ختم ہیں) میرے دونوں قدموں کے نیچے دفن اور پامال ہیں، (میں ان کے خاتمہ اور منسوخ ہونے کا اعلان کرتا ہوں) اور زمانہ جاہلیت کے خون بھی ختم ہیں، معاف ہیں، یعنی اب کوئی مسلمان زمانہ جاہلیت کے کسی خون کا بدلہ نہیں لے گا، اور سب سے پہلے میں اپنے گھرانہ کے ایک خون ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب کے فرزند کے خون کے ختم اور معاف کئے جانے کا اعلان کرتا ہوں، جو قبیلہ بنی سعد کے ایک گھر میں دودھ پینے کے لئے رہتے تھے، ان کو قبیلۂ ہذیل کے آدمیوں نے قتل کر دیا تھا، ہذیل سے اس خون کا بدلہ لینا ابھی باقی تھا لیکن اب میں اپنے خاندان کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ اب یہ قصہ ختم، بدلہ نہیں لیا جائے گا) اور زمانہ جاہلیت کے سارے سود کے مطالبات (جس کسی کے ذمہ باقی ہیں وہ سب بھی) ختم اور سوخت ہیں، (اب کوئی مسلمان کسی سے اپنا سودی مطالبہ وصول نہیں کرے گا) اور اس باب میں بھی میں سب سے پہلے اپنے خاندان کے سودی مطالبات میں سے اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کے سودی مطالبات کے ختم اور سوخت ہونے کا اعلان کرتا ہوں، (اب وہ کسی سے اپنا سودی مطالبہ وصول نہیں کریں گے) ان کے سارے سودی مطالبات آج ختم کر دیئے گئے، اور اے لوگو! عورتوں کے حقوق اور ان کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں خدا سے ڈرو؛ اس لئے کہ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر لیا ہے، اور اللہ کے حکم اور اس کے قانون سے ان کے ساتھ تمتع تمہارے لئے حلال ہوا ہے، اور تمہارا خاص حق ان پر یہ ہے کہ جس آدمی کا گھر میں آنا اور تمہاری جگہ اور تمہارے بستر پر بیٹھنا تم کو پسند نہ ہو وہ اس کو اس کا موقع نہ دیں، لیکن اگر وہ یہ غلطی کریں تو تم (تنبیہ اور آئندہ سد باب کے لئے اگر کچھ سزا دینا مناسب اور مفید سمجھو تو) ان کو کوئی خفیف سی سزا دے سکتے ہو، اور ان کا خاص حق تم پر یہ ہے کہ اپنے مقدور اور حیثیت کے مطابق ان کے کھانے پہننے کا بندوبست کرو، اور میں تمہارے لئے وہ سامان ہدایت

چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اس سے وابستہ رہے اور اس کی پیروی کرتے رہے تو پھر کبھی تم گمراہ نہ ہوگے وہ ہے "کتاب اللہ" اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا (کہ میں نے تم کو اللہ کی ہدایت اور اس کے احکام پہنچائے یا نہیں) تو بتاؤ! کہ وہاں تم کیا کہو گے؟ اور کیا جواب دو گے؟ حاضرین نے عرض کیا: کہ ہم گواہی دیتے ہیں اور قیامت کے دن بھی گواہی دیں گے کہ آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اس کے احکام ہم کو پہنچا دئے اور رہنمائی اور تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور نصیحت وخیر خواہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، اس پر آنحضرت ﷺ نے اپنی انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے اور لوگوں کے مجمع کی طرف اس سے اشارہ کرتے ہوئے تین دفعہ فرمایا: "**اللھم اشھد! اللھم اشھد! اللھم اشھد!**" یعنی اے اللہ! تو گواہ رہ کہ میں نے تیرا پیغام اور تیرے احکام تیرے بندوں تک پہنچا دئے اور تیرے یہ بندے اقرار کر رہے ہیں، اس کے بعد (آنحضرت ﷺ کے حکم سے) حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی، پھر اقامت کہی، اور آنحضرت ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی، اس کے بعد پھر بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی اور آنحضرت ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی، اور ان دونوں نمازوں کے درمیان آنحضرت ﷺ نے اور کوئی نماز نہیں پڑھی۔

پھر (جب آنحضرت ﷺ ظہر وعصر کی نماز ایک ساتھ بلافصل پڑھ چکے تو اپنی ناقہ پر سوار ہو کر آنحضرت ﷺ میدانِ عرفات میں خاص وقوف کی جگہ پر تشریف لائے اور اپنی ناقہ قصواء کا رخ آنحضرت ﷺ نے اس طرف کر دیا جدھر پتھر کی بڑی بڑی چٹانیں ہیں، اور پیدل مجمع آنحضرت ﷺ نے اپنے سامنے کر لیا اور آنحضرت ﷺ قبلہ رو ہو گئے اور وہیں کھڑے رہے یہاں تک کہ غروب آفتاب کا وقت آ گیا، اور (شام کے آخری وقت میں فضا جو زرد ہوتی ہے وہ) زردی بھی ختم ہو گئی، اور آفتاب بالکل ڈوب گیا، تو آنحضرت ﷺ (عرفات سے مزدلفہ کے لئے) روانہ ہوئے اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ نے اپنی ناقہ پر اپنے پیچھے سوار کر لیا تھا، اور حضرت نبی کریم ﷺ آگے بڑھے، یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے "قصواء" اونٹنی کے لگام کو کھینچا، یہاں تک کہ اس کا سر کجاوے کے نچلے حصہ سے لگ گیا، اور آنحضرت ﷺ نے داہنے ہاتھ سے اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے لوگو! وقار وتمکنت سے چلو، جب

کسی اونچی جگہ پر چڑھتے تو اونٹنی کی لگام قدرے ڈھیلی کر دیتے ،تاکہ وہ اونچائی پر چڑھے، یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ مزدلفہ آ گئے (جو عرفات سے تقریباً تین میل ہے)۔یہاں پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھیں،ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ (یعنی اذان ایک ہی دفعہ کہی گئی اور اقامت مغرب کے لئے الگ کہی گئے اور عشاء کے لئے الگ کہی گئی) اور ان دونوں نمازوں کے درمیان بھی آنحضرت ﷺ نے سنت یا نفل کی رکعتیں بالکل نہیں پڑھیں،اس کے بعد آنحضرت ﷺ لیٹ گئے،اور لیٹے رہے، یہاں تک کہ صبح صادق ہوگئی اور فجر کا وقت آ گیا،تو آنحضرت ﷺ نے صبح صادق کے ظاہر ہوتے ہی اذان اور اقامت کے ساتھ نماز فجر ادا کی،اس کے بعد آنحضرت ﷺ مشعر حرام کے پاس آئے، (راجح قول کے مطابق یہ ایک بلند ٹیلہ سا تھا،مزدلفہ کے حدود میں اب بھی یہی صورت ہے اور وہاں نشانی کے طور پر ایک عمارت بنادی گئی ہے) یہاں آکر آنحضرت ﷺ قبلہ رو کھڑے ہوئے اور دعا اور اللہ کی تکبیر وتہلیل اور توحید وتمجید میں مشغول رہے، یہاں تک کہ خوب اجالا ہوگیا، پھر طلوع آفتاب سے ذرا پہلے آنحضرت ﷺ وہاں سے منی کے لئے روانہ ہوگئے اور اس وقت آنحضرت ﷺ نے اپنی ناقہ کے پیچھے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو سوار کرلیا اور چل دئے،اور وہ اچھے بال والے گورے اور خوبصورت تھے، جب آنحضرت ﷺ آگے بڑھے تو کچھ عورتیں آپ کے سامنے گذر رہی تھیں، حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کی نظر ان کی طرف چلی گئی تو حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ کو حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کے چہرے پر رکھا(تاکہ کسی جانب سے وسوسہ دل میں نہ آجائے)،حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اپنے چہرے کو دوسری جانب کر کے پھر انہیں دیکھنے لگے، حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنے دست مبارک کو دوسری جانب سے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کے چہرے پر رکھ دیا،فضل بن عباس دوسری جانب چہرہ پھیر کر دیکھنے لگے، یہاں تک کہ جب وادئ محسّر کے درمیان پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے اونٹنی کی رفتار کچھ تیز کردی ، پھر اس سے نکل کر اس درمیان والے راستہ سے چلے جو بڑے جمرہ پر پہنچتا ہے، جمرہ کے پاس پہنچ کر جو درخت کے پاس ہے آنحضرت ﷺ نے اس پر رمی کی سات کنکریاں پھینک کے ماریں، جن میں ہر ایک کے ساتھ

آنحضرت ﷺ تکبیر کہتے تھے، یہ کنکریاں ’’خذف کے سنگریزوں‘‘ کی طرح کی تھیں (یعنی چھوٹی چھوٹی جو تقریباً چنے اور مٹر کے دانے کے برابر ہوتی ہیں) آنحضرت ﷺ نے جمرہ پر یہ کنکریاں (جمرہ کے قریب والی) نشیبی جگہ سے پھینک کر ماریں اور اس رمی سے فارغ ہو کر قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے، وہاں آنحضرت ﷺ نے تریسٹھ اونٹوں کی قربانی اپنے ہاتھ سے کی، پھر جو باقی رہے وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حوالہ فرمادیئے، ان سب کی قربانی انہوں نے کی، اور آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنی قربانی میں شریک فرمایا، پھر آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ قربانی کے ہر اونٹ میں سے گوشت کی ایک ایک بوٹی لے لی جائے، پھر ان بوٹیوں کو ایک ہانڈی میں ڈال کر پکالی گئیں اور حضرت رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں نے اس میں سے گوشت تناول فرمایا، اور شوربا پیا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنی ناقہ پر سوار ہو کر طواف زیارت کے لئے بیت اللہ کی طرف چل دیئے، اور ظہر کی نماز آنحضرت ﷺ نے مکہ مکرمہ میں جا کر پڑھی، نماز سے فارغ ہو کر (اپنے اہل خاندان) بنی عبد المطلب کے پاس تشریف لائے، جو زمزم سے پانی کھینچ کھینچ کر لوگوں کو پلا رہے تھے، تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا: کہ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ دوسرے لوگ غالب آ کر تم سے یہ خدمت چھین لیں گے تو میں بھی تمہارے ساتھ ڈول کھینچتا، ان لوگوں نے آپ کو ایک ڈول زمزم کا بھر کر دیا آنحضرت ﷺ نے اس میں سے نوش فرمایا۔

تشریح: یہ حدیث بڑی جامع ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کے حج کے اس قصہ کو اہل بیت کے ایک فرد یعنی حضرت امام محمد باقر جو امام زین العابدین کے بیٹے اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں، کی فرمائش پر بڑی تفصیل اور دلچسپی سے سنایا تھا، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں اس حدیث شریف کی بہت تعریف اور اہمیت بیان کی ہے کہ بڑی جامع ہے، بہت سے فوائد اور اہم قواعد دین پر مشتمل ہے، فرماتے ہیں بہت سے علماء نے اس حدیث سے بکثرت احکام فقہیہ مستنبط کئے ہیں اور ابن المنذر نے اس پر مستقل ایک جزء تالیف کیا ہے، جس میں ڈیڑھ سو سے زائد مسائل کا استخراج کیا اور اگر وہ کلام کا استقصاء کرتے تو تقریباً اتنے ہی اور مسائل استنباط کر لیتے۔ (نووی)

حضرت شیخ جزء حجۃ الوداع میں لکھتے ہیں: شیخ ابن الہمام نے فتح القدیر میں کتاب الحج کے شروع

میں اولاً اس پوری حدیث شریف کو ذکر فرمایا اور فرمایا: کہ میں کتاب الحج کا افتتاح اس بابرکت حدیث سے کر رہا ہوں۔ **"انه اصل کبیر واجمع حدیث فی الباب"**

بہت سے حضرات محدثین اور مؤرخین جنہوں نے حجۃ الوداع پر لکھا ہے ان میں سے بہت سوں نے اسی حدیث شریف کو اپنی تالیف کی اساس اور بنیاد ٹھہرایا ہے۔

حجۃ الوداع کے اسماء عدیدہ

جاننا چاہئے کہ حضور اقدس ﷺ کے اس حج کا مشہور نام حجۃ الوداع ہے، اس کے علاوہ بھی اور نام ہیں، چنانچہ اس کو حجۃ الاسلام بھی کہتے ہیں، حجۃ الاسلام کا اطلاق عرف فقہاء میں حج فرض پر ہوتا ہے، یعنی وہ حج جو اسلام کا ایک اہم رکن ہے، آنحضرت ﷺ نے چونکہ فرضیت حج کے بعد صرف یہی ایک حج کیا ہے، اس لئے اس کو حجۃ الاسلام بھی کہتے ہیں۔

اور حجۃ البلاغ بھی۔ کیونکہ اس میں آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو احکام شرعیہ خصوصاً حج کے مسائل پہنچائے ہیں، قولاً وفعلاً۔

اور حجۃ التمام والکمال بھی، شاید اس وجہ سے کہ آیت کریمہ **"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ"** **(سورۃ المائدۃ)** [آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لئے) پسند کر لیا۔ (آسان ترجمہ)] اسی حج میں نازل ہوئی، لیکن زیادہ مشہور نام حجۃ الوداع ہے۔ (واؤ کے فتحہ کے ساتھ، **ویجوز الکسر**) اس نام کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ اس حج میں حضور اقدس ﷺ نے مسلمانوں کو رخصت فرمایا تھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **"خذوا عنی مناسککم لعلی لا اراکم بعد عامی ھذا"** کہ مجھ سے مناسک حج اچھی طرح سیکھ لو، شاید اس کے بعد میری تم سے ملاقات نہ ہو۔

فائدہ اولیٰ: صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مقولہ مروی ہے کہ **"کنا نتحدث بحجة الوداع والنبی صلی اللہ علیہ وسلم بین اظہرنا ولا ندری ما حجة الوداع"** کہ حضور اقدس ﷺ کی زندگی میں ہم آپس میں حجۃ الوداع کا ذکر تذکرہ تو کیا کرتے تھے لیکن ہمیں

یہ خبر نہیں تھی کہ آنحضرت ﷺ کا یہ حج حجۃ الوداع کس لحاظ سے ہے؟ اور کیوں اس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں؟

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں، یعنی پھر جب آنحضرت ﷺ کا اس کے بعد قریب ہی میں وصال ہوگیا تب ہم سمجھے کہ اس حج کو حجۃ الوداع اسی لحاظ سے کہا جاتا تھا۔ (کہ آنحضرت ﷺ لوگوں کو دنیا سے رخصت فرما کر جا رہے تھے)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تقریر میں یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اقدس ﷺ کے ساتھ غایت محبت و عشق کی وجہ سے یہاں پر لفظ وداع کو شروع میں اس معنی پر محمول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے پھر بعد میں مجبوراً ماننا ہی پڑا۔ **"ولنعم ما قال شیخ الهند فی مرثیة شیخه القطب الگنگوهی رحمۃ اللہ علیہ"**

نہ سمجھے تھے کہ اس جانِ جہاں سے یوں جدا ہوں گے
یہ سنتے گو چلے آئے تھے اک دن جان جانی ہے

فائدہ ثانیہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ اس تسمیہ یعنی حجۃ الوداع نام کو مکروہ سمجھتے تھے، اسی طرح **"نیل المارب" (فی فقه الحنابلة)** میں بھی اس تسمیہ کو مکروہ لکھا ہے، بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ وداع کے اندر ترک کے معنی پائے جاتے ہیں، اور ظاہر بات ہے کہ حج جیسی عظیم عبادت رخصت کرنے اور ترک کرنے کی چیز نہیں ہے، بلکہ بار بار کرنے کی چیز ہے نہ یہ کہ بس ایک مرتبہ کر لیا پھر چھٹی۔

فائدہ ثالثہ: حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب حجۃ الوداع کا ترجمہ کتاب المغازی کے اخیر میں ذکر فرمایا ہے، مغازی کے بعد سرایا کو اور پھر وفود کو ترتیب وار ذکر کرنے کے بعد اخیر میں حجۃ الوداع کو ذکر کیا ہے، کیونکہ یہ حضور اقدس ﷺ کے اسفار میں آخری سفر ہے، آنحضرت ﷺ کے زیادہ تر اسفار غزوات اور یا پھر حج و عمرہ کے لئے ہوتے تھے، الحاصل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اس باب کو وہاں ذکر کرنا فقہی حیثیت سے نہیں ہے، بلکہ تاریخی حیثیت سے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (الدر المنضود: ۳/۲۴۷)

حجۃ الوداع کا واقعہ

حجۃ الوداع کا قصہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں مفصل مذکور ہے، اتنی تفصیل دوسری روایات میں مذکور نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ میں حج کا ارادہ فرمایا، اس سے قبل مدینہ منورہ میں نو سال کے درمیان حج نہ کرنے کی وجہ ظاہر ہے، چونکہ حج کی فرضیت ۹ھ ہی میں ہوئی ہے، اور اگر ان اقوال کو پیش نظر رکھا جائے جن میں حج کی فرضیت ۵/ یا ۶/ھ یا ۸/ھ میں بتائی گئی ہے، تب یہ کہا جائے گا کہ اس وقت چونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد، اعلاء کلمۃ اللہ اور اظہار دین مبین کے واسطے متعین کیا گیا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے من جانب اللہ مامور تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کو موخر کیا، لہٰذا یہ تاخیر بامر اللہ تھی۔ (التعلیق: ۱۹۱/ ۳)

فقدم المدینة بشر کثیر: یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کو جانے کے لئے اور بھی بہت سے لوگ تیار ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرنے والوں کی تعداد کتنی تھی؟ اس بارے میں روایات مختلف ہیں، بعض روایات میں ہے کہ حج کرنے والوں کی تعداد بے شمار تھی، جن کا صحیح عدد معلوم نہیں ہے۔ یہ قول علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

غزوہ تبوک جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں آخری غزوہ ہے، اس میں لوگوں کی تعداد ایک لاکھ تھی، چونکہ حجۃ الوداع اس کے بعد ہے، اس لئے اس میں لوگوں کی تعداد یقیناً ایک لاکھ سے زیادہ ہوگی، اس لئے بعض روایات میں ایک لاکھ چودہ ہزار کا ذکر ہے، بعض میں ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ (التعلیق: ۲۹۲/ ۳)

اور بعض روایات میں حاجیوں کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار بتلائی گئی ہے۔ (مرقاۃ: ۲۹۰/ ۵)

ایک قول چالیس ہزار کی ہے، علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ نوے ہزار کی تعداد تھی۔

ان روایات میں اختلاف کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ابتداء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنے والے کم ہوں اور بعد میں تعداد بڑھ گئی ہو، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ رواۃ میں سے ہر ایک نے اپنے تخمینے اور اندازے کے مطابق عدد ذکر کیا ہے، اور تخمینہ ہر آدمی کا دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔

فولدت اسماء بنت عمیس: حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا پہلے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، ان کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کیا، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حجۃ الوداع کے لئے روانہ ہوئے تو اس وقت یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، اور ان سے محمد بن ابوبکر پیدا ہوئے، محمد بن ابوبکر اصغر صحابہ میں سے ہیں، جن کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے ۳۸ھ میں مصر میں شہید کیا۔ (مرقاۃ: ۵/۲۹۰)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو غسل کا حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ نفساء کو احرام کے لئے غسل کرنا مسنون ہے اور یہ غسل نظافت کے لئے ہوتا ہے نہ کہ طہارت کے لئے، یہی وجہ ہے کہ نفاس والی عورت کو تیمم کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، اور یہی حکم حائضہ کا بھی ہے۔ (مرقاۃ: ۵/۲۹۰)

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو یہ حکم کرنا کہ **"واحرمی"** احرام باندھ لو یعنی احرام کی نیت کرلو اور لبیک کہو، اس سے یہ معلوم ہوا کہ نفساء کا احرام صحیح ہوتا ہے، چنانچہ وہ تمام افعال حج ادا کرے گی، سوائے طواف اور سعی کے، طواف تو اس لئے نہیں کرسکتی کہ طواف مسجد میں ہوتا ہے، نفساء اور حائضہ کے لئے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے، اور سعی اس لئے نہیں کرسکتی کہ سعی ہمیشہ طواف کے بعد ہوتی ہے۔ علی الانفراد سعی مشروع نہیں ہے۔

ثم رکب القصواء: اسحق بن راہویہ، داؤد ظاہری کے نزدیک پیدل چلنا اولیٰ ہے، جمہور کے نزدیک سواری اولیٰ ہے، حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اشخاص کے احوال پر موقوف ہے۔

لسنا ننوی الا الحج لسنا نعرف العمرۃ: جملہ ثانیہ جملہ اولیٰ کے لئے بطور تاکید ذکر کیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہمارا خیال تھا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب صرف حج کریں گے اور عمرہ نہیں کریں گے، اسی لئے ہم صرف حج ہی کی نیت کرکے آئے تھے، یہ صورت حال اسی زمانہ جاہلیت کے عقیدہ کی مطابق تھی کہ عمرہ کو اشہر حج میں **من افجر الفجور** سمجھا جاتا تھا۔ (مرقاۃ: ۵/۲۹۲)

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے عملاً اور قولاً اس رسم جاہلیت کی تردید فرمائی کہ خود بھی اشہر حج میں عمرہ ادا کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی عمرہ ادا کرنے کا حکم دیا۔

فصلی رکعتین: یہ رکعتین طواف ہیں، حضرات حنفیہ وجوب کے قائل ہیں، چونکہ آنحضرت ﷺ نے جب ان دو رکعتوں کو ادا کیا تو "**وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى**" [اور تم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔] (آسان ترجمہ) آیت بھی تلاوت کی، لیکن چونکہ وہ حدیث جس میں رکعتین کا ادا کرنا اور بطور استدلال آیت کا تلاوت کرنا مذکور ہے خبر واحد ہے، اس لئے باوجود "**وَاتَّخِذُوْا**" صیغہ امر کے صرف وجوب ثابت ہوگا، فرضیت ثابت نہیں ہوگی۔ امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما رکعتین طواف کو سنت کہتے ہیں، ان کا استدلال اعرابی کی حدیث سے ہے جس میں "**هل علي غيرهن قال لا الا ان تطوع**" مذکور ہے، لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دوسری روایت وجوب کی بھی ہے۔ (التعلیق: ۳/۱۹۳)

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ: حدیث شریف کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے "**قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ**" پہلی رکعت میں پڑھی اور "**قل یا ایھا الکافرون**" دوسری رکعت میں پڑھی، جب کہ یہ ترتیب مسنون کے خلاف ہے، اس لئے کہا جائے گا کہ یہاں پر واؤ مطلق جمع کے لئے ہے، ترتیب کے لئے نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ۵/۲۹۲)

لہٰذا ترتیب کا لحاظ رکھتے ہوئے سورۂ کافرون کو سورۂ اخلاص پر مقدم کرنا چاہئے، جیسا کہ مصابیح کی روایت میں اسی طرح مذکور ہے۔ اور چونکہ سورۂ کافرون میں براءت عن الشرک ہے اور سورۂ اخلاص میں اثبات توحید ہے اور براءت عن الشرک اثبات توحید پر مقدم ہے، جیسا کہ کلمہ توحید میں ہے، اس لئے بھی سورۂ کافرون کو سورۂ اخلاص پر مقدم کیا جائے گا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث شریف میں سورتوں کی مذکورہ ترتیب کے بارے میں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ چونکہ سورۂ اخلاص میں اثبات توحید ہے اور سورۂ کافرون میں اللہ تعالیٰ سے اضداد اور شرکاء کی نفی کی گئی ہے، اس لئے اثبات کو اہتمام شان کی وجہ سے نفی پر مقدم کیا گیا ہے۔ (شرح الطیبی: ۵/۲۴۵)

أَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ: سعی بین الصفا والمروہ میں اختلاف ہے کہ آیا فرض ہے یا واجب ہے؟

سعی کے اندر حنفیہ کے تین قول ہیں: واجب، شرط، سنت۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے واجب ہی کو راجح قرار دیا ہے، علامہ عینی نے حنفیہ کا مذہب اشتراط نقل کیا ہے، اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ جبکہ حضرات شوافع سعی کو فرض کہتے ہیں۔

قرآن مجید کی آیت "فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا" [لہٰذا جو شخص بھی بیت اللہ شریف کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اس کے لئے اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ ان کے درمیان چکر لگائے۔] (آسان ترجمہ) سعی بین الصفا والمروہ ہی کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے، تعجب ہے کہ حضرات شوافع قصر الصلوٰۃ فی السفر کو رخصت کا درجہ دیتے ہیں، چونکہ قرآن مجید کی آیت میں "فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ" [اور تم جب زمین میں سفر کرو اور تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں پریشان کریں گے تو تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم نماز میں قصر کرلو۔] (آسان ترجمہ) وارد ہے، اور اس میں "لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ" کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جس سے ان کے خیال میں قصر کا رخصت ہونا تو ثابت ہوتا ہے، لیکن وجوب ثابت نہیں ہوتا، سعی بین الصفا والمروۃ کے سلسلے میں تو "فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا" فرمایا گیا ہے، لیکن بایں ہمہ وہ سعی کو فرض کہتے ہیں، حنفیہ پر کوئی الزام نہیں آتا، اس لئے کہ وہ قصر اور سعی دونوں کو واجب کہتے ہیں۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ **"لا جناح"** کا صیغہ جانب فعل سے حرج کی نفی کر رہا ہے، سو اگر جانب ترک میں بھی حرج کی نفی ہو تو وہ فعل مباح ہوگا، اور اگر جانب ترک میں حرج منفی ہے، لیکن جانب فعل نفی حج کے ساتھ ساتھ محمود اور پسندیدہ قرار دیا گیا ہو تو وہ فعل مستحب یا مسنون ہوگا، اور اگر جانب ترک کو اختیار کرنے میں حرج لازم آتا ہو جس کے معنی یہ ہیں کہ جانب فعل نفی حرج کے ساتھ ساتھ مطلوب اور مؤکد بالتاکید ہے تو وہ فعل واجب ہوگا، اس طرح **"لا جناح"** مباح، مستحب، مسنون اور واجب سب کو شامل ہوتا ہے، اور دوسرے دلائل سے یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ یہ فعل کس حیثیت کا ہے، سو چونکہ سعی بین الصفا والمروہ کا حکم روایات میں موجود ہے، لیکن وہ اخبار آحاد ہیں، اور اخبار آحاد مفید ظن ہوتی ہیں، اس لئے ان سے فرضیت ثابت نہیں ہوگی، البتہ وجوب ثابت ہوگا، یہی صورت قصر فی الصلوۃ میں بھی پائی جاتی ہے۔

حتی اذا کان اخر طواف علی المروۃ الخ: ائمہ اربعہ کے نزدیک سعی کے کل شوط سات

ہیں۔ابتداءصفا سے اور انتہاء مروہ پر ہوگی۔

عبدالرحمن الشافعی کے نزدیک چودہ شوط ہیں، لہٰذا ابتداء کی طرح انتہاء سعی بھی صفا پر ہوگی، علامہ نووی نے اس مذہب کی تردید کی ہے۔

لو انی استقبلت من امری ما استدبرت لم اسق الھدی: رسول اللہ ﷺ جب مکہ مکرمہ پہنچے اور عمرہ ادا کیا تو آنحضرت ﷺ حلال نہیں ہوئے، ایک تو اسلئے کہ آنحضرت ﷺ راجح قول کے مطابق قارن تھے، اور قارن حج سے پہلے عمرہ کر کے حلال نہیں ہوسکتا اور دوسری بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سائق الھدی تھے، یعنی قربانی کے جانور اپنے ساتھ لائے تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے احرام نہیں کھولا، بلکہ عمرہ کے بعد بھی حالت احرام ہی میں رہے، جیسا کہ پہلے بتلایا جاچکا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اشہر حج کے اندر عمرہ کرنے کو افجر الفجور سمجھا جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ چاہتے تھے کہ اس عقیدہ کی عملاً اور قولاً تردید فرمائیں، عملاً تردید تو اس طرح فرمائی کہ آنحضرت ﷺ نے خود اشہر حج میں عمرہ ادا کیا، اور قولاً تردید یوں فرمائی کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ حکم دیا کہ جو شخص اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہیں لایا ہے وہ عمرہ کرے اور عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام کھول دے، یعنی حج کے احرام کو عمرہ کا احرام قرار دے کر عمرہ ادا کرے اور حلال ہوجائے، اس کو فسخ الحج الی العمرہ کہا جاتا ہے، اور یہ اسی سال کی خصوصیت تھی۔(**مرقاۃ: ۵/۲۹۶**)

لیکن یہ حکم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کئی وجوہ سے گراں گذرا، ایک تو اس وجہ سے کہ ہم تو احرام کھول دیں اور رسول اللہ ﷺ حالت احرام میں رہیں، اس طرح آنحضرت ﷺ کی متابعت فوت ہوجائے گی، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی بھی حال میں متابعت کا فوت ہوجانا گوارا نہیں تھا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ چونکہ زمانہ جاہلیت میں اشہر حج کے اندر عمرے کو افجر الفجور سمجھا جاتا تھا، اس لئے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس حکم میں کچھ تردد سا ہوا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: کہ اب عرفہ میں صرف پانچ دن رہ گئے ہیں، اس لئے یہ بات مناسب معلوم نہیں ہوتی کہ ہم احرام کھول دیں اور اپنی عورتوں کے پاس جائیں، جب کہ تھوڑے عرصہ بعد عرفہ جائیں گے، اس لئے انہوں نے اپنی اس ناگواری کا اظہار ان الفاظ سے کیا: **"فناتی**

عرفة تقطر مذاکیرنا المنی"

ان تمام وجوہ کی بناء پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ حکم ناگوار گذرا تو آنحضرت ﷺ نے ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا: کہ اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا کہ احرام کا کھولنا تم پر گراں گذرے گا جیسا اب معلوم ہوا تو میں بھی قربانی کا جانور ساتھ نہ لاتا اور احرام کھول کر **فسخ الحج الی العمرۃ** کرتا۔

ام لابد الخ: اس کے مصداق میں اختلاف ہے، ظاہریہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کا مصداق فسخ الحج الی العمرۃ ہے، اور جمہور کے نزدیک اشہر حرم کے اندر عمرہ کرنا اس کا مصداق ہے، اور یہ اختلاف مبنی ہے، ایک اور مسئلہ کے اختلاف پر۔ وہ یہ کہ فسخ الحج الی العمرۃ جائز ہے یا نہیں؟ امام احمد اور ظاہریہ کے نزدیک جائز ہے، جمہور کے نزدیک جائز نہیں۔

قال دخلت العمرۃ فی الحج الخ: اس کے علماء نے مختلف مطلب بیان کئے ہیں:

(۱)...... چونکہ مشرکین ان ایام کے اندر عمرہ کو حرام سمجھتے تھے تو اس جملہ سے ان کے اس زعم کو باطل کرنا مقصود ہے۔ جمہور، صاحب ہدایہ، سرخسی نے یہی تفسیر کی ہے۔

(۲)...... ابن قدامہ مغنی کے اندر تحریر فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ افعال عمرہ اس طور پر کئے جائیں گے کہ اس کے بعد حج تمتع کے افعال کئے جاسکیں، یعنی خلاصہ یہ ہے کہ اس سے حج تمتع کی طرف اشارہ ہے۔

(۳)...... یا یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ حج قران جائز ہے۔

(۴)...... امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عمرہ واجب ہے۔

(۵)...... یہ بات بیان کرنی مقصود ہے کہ حج وعمرہ کے لئے ایک ہی طواف وسعی کافی ہے۔

(۶)...... یہ بیان مقصود ہے کہ عمرہ کوئی مستقل نہیں بلکہ حج کافی ہے۔

ولا تشک قریش الا انہ واقف عند المشعر الحرام: زمانہ جاہلیت میں قریش حج کرنے کے لئے "مشعر حرام" پر وقوف کیا کرتے تھے، مشعر حرام مزدلفہ میں ایک پہاڑ ہے، جس کو "جبل القزح" بھی کہا جاتا ہے۔ (شرح الطیبی: ۵/۲۵۱)

یہ لوگ اپنی مذہبی برتری کے احساس کی بناء پر حدود حرم سے باہر جانا پسند نہیں

کرتے تھے،اس لئے عند المشعر الحرام وقوف کرتے تھے،اور دوسرے لوگ عرفات میں جا کر وقوف کیا کرتے تھے،رسول اللہ ﷺ نے بعثت سے پہلے جتنے حج کئے روایات میں صراحۃً مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ اس وقت بھی لوگوں کے ساتھ عرفات میں جا کر ہی وقوف کرتے تھے۔(روایات کے لئے دیکھئے: الدر المنثور:۲۲۷/۱)

لیکن قریش کو خدا جانے کس بنیاد پر یہ مغالطہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ آج عند المشعر الحرام وقوف کریں گے،بہر حال آنحضرت ﷺ نے عرفات پہنچ کر ہی وقوف فرمایا۔

فاتی بطن الوادی: "**بطن وادی**" عرفات میں ایک جگہ کا نام ہے،جسے عرنہ بھی کہا جاتا ہے،اور عرفات میں داخل نہیں ہے،اس لئے جمہور کے نزدیک اس میں وقوف جائز نہیں ہے،علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے،لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول منقول ہے کہ اگر کسی شخص نے عرنہ میں وقوف کرلیا تو اس کا وقوف درست ہو جائے گا،البتہ اس پر دم لازم ہوگا۔(المغنی:۲۰۷/۳)

فخطب الناس: رسول اللہ ﷺ نے دو خطبے ارشاد فرمائے،پہلے خطبہ میں تو حج کے احکام بیان کئے اور عرفات میں کثرت ذکر و دعا کی ترغیب دی،دوسرا خطبہ پہلے خطبہ کی بہ نسبت مختصر تھا،اس میں صرف دعا تھی۔

الا کل شیء من امر الجاهلية تحت قدمي موضوع: [خبردار! جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں کے نیچے دفن کردی گئی۔] یہ کنایہ ہے امور جاہلیت کے ابطال اور ان کی تردید سے۔

ودماء الجاهلية موضوعة: موضوع کے معنی ہیں:"**لا قصاص ولا دية ولا كفارة**" یعنی زمانہ جاہلیت میں اگر کسی کو قتل کردیا تھا تو اب اس کا قصاص ہے نہ دیت اور نہ کفارہ بلکہ معافی کا اعلان ہے،اس کو اہتماماً دوبارہ ذکر کیا گیا ورنہ امر جاہلیت میں اس کا ذکر آچکا تھا،اور یا اس لئے ذکر کیا گیا تاکہ اس پر اس قول "**وان اول دم اضع من دمائنا دم ابن ربيعة بن الحارث**" کو مرتب کیا جائے۔(مرقاۃ:۲۹۹/۵)

ربیعہ ابن حارث کے بیٹے کے خون کا قصہ یہ ہے کہ حارث حضرت رسول اللہ ﷺ کے چچا اور

عبدالمطلب کے بیٹے تھے، ان کا لڑکا تھا اور ربیعہ کا ایک شیر خوار بچہ تھا، جس کا نام تھا ایاس، عرب کے عام رواج کے مطابق ایاس کو دودھ پلانے کے لئے قبیلہ بنی سعد بھیج دیا گیا تھا، لڑائی کے دوران قبیلہ ہذیل کی طرف سے ایک پتھر آکر ایاس کو لگا، جس سے وہ مرگیا، ایاس چونکہ رسول اللہ ﷺ کے چچا کا پوتا تھا، اس لئے اس کے قتل کا انتقام لینے کا حق رسول اللہ ﷺ کو حاصل تھا، مگر آنحضرت ﷺ نے اس کا خون معاف کیا، اور خون کی معافی کی ابتداء اپنے قریبی رشتہ دار سے اس لئے کی تا کہ لوگوں کے دلوں میں کوئی شبہ باقی نہ رہے، اور لوگ بالکل مطمئن ہو جائیں اور دوسروں کے لئے اس میں رخصت کی گنجائش کا سد باب ہو جائے۔

وربا الجاهلية موضوع: ربا سے مراد وہ اموال ہیں جن کو غصب کر لیا گیا تھا، یا اچک لیا گیا تھا، اسی طرح سود کی وہ شرح بھی اس میں داخل ہے، جس کے حساب سے رأس المال سے زائد رقم وصول کی جاتی ہے۔ (مرقاۃ:۲۹۹/۵)

رأس المال کی معافی مراد نہیں ہے، یہاں پر بھی آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے اپنے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے سود کی معافی کا اعلان فرمایا، جن کا بہت زیادہ سود زمانہ جاہلیت کے لوگوں کے ذمہ باقی رہ گیا تھا۔

واستحللتم فروجهن بكلمة الله الخ: [اور تم ان کی شرمگاہوں کو اللہ تعالیٰ کے کلمہ کے ذریعہ حلال کیا ہے۔] کلمۃ اللہ کے مصداق میں اختلاف ہے:

(۱)......بعض نے کہا کہ اس سے مراد "**فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ۔ الآية**"[دوسری عورتوں میں سے کسی سے نکاح کرلو جو تمہیں پسند آئیں دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے۔] ہے۔

(۲)......ایجاب و قبول مراد ہے۔

(۳)......کلمۂ توحید مراد ہے۔

(۴)......علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد "**امساک بمعروف الخ**" ہے۔

وجعل حبل المشاة بين يديه: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حبل حاء کے فتحہ اور باء کے سکون کے ساتھ اور اس کو جبل بالجیم اور باء کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: کہ اس کو **حبل المشاۃ** (بالحاء) پڑھا جائے، اور یہ اشبہ بالحدیث بھی ہے، تو اس کے معنی ہوں گے لوگوں کی اجتماع گاہ، اور اس کو جبل (بالجیم) پڑھا جائے تو اس کے معنی راستہ ہوں گے، جہاں پر پیدل لوگ چلتے ہوں اور بعض نے کہا: کہ یہ ایک مقام کا نام ہے، جہاں پر بہت زیادہ ریت جمع ہے۔ (مرقاۃ: ۵/۳۰۱)

حتی اتی المزدلفة فصلی بها المغرب والعشاء: حج کے موقع پر دو جگہوں میں جمع بین الصلوٰتین مشروع ہے، ایک عرفات میں، دوسرے مزدلفہ میں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں جمع **بین الظهر والعصر** جمع تقدیم فرمائی ہے، اور مزدلفہ میں جمع **بین المغرب والعشاء** جمع تاخیر فرمائی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ جمع **"من حیث انه نسک من مناسک الحج"** ہے، یہ جمع **"من حیث السفر"** نہیں ہے، جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ جمع **"من حیث السفر"** ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص یہیں کا باشندہ ہو یا مسافر ہو لیکن فاصلہ دو مرحلوں سے کم ہو، تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس طرح اس کے لئے قصر جائز نہیں، ایسا ہی جمع بین الصلوٰتین بھی جائز نہیں۔
(شرح النووی علی الصحیح لمسلم: ۱/۳۹۷)

روایت میں جمع عرفات اور جمع مزدلفہ دونوں کے لئے اذان واحد اور اقامتین مذکور ہیں، عرفات میں جمع بین الصلوٰتین کے بارے میں فقہاء کے تین اقوال ہیں:

(۱)...... امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمع بین الصلوتین دو اذانوں اور دو اقامتوں کے ساتھ ہوگی۔

(۲)...... امام ابوحنیفہ، امام شافعی، سفیان ثوری اور ابوثور رحمہم اللہ وغیرہم کا مسلک یہ ہے کہ جمع بین الصلوٰتین ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ کیا جائے گا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے۔

(۳)...... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمع بین الصلوٰتین بغیر اذان کے دو اقامتوں کے ساتھ کیا جائے گا۔ **(بدایۃ المجتهد: ۱/۳۴۷)**

مزدلفہ میں جمع بین الصلوٰتین کے بارے میں فقہاء کے کل چھ اقوال ہیں، لیکن مشہور ان میں سے چار ہیں:

(۱)......امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ جمع بین الصلوٰتین کیا جائے گا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قولِ قدیم اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے، اور مالکیہ میں سے ابن ماجشون نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۲)......امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ جمع ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ہوگی، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول اسی کے مطابق ہے، حنفیہ میں سے امام زفر اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہما نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

(۳)......امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ جمع دو اذانوں اور دو اقامتوں کے ساتھ کی جائے گی۔ **"وروی ذلک عن عمر وابنه وعبدالله بن مسعود"**

(۴)......امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول مشہور یہ ہے کہ بغیر اذان دو اقامتوں کے ساتھ جمع کی جائے گی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت اس کے مطابق ہے۔ **"وروی ذلک عن ابن عمر وابنه سالم والقاسم"** (معارف السنن: ۶/۲۱۸)

حتی اتی بطن محسر: لفظ "محسر" میم کے ضمہ، حاء کے فتحہ اور سین کے کسرہ اور تشدید کے ساتھ ہے، یہ مزدلفہ اور منی کے درمیان ایک وادی کا نام ہے اور اس وادی کو محسر اس لئے کہا جاتا ہے کہ تحسیر کے معنی ہیں عاجز کر دینے کے جیسا کہ قرآن کریم کی اس آیت میں ہے: "**يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ**" ای عاجز۔

چونکہ اس مقام پر اصحاب فیل کو کعبۃ اللہ پر چڑھائی سے عاجز کر دیا گیا تھا، اس لئے اس کو بطن محسر کہا جاتا ہے۔ (مرقاۃ: ۵/۳۰۲)

حتی اتی الجمرة التی عند الشجرة: یہ وہی جمرہ کبری ہے، جس کو "جمرہ عقبہ" کہا جاتا ہے، ہو سکتا ہے اس زمانہ میں وہاں کوئی درخت کھڑا ہو اس لئے **"التی عند الشجرة"** فرمایا۔

حصی الخذف: "حصی الخذف" خذف کے معنی آتے ہیں انگلی کے اشارہ سے کنکری

پھینکنا، مراد چھوٹی چھوٹی کنکریاں ہیں۔ (نفحات التنقیح:۵ ۳۱، تا ۳۲۰)

فنحر ثلثاوستین بدنة الخ: ابن حبان فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی عمر شریف کے عدد کے مطابق جانور ذبح فرمائے۔

ابوداؤد اور مسند احمد کی روایت کے اندر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تیرسٹھ جانور ذبح کئے ہیں، دونوں احادیث کے اندر تعارض ہے، ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسلم کی روایت راجح ہے، کیونکہ ابوداؤد کی روایت کے اندر ابن اسحٰق ایک راوی ضعیف ہے۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے تیس جانور ذبح کئے اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضور اکرم ﷺ نے مل کر ذبح کئے، اور تریسٹھ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذبح کئے۔

نیز آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا اور ہر اونٹ کی ایک ایک بوٹی لے کر ہانڈی میں کر کے سب کو پکایا گیا، پھر ان کا گوشت تناول فرمایا اور شوربا نوش فرمایا، اس طرح آنحضرت ﷺ نے سب کا حق ادا فرمایا۔

پھر آنحضرت ﷺ سواری پر سوار ہوئے اور بیت اللہ شریف کا طواف فرمایا، سوار ہو کر طواف کرنے میں متعدد مصلحتیں تھیں۔

(۱)......تاکہ لوگ طواف کا طریقہ سیکھ لیں۔

(۲)......کسی کو کوئی سوال کرنا ہو سوال کر سکے۔

(۳)......زیارت کے مشتاق حضرات آسانی کے ساتھ زیارت کر سکیں۔

(۴)......لوگ ہجوم نہ لگائیں کہ چاروں طرف سے لوگ مصافحہ کرتے رہیں اور دشواری ہو۔

(۵)......ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ضعف اور تھکان ہو۔

(۶)......بیان جواز کے لئے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ بیماری اور معذوری کی وجہ سے سوار ہو کر طواف کر سکتے ہیں۔

پھر مکہ مکرمہ میں نماز ظہر ادا فرمائی۔

پھر بنو عبد المطلب جو لوگوں کو زمزم پلا رہے تھے ان کے پاس تشریف لائے، اور فرمایا: اے

بنو عبد المطلب! پانی کھینچو۔ اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ تم پر تمہارے پانی پلانے پر غالب آ جائیں گے تو تمہارے ساتھ میں خود پانی کھینچتا۔

مطلب یہ ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں خود اپنے ہاتھ سے کنویں سے پانی کھینچوں، لیکن یہ اندیشہ ہے کہ اگر میں خود پانی کھینچتا ہوں تو بعد میں لوگ سنت سمجھ کر خود ہی پانی کھینچنا شروع کریں گے، اور تمہارے نظام میں خلل ہو جائے گا، اور تم کو لوگوں کو پانی پلانے میں دشواری پیش آئے گی، اس لئے میں ایسا نہیں کرتا۔

اس سے آنحضرت ﷺ کی کمالِ شفقت کا اندازہ ہوا، خود بنو عبد المطلب پر بھی شفقت کہ ان کے نظام میں خلل اور دشواری نہ ہو، اور تمام حجاج اور زائرین پر بھی شفقت کہ لوگ آنحضرت ﷺ کی اتباع میں خود کنویں سے پانی کھینچیں گے تو سب کو دشواری ہوگی کہ ہر ہر آدمی خود ہی کنویں سے پانی کھینچے گا تو کتنی دشواری ہوگی وہ ظاہر ہے۔

معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے ایک ایک عمل میں کتنی مصلحتیں اور ہر ہر شخص کے حال کی رعایت ہوتی تھی۔ چنانچہ بنو عبد المطلب نے کنویں سے پانی کا ڈول کھینچ کر دیا اور آنحضرت ﷺ نے زمزم نوش فرمایا۔

اب آگے مختصراً زمزم کی تاریخ اور اس کی فضیلت اور چند مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

آبِ زمزم کی مختصر تاریخ

''زمزم'' وہ متبرک چشمہ ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس وقت ظاہر فرمایا جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے جگر گوشے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو اس جگہ قیام کرایا، اس سے قبل وہاں دور دور تک آبادی کا نام ونشان نہ تھا، اور نہ سیرابی کا کوئی انتظام تھا۔

ضروری توشہ ختم ہونے کے بعد حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بے قراری کے عالم میں ادھر ادھر سرگرداں

تھیں، اور بار بار صفا و مروہ کی پہاڑیوں پر چڑھ کر پانی تلاش کر رہی تھیں، اچانک انہوں نے واپس آ کر یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بالکل قریب پانی کا چشمہ ابل رہا ہے، تو آپ نے فوراً وہاں منڈیر بنائی اور چلو میں لے کر پانی مشکیزہ میں بھرنا شروع کر دیا، یہی زمزم کے چشمہ کا آغاز تھا۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ”اگر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا زمزم کو اپنے حال پر چھوڑ دیتیں تو یہ ایک عظیم جاری چشمہ بن جاتا۔“ (بخاری شریف: ۴۷۵/۱)

زمزم کا چشمہ ظاہر ہونے کے بعد یمن کے قبیلہ جرہم کا ایک قافلہ وہاں پانی کے آثار دیکھ کر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی اجازت سے قیام پذیر ہوا، اور ان لوگوں نے وہیں بود و باش اختیار کر لی، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا رشتہ بھی انہیں لوگوں میں ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں برکت عطا فرمائی، صدیاں اسی میں بیت گئیں، تا آں کہ آنے والی نسلوں میں اختلاف و انتشار پیدا ہوا، اور بنو جرہم اور آس پاس کے قبائل میں لڑائیاں ہونے لگیں، اور اس لڑائی میں بنو جرہم نے مغلوب ہو کر مکہ معظمہ سے اپنے اصلی وطن ”یمن“ کی طرف منتقل ہونے کا ارادہ کیا، اور جاتے وقت کعبہ مشرفہ کی کچھ امانتوں اور حجر اسود کو زمزم کے کنویں میں ڈال کر اسے اس طرح پاٹ دیا کہ اوپر سے اس کے کچھ آثار نظر نہ آئیں۔ (تلخیص: الروض الانف: ۲۱۴)

اس کے بعد سالوں گذر گئے اور کسی کو زمزم کو تلاش کرنے کا خیال نہ آیا، تا آں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا خواجہ عبد المطلب جو مکہ معظمہ کے بڑے سردار تھے، ان کو خواب میں زمزم کی جگہ نشان دہی کرائی گئی، چنانچہ ایک ہی موضوع کے خواب کئی دن لگاتار دیکھنے کی وجہ سے جب ان کو خواب کی سچائی کا یقین ہو گیا تو انہوں نے اپنے بیٹے حارث بن عبد المطلب کو لے کر خواب میں بیان کردہ علامت کے مطابق کھدائی شروع کی، تھوڑی ہی کھدائی کے بعد کنویں کے آثار نظر آئے، جسے دیکھتے ہی خواجہ عبد المطلب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا، یہ منظر دیکھ کر قریش کے دیگر لوگ خواجہ عبد المطلب کے پاس آئے اور یہ کہنے لگے کہ یہ ہمارے مورثِ اعلیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا کنواں ہے، اس لئے اس میں ہم سب شرکت کا حق رکھتے ہیں، آپ اکیلے اس کے مالک نہیں ہیں، خواجہ عبد المطلب نے فرمایا: کہ ”یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے خاص کر مجھے عطا فرمائی ہے، اس میں میں کسی

دوسرے کو شریک نہیں کر سکتا۔"مگر قریش ان کی بات پر مطمئن نہ ہوئے اور لڑائی پر آمادہ ہو گئے، تو خواجہ عبدالمطلب نے پیش کش کی کہ کسی کو فیصل مان کر اس کے مطابق عمل کرو، تو قریش نے ملک شام کی ایک کاہنہ کا نام لیا کہ اس کے سامنے مقدمہ پیش کیا جائے گا، اور وہ جس کو کہے گی زمزم کا کنواں اسی کو دے دیا جائے گا، چنانچہ اس پر اتفاق ہو گیا اور خواجہ عبدالمطلب اور قریش کے دیگر قبائل کے نمائندے سفر میں نکل پڑے۔ اتفاق یہ ہوا کہ راستہ میں خواجہ عبدالمطلب کے ساتھیوں کا پانی ختم ہو گیا اور پیاس کی شدت کی وجہ سے ہلاکت کی نوبت آ گئی، ان لوگوں نے قریش کے دیگر خاندانوں کے نمائندوں سے پانی مانگا، مگر انہوں نے اپنی ضرورت کا عذر بتا کر انکار کر دیا، خواجہ عبدالمطلب نے یہ صورتِ حال دیکھ کر اپنے ساتھیوں کو مشورہ دیا کہ ہر ایک آدمی ایک ایک قبر تیار کرے، تاکہ پیاس کی شدت کی وجہ سے ہم میں سے جس آدمی کا انتقال ہوتا رہے اسے دفن کیا جاتا رہے، چنانچہ ساتھیوں نے اس مشورہ کی تعمیل کی اور پھر بیٹھ کر موت کا انتظار کرنے لگے، لیکن بعد میں خواجہ عبدالمطلب کو خیال آیا کہ ایسے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر مرنے سے کیا فائدہ؟ آگے سفر شروع کرنا چاہئے، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ پانی عطا فرمائیں۔ چنانچہ سب نے سفر کی تیاری شروع کی، اور جیسے ہی خواجہ عبدالمطلب نے اپنی اونٹنی کو کھڑا کیا، اچانک اس کے کھر کے نیچے سے ایک میٹھے پانی کا چشمہ نمودار ہوا، جسے دیکھ کر بے اختیار سب ساتھیوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا، اور وہ پانی خود بھی پیا اور ساتھیوں کو بھی پلایا، اور دیگر قبائل کے نمائندوں کو بھی یہ کہہ کر مدعو کیا کہ: "آؤ! یہ پانی اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔" یہ حال دیکھ کر قافلہ کے لوگ کہہ اٹھے: کہ "اب ہم زمزم کے بارے میں آپ سے کوئی جھگڑا نہ کریں گے، کیونکہ جس اللہ نے اس جنگل میں آپ کو پانی عطا فرمایا ہے اسی اللہ نے آپ کو زمزم عطا کیا ہے۔" اور وہ سب لوگ وہیں سے واپس مکہ معظمہ آ گئے اور کاہنہ کے پاس نہیں گئے۔ (تلخیص: دلائل النبوۃ: ۹۳، البدایہ والنہایہ: ۲/۲۴۶، الروض الانف: ۲۵۷)

زمزم کے پانی کی خصوصیات

زمزم کا پانی اپنے اندر کئی خصوصیات رکھتا ہے:

(۱)......ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ پانی کتنا ہی خرچ کیا جائے کبھی کم نہیں ہوتا، بعض روایات میں ہے کہ

ایک مرتبہ ایک حبشی شخص اس کنویں میں گر کر مرگیا تھا، جس کی وجہ سے کنویں کا سارا پانی نکالا گیا، تو یہ دیکھا گیا کہ حجرِ اسود کی طرف سے بہت تیز پانی آرہا ہے، جس کو بمشکل تمام روکنے کی کوشش کی گئی، لیکن پھر بھی پانی رک نہیں پایا۔ (سنن دارقطنی: ۲۸/۱)

آج یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ روزانہ مشینوں کے ذریعہ لاکھوں گیلن اس سے پانی نکالا جاتا ہے، مگر الحمد للہ! پانی کی آمد میں کوئی کمی نہیں آتی، اگر اتنا پانی کسی اور کنویں سے نکالا جائے تو دو دن میں سوکھ جائے۔

(۲)......دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس پانی میں پیاس مٹانے کے ساتھ ساتھ بھوک مٹانے کی صلاحیت بھی پائی جاتی ہے، گویا کہ مائیت کے ساتھ غذائیت بھی ہے۔ صحیح روایت میں ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک مہینہ تک صرف زمزم کے پانی پر گذارا فرمایا، جس کی بنا پر ان کے بدن میں چربی چڑھ گئی۔ (مسلم شریف: ۲۹۵/۲)

(۳)......تیسری خصوصیت یہ ہے کہ زمزم کے پانی کو اللہ تعالیٰ نے موجب شفا بھی بنایا ہے۔ ایک روایت میں حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **"خَيْرُ مَاءٍ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ مَاءُ زَمْزَمَ فِيْهِ طَعَامٌ مِنْ طُعْمٍ وَشِفَاءٌ مِنْ سُقْمٍ"**

(معجم کبیر طبرانی، حدیث نمبر: ۱۱۱۶۷؛ بحوالہ تاریخ مکۃ المکرمۃ: ۷۸)

[روئے زمین پر سب سے بہترین پانی آبِ زمزم ہے، یہ کھانے کے لئے خوراک بھی ہے اور بیماری سے شفا بھی ہے۔]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اور ایک روایت میں مروی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **"اَلْحُمّٰى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَأَبْرِدُوْهَا بِمَاءِ زَمْزَمَ"**

(مسند احمد: ۲۹۱/۱، تاریخ مکہ مکرمہ: ۷۹)

[جہنم کی تپش سے ہوتا ہے، لہٰذا اسے زمزم کے پانی سے ٹھنڈا کیا کرو۔]

(۴)......نیز فضائل کی بعض کتابوں میں منقول ہے کہ زمزم کے پانی کو دیکھنے سے بینائی میں اضافہ ہوتا ہے۔ (تاریخ مکہ مکرمہ: ۶۸)

(۵)……تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ زمزم کا پانی عرصۂ دراز تک بغیر کسی تغیر کے محفوظ رہتا ہے، یہ اس پانی کی ایک اہم خصوصیت ہے، دنیا کا اور کوئی پانی اپنے اندر یہ صفت نہیں رکھتا۔ (کتاب الفتاویٰ: ۸۵ / ۴)

آبِ زمزم کی فضیلت

آبِ زمزم دنیا کے تمام پانیوں میں سب سے افضل ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ جب شق صدر کے واقعات پیش آئے تو آپ کے قلب اطہر کو ماء مزم سے دھویا گیا۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۳۳۴۲، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۶۲)

اگر زمزم کے علاوہ کوئی اور پانی اس سے افضل ہوتا تو یقیناً اسی سے قلب اطہر کو دھویا جاتا۔

نیز ایک بڑا فائدہ آبِ زمزم کا یہ ہے کہ اسے جس نیت وارادہ سے پیا جائے گا اللہ تعالیٰ اس ارادہ کی تکمیل فرمائیں گے۔ چنانچہ حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

"مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ" (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۳۰۶۲) [یعنی زمزم کا پانی پیتے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ سے جو حاجت مانگنے کا خیال جمایا جائے گا ان شاء اللہ وہ مراد پوری ہوگی۔]

منقول ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے زمزم پیتے وقت دو باتوں کی دعا فرمائی تھی، ایک علم کی دوسرے تیر اندازی کی، آپ کا علمی مقام تو دنیا کو معلوم ہی ہے۔ تیر اندازی بھی آپ کی ایسی تھی کہ ۹۹ رفیصد نشانہ خطا نہ کرتا تھا۔ (تاریخ مکۃ المکرمۃ: ۶۷، المکتبۃ الشاملۃ)

اور لا علاج مریضوں کی زمزم کے ذریعہ بحکم خداوندی شفایابی اور اصحابِ حاجت کی مرادیں پوری ہونے کے واقعات بکثرت تاریخ میں درج ہیں۔

اس لئے حضرت نبی اکرم ﷺ کا یہ معمول مبارک نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ زمزم کے پانی کو خصوصیت کے ساتھ اپنے ساتھ لے جاتے تھے، اور یہ بھی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی تحنیک فرماتے ہوئے، اس میں آبِ زمزم کو شامل فرمایا تھا۔

(شامی کراچی: ۶۲۵ / ۲، بحوالہ انوار مناسک: ۳۹۹)

علاوہ ازیں بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمزم کو ثواب کی نیت سے دیکھنا بھی عبادت ہے۔(غنیۃ الناسک:۱۴۰، زبدۃ المناسک:۱۳۷)

اور بعض روایات میں یہ مضمون بھی وارد ہے کہ زمزم کو خوب جی بھر کر پینا نفاق سے برأت کی علامت ہے۔حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ان اية مابيننا وبين المنافقين لا يتضلعون من ماء زمزم" (البدایۃ والنہایۃ:۲/۶۴۹)

[ہمارے اور منافقوں کے درمیان امتیاز کی علامت یہ ہے کہ منافقین زمزم کا پانی جی بھر کر نہیں پیتے۔] (اس کے برخلاف مؤمنین مخلصین خوب سیراب ہو کر زمزم کا پانی پیتے ہیں)

موجودہ دور میں بئر زمزم کی صورتِ حال

چند سال پہلے تک زمزم کے کنویں تک پہنچنے کے لئے حجر اسود کے سامنے نیچے جانے کے راستے بنے ہوئے تھے اور وہاں بڑی تعداد میں زمزم کی ٹونٹیاں لگی ہوئی تھیں، جن سے لوگ پانی لے کر استعمال کرتے تھے، لیکن اب کئی سالوں سے زمزم کے کنویں کو اوپر سے بالکل برابر کر دیا گیا ہے، اور کنویں سے پانی برآمد کرنے کے لئے نہایت طاقت ور مشینیں لگا دی گئی ہیں، جن کے ذریعہ ہر وقت پانی کھینچا جاتا ہے، اور پھر اسے ٹھنڈا کرنے والی مشینوں سے گذار کر نہ صرف حرم مکہ بلکہ حرم نبوی کے گوشہ گوشہ میں بھی نہایت فراوانی سے مہیا کرانے کا انتظام ہے۔ نیز یہ پانی بڑی مقدار میں مکہ معظمہ کے علاقہ "کُدَیْ" میں ذخیرہ کر کے شائقین کو مفت سپلائی کیا جاتا ہے، اور حج کے زمانہ میں حجاج کی رہائشی بلڈنگوں پر پابندی سے پہنچایا جاتا ہے، اور ویسے بھی جا بجا تقسیم ہوتا ہے، بلاشبہ سعودی حکومت کی خدمات اس معاملہ میں نہایت قابل قدر ہیں۔ **"فجزاهم الله أحسن الجزاء"**

خلاصہ یہ کہ آبِ زمزم امت محمدیہ بلکہ پوری انسانیت کے لئے ایک عظیم قدرتی تحفہ ہے، اس سے برکت حاصل کرنا بجائے خود موجب رحمت ہے۔

ذیل میں آبِ زمزم کے بارے میں مختصر مسائل ذکر کئے جارہے ہیں:

آبِ زمزم پینے کے آداب

آبِ زمزم پیتے وقت درج ذیل آداب کالحاظ رکھیں:

(۱)......اپنا رخ قبلہ کی طرف کرلیں۔

(۲)......اللہ کاذکر کریں۔

(۳)......تین سانس میں پئیں۔

(۴)......خوب سیراب ہوکر پئیں۔

(۵)...... پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کاشکر بجالائیں۔

"عن محمد بن عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما قال: کنت عند ابن عباس رضی اللہ عنہ ما جالساً فجاءہ رجل، فقال من این جئت، قال: من زمزم، قال: فشربت منہا کماینبغی، قال: وکیف؟ قال: اذا شربت منہا فاستقبل القبلة واذکر اسم اللہ وتنفس ثلاثاً وتضلع منہا فاذا فرغت فاحمد اللہ عزو جل، فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان آیة ما بیننا وبین المنافقین انہم لا یتضلعون من زمزم۔"

(سنن ابن ماجہ، باب الشرب من زمزم، حدیث نمبر:۳۰۶۱،" قاموس الفقہ" مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:۱۰۱/ ۴)

آبِ زمزم پیتے وقت کی ایک ماثور دعا

مروی ہے کہ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آبِ زمزم پیتے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا وَاسِعًا وَشِفَاءً مِّنْ كُلِّ دَاءٍ"

(فتح القدیر:۵۰۶/ ۳)

[اے اللہ! میں آپ سے نفع بخش علم، وسعت والے رزق اور ہر بیماری سے شفاء کی درخواست کرتا ہوں۔]

کیا آبِ زمزم کھڑے ہوکر پینا ضروری ہے؟

آبِ زمزم کو کھڑے ہوکر پینے کی اجازت ہے، لیکن یہ کوئی ضروری نہیں ہے، لہٰذا بیٹھ کر پینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ (**افاده الشامي بحثا: ۲۲۸/۱، مطلب في مباحث الشرب قائما، بيروت**)

آبِ زمزم سے وضو اور غسل

آبِ زمزم سے وضو اور غسل بطور تبرک کرنا درست ہے، البتہ ناپاک چیز کو دھونے یا ناپاکی کو زائل کرنے کے لئے آبِ زمزم کا استعمال بہتر نہیں، اس لئے آبِ زمزم سے استنجاء کرنا اور جنبی اور محدث کا غسل کرنا اور کسی ناپاک چیز کو پاک کرنا مناسب نہیں ہے۔ "**ويجوز الاغتسال والتوضي بماء زمزم على وجه التبرك ولا يستعمل الا على شيء طاهر، فلا ينبغي ان يغتسل به جنب او محدث ولا في مكان نجس**" (غنیۃ الناسک: ۱۴۰، شامی بیروت: ۴۶/۴)

آبِ زمزم ساتھ لانا

مکہ مکرمہ سے آبِ زمزم ساتھ لانا مستحب ہے، اور یہ حرم مکہ کا سب سے قیمتی تحفہ ہے۔ "**ويستحب حمله الى البلاد**" (غنیۃ الناسک: ۱۴۱)

آبِ زمزم مریض پر چھڑکنا

آبِ زمزم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے شفاء رکھی ہے، اس لئے مریض کو پلانا اور اس پر چھڑکنا اس لئے نافع ہے۔ "**ويصبه على المرضى ويسقيهم فانه شفاء سقم، وانه لما شرب له كما بسطه في الفتح**" (غنیۃ الناسک: ۱۴۱)

غیر مسلم کو آبِ زمزم پلانا

غیر مسلم شخص کو بھی آبِ زمزم پلانا درست ہے۔ (مستفاد کتاب الفتاوی: ۸۲/۴)

حائضہ کے احرام باندھنے کا طریقہ

{۲۴۴۱} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ، فَلَمَّا قَدِمْنَا مَكَّةَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَلَمْ يُهْدِ فَلْيَحْلِلْ وَمَنْ اَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَاَهْدٰی فَلْيُهِلَّ بِالْحَجِّ مَعَ الْعُمْرَةِ ثُمَّ لَا يَحِلَّ حَتّٰی يَحِلَّ مِنْهُمَا، وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلَا يَحِلُّ حَتّٰی يَحِلَّ بِنَحْرِ هَدْيِهٖ وَمَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ فَلْيُتِمَّ حَجَّهٗ، قَالَتْ: فَحِضْتُ وَلَمْ اَطُفْ بِالْبَيْتِ وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ فَلَمْ اَزَلْ حَائِضًا حَتّٰی كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ وَلَمْ اُهْلِلْ اِلَّا بِعُمْرَةٍ فَاَمَرَنِي النَّبِيُّ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَنْقُضَ رَأْسِيْ وَاَمْتَشِطَ وَاُهِلَّ بِالْحَجِّ وَاَتْرُكَ الْعُمْرَةَ فَفَعَلْتُ حَتّٰی قَضَيْتُ حَجِّيْ بَعَثَ مَعِيْ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ اَبِيْ بَكْرٍ، وَاَمَرَنِيْ اَنْ اَعْتَمِرَ مَكَانَ عُمْرَتِيْ مِنَ التَّنْعِيْمِ، قَالَتْ: فَطَافَ الَّذِيْنَ كَانُوْا اَهَلُّوْا بِالْعُمْرَةِ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، ثُمَّ حَلُّوْا، ثُمَّ طَافُوْا طَوَافًا بَعْدَ اَنْ رَجَعُوْا مِنْ مِنًی وَاَمَّا الَّذِيْنَ جَمَعُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، فَاِنَّمَا طَافُوْا طَوَافًا وَاحِدًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۴۶، کتاب الحیض، باب کیف تهل الحائض بالحج، الخ، حدیث نمبر: ۳۱۷، مسلم شریف: ۱/۳۸۷، کتاب الحج، باب بیان وجوه الاحرام، حدیث نمبر: ۱۲۱۱۔

حل لغات: قدمنا: قَدِمَ (س) قدوماً، جانا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم حجۃ الوداع میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، ہم میں سے وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے صرف عمرے کا احرام باندھا، اور وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے صرف حج کا احرام باندھا، تو جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس شخص نے عمرے کا احرام باندھا ہے اور

اس کے ساتھ ہدی ہے، تو وہ عمرے کے ساتھ حج کا احرام باندھ لے، پھر جب تک ان دونوں سے فارغ نہ ہو جائے اس وقت تک احرام نہ کھولے، اور ایک روایت میں ہے کہ جب تک اپنی ہدی کی قربانی سے فارغ نہ ہو جائے احرام نہ کھولے، اور جس شخص نے حج کا احرام باندھا ہے وہ اپنا حج پورا کرے، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کہ میں حائضہ تھی، اس لئے میں نے نہ ہی طواف کیا اور نہ صفا مروہ کی سعی کی، میں حالت حیض میں تھی کہ عرفہ کا دن آ گیا، چونکہ میں نے صرف عمرے کا احرام باندھا تھا، اس لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میں سر کھول کر کنگھی کرلوں اور حج کا احرام باندھ کر عمرہ چھوڑ دوں؛ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا، یہاں تک کہ میں نے اپنا حج پورا کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ حضرت عبد الرحمن بن ابو بکر کو بھیج کر مجھے حکم دیا کہ میں مقام تنعیم سے احرام باندھ کر عمرے کی قضا کروں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جن لوگوں نے صرف عمرے کا احرام باندھا تھا، انہوں نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور صفا مروہ کی سعی کی، پھر حلال ہو گئے، پھر منی سے لوٹنے کے بعد ایک طواف کیا اور جن لوگوں نے حج قران کیا ان لوگوں نے صرف ایک طواف کیا۔

تشریح: فحضت و لم اطف بالبیت: چنانچہ حائضہ عورت کے لئے یہی حکم ہے کہ وہ طواف بالبیت نہیں کر سکتی، چونکہ سعی بین الصفاء والمروہ طواف کے بغیر صحیح نہیں ہے، اس لئے حائضہ عورت سعی بین الصفاء والمروہ بھی نہیں کرے گی، ورنہ حیض سعی کے لئے مانع نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ۵/۳۰۶)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو عمرہ کو ترک کرنے کا حکم دیا، یہی حکم ہر حائضہ کا ہے کہ اگر یوم ترویہ آ جانے تک وہ حیض سے پاک نہ ہو تو عمرہ کو ترک کر کے حج کا احرام باندھ لینا چاہئے۔

وامرنی ان اعتمر مکان عمرتی من التنعیم: "تنعیم" مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کی جانب چار میل کے فاصلہ پر ایک مشہور جگہ ہے۔ (فتح الباری: ۳/۶۰۷)

اب وہ آبادی کے پھیل جانے کی وجہ سے مکہ مکرمہ شہر میں داخل ہے، آفاقی یعنی باہر سے آنے والے کے لئے تو مشہور میقات متعین ہیں، لیکن اہل مکہ کے حج کے لئے میقات حرم ہے، خواہ وہ مکی

ہو یا آفاقی ہو، لیکن وہ مکہ میں رہتا ہو۔

البتہ اہل مکہ کے عمرہ کے میقات کے متعلق اختلاف ہے، چنانچہ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ جو شخص مکہ میں رہتا ہو عمرہ کے لئے اس کا میقات مقام تنعیم متعین ہے۔ یعنی مقام تنعیم آ کر ہی وہ احرام باندھے گا، ان حضرات کا استدلال اسی حدیث شریف سے ہے، جس میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو مقام تنعیم سے احرام باندھنے کا حکم دیا۔

لیکن جمہور اور ائمہ اربعہ کا مذہب یہ ہے کہ اہل مکہ کے عمرہ کے لئے میقات حل ہے، حل کے علاقے میں جس جگہ سے احرام باندھے درست ہے، اس میں تنعیم اور دوسرے مقامات جو حل میں آتے ہیں سب برابر ہیں۔ (معارف السنن: ۶/۳۲۴)

جہاں تک تعلق ہے اس حدیث شریف کا جس میں مقام تنعیم کا ذکر ہے، سو یہ اس لئے نہیں ہے کہ اہل مکہ کے لئے میقات مقام تنعیم ہی متعین ہے، بلکہ چونکہ مقام تنعیم حل کی دوسری حدود کے مقابلے میں زیادہ قریب تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنعیم سے احرام باندھنے کا حکم دیا۔ اور اس کی تائید خود ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہوتی ہے، جس کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے:

"ومانزلها الا من اجلى فامر عبدالرحمن بن ابى بكر رضى الله تعالىٰ عنه مافقال احمل اختك فاخرجها من الحرم قالت والله ما ذكر الجعرانة ولا التنعيم فلنهل بعمرة فكان ادنانا من الحرم التنعيم فاهللت بعمرة فطفنا بالبيت و سعينا بين الصفاوالمروة ثم اتينا فارتحل" (معانی الآثار للطحاوی: ۱/۴۹۴)

اس حدیث شریف میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے خود یہ تصریح موجود ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرانہ اور تنعیم میں سے کسی متعین جگہ کا نام نہیں لیا، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود فقط یہ تھا کہ حل سے احرام باندھا جائے، لیکن چونکہ مقام تنعیم سب سے زیادہ قریب تھا، اس لئے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے اسی کو اختیار کیا اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہیں سے احرام باندھا۔

فانما طافوا طوا فاوا حدا: قارن کے لئے تین طواف پر تو تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ (معارف السنن:۳۶۸/۶)

(۱)......طوافِ قدوم جو سنت ہے۔

(۲)......طوافِ زیارت جس کو طوافِ افاضہ بھی کہتے ہیں، جو فرض ہے۔

(۳)......طوافِ وداع جس کو طوافِ صدر بھی کہتے ہیں جو واجب ہے۔

البتہ طوافِ عمرہ میں ائمہ کا اختلاف ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک قارن پر طوافِ عمرہ بھی ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے، اسی طرح ان حضرات کے نزدیک قارن پر کل چار طواف ہو جاتے ہیں، البتہ قارن کے لئے اتنی گنجائش ہے کہ اگر وہ طوافِ عمرہ ہی میں طواف قدوم کی نیت کر لے تو یہ ایک ہی طواف دونوں کے لئے کافی ہو جائے گا، علیحدہ طوافِ قدوم کرنے کی ضرورت نہ ہوگی، یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو کر سنت یا فرض میں تحیۃ المسجد کی نیت کرے، تو اس کی یہ نیت تحیۃ المسجد کے لئے بھی کافی ہو جائے گی، جب کہ ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم نے طوافِ عمرہ کی نفی کی ہے، ان کے نزدیک قارن کے لئے مستقل طور پر طوافِ عمرہ نہیں ہے، بلکہ طوافِ عمرہ کا طوافِ زیارت میں تداخل ہو جاتا ہے۔ (مذاہب کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: عمدۃ القاری: ۱۸۴/۹)

ائمہ ثلاثہ کا استدلال ایک تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے ہے، اسی طرح ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: **"عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرن الحج والعمرة، فطاف لهما طوافًا واحدًا"** (ترمذی شریف:۱۸۸/۱) [حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حج و عمرہ کو جمع فرمایا، اور دونوں کیلئے ایک طواف فرمایا۔]

اس مسئلہ میں حنفیہ کی مستدل کئی روایات ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱)......سنن دارقطنی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: **"عن عبد الله: قال: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم: طاف لعمرته وحجته طوافين وسعى سعيين، وابوبكر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ وابن مسعود رضی اللہ عنہ۔"** [حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے منقول

ہے کہ حضرت رسول پاک ﷺ نے اپنے عمرہ اور اپنے حج کے لئے دو طواف اور دو سعی فرمائی اور ابو بکر و عمر و علی وابن مسعود رضی اللہ عنہم نے بھی۔]

(۲)......ایسی ہی دار قطنی میں حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے: **"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم طاف طوافین و سعی سعیین"** (ان دونوں روایتوں کے لئے دیکھئے: دار قطنی: ۲/۲۶۴)
[حضرت نبی کریم ﷺ نے دو طواف اور دو سعی فرمائیں۔]

(۳)......دار قطنی ہی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: **"عن علی انہ طاف لھما طوافین وسعی لھما سعیین وقال ھکذا رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صنع"** (دار قطنی: ۲/۲۶۳)
[حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے دو طواف اور دو سعی فرمائی اور فرمایا: میں نے اسی طرح رسول پاک ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔]

(۴)......امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن کبریٰ میں مسند علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ذکر کی ہے: **"عن حماد بن عبد الرحمن الانصاری عن ابراھیم بن محمد بن الحنفیۃ: قال طفت مع ابی وقد جمع بین الحج والعمرۃ فطاف لھما طوافین و سعی سعیین و حدثنی ان علیا فعل ذلک وقد حدثہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فعل ذلک"** (نصب الرایہ: ۳/۱۱۰)
[ابراہیم بن محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ابا کے ساتھ طواف کیا اور انہوں نے حج و عمرہ دونوں کو جمع فرمایا تھا، اور دونوں نے دو طواف اور دو سعی فرمائی تھی اور انہوں نے مجھ سے بیان فرمایا: کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی فرمایا تھا، اور انہوں نے بیان فرمایا تھا: کہ حضرت رسول پاک ﷺ نے بھی ایسا ہی فرمایا تھا۔]

(۵)......ہمارا ایک استدلال اس اثر سے بھی ہے جس کو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں ذکر کیا ہے: **"عن علی بن ابی طالب قال: اذا اھللت بالحج والعمرۃ فطف لھما طوافین واسع لھما سعیین بالصفا والمروۃ قال: منصور فلقیت مجاھدا وھو یفتی بطواف واحد لمن قرن فحدثتہ بھذا الحدیث فقال لو کنت سمعت لما فت الا بطوافین واما بعد الیوم فلا افتی الا بھما"** (کتاب الآثار: ۵۸-۵۹) [حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

سے منقول ہے انہوں نے فرمایا: کہ جب تم حج وعمرہ کا احرام باندھو تو ان کے لئے دو طواف کرو اور ان کے لئے صفا و مروہ کے درمیان دو سعی کرو۔ منصور نے فرمایا: کہ میں نے مجاہد سے ملاقات کی، وہ قارن کے لئے ایک طواف کا فتویٰ دیتے تھے، میں نے ان سے یہ حدیث بیان کی، تو انہوں نے فرمایا: اگر میں اس کو سنتا تو کبھی دو طواف کے علاوہ فتویٰ نہ دیتا، اور آج کے بعد دو طواف کا ہی فتویٰ دونگا۔]

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایات کا جواب یہ ہے کہ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طواف نہیں کیا، بلکہ تین طواف کئے، اس لئے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایات میں جو ایک طواف کا ذکر ہے، ان روایات کے ظاہر پر تو کسی نے بھی عمل نہیں کیا، سب نے ان میں تاویل کی ہے، چنانچہ ائمہ ثلاثہ یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس سے مراد طوافِ زیارت ہے، جس میں طواف عمرہ کا تداخل ہوگیا ہے، جب کہ حنفیہ اس میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ طوافِ قدوم کو طوافِ عمرہ میں داخل کر کے دونوں کے لئے ایک طواف کیا، اس لئے کہ حج میں طوافِ قدوم کی وضع تحیہ بیت اللہ کے لئے ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص طوافِ عمرہ میں طوافِ قدوم کی نیت کر لے تو اس کا طوافِ قدوم ادا ہو جائے گا، اس طرح طوافِ عمرہ اور طوافِ قدوم دونوں ایک ہی طواف سے ادا ہو جائیں گے۔

حدیث شریف کی ایک توجیہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے، فرماتے ہیں کہ اس طوافِ واحد سے مراد طوافِ تحلل یعنی حلال ہونے کا طواف ہے، وجہ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قارن کی وجہ سے طوافِ عمرہ کے بعد حلال نہیں ہوئے، بعد میں ایک ہی طوافِ زیارت کر کے دونوں احراموں سے حلال ہوئے۔ (نفحات التنقیح: ۳/۳۲۱)

حج قران وتمتع کے معنی

{۲۴۴۲} وَعَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا قَالَ تَمَتَّعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَسَاقَ

مَعَهُ الْهَدْىَ مِنْ ذِى الْحُلَيْفَةِ وَبَدَأَ، فَاَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ، ثُمَّ اَهَلَّ بِالْحَجِّ، فَتَمَتَّعَ النَّاسُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَكَانَ مِنَ النَّاسِ مَنْ اَهْدٰى وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ يُهْدِ فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ، قَالَ لِلنَّاسِ، مَنْ كَانَ مِنْكُمْ اَهْدٰى، فَاِنَّهُ لَا يَحِلُّ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰى يَقْضِيَ حَجَّهُ وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ مِنْكُمْ اَهْدٰى، فَلْيَطُفْ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَلْيُقَصِّرْ وَلْيَحْلِلْ ثُمَّ لِيُهِلَّ بِالْحَجِّ وَلْيُهْدِ، فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ هَدْيًا، فَلْيَصُمْ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعَ اِلٰى اَهْلِهٖ فَطَافَ حِيْنَ قَدِمَ مَكَّةَ وَاسْتَلَمَ الرُّكْنَ اَوَّلَ شَيْءٍ، ثُمَّ خَبَّ ثَلَاثَةَ اَطْوَافٍ وَمَشٰى اَرْبَعًا، فَرَكَعَ حِيْنَ قَضٰى طَوَافَهُ بِالْبَيْتِ عِنْدَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، فَانْصَرَفَ، فَاَتَى الصَّفَا، فَطَافَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ سَبْعَةَ اَطْوَافٍ ثُمَّ لَمْ يَحِلَّ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰى قَضٰى حَجَّهُ وَنَحَرَ هَدْيَهُ يَوْمَ النَّحْرِ وَاَفَاضَ، فَطَافَ بِالْبَيْتِ، ثُمَّ حَلَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ وَفَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَاقَ الْهَدْىَ مِنَ النَّاسِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حواله: بخاری شریف: ۱/۲۲۹، کتاب المناسک، باب من ساق الهدی، حدیث نمبر: ۱۶۹۱، مسلم شریف: ۱/۴۰۳، باب وجوب الدم علی المتمتع، حدیث نمبر: ۱۲۲۷۔

حل لغات: الهدی: جمع ہے: **هدية** کی، بمعنی قربانی کا وہ جانور جو حرم میں بھیجا جائے۔ **خب:** خَبَّ (ن) خَبًّا: جوش مارنا۔

ترجمه: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں عمرہ کو حج سے ملا کر تمتع کیا، تھا، اور ذو الحلیفہ سے قربانی کا جانور ساتھ لے لیا تھا، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے عمرہ کا احرام باندھا، پھر حج کا، چنانچہ لوگوں نے بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں عمرے کے ساتھ حج کو ملا کر حج تمتع کیا، لوگوں میں بعض وہ تھے جن کے ساتھ ہدی تھی اور بعض وہ تھے جن کے ساتھ ہدی نہیں تھی، تو جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ پہنچے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

لوگوں سے فرمایا: کہ آپ لوگوں میں سے جن کے ساتھ ہدی ہے وہ سب حج کرنے سے پہلے ان چیزوں کو حلال نہ سمجھیں جن سے باز رہ رہے ہیں، اور جن کے ساتھ ہدی نہیں ہے وہ سب خانہ کعبہ کا طواف، صفا مروہ کی سعی اور بال کٹوا کر حلال ہو جائیں، پھر حج کا احرام باندھیں، اور قربانی کریں، جو قربانی نہ کرسکیں وہ حج کے ایام میں تین روزے رکھیں اور گھر جا کر سات روزے رکھیں، آنحضرت ﷺ نے مکہ مکرمہ جاتے ہی طواف فرمایا، اس طور پر کہ سب سے پہلے حجر اسود کو بوسہ دیا، پھر تین مرتبہ اکڑ کر چلے اور چار مرتبہ آہستہ آہستہ، جب آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ کے طواف سے فارغ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھی، پھر آنحضرت ﷺ نے سلام پھیرا، اور وہاں سے چل کر صفا پہنچے اور صفا مروہ کے سات چکر لگائے، پھر آنحضرت ﷺ نے اجتناب کرنے والی چیزوں کو حلال نہیں سمجھا، یہاں تک کہ جب آنحضرت ﷺ نے حج کرلیا، قربانی کے دن قربانی کی اور طواف افاضہ کرلیا تو پھر آنحضرت ﷺ نے اجتناب کی جانے والی چیزوں کو حلال سمجھا اور جو لوگ ہدی ساتھ میں لے گئے تھے انہوں نے ایسا ہی کیا جیسا کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے کیا۔

تشریح: تمتع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم: اس حدیث شریف میں جو تمتع رسول اللہ ﷺ عربی مذکور ہے، اس سے مراد تمتع لغوی ہے، لہٰذا یہ قران کے منافی نہیں ہے، اور یا پھر یہ کہا جائے گا کہ ابتداءً آنحضرت ﷺ نے حج کا احرام باندھا، اور پھر اس کے ساتھ عمرہ کا احرام شریک کرلیا، اس طرح آنحضرت ﷺ قارن ہوگئے، اور یہ تاویل ضروری ہے تا کہ اس سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایات میں تطبیق ہو جائے، اس لئے کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے متعلق حج افراد کے راویوں میں سے ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

اسی روایت میں "**وبدأ فاهل بالعمرة ثم اهل بالحج**" موجود ہے، یہ عبارت تمتع رسول اللہ ﷺ کی جو دوسری توجیہ ذکر کی گئی ہے اس کے خلاف ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں "**اهل بالعمرة ثم اهل بالحج**" سے احرام کی ترتیب کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ اثنائے احرام میں تلبیہ کے متعلق یہ بتلانا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے "**لبيك بعمرة**" پہلے اور "**لبيك بحجة**" بعد میں فرمایا۔

چنانچہ اس کی تائید اگلے والے جملہ سے بھی ہوتی ہے کہ **"فتمتع الناس مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم"** اس لئے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں پہلے یہ گذر چکا ہے کہ **"لسنا ننوی الا الحج لسنا نعرف العمرة"** جس کا حاصل یہ ہے کہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ابتداءً حج کا احرام باندھا تھا، بعد میں انہوں نے **"فسخ الحج الی العمرة"** کیا، لہٰذا جیسے یہاں دخول عمرہ فی الحج کے معنی ہیں کہ حج کا احرام پہلے اور عمرہ کا احرام بعد میں باندھا، اسی طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی یہی مراد ہوں گے۔ (التعلیق: ۳/۲۰۵، التنقیح: ۳/۳۲۵)

فتمتع الناس مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الخ: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے شیدائی تھے، تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا احرام باندھا، ویسا ہی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احرام باندھا۔

ثم لیهل بالحج ولیهد: حج قران کرنے والوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ جب حج سے فارغ ہو جائیں تو ایک قربانی بطور شکرانہ کے کریں۔ (درمختار: ۳/۵۵۸)

فمن لم یجد هدیا فلیصم الخ: یعنی قارن قربانی نہ کر سکے تو اس کے لئے یہ ہدایت ہے کہ وہ قربانی کے بجائے ایام حج یعنی ۷، ۸، ۹ ذی الحجہ کو روزہ رکھے، مجبوری میں ان ایام سے پہلے بھی رکھے جا سکتے ہیں اور سات روزے بعد میں رکھے۔ (فتاویٰ شامی: ۳/۵۵۸)

حج کے مہینے میں عمرہ

{۲۴۴۳} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهٖ عُمْرَةٌ اِسْتَمْتَعْنَا بِهَا فَمَنْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ الْهَدْيُ، فَلْيَحِلَّ الْحِلَّ كُلَّهٗ فَاِنَّ الْعُمْرَةَ قَدْ دَخَلَتْ فِي الْحَجِّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۱/۴۰۷، کتاب الحج، باب جواز العمرة فی اشهر الحج، حدیث نمبر: ۱۲۴۱۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: یہ وہ عمرہ ہے جس سے ہم نے فائدہ اٹھایا ہے، تو جن کے پاس ہدی نہیں ہے وہ پورے طور پر حلال ہو جائیں، اس لئے کہ حج کے مہینے میں عمرہ کرنا قیامت تک جائز ہو گیا۔

تشریح: حج کے ساتھ عمرہ کرنا جائز اور کارِ ثواب ہے۔

هذه عمرة استمتعنا بها: یہاں بھی تمتع سے مراد لغوی معنی ہے۔ عمرہ کا حج میں داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عمرہ کا وقت حج کے وقت میں داخل ہو چکا کہ حج کے ساتھ عمرہ کرنا بھی درست ہے، اور حج کے مہینہ میں عمرہ کرنا بھی درست ہے۔ حج کے پانچ مخصوص ایام کے علاوہ باقی تفصیل اوپر گذر چکی۔ **و هذا الباب خالٍ عن الفصل الثاني۔**

﴿الفصل الثالث﴾

تبدیل احرام کا حکم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا تامل

{۲۴۴۴} وَعَنْ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ فِيْ نَاسٍ مَعِيَ قَالَ: اَهْلَلْنَا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ خَالِصًا وَحْدَهٗ، قَالَ عَطَاءٌ: قَالَ جَابِرٌ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ: فَقَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُبْحَ رَابِعَةٍ مَضَتْ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ، فَاَمَرَنَا اَنْ نَحِلَّ، قَالَ عَطَاءٌ: قَالَ: حِلُّوْا وَاَصِيْبُوا النِّسَاءَ، قَالَ عَطَاءٌ: وَلَمْ يَعْزِمْ عَلَيْهِمْ وَلٰكِنْ اَحَلَّهُنَّ لَهُمْ، فَقُلْنَا: لَمَّا لَمْ يَكُنْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ عَرَفَةَ اِلَّا خَمْسٌ اَمَرَنَا اَنْ نُفْضِيَ اِلٰى نِسَاءِنَا فَنَأْتِيَ عَرَفَةَ تَقْطُرُ مَذَاكِيْرُنَا الْمَنِيَّ، قَالَ: يَقُوْلُ جَابِرٌ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ بِيَدِهٖ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى قَوْلِهٖ بِيَدِهٖ يُحَرِّكُهَا، قَالَ: فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْنَا، فَقَالَ: قَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّيْ اَتْقَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَصْدَقُكُمْ وَاَبَرُّكُمْ وَلَوْلَا هَدْيِيْ لَحَلَلْتُ كَمَا تَحِلُّوْنَ وَلَوِاسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِيْ مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ اَسُقِ الْهَدْيَ، فَحِلُّوْا فَحَلَلْنَا وَسَمِعْنَا وَاَطَعْنَا، قَالَ عَطَاءٌ: قَالَ جَابِرٌ: فَقَدِمَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ مِنْ سِعَايَتِهٖ، فَقَالَ: بِمَ اَهْلَلْتَ؟ قَالَ: بِمَا اَهَلَّ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَاَهْدِ وَامْكُثْ حَرَامًا، قَالَ: وَاَهْدٰى لَهٗ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ هَدْيًا، فَقَالَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكِ بْنِ جُعْشَمٍ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَلِعَامِنَا هٰذَا اَمْ لِاَبَدٍ؟ قَالَ: لِاَبَدٍ۔

(رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۳۹۲، کتاب الحج، باب بیان وجوہ الاحرام الخ، حدیث نمبر: ۱۲۱۶۔

حل لغات: یعزم: عزم (ض) عزما، واجب ہونا۔

ترجمہ: حضرت عطا سے روایت ہے کہ میں نے بہت سے شریک مجلس لوگوں کے ساتھ جابر بن عبداللہ سے کہتے ہوئے سنا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے اصحاب نے صرف حج کا احرام باندھا تھا، عطا کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ حضرت رسول اکرم ﷺ ذی الحجہ کی چوتھی تاریخ کو مکہ مکرمہ پہنچے، تو ہم لوگوں کو حکم دیا کہ ہم لوگ حلال ہو جائیں، عطا کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ آپ لوگ حلال ہو جاؤ اور عورت کے پاس جاؤ، عطا کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے عورت کی مقاربت کو واجب تو نہیں کیا؛ لیکن حلال ضرور کر دیا تھا، تو ہم لوگوں نے کہا: کہ ہمارے اور عرفہ کے درمیان صرف پانچ دن ہیں، اور آنحضرت ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اپنی عورتوں سے جماع کریں، گویا ہم عرفہ اس حال میں جائیں کہ ہمارے عضو مخصوص سے منی ٹپک رہی ہو، عطا کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا، گویا کہ ان کے ہاتھ کا اشارہ میری نظروں میں پھر رہا ہے، جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں تو جناب نبی کریم ﷺ ہمارے درمیان خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ سے آپ لوگوں کے مقابلے میں زیادہ ڈرتا ہوں، آپ لوگوں سے زیادہ سچا اور آپ لوگوں سے زیادہ نیکوکار ہوں، اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی، تو میں بھی آپ لوگوں کی طرح حلال ہو جاتا، اگر مجھے یہ بات پہلے معلوم ہوتی جو بعد میں معلوم ہوئی ہے، تو میں ہدی ساتھ نہ لاتا، اس لئے آپ لوگ حلال ہو جائیں، چنانچہ ہم لوگ حلال ہو گئے، آنحضرت ﷺ کی باتوں کو سنا اور اطاعت کی، عطا کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے کام سے واپس آئے، تو آنحضرت ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: کہ آپ نے کیسا احرام باندھا ہے؟ انہوں نے کہا: کہ جیسا حضرت نبی کریم ﷺ نے احرام باندھا ہے، حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو آپ قربانی کریں اور حالت احرام ہی میں رہیں، جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے لئے ہدی لے کر آئے تھے، سراقہ بن مالک بن جعشم رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! یہ صرف اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے؟

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمیشہ کے لئے ہے۔

تشریح: حضرت نبی کریم ﷺ کی بعثت اس لئے ہوئی تھی کہ آنحضرت ﷺ امت کو عمل کر کے دکھائیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے عمل کر کے دکھایا اور امت نے عمل کیا؛ لیکن یہاں کسی مجبوری کی وجہ سے حضرت نبی کریم ﷺ احرام نہیں کھول پائے؛ جس کی وجہ سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تردد ہوا، مگر جب ان حضرات کو اس کی حقیقت کا علم ہو گیا تو ان حضرات نے قابل دید اطاعت وفرمانبرداری کا ثبوت دیا۔

عن عطاء: حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ بڑے مشہور اور جلیل القدر تابعی ہیں۔

اهللنا اصحاب محمد صلی اللہ علیه وسلم بالحج خالصاً وحده: [ہم اصحاب محمد ﷺ نے خالص صرف حج کا احرام باندھا] یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ارشاد اپنے خیال کے مطابق ہے، ورنہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ تھے جنہوں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا، یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مراد سب نہیں ہیں، بلکہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں، اور یا یہ کہا جائے گا کہ ان سے مراد وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو قربانی کے جانور اپنے ساتھ نہیں لائے تھے۔ (نفحات التنقیح:۳۲۶/۳،مرقاۃ:۳۱۰/۵)

فقدم النبی صلی اللہ علیه وسلم الخ: یعنی جب یہ حضرات مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور طواف وسعی سے فارغ ہو گئے، تو حضرت نبی کریم ﷺ نے ۴/ ذی الحجہ کو فرمایا: کہ آپ لوگ حلال ہو جائیں، حتی کہ آپ لوگ اپنی اپنی عورتوں سے بھی مل سکتے ہیں۔

فقلنا لما لم یکن بیننا وبین عرفة الا خمس الخ: یعنی ان حضرات کو حلال ہونے کے لئے کہنا بڑا ان حضرات کو تعجب ہوا، اس لئے ان حضرات نے حضرت نبی کریم ﷺ سے درخواست کی، یا رسول اللہ! عرفہ کے دن میں اب صرف پانچ دن ہیں، اس لئے ہم لوگوں کو بھی اپنے کی طرح احرام کی حالت ہی میں رہنے دیا جائے۔

کانی انظر الی قوله بیده یحرکها: اس سے مراد کوئی ایسا اشارہ ہے، جس سے "**تقطر مذاکیرنا المنی**" کا مفہوم سمجھا جا سکے، یعنی دفق، یا پھر **تقلیل مدت بینهم وبین عرفه** کو بیان کرنا مقصود ہے۔ اور پھر یہ کہا جائے گا کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے

سامنے اپنی ناگواری اور تاسف کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ (نفحات التنقیح: ۳۲۷/۳)

فقام النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فینا الخ: یعنی حضرت نبی کریم ﷺ کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تردد کا علم ہوا تو آنحضرت ﷺ نے ایک جامع تقریر فرمائی، جس کی بنیاد پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سوچ میں تبدیلی آئی، اور ان حضرات نے قابل دید اطاعت وفرمابرداری کا ثبوت دیا۔

فائدہ: آنحضرت ﷺ کی امت پر کمالِ شفقت کا علم ہوا۔

(۲)...... معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ عالم الغیب والشہادۃ نہیں تھے۔

(۳)...... حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کمال اطاعت کا علم ہوا۔

(۴)...... جو چیز سمجھ میں نہ آئے یا کسی چیز پر اشکال ہو اس کو دریافت کر سکتے ہیں۔

تبدیلی احرام کے حکم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تردد

{۲۴۴۵} **وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَرْبَعٍ مَضَيْنَ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ أَوْ خَمْسٍ، فَدَخَلَ عَلَيَّ وَهُوَ غَضْبَانُ، فَقُلْتُ: مَنْ أَغْضَبَكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ!؟ أَدْخَلَهُ اللهُ النَّارَ، قَالَ: أَوَ مَا شَعَرْتِ أَنِّي أَمَرْتُ النَّاسَ بِأَمْرٍ، فَإِذَا هُمْ يَتَرَدَّدُوْنَ وَلَوْ أَنِّي اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا سُقْتُ الْهَدْيَ مَعِي حَتَّى اشْتَرِيَهُ ثُمَّ أَحِلَّ كَمَا حَلُّوْا۔**

(رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۳۹۰، کتاب الحج، باب بیان وجوہ الاحرام، حدیث نمبر: ۱۲۱۱۔

حل لغات: **شعرت: شعر (ن) شعراً،** جاننا محسوس کرنا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ ذی الحجہ کی چوتھی یا پانچویں تاریخ کو میرے پاس غصے کی حالت میں تشریف لائے تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کس نے آپ کو غصہ دلایا؟ اللہ اسے دوزخ میں ڈالے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ کیا

تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے بعض لوگوں کو ایک حکم دیا لیکن وہ لوگ متردد ہیں، اگر مجھے یہ بات پہلے معلوم ہوتی جو بعد میں معلوم ہوا ہے، تو میں اپنے ساتھ ہدی نہ لاتا، پھر میں ان ہی لوگوں کی طرح حلال ہو جاتا اور جانور یہیں خرید کر قربانی کر ڈالتا۔

تشریح: حضرت نبی کریم ﷺ ناراض ضرور ہوئے تھے، مگر آنحضرت ﷺ بعد میں راضی بھی ہو گئے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمل کر کے دکھایا بھی۔

انی امرت الناس: یہاں **"الناس"** سے بعض لوگ مراد ہیں؛ اس لئے کہ بہت سے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جنہوں نے حج قران کا احرام باندھا تھا۔

بامر: وہ حکم تھا حج سے پہلے ہی عمرہ کر کے حلال ہونے کا۔ تفصیل اوپر گذر چکی۔

باب دخول مكة والطواف

مکہ میں داخل ہونے اور طواف کا بیان

رقم الحدیث: ۲۴۴۶ر تا ۲۴۷۵ر
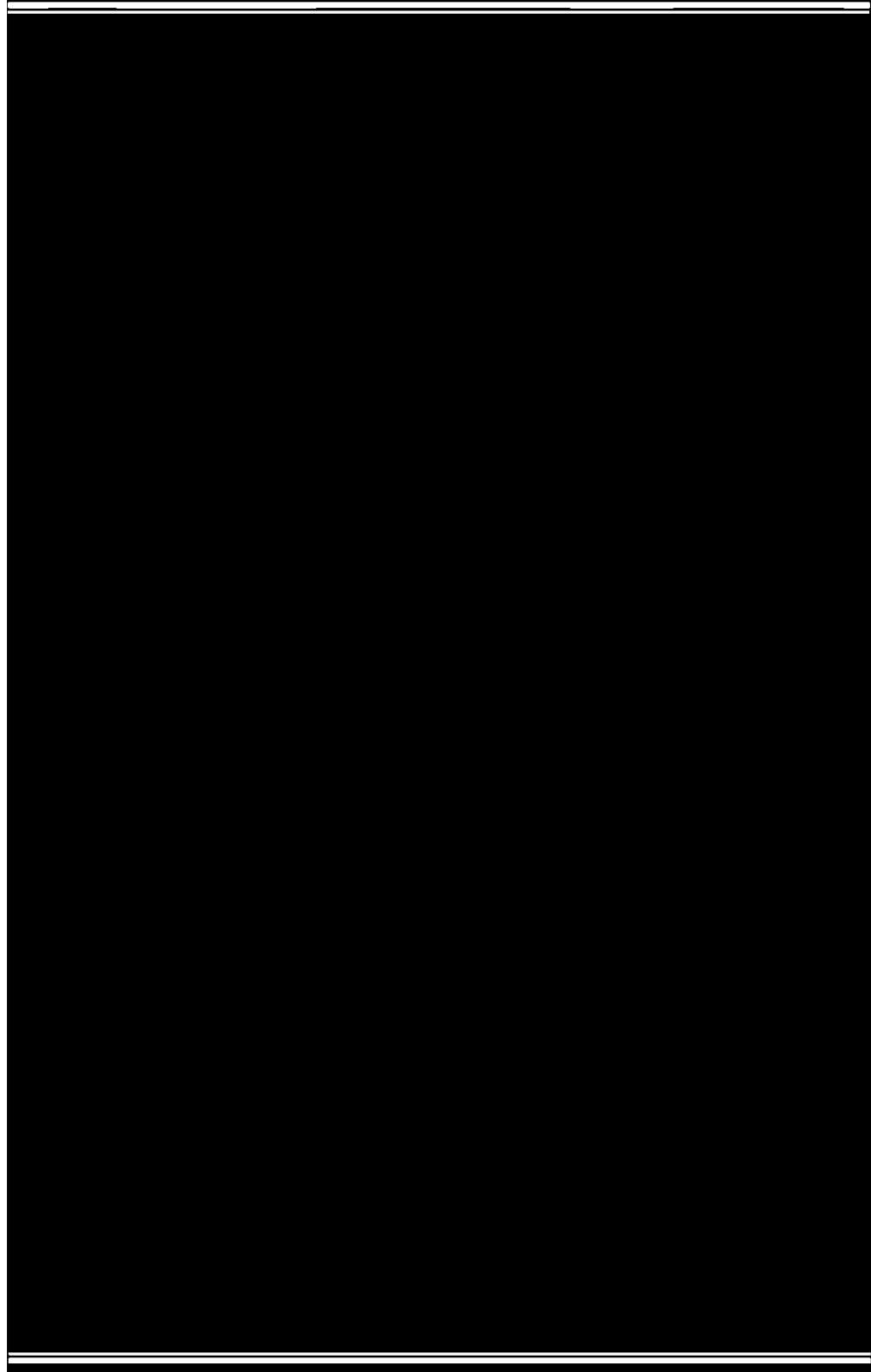
بِسۡمِ اللہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب دخول مکۃ والطواف

مکہ میں داخل ہونے اور طواف کا بیان

مکہ معظّمہ میں داخلہ

مکہ معظمہ کب آباد ہوا؟

آج تو بحمدہ تعالیٰ ''مکہ معظمہ'' بڑا وسیع پر رونق اور شاندار ترقی یافتہ شہر بنا ہوا ہے، ایک دن وہ بھی تھا جب یہاں سوائے چٹیل میدان کے کچھ نہ تھا گویا نہ آدم تھا نہ آدم زاد، دور دور تک خشک پہاڑ تھے، پانی کا نام ونشان نہ تھا، اور جب پانی ہی نہ تھا تو ہریالی اور سرسبزی وشادابی کا کیا سوال تھا؟ اسی ویران وادی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے شیرخوار فرزند ''حضرت اسماعیل علیہ السلام'' کو ان کی والدہ ''حضرت ہاجرہ علیہا السلام'' کے ساتھ چھوڑ آؤ، ایک عام آدمی کو یہ حکم ہوتا تو وہ نہ جانے کتنے بہانے گھڑ لیتا اور ایسے ویرانے میں کس مپرسی کے عالم میں معصوم سی جان اور کمزور شریک زندگی کو چھوڑنے پر شاید کبھی آمادہ نہ ہوتا۔ مگر یہاں جسے حکم ملا تھا وہ کوئی عام انسان نہ تھا؛ بلکہ وہ اولو العزم پیغمبر تھا، جسے اللہ تعالیٰ نے مقامِ خلت اور مقامِ امامت پر فائز کیا تھا، چنانچہ اس اللہ کے سچے خلیل نے حکم ربی ملنے پر کوئی چون چرا نہیں کی، بلکہ بلا تکلف اپنے نورِ نظر

سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام اور سکون جاں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو لے کر شام سے مکہ معظمہ کی طرف چل پڑے، اور جب مقررہ مقام پر پہنچ کر حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر چھوڑ کر جانے لگے تو حضرت ہاجرہ نے بار بار فریاد کی کہ اس ویرانے میں ہمیں اکیلے چھوڑ کر کہاں جارہے ہیں؟ پھر سوال کیا: کہ کیا اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے؟

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اثبات میں جواب دیا۔ یہ سن کر ”حضرت ہاجرہ علیہا السلام“ (جو بڑے صبر وحوصلہ کی خاتون تھیں) نے اللہ تعالیٰ پر کامل توکل کا ثبوت دیتے ہوئے فرمایا: کہ ”اگر اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہے تو وہ یقیناً ہمیں ضائع نہ فرمائیں گے۔“

(تلخیص: بخاری شریف: ۴۷۵/۱، حدیث نمبر: ۳۳۶۴، انوار مناسک: ۸۱)

جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ علیہما السلام کو چھوڑ کر واپس ملک شام جانے لگے تو آپ علیہ السلام نے قریبی ٹیلے کی اوٹ میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی، جس کو قرآن پاک میں ان الفاظ میں نقل فرمایا گیا ہے:

”وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ۔ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ۔“

(سورۂ ابراهیم: ۳۵/۳۶/۳۷)

[اور جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے: اے رب! اس شہر کو امن والا بنادے اور مجھ کو اور میری اولاد کو بتوں کی پوجا پاٹ سے دور رکھ، یقیناً ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہی میں ڈالا، سو جو کوئی میرے راستہ پر چلا وہ تو میرا ہے، اور جس نے میری بات نہ مانی سو آپ بخشنے والے مہربان ہیں۔ اے ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد کو ایسے میدان میں لا بسایا ہے جہاں کھیتی نہیں ہے، جو تیرے حرمت والے گھر کے پاس ہے، اے ہمارے رب! تاکہ یہ لوگ نماز کو قائم رکھیں، لہٰذا بعض لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہونے والے بنادیجئے اور انہیں میوے جات سے روزی عطا فرمائیے، شاید کہ وہ شکر بجالائیں۔]

سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی مذکورہ دعائیں قبول ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے اس ویران چٹیل میدان کو بھری پری محفوظ و مامون آبادی میں تبدیل فرمادیا، اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ اولاً اس جگہ غیبی قدرت سے زمزم کا چشمہ جاری ہوا، پھر ایک خانہ بدوش قبیلہ ’’بنو جرہم‘‘ وہاں آباد ہوا، جس میں حضرت اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَام کی شادی ہوئی اور نسل چلی، اور پھر بیت اللہ شریف کی از سرِ نو تعمیر کے بعد حجاج و معتمرین کی آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہوا، جو قیامت کے قریب تک ان شاء اللہ جاری رہے گا، اور حیرت انگیز طور پر دعائے ابراہیمی کی قبولیت کا مشاہدہ آج بھی مکہ معظمہ جانے والا ہر شخص کرسکتا ہے کہ وہاں ہر طرح کے پھل فروٹ اور مصنوعات کی وہ بہتات ہر زمانہ میں رہتی ہے جس کی نظیر دوسری جگہ ملنی مشکل ہے، یہ سب حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کی مقبول و مستجاب دعاؤں کی برکات ہیں۔ ’’وما ذلک علی اللہ بعزیز۔‘‘

بیت اللہ شریف کی قدیم تاریخ

جس جگہ بیت اللہ شریف قائم ہے یہ حصۂ زمین نامعلوم زمانہ سے اللہ تعالیٰ کی نظر میں مقدس چلا آتا ہے، چنانچہ روایات میں ہے کہ خود فرشتوں نے حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام سے فرمایا تھا: کہ ’’ہم دو ہزار سال سے یہاں حج کرتے آئے ہیں۔‘‘ (دلائل النبوۃ: ۲/۴۵)

حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام نے اولاً اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس جگہ کی گھیرابندی فرمائی اور حج وطواف کا سلسلہ شروع کیا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کی تحقیق کے مطابق حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام نے بیت اللہ شریف کی اوپر کی مکمل عمارت کی تعمیر نہیں کی تھی، بلکہ صرف بنیادیں بھری تھیں اور اوپر کے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے بیت المعمور کو لاکر رکھ دیا تھا، جو طوفانِ نوح تک وہیں رکھا رہا، اور طوفانِ نوح کے وقت اسے اٹھالیا گیا اور یہ جگہ ایک ٹیلہ کی شکل میں محفوظ کردی گئی۔ اور بعد کے انبیاء وغیرہ اسی ٹیلہ کا حج کرتے رہے، جب کہ اصل مقامِ کعبہ کا کسی کو پتہ نہیں تھا۔ (تفسیر عزیزی، سورۂ بقرہ: ۲۶۵)

اس کی تائید درج ذیل موقوف روایت سے بھی ہوتی ہے، جو حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

"لَمَّا اَهْبَطَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الْجَنَّةِ قَالَ اِنِّيْ مُهْبِطٌ مَعَكَ بَيْتًا اَوْ مَنْزِلًا يُطَافُ حَوْلَهٗ، كَمَا يُطَافُ حَوْلَ عَرْشِيْ وَيُصَلّٰى عِنْدَهٗ كَمَا يُصَلّٰى عِنْدَ عَرْشِيْ، فَلَمَّا كَانَ زَمَنُ الطُّوْفَانِ رُفِعَ، وَكَانَ الْاَنْبِيَاءُ يَحُجُّوْنَهٗ وَلَا يَعْلَمُوْنَ مَكَانَهٗ فَبَوَّأَهٗ لِاِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فَبَنَاهُ مِنْ خَمْسَةِ اَجْبُلٍ: حِرَاءٍ وَثَبِيْرٍ وَلُبْنَانٍ وَجَبَلِ الطُّوْرِ وَجَبَلِ الْخَيْرِ فَتَمَتَّعُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ ـ"

(رواہ الطبرانی فی الکبیر موقوفا ورجال اسنادہ رجال الصحیح، الترغیب والترھیب مکمل: ۲۶۰)

[جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا تو ارشاد ہوا: کہ میں تمہارے ساتھ ایک گھر اتارتا ہوں، جس کے ارد گرد اسی طرح طواف کیا جائے گا جیسے میرے عرش کے ارد گرد کیا جاتا ہے، اور اس کے قریب اسی طرح نماز پڑھی جائے گی جیسے میرے عرش کے قریب پڑھی جاتی ہے۔ پھر جب طوفانِ نوح کا زمانہ آیا تو یہ گھر اٹھا لیا گیا اور انبیاء علیہم السلام اس جگہ کا قصد فرماتے تھے، لیکن یہ کسی کو پتہ نہیں تھا کہ کعبۃ اللہ شریف کا اصل مقام کیا ہے؟ بس اللہ تعالیٰ نے اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے سنبھال رکھا، پس آپ علیہ السلام نے اس کی تعمیر پانچ پہاڑوں سے کی، جن کے نام یہ ہیں: حراء، ثبیر، لبنان، جبل طور، جبل خیر، پس جتنا تم سے ہو سکے اس بیت اللہ شریف سے فائدہ اٹھاتے رہو۔]

بہر حال اس سے معلوم ہو گیا کہ بیت اللہ شریف کی مکمل تعمیر انسانوں کے ہاتھوں پہلے سے نہ تھی، اس تعمیر کی سعادت سب سے پہلے سیدنا حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کو نصیب ہوئی۔ (ومثلہ فی البدایۃ والنہایۃ: ۱/۱۸۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعمیر کعبہ کا حکم

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک ۱۰۰ سال کو پہنچی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ۳۰ سال کے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ شریف کی تعمیر کا حکم دیا، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک شام سے مکہ معظمہ تشریف لائے، حضرت اسماعیل علیہ السلام اس وقت زمزم کے قریب اپنے تیروں کو درست کرنے میں مشغول تھے، پس دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر محبت میں لپٹ

گئے، کیونکہ بہت دنوں میں ملاقات ہوئی تھی، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کام کرنے کا مجھے حکم دیا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا: کہ "آپ کے پروردگار نے جو حکم دیا ہے اسے کرگذریئے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: کہ کیا تم اس میں میری مدد کروگے؟

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا: کہ "یقیناً مدد کروں گا۔"

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہاں بیت اللہ شریف (کعبہ مشرفہ) کی تعمیر کا حکم دیا ہے۔ پس یہ دونوں خوش بخت باپ بیٹے اس حکم کی تعمیل میں مصروف ہوگئے۔

(بخاری شریف: ۲۷۶/۱، حدیث نمبر: ۳۳۶۴، فتح الباری: ۴۹۰/۸)

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کعبہ مشرفہ کی بنیادوں تک رہنمائی فرمائی، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر میں مشغول ہوئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کو پتھر لاکر پیش کرتے تھے، جب تعمیر کچھ بلند ہوگئی تو اوپر تعمیر کرنے کے لئے "مقام ابراہیم" پیش کیا گیا، جو جنت کے پتھروں میں سے ایک پتھر ہے، اس کی شان یہ تھی کہ دیوار میں جتنا اوپر جانے کی ضرورت ہوتی یہ پتھر خود بخود بلند ہوجاتا تھا، اور پیڑ باندھنے کی ضرورت نہ تھی (گویا آٹومیٹک لفٹ مشین تھی) اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اقدام مبارکہ اور انگلیوں کا نشان بطور معجزہ نقش ہوگیا۔ جو آج بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِلْعَالَمِيْنَ. فِيْهِ اٰيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ اِبْرَاهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا" (ال عمران: ۹۷)

[بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر ہوا وہ مکہ میں ہے، جو بابرکت ہے، اور جہاں والوں کے لئے موجب ہدایت ہے، اس میں ظاہر نشانیاں ہیں، جیسے مقام ابراہیم، اور جو اس کے اندر آگیا اس کو امن ملا۔]

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی جو تعمیر فرمائی تھی اس کی اونچائی صرف نو ہاتھ کی تھی اور اس کے مشرقی اور مغربی جانب زمین سے ملا ہوا آنے جانے کا راستہ تھا،

جس میں کوئی دروازہ نہ تھا۔ (مستفاد: تفسیر عزیزی: ۲۶۵)

اور اس پر چھت بھی نہیں تھی، بس اندر ایک گہرا گڑھا بنایا گیا تھا، تاکہ کعبہ مشرفہ کو عطا کی جانے والی اشیاء اس میں رکھی جاسکیں۔ (فتح الباری شرح بخاری: ۵۰۱/۸)

بناءِ کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں

قرآن پاک میں ذکر ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام بیت اللہ شریف کی تعمیر میں مشغول تھے تو نہایت توجہ سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں مسلسل دعائیں فرما رہے تھے، ارشاد خداوندی ہے:

"وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔

(البقرہ: ۱۲۸/۱۲۷)

[اور اس وقت کو یاد فرمائیے جب ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھاتے تھے، اور دعا کرتے تھے: اے ہمارے پروردگار! ہم سے (یہ عمل) قبول فرمالیجئے، بے شک آپ ہی سننے اور جاننے والے ہیں، اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرماں بردار بنالیجئے اور ہماری اولادوں میں سے بھی ایک بڑی جماعت کو اپنا تابع دار بنالیجئے، اور ہم کو حج کرنے کے قاعدے سکھلا دیجئے، اور ہم کو معاف فرمادیجئے، یقیناً آپ ہی بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والے مہربان ہیں، اور اے ہمارے پروردگار! اور ان میں ایک رسول ان ہی میں کا بھیجئے جو ان کے سامنے آپ کی آیتیں پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے بے شک آپ بہت زبردست، حکمت والے ہیں۔]

یہ دعائیں بھی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائیں، تعمیر کعبہ کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بحکم خداوندی خود ہر جگہ سے جا کر مناسک حج کی تعلیم دی۔ (تفسیر عزیزی: ۲۷۸)

آپ کی اولادوں میں مسلسل حضرات انبیاء علیہم السلام تشریف لاتے رہے، بالآخر حضرت خاتم النبیین سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت مبارکہ بھی آپ کی نسل میں ہوئی، اسی لئے حضرت نبی اکرم علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: کہ ''میں اپنے مورثِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائے مستجاب کا مظہر اتم ہوں۔'' (دلائل النبوۃ: ۱/۸۰)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد بیت اللہ شریف کی تعمیرات

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے بعد قوم عمالقہ اور بنو جرہم نے حسب موقع اس کی تعمیر نو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انداز پر کی، اسی دوران ''تبع حمیری'' نے بیت اللہ شریف میں دروازے کے کواڑ اور زنجیر اور تالے اور دیواروں پر غلاف کا انتظام کیا۔

اس کے بعد قصی بن کلاب (جو قبیلۂ قریش کے اجداد میں سے ہے انہوں) نے تعمیر کرتے ہوئے بیت اللہ شریف پر لکڑی کی چھت ڈالی، جس میں تختوں کی جگہ کھجور کے درخت کے گولے رکھے گئے۔ (تفسیر عزیزی: ۲۶۵، سیرۃ النبی للشبلی: ۱۱۵)

حضرت نبی اکرم علیہ السلام کے زمانہ میں بناء کعبہ

سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عمر مبارک جب ۲۵/ یا ۳۵/ سال کی تھی تو یہ واقعہ پیش آیا، کہ ایک عورت غلافِ کعبہ کو دھونی دینے آئی، جس سے آگ لگ گئی، اور بیت اللہ شریف کی چھت کی اکثر لکڑیاں جل کر خاک ہوگئیں، قبل ازیں کئی سیلابوں کی وجہ سے دیواروں میں شگاف بھی پڑ چکے تھے، اس لئے سردارانِ قریش نے مشورہ کر کے کعبہ مشرفہ کی از سرِ نو تعمیر کا منصوبہ بنایا، اور سردارِ مکہ ولید بن مغیرہ کو اس منصوبہ کا ذمہ دار قرار دیا، اور آپس میں یہ بات طے کی کہ بیت اللہ شریف کی تعمیر میں صرف حلال مال ہی لگایا جائے گا حرام مال (سود و غصب اور حرام کاری کی آمدنی) اس میں نہیں لگائیں گے۔ چنانچہ جب چندہ ہوا تو ضرورت کے موافق رقم سے کم رقم جمع ہوئی، جس کی بنا پر ان لوگوں نے بیت اللہ شریف کی تعمیر میں بناءِ ابراہیمی سے قدرے رد و بدل کر دیا، اور یہ تبدیلیاں پانچ طرح سے کیں:

(۱)......کعبہ مشرفہ کی چوڑائی سے کچھ گز زمین حطیم کی طرف چھوڑ کر دیوار کھڑی کی۔ (جس کو حجر اسماعیل کہا جاتا ہے۔)

(۲)......مشرق کی جانب جو زمین سے ملا ہوا دروازہ تھا اس کو زمین سے بہت بلند کر دیا، تا کہ جس کو چاہیں اندر آنے دیں اور جس کو چاہیں روک دیں۔

(۳)......کعبہ کے اندر ہر صف میں تین تین ستون قائم کئے۔

(۴)......کعبہ کی دیوار کو بجائے نو گز بلندی کے اٹھارہ گز بلند کر دیا۔

(۵)......بیت اللہ شریف کے اندر رکن شامی کی طرف ایک زینہ قائم کیا جس سے چھت پر چڑھا جا سکے۔ یہ بنائے ابراہیمی میں نہ تھا۔ (تفسیر عزیزی: ۲۶۶)

اس تعمیر میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیگر لوگوں کے ساتھ بذاتِ خود شریک تھے، اور پتھر لا لا کر اس میں لگا رہے تھے۔ (مسلم شریف: ۲/۱۵۴)

حجر اسود کی تنصیب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکیمانہ فیصلہ

تعمیر کے دوران ایک اہم مرحلہ یہ آیا کہ جب حجر اسود تک دیواریں پہنچیں تو حجر اسود کو کون لگائے؟ اس پر جھگڑا شروع ہو گیا، جاہلوں کا قبیلہ تو تھا ہی، ذرا ذرا سی باتوں کو اپنی انا کا مسئلہ بنا دیا جاتا کہ فلاں قبیلہ والوں نے حجر اسود رکھا ہماری بے عزتی کر دی، اسی پر تلواریں تن گئیں، پانچ چھ دن تک یہ مسئلہ گرما گرم رہا کہ حجر اسود کون لگائے؟ حالانکہ ایسی کوئی بڑی بات تو تھی نہیں، تعمیر میں کوئی بھی لگا سکتا ہے، مگر اسی میں ہٹ دھرمی شروع ہو گئی۔

بالآخر ان میں سے ایک بوڑھے سردار ابو امیہ بن المغیرہ نے یہ کہا: کہ آخر کب تک لڑتے رہو گے؟ اور کہا: کہ طے کرو کہ صبح جو آدمی پہلے نمبر پر مسجد میں آئے، اس کو ہم اپنا حکم بنالیں گے، جو وہ کہے اس کا فیصلہ ہم سب تسلیم کریں گے۔ لوگوں نے کہا: یہ رائے سب سے بہتر ہے، چنانچہ صبح دیکھا گیا کہ سب سے پہلے پیغمبر علیہ السلام تشریف لائے تو دیکھتے ہی سب کے سب کہنے لگے کہ ہاں یہ آدمی سچا اور امین آگیا، اور ہم ان کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور معلوم کیا کہ کیا قصہ ہے؟ بتلایا: کہ یہ جھگڑا

چل رہا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ ایک چادر لے آؤ، چادر لائی گئی، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: کہ یہاں کتنے قبیلے ہیں؟ چنانچہ تعداد بتلائی گئی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ ہر قبیلہ اپنا ایک ایک نمائندہ لے آئے، جب سب کے نمائندے آگئے، تو حضرت نے فرمایا: کہ دیکھو یہ حجر اسود رکھا ہے، اگر آپ سب مل کر مجھے اپنا نمائندہ بنادو تو میں اس کو چادر میں رکھ دوں، سب نے کہا: بہت اچھا۔ اور آنحضرت ﷺ نے حجر اسود چادر میں رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ میں نے خود نہیں رکھا، بلکہ آپ ہی کی طرف سے رکھا ہے، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ اس چادر کو سب اٹھالیں تو سب نے پکڑلی، جب اس جگہ پہنچے جہاں پر پتھر لگانا تھا، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو آپ ہی کی طرف سے میں پھر اس کو لگادوں، سب نے کہا: کہ بہت اچھا، آنحضرت ﷺ نے چادر سے اٹھا کر اس کو نصب کردیا۔ آنحضرت ﷺ کے اس حکیمانہ فیصلہ سے ایک بڑی لڑائی ٹل گئی۔ (سیرت ابن ہشام مع الروض الانف: ۱/۳۴۶)

آنحضرت نبی اکرم ﷺ کی خواہش اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر کعبہ

چونکہ قریش نے بیت اللہ شریف کی تعمیر میں بناء ابراہیمی میں رد و بدل کردی تھی، اس لئے حضرت نبی کریم ﷺ کی عین خواہش تھی کہ کعبہ مشرفہ کو دوبارہ بناء ابراہیمی کے مطابق تعمیر کیا جائے، لیکن دورِ جاہلیت قریب تھا اور اس منصوبہ کی تعمیل میں فتنہ کا اندیشہ تھا، بریں بنا حضرت نبی کریم ﷺ نے مصلحتاً اس کا اقدام نہیں کیا لیکن ام المومنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اپنی اس خواہش کا اظہار ضرور فرمائی، چنانچہ روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"یَا عَائِشَةُ! لَوْ لَا اَنَّ قَوْمَكِ حَدِیْثُوْ عَهْدٍ بِشِرْكٍ لَهَدَمْتُ الْكَعْبَةَ فَاَلْزَقْتُهَا بِالْاَرْضِ وَجَعَلْتُ لَهَا بَابَیْنِ بَابًا شَرْقِیًّا وَبَابًا غَرْبِیًّا، وَزِدْتُ فِیْهَا سِتَّةَ اَذْرُعٍ مِنَ الْحِجْرِ فَاِنَّ

قُرَيْشًا اِقْتَصَرَتْهَا حَيْثُ بَنَتِ الْكَعْبَةَ" (مسلم شریف، حدیث نمبر: ۱۳۳۳)

[اے عائشہ! اگر تمہاری قوم شرک کے زمانہ سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو گرا کر زمین سے ملا دیتا اور اس کے مشرق ومغرب میں دو دروازے بنا دیتا، اور اس میں حطیم سے چھ گز کا اضافہ کر دیتا، کیونکہ قریش نے کعبہ کے تعمیر کے وقت اس حصہ کو چھوڑ دیا تھا۔]

یہ حدیث حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی خالہ جان ام المومنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سن رکھی تھی، چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حکومت ۶۴ر ہجری میں مکہ معظمہ میں قائم ہوئی تو اتفاق ایسا ہوا کہ بیت اللہ شریف کے پردہ میں آگ لگ گئی، جس سے ایک حصہ متأثر ہوگیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے تعمیر جدید کا ارادہ فرمایا اور مذکورہ حدیث شریف کے موافق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش مبارکہ کی تکمیل کا قصد کیا اور بیت اللہ شریف کی سب دیواروں کو ڈھا کر بنیادوں سے از سر نو بناءِ ابراہیمی کے موافق تعمیر فرمائی، یعنی حطیم کی جانب جو حصہ قریش نے چھوڑ دیا تھا اسے بیت اللہ کے اندر لے لیا اور مشرق ومغرب کی طرف زمین سے ملا کر دو دروازے بنا دئے، البتہ دیوار کی بلندی میں نو گز کا اضافہ فرمایا، اس طرح کل بلندی ۲۷ر گز کی ہوگئی۔ (الروض الانف: ۱/۲۳۶)

حجاج بن یوسف کے ذریعہ تعمیر میں تبدیلی

جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حجاج بن یوسف کے ذریعہ ۷۴ر ہجری میں شہادت کا واقعہ پیش آیا، اور ان کی حکومت ختم ہوگئی تو حجاج بن یوسف نے امیر عبدالملک بن مروان کو لکھا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بنائی ہوئی تعمیر کعبہ کو برقرار رکھا جائے یا اسے بدل کر قریش کی تعمیر کی طرح کر دیا جائے؟ تو عبدالملک بن مروان نے آرڈر لکھا کہ دیوار کی اونچائی تو برقرار رکھی جائے، البتہ بقیہ تعمیر کو قریش کی تعمیر کے مطابق کر دیا جائے، بنا بریں حجاج بن یوسف نے شمالی دیوار کو گرا کر قریش کے موافق دیوار قائم کر دی اور مشرقی دروازے کو بلند کر دیا اور اندرونی سطح کعبہ کو پتھروں سے بھر کر دروازے کے برابر کر دیا، اور مغربی دروازے کو بند کر دیا۔ آج تک بیت اللہ کی ہیئت اسی طرح کی چلی آتی ہے۔ (تفسیر عزیزی: ۲۶۷)

تاریخ میں لکھا ہے کہ بعد میں جب عبدالملک بن مروان کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث شریف کا علم ہوا تو اسے اپنے حکم پر بڑی ندامت ہوئی، پھر خلیفہ ابوجعفر منصور نے اپنے دورِ حکومت میں اسے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر کے موافق کرنے کا ارادہ کیا، تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ میں آپ کو اس بات کی قسم دلاتا ہوں کہ اس اللہ کے گھر کو آپ بادشاہوں کے ہاتھ میں کھلونا نہ بننے دیں کہ جو چاہے اپنی مرضی سے تبدیلی کرتا رہے، اس سے لوگوں کے دلوں سے اس کی ہیبت وعظمت نکل جائے گی، چنانچہ مذکورہ خلیفہ اپنے ارادہ سے باز آ گیا۔ (الروض الانف: ۱/۳۳۹)

بعد ازاں عثمانی خلفاء میں سے سلطان مراد نے ضرورت کے مطابق بیت اللہ شریف کی تعمیر ومرمت کا کام انجام دیا۔ اور ابھی چند سال قبل سعودی فرماں رواشاہ فہد بن عبدالعزیزؒ نے اس کی تجدید کی سعادت حاصل کی، لیکن یہ سب تعمیرات اسی انداز پر ہوئیں جو قریش نے کی تھیں۔

مسجد حرام

بیت اللہ شریف کے ارد گرد جو مسجد ہے اس کو مسجد حرام کہا جاتا ہے، پہلے یہاں چاروں جانب میدان تھا، سب سے پہلے اسے باقاعدہ مسجد کی شکل امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دی اور آس پاس کے گھر خرید کر انہیں مسجد میں شامل کیا، پھر امیر المومنین سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس میں مزید توسیع فرمائی، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کی عمارت کو پختہ بنایا اور الگ الگ دروازے قائم فرمائے، اور تجدید وتحسین کی۔

(الروض الانف مع السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: ۱/۳۴۲)

اور اس کے بعد سے مسلسل اس مبارک مسجد میں توسیعات کا سلسلہ جاری ہے۔ خصوصاً سعودی دورِ حکومت میں جو توسیعات ہوئیں اور برابر ہو رہی ہیں، وہ بے نظیر اور بے مثال ہیں۔ (کتاب المسائل: ج ۳)

طوافِ بیت اللہ

طواف کی فضیلت

دنیا میں نماز روزہ وغیرہ عبادات کے لئے کسی جگہ کی کوئی قید نہیں ہے، انہیں کہیں بھی ادا کیا جاسکتا ہے، لیکن ”طواف“ ان عبادات میں سے ہے جو خاص جگہ کے ساتھ مخصوص ہیں، چنانچہ طواف کی عبادت پوری دنیا میں صرف بیت اللہ شریف کے ارد گرد ”مسجد حرام“ کی حدود ہی میں انجام دی جاسکتی ہے، کسی اور کسی خطہ میں اس عبادت کو انجام نہیں دیا جاسکتا، اس اعتبار سے اسے دیگر عام عبادات میں ایک خصوصی امتیاز حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیت اللہ شریف میں حاضری کے وقت نماز تحیۃ المسجد کے بجائے ”طواف تحیۃ“ کرنے کا حکم ہے، یعنی مسجد حرام میں داخل ہونے کے بعد (اگر کوئی عارض نہ ہو تو) سب سے پہلے طواف کیا جائے، اس کے بعد دیگر مشاغل میں مصروف ہوں، قرآنِ کریم میں جن دو جگہوں پر بیت اللہ شریف کو (شرکیہ باتوں اور ظاہری نجاستوں سے) پاک صاف رکھنے کا حکم ہے، اس کے مقاصد میں پہلے نمبر پر طواف کرنے والوں کو رکھا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ" (البقرہ:۱۲۵)

[اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کو پابند کیا کہ میرا گھر صاف ستھرا رکھو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لئے۔]

اور دوسری جگہ ارشاد ہوا:

"وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ" (الحج:۲۶)

[اور جب ہم نے ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کے لئے خانۂ کعبہ کی جگہ مقرر کردی کہ میرے

ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، اور میرے گھر کو پاک رکھیں طواف کرنے والوں اور کھڑے رہنے والوں اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لئے۔]

کعبۂ مشرفہ پر رحمتوں کا نزول

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ بیت اللہ شریف پر روزانہ ایک سو بیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں، جن میں سے ۶۰/ رحمتیں صرف طواف کرنے والوں کے ساتھ خاص ہیں، پوری روایت درج ذیل ہے:

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُنَزِّلُ اللهُ تَعَالىٰ عَلَى حُجَّاجِ بَيْتِهِ الْحَرَامِ عِشْرِيْنَ وَمِائَةً رَحْمَةً، سِتِّيْنَ لِلطَّائِفِيْنَ وَاَرْبَعِيْنَ لِلْمُصَلِّيْنَ وَعِشْرِيْنَ لِلنَّاظِرِيْنَ"

(راہ البیھقی فی شعب الایمان: ۴۰۵۱، الترغیب والترھیب: ۲۶۹)

[حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی: کہ اللہ تعالیٰ بیت اللہ شریف کے حج کرنے والوں پر ۱۲۰/ رحمتیں نازل فرماتے ہیں، جن میں سے ۶۰/ رحمتیں طواف کرنے والوں کے لئے، ۴۰/ نماز پڑھنے والوں کے لئے اور ۲۰/ بیت اللہ شریف کو دیکھنے والوں کے لئے خاص ہوتی ہیں۔]

علاوہ ازیں طواف کی عبادت میں خاص طور پر ایک عاشقانہ شان پائی جاتی ہے کہ زائر حرم "لبیک لبیک" کی صدا لگاتے ہوئے دیوانہ وار آتا ہے اور پھر محبوب حقیقی کے گھر کے چکر لگانے شروع کر دیتا اور اس کے پیش نظر محبوب کی رضا کے حصول کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا، گویا کہ وہ مجنوں کی زبان میں یہ کہتا ہے:

اَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلىٰ
اُقَبِّلُ ذَاالْجِدَارَ وَ ذَاالْجِدَارَا
وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِيْ
وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ نَزَلَ الدِّيَارَا

[میں جب لیلیٰ کے علاقہ سے گذرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں، اور کبھی

اس دیوار کو بوسہ دیتا ہوں، ورد راصل ان در ودیوار سے مجھے دلی لگاؤ نہیں ہے، بلکہ ان میں رہنیوالی ذات سے مجھے لگاؤ ہے۔]

کچھ اسی طرح کے جذبات ایک طواف کرنیوالے کے ہوتے ہیں کہ وہ اللہ کی محبت میں ذکر واذکار اور تسبیح وتحمید کے ورد کے ساتھ بس چکر ہی لگائے جاتا ہے۔ اللہ کرے کہ اس عشق کا کوئی ذرہ ہمیں بھی نصیب ہوجائے۔ آمین!

طواف کی حقیقت

لغت میں طواف کے معنی گھومنے اور چکر لگانے کے آتے ہیں، اور شریعت کی اصطلاح میں طواف کا اطلاق بنیت طواف بیت اللہ (کعبہ مشرفہ) کے کم از کم ۴ر چکروں سے لے کر ۷ر چکر لگانے پر ہوتا ہے۔ (لہٰذا ۴ر سے کم چکروں کا طواف شرعاً معتبر نہیں ہوتا۔) ”الطواف هو الدوران حول الكعبة اربعة اشواط او أكثر الى تمام السبعة كيف ما حصل“

(غنیۃ الناسک: ۱۰۹، لغۃ الفقہاء: ۲۹۳، الموسوعة الفقهية: ۱۲۰/۲۹)

طواف کی قسمیں

طواف کی درج ذیل سات قسمیں ہیں:

(۱)...... **طوافِ تحیہ:** مسجد حرام میں جب بھی داخل ہوں تو بیت اللہ شریف کے اعزاز میں یہ طواف مستحب ہے، خواہ داخل ہونے والا محرم ہو یا غیر محرم، مکی ہو یا آفاقی، سب کے لئے یہی حکم ہے۔ ”وهو مستحب لكل من دخل المسجد محرما كان او حلالا“

(غنیۃ الناسک: ۱۰۹، مناسک ملا علی قاری ﷫: ۱۴۳، شرح نقایۃ: ۱۹۴، الموسوعة الفقهية: ۱۲۳/۲۹)

(۲)...... **طوافِ عمرہ:** جو شخص عمرہ کا احرام باندھ کر مسجد حرام میں آئے اس پر طواف عمرہ ضروری ہے، اور عمرہ میں چوں کہ اس کے بعد سعی بھی کرنی ہوتی ہے، اس لئے اس طواف میں مرد

حضرات رمل واضطباع کی سنت بھی بجالائیں گے۔ ”طواف العمرۃ وھو رکن فیھا“
(غنیۃ الناسک: ۱۰۹، مناسک ملاعلی قاری ؒ: ۱۴۳، ھندیۃ: ۱/ ۲۲۷، خانیۃ: ۱/ ۳۰۱، انوار مناسک: ۳۳۵)

(۳)...... **طوافِ قدوم:** آفاقی مفرد بالحج اور قارن کے لئے طوافِ قدوم مسنون ہے۔ (مفرد بالحج مکہ معظمہ آتے ہی پہلے طوافِ قدوم کرے گا، اور قارن شخص عمرہ کا طواف وسعی کرنے کے بعد طوافِ قدوم کرے گا، اور اس طواف کا وقت مکہ معظمہ میں داخلہ سے لے کر وقوفِ عرفہ تک رہتا ہے، اس کے بعد ختم ہوجاتا ہے) ” ھو سنۃ للاٰفاقی المفرد بالحج والقارن...، واول وقت ادائہ حین دخولہ مکۃ...، وآخرہ وقوفہ بعرفۃ فاذا وقف فقد فات وقتہ۔“ (غنیۃ الناسک: ۱۰۸، مناسک ملاعلی قاری ؒ: ۱۴۱)

(۴)...... **طوافِ زیارت:** یہ طواف ہر حاجی پر فرض ہے، جسے وقوفِ عرفہ کے بعد ادا کیا جانا ضروری ہے، اور اس طواف کے بغیر ازدواجی تعلق حلال ہونے کی کوئی شکل نہیں ہے۔ ”طواف الزیارۃ ویسمی طواف الرکن والافاضۃ وطواف الحج وھو رکن لایتم الحج الا بہ“
(مناسک ملاعلی قاری ؒ: ۱۴۲، درمختار زکریا: ۳/ ۴۶۸، الدر المنتقی: ۱/ ۲۸۱)

(۵)...... **طوافِ صدر:** اسے طوافِ وداع بھی کہتے ہیں، حج کے تمام ارکان ومناسک کی ادائیگی کے بعد اس طواف کا کرنا واجب ہے، اور بہتر ہے کہ واپسی کے وقت اسے ادا کیا جائے، اور یہ طواف حیض ونفاس والی عورتوں سے ساقط ہے، نیز اہل مکہ اور اہل حل پر بھی طوافِ صدر نہیں ہے۔ ”وواجبہ طواف الصدر وھو طواف الوداع للاٰفاقی من الحاج دون المعتمر...، الا انہ خفف عن المرأۃ الحائض“ (شرح نقایۃ: ۱/ ۱۸۵، درمختار زکریا: ۳/ ۴۶۹، مناسک ملاعلی قاری ؒ: ۱۴۲)

(۶)...... **طوافِ نذر:** اگر کسی شخص نے طواف کی نذر مان لی ہو تو اس کی حسب شرط ادائیگی واجب ہے۔
”طواف النذر وھو واجب“ (مناسک ملاعلی قاری ؒ: ۱۴۳، الموسوعۃ الفقھیۃ: ۱۲۳)

(۷)...... **طوافِ تطوع:** یعنی نفلی طواف جو بھی کے لئے نیکیوں میں اضافہ کا سبب ہے، اس کا کوئی وقت متعین نہیں، کبھی بھی جتنا چاہے کر سکتے ہیں۔ "السابع: طواف التطوع ای النافلة وھو لا یختص بزمان دون زمان" (مناسک ملا علی قاری ﷺ: ۱۴۳)

طواف کے بنیادی ارکان

طواف کے ارکان تین ہیں:

(۱)...... طواف کے اکثر چکروں کو ادا کرنا۔

(۲)...... طواف کو بیت اللہ شریف کے باہر اور مسجد حرام کے اندر کرنا۔

(۳)...... خود طواف کرنا، خواہ کسی چیز پر سوار ہو کر کرے، الّا یہ کہ کوئی احرام باندھنے سے پہلے سے ہی بے ہوش، مریض یا مجنون ہو تو اس کی طرف سے نیابت درست ہو سکتی ہے۔

(غنیۃ الناسک: ۱۰۹، البحر الرائق زکریا: ۲/۶۰۸، درمختار: ۳/۵۳۷)

طواف کے صحیح ہونے کے شرائط

طواف صحیح ہونے کی شرطیں دو طرح کی ہیں، بعض شرائط کا تعلق مطلقاً ہر طواف سے ہے، خواہ وہ حج کے طواف ہوں یا نفلی طواف ہوں، ایسی شرطیں کل تین ہیں:

(۱)...... **مسلمان ہونا**۔ لہٰذا کافر کا طواف معتبر نہیں ہے۔

(۲)...... نیت طواف: اس سے مراد صرف اتنی نیت کرنا ہے کہ میں "طواف کر رہا ہوں" طواف کی نوعیت کی وضاحت شرط نہیں ہے۔

(۳)...... **مسجد حرام کے اندر طواف کرنا**۔ لہٰذا مسجد حرام کے باہر طواف شرعاً معتبر نہ ہوگا۔

اور بعض ایسی شرائط ہیں جو حج یا عمرہ کے بعض طوافوں کے ساتھ مخصوص ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

(۱)...... **احرام ہونا:** یہ طوافِ عمرہ اور طواف قدوم کے لئے شرط ہے۔

(۲)...... **وقت ہونا:** یہ طواف زیارت اور طواف وداع کے لئے شرط ہے۔

(٣)…… **وقوفِ عرفہ کا پہلے پایا جانا:** یہ شرط بھی طوافِ زیارت اور طوافِ وداع کے صحیح ہونے کے لئے لازم ہے۔ ”واما شرائطه فستة: ثلاثة منها لاطوفة الحج وهی الوقت وتقديم الاحرام وتقديم الوقوف الخ“

(غنیۃ الناسک: ١٠٩، مناسک ملا علی قاریؒ: ١٤٤، البحر الرائق: ٢/٦٠٨، شامی زکریا: ٣/٥٣٧)

واجباتِ طواف

طواف میں کل سات چیزیں واجب ہیں، جن کے ترک سے جزاء لازم آتی ہے:

(١)…… **حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر دونوں سے پاک ہونا۔** (اور کپڑا اور بدن کا پاک ہونا مسنون ہے)۔ (غنیۃ الناسک: ١١٢، مناسک ملا علی قاریؒ: ١٥١، شامی زکریا: ٣/٥٣٧، مراقی الفلاح: ٧٢٩)

(٢)…… **ستر کا چھپانا:** لہٰذا اگر طواف میں ایک عضو مستور کا چوتھائی حصہ یا اس سے زیادہ کھلا رہ جائے تو اس پر طواف کا اعادہ یا جزا لازم ہوگی۔ (غنیۃ الناسک: ١١٢، مناسک ملا علی قاریؒ: ١٥٢، اللباب فی شرح الکتاب: ١/١٦٦)

(٣)…… **حجر اسود سے طواف کی ابتداء کرنا:** بہت سے فقہاء کے نزدیک یہ واجب ہے، جب کہ دیگر کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔

(غنیۃ الناسک: ١١٢، ومثلہ فی مراقی الفلاح: ٧٢٩، مناسک ملا علی قاریؒ: ١٥٣)

(٤)…… **دائیں طرف سے طواف کرنا:** یعنی اس طرح طواف کرنا کہ خود دائیں جانب اور بیت اللہ شریف بائیں جانب ہو، اس کے خلاف کرنے پر جزا لازم ہوگی۔

(غنیۃ الناسک: ١١٣، مرقی الفلاح: ٧٢٩، مناسک ملا علی قاریؒ: ١٥٣)

(٥)…… **پیدل طواف کرنا:** جو شخص چلنے پر قادر ہو اس کے لئے واجب ہے کہ وہ پیدل طواف کرے، لہٰذا اگر کوئی شخص طوافِ زیارت یا عمرہ کا طواف بلا کسی عذر کے سوار ہو کر

کرے تو اس پر ضروری ہے کہ یا تو طواف لوٹائے یا دم دیدے، البتہ اگر کسی عذر کی وجہ سے پیدل طواف نہیں کیا ہے تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہے۔ (غنیۃ الناسک: ۱۱۴، مراقی الفلاح: ۴۲۹، مناسک ملا علی قاری علیہ الرحمۃ: ۱۵۲)

(۶)......**طواف میں حطیم کو شامل کرنا:** حطیم بھی دراصل بیت اللہ شریف ہی کا حصہ ہے، لہٰذا اس کی حدود سے باہر ہو کر طواف کرنا واجب ہے، اگر حطیم کے اندر سے طواف کیا تو ترکِ واجب کی وجہ سے جزا لازم ہوگی۔ (غنیۃ الناسک: ۱۱۴، شامی زکریا: ۳/۴۷۳، مناسک ملا علی قاری علیہ الرحمۃ: ۱۵۳)

(۷)......**طواف کے ساتوں چکر پورے کرنا:** طواف کے ساتوں چکروں کو پورا کرنا واجب ہے، یعنی اگر کوئی شخص طواف کے چار یا پانچ چکر کرے تو اس کا طواف ادا ہو جائے گا، تاہم ساتوں چکروں کو پورا کرنا واجب ہے، نہ کرنے پر جزاء لازم ہوگی۔ ''السابع: اکمال ما زاد علی اکثر اشواطہ، فلو ترکہ جاز طوافہ وعلیہ الجزاء الخ'' (غنیۃ الناسک: ۱۱۶، مراقی الفلاح: ۴۲۹)

تنبیہ: طواف کے بعد دو رکعت پڑھنا بھی واجبات میں سے ہے۔ ''ومن الواجبات رکعتا الطواف'' (غنیۃ الناسک: ۱۱۶)

طواف کی سنتیں

(۱)......اضطباع کرنا: طواف کے تمام چکروں میں مردوں کے لئے اضطباع (چادر بغل میں ڈال کر داہنا کندھا کھولنا) کرنا مسنون ہے۔ ''واما سنن الطواف فالاضطباع فی جمیع اشواطہ وینبغی ان یفعلہ قبل الشروع فی الطواف بقلیل الخ'' (غنیۃ الناسک: ۱۱۸، شامی زکریا: ۳/۵۰۷، مناسک ملا علی قاری علیہ الرحمۃ: ۱۵۹)

تنبیہ: واضح رہے کہ اضطباع صرف اس طواف میں مسنون ہے جس کے بعد سعی کرنا ہے، جیسے طوافِ قدوم، طوافِ عمرہ وغیرہ ہر طواف میں مسنون نہیں۔ ''وھو سنۃ فی کل طواف بعدہ سعی کطواف القدوم وطواف العمرۃ الخ'' (غنیۃ الناسک: ۱۱۸)

(۲)……شروع کے تین چکروں میں رمل کرنا۔ ”والرمل فی الثلاثۃ الاول“

(غنیۃ الناسک: ۱۱۸)

تنبیہ: رمل بھی صرف اس طواف میں مسنون ہے جس کے بعد سعی کرنے کا ارادہ ہو، ”والرمل سنۃ فی کل طواف بعدہ سعی“ (غنیۃ الناسک: ۱۱۹، شامی زکریا: ۳/۵۱۰، مناسک ملا علی قاری رحمہ اللہ: ۱۵۹)

(۳)……آخری چار چکروں میں رمل نہ کرنا: یعنی آخری چار چکروں میں اپنی رفتار کے مطابق چلے رمل نہ کرے۔ ”والمشی علی ھیئتہ فی الاربعۃ الباقیۃ“ (غنیۃ الناسک: ۱۱۸، شامی زکریا: ۳/۵۱۱، مناسک ملا علی قاریؒ: ۱۵۹، اللباب: ۱/۱۷۰، البحر الرائق زکریا: ۲/۵۸۷)

(۴)……طواف کی ابتداء میں حجر اسود کا استقبال کرنا: یعنی حجر اسود کے بالکل سامنے کھڑے ہوکر طواف شروع کرے۔ ”واستقبال الحجر الاسود بالوجہ فی ابتدائہ“

(غنیۃ الناسک: ۱۱۹، شامی زکریا: ۳/۵۰۷، مناسک ملا علی قاری رحمہ اللہ: ۱۶۰، ھندیۃ: ۲۲۵)

(۵)……حجر اسود کے استقبال کے وقت تکبیر کہنا: یعنی طواف کے شروع میں استقبال حجر اسود کے وقت ”اللہ اکبر“ کہے۔ ”والتکبیر قبالۃ الحجر مطلقاً“

(غنیۃ الناسک: ۱۱۹، ومثلہ فی الشامی زکریا: ۳/۵۹۴، البحر الرائق: ۲/۳۲۶)

(۶)……حجر اسود کے سامنے تکبیر کہتے وقت دونوں ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھانا۔ ”ورفع الیدین عند التکبیر حال استقبال الحجر فی البتداء حذاء اذنیہ“ (غنیۃ الناسک: ۱۱۹، شامی زکریا: ۳/۵۰۴، تاتارخانیۃ زکریا: ۳/۴۹۴، مناسک ملا علی قاری رحمہ اللہ: ۱۵۹)

(۷)……حجر اسود کا استلام کرنا: طواف کی ابتداء اور انتہاء میں حجر اسود کا استلام مسنون ہے، اور درمیان میں ہر چکر میں استلام مستحب ہے۔ ”واستلام الحجر فی اولہ وأخرہ واما فی ما بینھما فسنۃ مستحبۃ“ (غنیۃ الناسک: ۱۱۹، شامی زکریا: ۳/۵۱۱، البحر الرائق کوئٹہ: ۲/۳۳۰، تاتارخانیۃ زکریا: ۳/۴۹۶)

(۸)……تمام چکر پے در پے کرنا۔ ”والموالاۃ بین الاشواط واجزاء الطواف سنۃ متفق

علیهما" (غنیة الناسک:۱۲۰، شامی زکریا:۵۱۱/۳، مناسک ملا علی قاری ؒ:۱۶۰، منحة الخالق زکریا:۵۶۸/۲)

(۹)...... بدن اور کپڑوں کا ظاہری نجاستوں سے پاک ہونا۔ "والطهارة من النجاسة فی الثوب والبدن الخ"

(غنیة الناسک:۱۲۰، درمختار زکریا:۴۷۱/۳، منحة الخالق زکریا:۴۷۶/۲)

طواف کے مستحبات

طواف کے مستحب امور درج ذیل ہیں:

(۱)...... حجر اسود کا تین بار بوسہ دینا۔ "ان ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قبله ثلاثا" (غنیة الناسک:۱۲۰، النقایة:۱۸۴/۱) "واما مستحبات الطواف فتثلیث تقبیل الحجر" (غنیة الناسک:۱۲۰، مناسک ملا علی قاری ؒ:۱۶۰)

(۲)...... حجر اسود پر تین بار سجدہ کرنا۔ "والسجود علیه وتثلیثه" (غنیة الناسک:۱۲۰، منحة الخالق زکریا:۵۷۳/۳، درمختار زکریا:۵۰، مناسک ملا علی قاری ؒ:۱۶۰)

(۳)...... طواف اس طرح شروع کرنا کہ خود حجر اسود کے دائیں طرف ہو اور پورا بدن حجر اسود کے سامنے ہو کر برابر ہو۔ "واخذ الطائف عن یمین الحجر مما یلی الرکن الیمانی لیحاذی جمیع الحجر بجمیع بدنه حین مروره علیه الخ" (غنیة الناسک:۱۲۰، ومثله فی الهندیة:۲۲۶/۱، شامی زکریا:۵۰۴)

(۴)...... طواف کے دوران رکن یمانی کا استلام کرنا۔ "واستلام الرکن الیمانی"

(غنیة الناسک:۱۲۱، هندیة:۲۲۶/۱، درمختار زکریا:۵۱۱، تاتارخانیة زکریا:۴۹۷/۳)

(۵)...... طواف کے دوران ذکر یا دعا میں مشغول رہنا۔ "واتیان الاذکار والادعیة فیه الخ"

(غنیة الناسک:۱۲۱، مناسک ملا علی قاری ؒ:۱۳۵)

(۶)...... مردوں کے لئے مستحب یہ ہے کہ اگر بیت اللہ کے قریب جگہ خالی ہو اور کسی کو تکلیف نہ ہو تو

بیت اللہ شریف کے قریب طواف کرے، اور عورتوں کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ بیت اللہ شریف سے دور ہٹ کر طواف کریں، الا یہ کہ بیت اللہ شریف طواف کرنے والے مردوں سے خالی ہو۔ "وان یکون طوافه قریبا من البیت اذا لم یوذ احدا وللمرأة البعد الا اذا خلا المطاف من الرجال" (غنیۃ الناسک: ۱۲۲، البحر الرائق کوئٹہ: ۲/۵۸۶، مناسک ملا علی قاری ؒ: ۱۶۰)

(۷)......عورتوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ طواف کے لئے رات کے وقت کا انتخاب کریں۔ "وطوافها لیلا" (غنیۃ الناسک: ۱۲۲، مناسک ملا علی قاری ؒ: ۱۶۰)

(۸)......اگر طواف کا کوئی چکر کسی عذر کی وجہ سے یا بلا عذر کے نامکمل رہ گیا تھا یا مکروہ طریقہ پر کیا تھا تو اس کو از سر نو لوٹانا مستحب ہے۔ "واستیناف الطواف لو قطعه قبل اتیان اکثره ولو بعذر او فعله ولو بعضه علی وجه مکروه"

(غنیۃ الناسک: ۱۲۲، مناسک ملا علی قاری ؒ: ۱۶۰)

(۹)......طواف کرتے وقت جائز بات چیت سے بھی پرہیز کرنا۔ "وترک الکلام المباح"

(غنیۃ الناسک: ۱۲۲، مناسک ملا علی قاری ؒ: ۱۶۰)

(۱۰)......طواف کے دوران ہر اس عمل سے پرہیز کرنا مستحب ہے جو خشوع و خضوع کے منافی ہو، مثلاً بلا ضرورت لوگوں کو دیکھنا اور کوکھ پر ہاتھ رکھنا وغیرہ۔ "وترک کل عمل ینافی الخشوع والتذلل کالتلثم والالتفات بوجهها لی الناس لغیر ضرورة ووضع الیدعلی الخاصرة الخ" (غنیۃ الناسک: ۱۲۲، مناسک ملا علی قاری ؒ: ۱۶۰)

(۱۱)......طواف کرتے وقت نگاہ کی ہر اس چیز سے حفاظت کرنا مستحب ہے جو دل کو مشغول کرنیوالی ہو، اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس کی نگاہ اپنے چلنے کی جگہ سے متجاوز نہ ہو۔ "وصون النظر عن کل مایشغله وینبغی ان لا یجاوز بصره محل مشیه الخ"

(غنیۃ الناسک: ۱۲۲، مناسک ملا علی قاری ؒ: ۱۶۲)

(۱۲)......اگر دعا یا ذکر زور سے کرنے کی وجہ سے لوگوں کو خلل واقع ہو رہا ہو تو آہستہ کرنا واجب ہے، اور

اگرکسی کوخلل نہ ہوتو بھی آہستہ کرنا مستحب ہے۔"والاسرار بالذکر والادعیة الا اذا کان الجھر مشوشا للطائفین والمصلین فلاسرار واجب حینئذ" (غنیۃ الناسک:۱۲۲، مناسک ملا علی قاری ﷫:۱۶۲)

(۱۳)......طواف کے دوران ان تمام اعمال وافعال سے پرہیز کرنا چاہئے جوخلافِ شریعت ہوں۔ "وان ینزہ طوافہ عن کل مالا یرتضیہ الشرع" (غنیۃ الناسک:۱۲۲)

(۱۴)......دورانِ طواف وغیرہ اگرکسی ایسے آدمی پرنظر پڑ جائے جس میں کوئی نقص ہو یا وہ مناسک کا پورا علم نہ رکھتا ہو، تو اس کی تحقیر نہ کرے، بلکہ اگرمناسب ہوتو اسے نرمی کے ساتھ بتادیجئے۔ "واحتقار من فیہ نقص او جھل بالمناسک وینبغی ان یعلمہ برفق" (غنیۃ الناسک:۱۲۲)

مباحاتِ طواف

طواف کے دوران درج ذیل امور مباح ہیں:

(۱)......کسی کو سلام کرنا، اگر وہ ذکر وغیرہ میں مشغول نہ ہو ورنہ مکروہ ہوگا۔

(۲)......چھینکنے والے کا "الحمد للہ" کہنا۔

(۳)......چھینکنے اور سلام کرنے والے کو جواب دینا۔

(۴)......ضرورت کے وقت بقدرِ ضرورت کلام کرنا۔

(۵)......پانی وغیرہ پینا۔

(۶)......ضروری مسائل دریافت کرنا اور اس کے جوابات دینا۔

(۷)......پاک خف یا نعل پہن کر طواف کرنا۔

(۸)......رکن یمانی کا استلام نہ کرنا۔

(۹)......اچھے مضامین پر مشتمل اشعار کا پڑھنا۔

(۱۰)......کسی عذر کی وجہ سے سواری وغیرہ پر طواف کرنا۔

"وأما مباحات الطواف فالسلام وحمد العاطس مع انھما سنتان مطلقا الا ان

المسلم علیه لو کان مشغولا بذکر اللہ تعالیٰ یکرہ السلام علیه ان علم اشتغاله وجوابه مما مع انه واجب علی الکفایة مطلقا، اولی قوله وانشاد شعر محمود، وکذا انشاءة، والطواف راکباً او محمولاً لعذر"

(غنیة الناسک: ١٢٥، البحر الرائق زکریا: ٢/٥٧٠، بدائع الصنائع زکریا: ٢/٣١٣، مناسک ملاعلی قاری رحمہ اللہ: ١٦٣)

مکروہاتِ طواف

دورانِ طواف درج ذیل امور کاانجام دینا مکروہ ہے:

(١)......فضول بات چیت کرنا۔

(٢)......خرید وفروخت یااس کی بات چیت کرنا۔

(٣)......کھانا۔(بعض حضرات نے کھانے پینے کو بھی مکروہات میں شمار کیا ہے)

(٤)......ایسے اشعار پڑھنا جن میں حمد وثنا نہ ہو۔

(٥)......بلندآواز سے ذکر ودعا، یا تلاوت وغیرہ کرنا، اگراس سے طواف کرنے والوں اورنماز پڑھنے والوں کوخلل ہوتا ہو۔

(٦)......ناپاک کپڑوں میں طواف کرنا۔

(٧)......حجراسود کے استقبال سے پہلے ہی دونوں ہاتھوں کواٹھالینا۔

(٨)......پیشاب پاخانہ کے تقاضہ کے وقت طواف کرنا۔

(٩)......بھوک پیاس اورغصہ کی حالت میں طواف کرنا۔

(١٠)......دعاء کے لئے ہاتھ اٹھانا یا نماز کی طرح دونوں ہاتھوں کو باندھنا۔

(١١)......طواف کے دوران ٹھہر کر دعاء وغیرہ کرنا۔

(١٢)......طواف کرتے ہوئے بلاکسی ضرورت کے باہر نکلنا وغیرہ۔

"واما مکروهاته: فالکلام الفضول، والبیع والشراء وحکایتهما والاکل وقیل:

الشرب وانشاد شعر یعری عن حمد وثناء وقیل مطلقا الی قولہ والخروج منہ لغیر حاجۃ"
(غنیۃ الناسک:۱۲۶، وبعض الاجزاء فی البدائع: ۳۱۲/۲، البحر الرائق زکریا:۵۷۷/۲ مناسک ملا علی قاریؒ:۱۶۵)

محرماتِ طواف

دورانِ طواف درج ذیل چیزیں حرام ہیں:

(۱)......حیض ونفاس، یا جنابت کی حالت میں طواف کرنا۔

(۲)......بے وضو طواف کرنا۔

(۳)......ستر کھلے ہوئے ہونے کی حالت میں طواف کرنا۔

(۴)......بلا کسی عذر کے سوار ہو کر طواف کرنا۔

(۵)......حطیم کے اندر سے طواف کرنا۔ (یعنی طواف میں حطیم کو شامل نہ کرنا۔)

(۶)......طواف کا کوئی چکر چھوڑ دینا۔

(۷)......گھٹنوں کے بل یا الٹا ہو کر بلا کسی عذر کے طواف کرنا وغیرہ۔

"(الطواف) ای جنس الطواف حال کونہ الطائف جنبا او حائضا او نفساء حرام اشد حرمۃ او محدثا وھو دونھم فی الحرم، الی قولہ وترک شیء منہ ای من الطواف الا ان ترک الاربعۃ حرام وترک الثلاثۃ کراھۃ تحریم الخ" (مناسک ملا علی قاریؒ:۱۶۴)(کتاب المسائل: ج ۳)

﴿الفصل الاوّل﴾

{۲۴۴۶} وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْدَمُ مَكَّةَ اِلَّا بَاتَ بِذِيْ طُوًى حَتّٰى يُصْبِحَ وَيَغْتَسِلَ وَيُصَلِّيَ فَيَدْخُلَ مَكَّةَ نَهَارًا وَاِذَا نَفَرَ مِنْهَا مَرَّ بِذِيْ طُوًى وَبَاتَ بِهَا حَتّٰى يُصْبِحَ، وَيَذْكُرُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۲۳۸، باب من نزل بذی طوی الخ، حدیث نمبر: ۱۷۳۵، مسلم شریف: ۱/ ۴۱۰، باب استحباب المبیت بذی طوی، حدیث نمبر: ۱۲۵۹۔

حل لغات: نَفَرَ (ض) نَفَرًا، متفرق ہونا۔

ترجمہ: حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی مکہ مکرمہ آتے تو ذی طوی میں رات گذارتے، اور جب صبح ہوتی تو غسل کرکے نماز پڑھتے، پھر دن کو مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے، اور جب مکہ مکرمہ سے واپس ہوتے، اس وقت بھی ذی طوی سے گذرتے اور صبح تک وہیں رہتے، نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی فرمایا کرتے تھے۔

تشریح: مکہ مکرمہ میں آدمی دن کے وقت میں داخل ہو، تاکہ بیت اللہ نظر آئے، اس لئے کہ بیت اللہ شریف پر پہلی نظر پڑتے وقت کی دعا قبول ہوا کرتی ہے۔

ذی طوی: "طوی" مثلث الطاء یعنی طاء کے فتحہ، ضمہ اور کسرہ کے ساتھ تینوں طرح پڑھا گیا ہے، لیکن بالفتح افصح اور اشہر ہے، اور اس کے بعد بالضم اکثر ہے۔ (التعلیق: ۲۰۸/ ۳)

یہ مکہ مکرمہ کے حدود میں ایک جگہ کا نام ہے، اور بعض نے کہا: کہ مکہ مکرمہ کے قریب اہل مدینہ کے راستے میں ایک کنویں کا نام ہے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوا کرتے تھے تاکہ بیت اللہ شریف دور سے نظر آئے، علماء نے اسی کو افضل کہا ہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ جاتے وقت ذی طوی میں اترنا ظاہر یہ ہے کہ یہ استراحت اور غسل کرنے کیلئے اور نظافت حاصل کرنے کے لئے ہوتا تھا، اور مکہ مکرمہ سے واپسی کے وقت ذی طوی میں قیام اس لئے فرماتے تھے تاکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں جمع ہوجائیں، اور سب لوگوں کا سامان وغیرہ اکٹھا ہوجائے۔ (مرقاۃ: ۵/ ۳۱۱، نفحات التنقیح: ۳/ ۳۲۷، التعلیق: ۲۰۸/ ۳)

دخول مکہ کے آداب

حدیث شریف سے دخول مکہ کے دو آداب مستفاد ہوتے ہیں:

(۱)......دخول مکہ سے پہلے غسل کرنا۔

(۲)...... دخول نہاراً، دن میں داخل ہونا۔

ان کی تفصیل یہ ہے:

(الف)...... دخول مکہ کے لئے غسل کرنا بالاتفاق مستحب ہے، پھر بہت سے علماء یہ فرماتے ہیں غسل کے بجائے وضو بھی کافی ہو سکتی ہے، اور شافعیہ کہتے ہیں اگر غسل سے عاجز ہو تو تیمم کرلے۔ (بذل) یہ غسل عند المالکیہ لاجل الطواف ہے، (کیونکہ مکہ میں پہنچتے ہی طواف کعبہ کیا جاتا ہے، اور یہی مسجد حرام کا تحیہ ہے) اور باقی ائمہ ثلٰثہ کے نزدیک دخول مکہ ہی کے لئے ہے۔

(ب)...... اس میں علماء کے تین قول ہیں:

(۱)...... حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک دخول مکہ نہاراً مستحب ہے، "وھو اصح الوجھین للشافعیہ"

(۲)...... دوسرا قول یہ ہے: "ھما سوائٌ" یعنی دخول لیلاً ونہاراً دونوں برابر ہیں، اسی کے قائل ہیں طاؤس ثوری، ابو الحسن ماوردی من الشافعیۃ والیہ میل الحنابلۃ۔

(۳)...... تیسرا قول یہ ہے دخول مکہ لیلاً اولیٰ ہے، اسی کو اختیار کیا ہے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور عمر بن عبد العزیز وسعید بن جبیر رضی اللہ عنہم نے۔

(۴)...... چوتھا قول جو بعض علماء سے منقول ہے وہ یہ ہے جو شخص اپنے وقت کا امام ومقتدیٰ ہو اس کے لئے دخول نہاراً اولیٰ ہے تاکہ لوگ اس کو دیکھ کر اس سے مستفید ہوں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اس میں دخول نہاراً ہی کا تھا، اور دخول لیلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ یعنی عمرۃ الجعرانہ میں ثابت ہے۔ چنانچہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے دخول مکہ لیلاً کا مستقل باب باندھا ہے اور اسمیں محرش کعبی کی حدیث لائے ہیں عمرۃ الجعرانہ والی۔

(الدر المنضود: ۲۲۸/ ۳، بذل: ۱۳۷/ ۳)

مکہ مکرمہ میں داخل ہونے اور نکلنے کا طریقہ

{۲۴۴۷} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا جَاءَ اِلٰى مَكَّةَ دَخَلَهَا مِنْ اَعْلَاهَا وَخَرَجَ مِنْ

اَسْفَلِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۱۴، باب من این یخرج من مکۃ، حدیث نمبر: ۱۵۵۳، مسلم شریف: ۱/۴۱۰، باب استحباب دخول مکۃ من الثنیۃ العلیا، حدیث نمبر: ۱۲۵۸۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ آئے تو اس کے بالائی حصے کی طرف سے داخل ہوئے اور اس کی نشیبی کی جانب سے نکلے۔

تشریح: اعلاها: سے مراد ثنیۃ کداء (بفتح الکاف والمد التنوین وعدمہ) ہے، جو جنت المعلٰی کی جانب ہے، اور "اسفلها" سے مراد ثنیۃ کدی (بضم الکاف والقصر والتنوین وترکہ) ہے، جسے اب "باب الشبیکۃ" کہتے ہیں اور یہ نشیبی علاقہ میں واقع ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خروجِ مکہ اور دخول مکہ کے لئے دو راستے علیحدہ علیحدہ اختیار فرمائے، جس طرح عید کی نماز کے لئے آنے اور جانے میں یہی طریقہ اختیار فرمایا کرتے تھے، اس لئے تاکہ طریقین شاہد ہو جائیں اور اہل طریقین برکت حاصل کرسکیں۔

یہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے کل تین آداب ہوئے دو اوپر اور ایک یہ۔

(نفحات التنقیح: ۳/۳۲۸، مرقاۃ: ۳/۲۰۴، طیبی: ۵/۲۹۷)

حدودِ حرم میں داخلہ کے آداب

میقات سے احرام باندھنے کے بعد جب مکہ معظمہ کی جانب چلے تو جس جگہ حرم کی حد شروع ہوتی ہے (جہاں آج کل "غیر مسلموں کے لئے داخلہ ممنوع ہے" کے بورڈ لگے ہوئے ہیں) وہاں سے داخل ہوتے وقت نہایت خشوع وخضوع کا اظہار کرے اور والہانہ انداز میں تلبیہ کا ورد کرے، اور دعاؤں اور استغفار کا اہتمام رکھے۔ (غنیۃ الناسک: ۹۵، مناسک ملا علی قاریؒ: ۱۲۵)

تنبیہ: آج کل حکومت کا نظام حجاج ومعتمرین کے لئے اس انداز کا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے سواریوں سے اتر نہیں سکتے، اس لئے آج کل سواری سے اتر کر پیدل چلنے کی کوشش نہ کی جائے، بلکہ سواری میں بیٹھے بیٹھے ہی کامل توجہ سے ورد جاری رکھیں۔

مکہ معظمہ میں داخلہ سے قبل غسل کرنا

مکہ معظمہ میں داخلہ کیلئے نظافت حاصل کرنے کی غرض سے غسل کرنا مسنون ہے۔ "وهذا الغسل سنة لدخول مكة وهو للنظافة" (غنیۃ الناسک:۹۶، ومثلہ فی الطحطاوی دارالکتاب:۷۴۰، ہندیہ:۲۲۴/۱، فتح القدیر:۴۴۷/۲، تبیین الحقائق زکریا:۶۴/۲)

مشورہ: آج کل جدہ سے روانہ ہونے کے بعد مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے قبل غسل کا کوئی موقع نہیں رہتا، اس لئے بہتر ہے کہ اگر کوئی عذر اور دشواری نہ ہو تو جدہ سے روانہ ہونے سے پہلے "حج ٹرمنل" میں ہی اس نیت سے غسل کرلیا جائے، وہاں غسل وغیرہ کے معقول انتظامات ہیں۔

جب مکہ معظمہ میں داخل ہو

جب مکہ معظمہ کی آبادی دکھائی پڑے تو مزید وارفتگی کے ساتھ تلبیہ اور دعا کا اہتمام کرے۔ (اس وقت کی کوئی دعا مخصوص نہیں ہے، لیکن اگر چاہے تو مناسک کی کتابوں میں لکھی ہوئی دعاؤں کو توجہ کے ساتھ مانگے، اور سب سے بہتر یہ ہے کہ اپنے الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے دنیا وآخرت کی ہر بھلائی کے لئے دعا مانگے)۔ "واحسن مايقال فيه وفي غيره من المشاهد، اللهم ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار الخ" (غنیۃ الناسک:۹۷، مناسک ملاعلی قاریؒ:۱۲۷)

مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد مسجد حرام میں کب حاضر ہوں؟

اگرچہ افضل یہی ہے کہ مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد سب سے پہلے مسجد حرام میں حاضری کی فکر کی جائے، لیکن موجودہ زمانہ کی صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے اس بارے میں درج ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

(۱)...... آج کل معلم کی بسوں سے سفر ہوتا ہے جس میں سب حاجیوں کا سامان مخلوط کرکے چڑھادیا جاتا ہے، اور قیام گاہ یا معلم کے دفتر پر اتارا جاتا ہے، اس لئے مکہ معظمہ پہنچ کر سب سے پہلے اپنے

سامان کو یکجا کرنے اور کمرے تک پہنچانے پر دھیان دیا جائے، اگر سامان چھوڑ کر اترتے ہی حرم چلے گئے تو بعد میں بڑی پریشانی ہوسکتی ہے۔

(۲)......عموماً اب قیام گاہیں حرم سے بہت فاصلے پر ہوتی ہیں، اس لئے قیام گاہ کا جائے وقوع اور اس کے آس پاس کی علامتوں کا جان لینا ضروری ہے، اگر ان باتوں کا لحاظ کئے بغیر حرم چلے گئے تو واپسی بہت مشکل ہوجائے گی۔

(۳)......آج کل حکومتی نظام اور سفر کے ہوش ربا اور تھکادینے والے مراحل کی وجہ سے عموماً حجاج کو مکہ معظمہ پہنچتے پہنچتے اس قدر تکان ہوجاتی ہے کہ وہ کسی کام کے نہیں رہتے، اور فوراً آرام کا تقاضا ہوتا ہے تو ایسی کیفیت میں فوراً مسجد حرام میں جانا پسندیدہ نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ اگر اس تکان اور بوجھل دماغ سے حرم میں حاضری ہوگی تو نہ تو خشوع وخضوع حاصل ہوگا اور نہ دعا میں جی لگے گا اور نہ ہی روحانی کیفیات نصیب ہوں گی، اس لئے ایسی صورت میں تکان دور کرنے کے بعد تازہ دم ہوکر حرم میں داخل ہونا چاہئے، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ حاجی مکہ معظمہ کے قریب وادیٔ ذی طوی میں پہنچ کر رات گذارے اور پھر صبح تازہ دم ہوکر حرم میں حاضری دے۔ (غنیۃ الناسک:۹۶) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تھکاوٹ زیادہ ہونے کی وجہ سے قدرے آرام کرکے حرم جانے میں حرج نہیں ہے۔

(۴)......البتہ اگر کوئی شخص واقعتاً اس طرح مکہ معظمہ پہنچے کہ اسے کوئی تھکان نہ ہو اور قیام گاہ بھی آسان ہو، سامان کی بھی کوئی فکر نہ ہو تو اسے بلاعذر مسجد حرام میں حاضری میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے ورنہ خلافِ اولیٰ ہوگا۔ ”فیبدأ بالمسجد بعد حط اثقاله وقبله افضل ان تیسر“

(غنیۃ الناسک:۹۷، ومثلہ فی الدر المختار مع الشامی زکریا:۳/۵۰۲، ہندیۃ:۱/۲۲۴، اللباب فی شرح الکتاب:۱۶۹)

مکہ معظمہ میں کس طرف سے داخل ہوں؟

مستحب ہے کہ مکہ معظمہ میں ”ثنیۂ کداء“ کی طرف سے داخل ہوں (لیکن اب عام حالات میں اس کا اہتمام کرنا ممکن نہیں ہے، لہٰذا جہاں سے داخلہ کی سہولت ہو وہاں سے داخل ہوا جائے)

"ویستحب عند الاربعة ان یدخل مكة من ثنیة كداء الخ" (غنیۃ الناسک:۹۶، ومثلہ فی الہندیۃ:۲۲۴/۱، فتح القدیر زکریا:۴۴۷/۲، البحر الرائق زکریا:۵۷۱/۲) "وهذا اذا لم يكن ضيق وزحمة والا فمن حيث تيسر" (غنیۃ الناسک:۹۶)

مسجد حرام میں کس دروازہ سے داخل ہوں؟

مستحب ہے کہ مسجد حرام میں بابِ بنی شیبہ (باب السلام) سے داخل ہوا جائے، (لیکن اب حرم ماشاء اللہ اتنا وسیع ہو چکا ہے کہ نئے آدمی کے لئے دروازوں کا پہنچاننا اور اندر پہنچ کر صحیح راستہ پر واپس آنا بہت مشکل ہوتا ہے، اس لئے اب یہی مشورہ دیا جاتا ہے کہ اس مستحب کے حصول کی کوشش میں اپنے کو مزید مشکل میں نہ ڈالیں، بلکہ قیام گاہ سے آتے وقت جو دروازہ سامنے پڑے اس کا نمبر یاد کر کے اسی دروازہ سے داخل ہوں، اور اسی سے واپس ہوں)۔ "ویستحب عند الاربعة ان یدخل المسجد من باب بنی شیبة"

(غنیۃ الناسک:۹۷، بدائع الصنائع زکریا:۳۳۸/۲، البحر الرائق زکریا:۵۷۱/۲، اللباب فی شرح الکتاب:۱۶۹)

بیت اللہ شریف پر پہلی نظر

مسجد حرام میں داخل ہونے کے بعد جیسے ہی بیت اللہ شریف پر نظر پڑے تو تلبیہ، تکبیر اور کلمہ پڑھتے ہوئے ہاتھ اٹھا دیں، اور نہایت عاجزی اور گریہ وزاری کے ساتھ ماثور دعائیں یا جو چاہے اپنی زبان میں دعا مانگیں، یہ دعا کی قبولیت کا بہترین وقت ہے۔ "یذکر الله تعالى كيف بدا له تضرعا وان تبرک بالمنقول منها عن النبی صلی الله علیه وسلم وعن السلم من الصحابة والتابعین فحسن" (غنیۃ الناسک:۹۸، درمختار مع الشامی زکریا:۵۰۳/۳، اللباب فی شرح الکتاب:۱۶۹)

مسجد حرام میں داخلہ کے وقت اعتکاف کی نیت

بہتر ہے کہ جب بھی مسجد حرام میں حاضری ہو تو داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کر لی جائے،

کیونکہ نفلی اعتکاف قلیل مدت کے لئے بھی ہوسکتا ہے۔ "ویستحب له ان ینوی الاعتکاف کلما دخل المسجد الحرام فانه مستحب فی کل مسجد فکیف الظن بالمسجد الحرام واقله نفلا ساعة ای جزء من الزمان" (غنیۃ الناسک:۱۳۸) "فینبغی اذا دخل المسجد ان یقول نویت الاعتکاف مادمت فی المسجد" (مرقاۃ المفاتیح:۴/۳۲۵)

طواف تحیہ یا تحیۃ المسجد؟

اگر مسجد حرام میں داخل ہوتے وقت طواف کا ارادہ ہو تو افضل یہ ہے کہ کوئی اور کام کرنے سے پہلے اولاً طواف کرے، اسی کو "طوافِ تحیہ" کہا جاتا ہے، اور اگر طواف کا ارادہ نہ ہو اور مکروہ وقت بھی نہ ہو تو داخل ہونے کے بعد اسی طرح تحیۃ المسجد پڑھنا افضل ہوگا، جیسا کہ بقیہ مساجد میں داخل ہوتے ہی تحیۃ المسجد پڑھنا مستحب ہے۔ (بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو)۔ "واذا دخل المسجد الحرام وهو یرید الطواف فتحیة الطواف، وان کان لا یرید فتحیة الصلوة کبقیة المساجد" (کتاب المسائل ج۳)

(غنیۃ الناسک:۱۳۸، ومثلہ فی الدر المختار مع الشامی زکریا:۳/۵۰۳، مناسک ملا علی قاریؒ:۱۲۹)

طواف کے لئے طہارت

{۲۴۴۸} وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَدْ حَجَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَتْنِيْ عَائِشَةُ اَنَّ اَوَّلَ شَيْئٍ بَدَأَ بِهِ حِيْنَ قَدِمَ مَكَّةَ اَنَّهُ تَوَضَّأَ ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ، ثُمَّ لَمْ تَكُنْ عُمْرَةٌ، ثُمَّ حَجَّ اَبُوْبَكْرٍ، فَكَانَ اَوَّلُ شَيْئٍ بَدَأَ بِهِ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ، ثُمَّ لَمْ تَكُنْ عُمْرَةٌ، ثُمَّ عُمَرُ، ثُمَّ عُثْمَانُ مِثْلُ ذَالِكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۲۲، باب الطواف علی وضوئ، حدیث نمبر:۱۶۱۴، مسلم شریف: ۱/۴۰۵، باب ان المحرم بعمرة لا یتحلل بالطواف، حدیث نمبر:۱۲۳۵۔

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج

کیا ہے، چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بتلایا کہ آپ نے مکہ مکرمہ جا کر سب سے پہلے جو کام کیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے وضو کیا اور آپ نے طواف کیا لیکن عمرہ مکمل نہیں ہوا، پھر ابو بکر نے حج کیا، تو پہلی چیز جس سے انہوں نے شروع کیا وہ بیت اللہ کا طواف تھا لیکن عمرہ مکمل نہیں ہوا، پھر عمر اور عثمان نے ایسا ہی کیا۔

صحت طواف کے لئے وضو شرط ہے یا واجب

تشریح: اس حدیث شریف میں جو یہ مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے وضو کیا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کی تجدید کی، کیونکہ یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے ذی طوی میں غسل کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ غسل میں وضو بھی شامل ہوتا تھا اور یا یہ کہا جائے گا کہ اس سے مراد وضو لغوی ہے، بہر حال جو بھی صورت مراد لی جائے یہ اس بات پر دلیل نہیں بن سکتا کہ صحت طواف کے لئے وضو شرط ہے، اس لئے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ طواف کے لئے وضو کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے اور اس کی مشروعیت پر سب کا اتفاق ہے، اختلاف اس میں ہے کہ آیا صحت طواف کے لئے وضو شرط ہے یا نہیں؟

تو جمہور اس کے صحت طواف کے لئے شرط قرار دیتے ہیں، جب کہ حنفیہ کے نزدیک شرط نہیں ہے بلکہ واجب ہے۔ باقی جمہور کا اس حدیث شریف "الطواف بالبیت صلوة الا ان اللہ اباح فیہ النطق" [بیت اللہ شریف کا طواف کرنا نماز ہے، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں گفتگو کی اجازت دی ہے۔] سے صحت طواف کے لئے وضو کے شرط ہونے پر استدلال کرنا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ ایک تو یہ حدیث ضعیف ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں اشتراک فی جمیع الامور ضروری نہیں، یہی وجہ ہے کہ طواف میں اکل وشرب کے جواز پر سب کا اتفاق ہے، جب کہ نماز میں کسی کے نزدیک بھی اس کی اجازت نہیں ہے۔

ثم طاف بالبیت لم تکن عمرة: گذشتہ احادیث میں یہ بات گذر چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ ادا کیا، پھر جو حضرات قربانی کا جانور

ساتھ لائے تھے وہ تو حلال نہیں ہوئے اور جو قربانی کا جانور ساتھ نہیں لائے تھے وہ حلال ہو گئے، اس لئے "ثم لم تکن عمرة" کے معنی یہ ہوں گے کہ آنحضرت ﷺ عمرہ کے بعد حلال نہیں ہوئے، بلکہ اسی احرام میں یوم النحر تک رہے، اور اس سے ہمارے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ قارن تھے۔ (نفحات التنقیح: ٣/٣٢٨، مرقاۃ: ٣/٢٠٤، التعلیق: ٣/٣٠٩)

طواف میں رمل

{٢٤٤٩} وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا طَافَ فِي الْحَجِّ اَوِ الْعُمْرَةِ اَوَّلَ مَا يَقْدَمُ سَعٰی ثَلَاثَةَ اَطْوَافٍ وَمَشٰی اَرْبَعَةً ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ يَطُوْفُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ١/٢١٩، باب من طاف بالبیت اذا قدم الخ، حدیث نمبر: ١٥٩١، مسلم شریف: ١/٤١٠، باب استحباب الرمل فی الطواف الخ، حدیث نمبر: ١٢٦١۔

حل لغات: سعی: سعی (ف) سعیاً، دوڑنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ جب حج یا عمرے کا طواف کرتے تو پہلے تین شوط میں اکڑ کر چلتے اور باقی چار شوط میں آہستہ چلتے، پھر دو رکعت نماز پڑھتے اور صفا مروہ کی سعی کرتے۔

تشریح: اس میں چند بحثیں ہیں: معنی الرمل، حکمہ، لمن، فی ای طواف، فی کم اشواط، فی کم جوانب، سبب الرمل، حکمة الرمل۔ یہ آٹھ بحثیں ہوئیں۔

بحث اوّل: ھو اسراع المشی مع تقارب الخطی وھز المنکبین۔ مونڈھے ہلاتے ہوئے اکڑ اکڑ کر چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ ذرا تیز رفتار چلنا، جس طرح مقابلہ کے وقت پہلوان چلتے ہیں۔

بحث ثانی: ائمہ اربعہ کے نزدیک سنت ہے، ابن الماجشون المالکی اور ابن حزم کے نزدیک واجب

ہے،ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا انکار منقول ہے۔البتہ رمل کی مشروعیت صرف مردوں کے لئے ہے،عورتوں کے لئے مشروع نہیں۔

بحث ثالث: ائمہ ثلثہ کے نزدیک مکی اور آفاقی دونوں کے لئے ہے،امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف آفاقی کے لئے ہے۔

بحث رابع: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف طواف قدوم میں،"حنفیہ وشافعیہ علی الراجح فی کل طواف بعدہ سعی" ہر اس طواف میں جس کے بعد سعی کی جائے۔

اس کی تفصیل یہ ہے: مثلاً حج افراد میں صرف ایک سعی ہوتی ہے،خواہ طواف قدوم کے بعد کی جائے،خواہ طوافِ زیارت کے بعد،پس اگر کسی کا ارادہ طواف قدوم کے بعد سعی کرنے کا ہو تو رمل اسی طواف قدوم میں کرے۔اور طوافِ وداع میں بھی رمل نہیں ہے،کیونکہ اس کے بعد سعی بین الصفا والمروہ نہیں ہوتی ہے۔اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رمل طواف قدوم میں ہے،اور اگر اس میں نہ کیا ہو تو طواف زیارۃ میں حضرت شیخ نے تو یہی لکھا ہے،لیکن ان کے مسلک میں اس میں مزید تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ کما یظہر من الاوجز۔

بحث خامس: رمل ائمہ اربعہ کے نزدیک شروع کے اشواط ثلثہ میں ہے،اور اگر ان میں نہ کیا ہو تو پھر اس کی قضاء اور تلافی باقی اشواط میں نہیں کی جائے گی،اس لئے کہ باقی اشواط میں سکون ووقار کی ہیئت اختیار کرنا ہی مسنون ہے۔اس میں عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک رمل جمیع اشواط میں سنت ہے۔(منہل عن النووی)

بحث سادس: رمل عند الائمۃ الاربعۃ بیت اللہ کے جوانب اربعہ میں مسنون ہے۔ خلافاً لبعض التابعین اذ قالوا یمشی فیما بین الرکنین یعنی رکن یمانی اور رکن حجر اسود کے درمیان رمل نہیں ہوگا،وہاں اپنی معتاد چال اور ہیئت سے چلا جائے،اس کا منشاء آگے معلوم ہو جائے گا۔

بحث سابع: رمل کی مشروعیت کا ظاہری سبب یہ ہوا تھا کہ ۷ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمرۃ القضاء کیا ہے تو مشرکین نے ان کے متعلق یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ ان کو تو یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے۔ہجرت سے پہلے وہاں کا بخار بہت مشہور

تھا،اور یہ مشرکین پہاڑی پر چڑھ کران کو دیکھ رہے تھے،ان کے اس زعم کی تردید کے لئے
حضرت نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رمل کا حکم فرمایا،رمل کی ابتداء تو ایک وقتی اور
عارضی سبب کی وجہ سے ہوئی تھی لیکن ان کے اخلاص کی وجہ سے اس کو سنت مستمرہ بنادیا گیا، جیسا
کہ بطن وادی میں آنحضرت ﷺ تیز چلے ہیں، یہ سنت درحقیقت حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی
یادگار تھی۔وہ بھی جب پانی کی تلاش کے لئے صفامروہ کے درمیان میں چکرلگارہی تھیں تو جب
یہاں پہنچتیں تو اسماعیل علیہ السلام ان کی نظروں سے اوجھل ہوجاتے۔اس لئے تیز چلتیں،لیکن اب
تیز چلنا سنت مستمرہ بنادیا گیا ہے۔

بعض احادیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمرۃ القضاء کے موقع پر رکنین شامیین کے
درمیان رمل کا حکم دیا تھا۔رکنین یمانین کے درمیان عام معمول کے مطابق چلتے تھے،کیونکہ جب رکنین
شامیین کے درمیان میں آتے تھے تو مشرکین کی نظروں کے سامنے آجاتے تھے،اور جب رکنین یمانیین
کے درمیان ہوتے تھے تو ان کی نظروں سے اوجھل ہوجاتے تھے،اس وقت چونکہ رمل کا مقصد مشرکین کو
دکھانا تھا،اس لئے اس طرح کرنے کا حکم دیا،لیکن حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے پہلے
تین شوط پورے رمل کے ساتھ کئے ہیں اور باقی چار بغیر رمل کے،اس لئے اب سنت طریقہ جمہور کے
نزدیک یہی ہے کہ تین شوطوں میں پورے بیت اللہ کے گرد رمل کیا جائے،کیونکہ یہ آنحضرت ﷺ
کے آخری فعل کے مطابق ہے۔

بحث ثامن: رمل کی حکمت ومصلحت اظہار جلادۃ وقوۃ ہے،یہ تو ابتداء کے لحاظ سے ہے۔ واما الاٰن فحکمته
تذکر نعمة الامن وحصول الغلبة علی الکفار۔ یعنی رمل کرنے سے یہ بات ذہن میں آئیگی
کہ ایک وقت وہ تھا کہ یہاں مکہ مکرمہ میں کفار ومشرکین کا تسلط تھا،اور ان کے استہزاء وتمسخر کے
دفعیہ کے لئے ہمیں رمل کی ہدایت دی گئی تھی،اور ایک وقت بحمداللہ یہ ہے کہ سب کچھ اپنے قبضہ
میں ہے۔(الدرالمنضود:۵/۲۳۵،۳/اشرف التوضیح:۲/۳۰۹،اوجز:۳/۴۹۲،مرقاۃ:۳/۲۰۵)

وسجد سجدتین الخ: اس سے تحیۃ الطواف مراد ہے،اس کے حکم میں اختلاف ہے،حنابلہ
کے یہاں سنت ہے،شافعیہ کے تین قول ہیں۔

(۱)……واجب ہے۔

(۲)……سنت ہے۔

(۳)……طواف واجب کے بعد واجب ہے اور دوسرے طوافوں کے بعد سنت ہے۔

یہی مالکیہ کی ایک روایت ہے۔ مالکیہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ طواف واجب کے بعد واجب ہے، اور اس کے ماسوا کے اندر تردد ہے۔ حنفیہ کے نزدیک واجب ہے۔

اب دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ فرض نماز بھی اس تحیۃ الطواف کے قائم مقام ہو سکتی ہے یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک ہو سکتی ہے۔ مالکیہ کے نزدیک نہیں ہوگی۔ حنابلہ اور شوافع کے یہاں تحیۃ الطواف کے لئے کافی ہوگی۔

صفامروہ کے درمیان سعی

{۲۴۵۰} وَعَنْهُ قَالَ رَمَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْحَجَرِ اِلَى الْحَجَرِ ثَلَاثًا وَمَشٰى اَرْبَعًا وَكَانَ يَسْعٰى بِبَطْنِ الْمَسِيْلِ اِذَا طَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۴۱۰، باب استحباب الرمل فی الطواف، حدیث نمبر: ۱۲۶۱۔

حل لغات: مشی: مشی (ض) مشیاً، چلنا۔ بطن: پیٹ، جمع: بطون۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود سے حجر اسود تک تین چکروں میں رمل کیا اور چار چکروں میں آہستہ چلے، اور صفا مروہ کا طواف کرتے تھے، تو بطن مسیل میں دوڑتے تھے۔

تشریح: وکان یسعی ببطن المسیل: "بطن مسیل" صفا اور مروہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے، اس کی پہچان کے لئے اس جگہ علامت لگا دی گئی ہے۔ جسے "میلین اخضرین" کہتے ہیں، چنانچہ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس جگہ تیز رفتاری سے چلنا سنت ہے۔ باقی طواف میں حجر سے حجر تک رمل کا ذکر وارد ہوا ہے، اب یہی سنت ہے کہ پورے چکر میں

ہی رمل کیا جائے جیسا کہ تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

حجر اسود کا بوسہ

{۲۴۵۱} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ مَکَّۃَ اَتَی الْحَجَرَ فَاسْتَلَمَہٗ ثُمَّ مَشٰی عَلٰی یَمِیْنِہٖ فَرَمَلَ ثَلَاثًا وَمَشٰی اَرْبَعًا۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۰۰، کتاب الحج، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر: ۱۲۶۱۔

حل لغات: فاستلمہ: استلم (استفعال) بوسہ دینا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ تشریف لائے، تو حجر اسود کے پاس آ کر اس کو بوسہ دیا اور اس کے دائیں جانب سے بازو ہلا کر تین چکر لگائے اور چار آہستہ سے۔

تشریح: اتی الحجر: حجر سے مراد حجر اسود ہے۔

فاستلمہ: یعنی اس پتھر کو چھو کر اس کو چوما۔

استلام یا تو سلام بمعنی تحیۃ سے ماخوذ ہے، گویا پتھر کو چھونا، اس کی تعظیم اور سلام کرنا ہے، یا سلام بکسر السین سے بمعنی الحجارہ یعنی مس الحجارہ اور کہا گیا ہے کہ یہ ماخوذ ہے لامہ سے، بمعنی سلاح و ہتھیار، تو جس طرح انسان ہتھیار پہن کر دشمن سے محفوظ ہو جاتا ہے، اسی طرح جو شخص حجر اسود کو مس کرتا ہے وہ گویا محفوظ ہو جاتا ہے عذاب سے۔ (اوجز۔ الدر المنضود: ۳/۲۳۲)

استلام الحجر (حجر اسود کو بوسہ دینا) فقہاء کے نزدیک سنت ہے۔

ایضاً

{۲۴۵۲} وَعَنِ الزُّبَیْرِ بْنِ عَرَبِیٍّ رحمہ اللہ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ ابْنَ عُمَرَ عَنْ اِسْتِلَامِ الْحَجَرِ فَقَالَ: رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَلِمُہٗ

وَيُقَبِّلُهٗ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۲۱۸/۱، کتاب المناسک، باب تقبیل الحجر، حدیث نمبر: ۱۵۸۷۔

ترجمہ: حضرت زبیر بن عربی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے حجر اسود کو بوسہ دینے کے سلسلے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے ہاتھ لگاتے اور چومتے ہوئے دیکھا ہے۔

تشریح: سأل رجل ابن عمر عن استلام الحجر: مراد یہ ہے کہ اس شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ سوال کیا کہ حجر اسود کو بوسہ دینا کیسا ہے؟

فقال الخ: تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے؛ اس لئے بوسہ دینا چاہئے۔

استلام رکن یمانی

{۲۴۵۳} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ لَمْ اَرَا النَّبِيَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُ مِنَ الْبَيْتِ اِلَّا الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَيْنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲۱۸/۱، باب من لم یستلم الا الرکنین الیمانیین، حدیث نمبر: ۱۵۸۵، مسلم شریف: ۴۱۲/۱، باب استحباب استلام الرکنین الخ، حدیث نمبر: ۱۲۶۹۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف رکنین یمانین کا استلام کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

رکنین یمانیین کا استلام

تشریح: استلام کے معنی یہ ہیں کہ حجر اسود کو ہاتھ یا عصا یا کپڑے سے چھو کر ہاتھ، عصاء، ثوب کو جو بھی ہو اس کی تقبیل کی جائے، اور اگر کسی ذریعہ سے چھونا ممکن ہو تو ہاتھ سے حجر اسود کا استقبال کرکے اس کو

ہی چوم لیا جائے، یہ بھی استلام ہے۔

بیت اللہ کے چار رکن یعنی چار کونے ہیں، ایک رکن وہ ہے جس میں حجر اسود لگا ہوا ہے، دوسرا اسی جانب میں اس کے برابر والا، اس کو رکن یمانی کہتے ہیں، اور تغلیباً ان دونوں کو رکنین یمانیین کہا جاتا ہے، ان کے علاوہ جو دو رکن ہیں ان میں سے ایک کو رکن عراقی اور رکن شامی مگر یہاں بھی دونوں کو رکنین شامیین کہا جاتا ہے اور ان دونوں یعنی رکن عراقی اور رکن شامی کی بنا حقیقت میں قواعد ابراہیمی پر نہیں ہے، اس لئے کہ جب مشرکین مکہ نے بیت اللہ کی تعمیر کے لئے چندہ کیا تو چندہ کم ہونے کی بناء پر انہوں نے قواعد ابراہیم کے مطابق بیت اللہ کو تعمیر نہیں کیا، بلکہ رکنین شامیین کی جانب سے کچھ حصے کو چھوڑ کر تعمیر کیا، چنانچہ اس باقی ماندہ حصہ کو حطیم کہا جاتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ بیت اللہ کے طواف کے وقت حطیم کو طواف میں شامل کیا جاتا ہے، اس لئے کہ یہ درحقیقت بیت اللہ ہی کا حصہ ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بیت اللہ کے چار ارکان میں سے وہ رکن جس میں حجر اسود نصب ہے اس کو دوہری فضیلت حاصل ہے، ایک فضیلت یہ ہے کہ اس میں حجر اسود ہے، اور دوسری یہ فضیلت ہے کہ اس کی بنا قواعد ابراہیمی پر ہے، اور رکن یمانی کو صرف یہی ایک فضیلت حاصل ہے کہ اس کی بنا قواعد ابراہیمی پر ہے، جبکہ رکنین شامیین کو ان دو فضیلتوں میں سے کوئی بھی فضیلت حاصل نہیں ہے، اس لئے وہ رکن جس میں حجر اسود ہے اس کی تقبیل اور استلام دونوں کئے جاتے ہیں اور رکن یمانی کے لئے تقبیل نہیں ہے، اس کا صرف استلام ہوگا، اس کے برخلاف رکنین شامیین کے لئے نہ تقبیل ہے اور نہ ہی استلام کیا جائے گا۔ (بذل: ۱۴۰/۳، اوجز: ۳۴۲/۳، نفحات التنقیح: ۳۳۱/۳)

سواری پر طواف کرنے کا مسئلہ

{۲۴۵۴} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ عَلٰى بَعِيْرٍ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲۱۸/۱، باب استلام الرکن بالمحجن، حدیث نمبر: ۱۵۸۳،

مسلم شریف: ١/ ٤١٣، باب جواز الطواف علی بعیر، حدیث نمبر: ١٢٧٢۔

حل لغات: بعیر: اونٹنی، جمع: بعران۔ بمحجن: ٹیڑھے سر والا ڈنڈا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اونٹنی پر سوار ہو کر طواف فرمایا اور محجن کے ذریعہ سے حجر اسود کی تقبیل فرمائی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ پر سوار ہو کر طواف کرنا

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا ہے، اس کے متعلق دو باتیں بتانے کی ضرورت ہے، ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راکباً طواف کرنے کی وجہ کیا تھی؟ دوسرے یہ کہ راکباً طواف کا حکم کیا ہے؟

امر اول کے متعلق روایتیں دو قسم کی ہیں، ایک روایت صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، اس کے لفظ یہ ہیں: "طاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالبیت فی حجۃ الوداع علی راحلتہ یستلم الرکن بمحجن لان یراہ الناس ولیشرف ولیسألوہ فان الناس غشوہ" [حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں بیت اللہ شریف کا طواف اپنی سواری پر فرمایا، حجر اسود کا استلام چھڑی سے فرماتے تھے، تاکہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ سکیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو دیکھ سکیں، اور اس لئے بھی تاکہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کر سکیں، اس لئے تم لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر رکھا تھا۔] (مسلم شریف: ١/ ٤١٣، سنن ابوداؤد: ١/ ٢٥٩)

اس روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راکباً طواف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ فرضیت حج کے بعد یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا اور آخری حج تھا، اسی حج میں لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مناسک حج سیکھنے تھے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بڑی اہمیت کے ساتھ یہ بات فرمائی تھی: "خذوا عنی مناسککم" اسی کے ساتھ اس سال حج کرنے والوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی، سب لوگ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال بیک وقت نہیں دیکھ سکتے تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا اہتمام فرمایا تھا کہ افعال حج ایسے انداز سے کئے جائیں کہ زیادہ سے زیادہ لوگ دیکھ سکیں، اس لئے

آنحضرت ﷺ نے طواف بھی اونٹ پر سوار ہو کر کیا، نیز لوگوں کو حج کے سلسلہ میں مختلف قسم کے مسائل پیش آرہے تھے، ان کا حل آنحضرت ﷺ ہی سے دریافت کیا جاسکتا تھا، اگر آنحضرت ﷺ ماشیاً طواف فرماتے تو سائلین کو اتنے ہجوم میں آنحضرت ﷺ کو تلاش کرنا مشکل ہوتا۔

دوسری روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے، سنن ابو داؤد میں اس کے لفظ یہ ہیں: "ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قدم مكة وهو يشتكي فطاف على راحلته۔ الخ" [بے شک رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ بیمار تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے اپنی سواری پر طواف فرمایا۔] (سنن ابو داؤد: ۱/۲۵۹) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مرض کی وجہ سے راکباً طواف فرمایا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی اسی توجیہ کی طرف معلوم ہوتا ہے، کیونکہ انہوں نے زیر بحث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث "باب المريض يطوف راكباً" میں بھی ذکر کی ہے۔ (بخاری شریف: ۱/۲۲۱)

دونوں وجہیں جمع بھی ہوسکتی ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ حافظ وغیرہ شارحین نے یہ بھی کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اونٹنی کی یہ خصوصیت ہو کہ وہ مسجد میں پیشاب وغیرہ نہ کرتی ہو۔ (فتح الباری: ۳/۴۹۰)

بہر حال آنحضرت ﷺ کا راکباً طواف کرنا عذر یا ضرورت کی وجہ سے تھا۔

فصل ثالث میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث شریف آرہی ہے، کہ وہ بیمار ہوگئی تھیں، آنحضرت ﷺ نے انہیں فرمایا تھا: "طوفي من وراء الناس وانت راكبة" [سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے سے طواف کرلو۔] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا یہ طواف سواری پر عذر کی وجہ سے تھا۔

دوسری بات یہاں یہ قابل ذکر ہے کہ راکباً طواف کا حکم کیا ہے؟

کسی عذر کی صورت میں تو راکباً طواف کرنا جائز ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے خود بھی عذر کی صورت میں اونٹنی پر طواف کیا ہے۔ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بھی بیماری کی وجہ سے اس کی اجازت دی ہے۔ بغیر عذر کے سواری پر طواف کرنا حنفیہ کے ہاں مکروہ ہے۔ یہ کراہت تحریمی ہے، یا تنزیہی؟ فتاویٰ

قاضی خاں وغیرہ میں طواف میں مشی کو افضل قرار دیا ہے، لیکن یہ تسامل معلوم ہوتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی عذر نہ ہو تو مشی واجب ہے۔ (بذل: ۲/۱۸۴)

لہٰذا راکباً طواف کرنا مکروہ تحریمی ہوگا۔ اگر اس طرح کرلیا تو جب تک مکہ مکرمہ میں ہے طواف کا اعادہ ضروری ہے۔ اگر اس قیامِ مکہ کے دوران اعادہ نہ کیا تو دم واجب ہوگا۔ (عالمگیری: ۲/۲۴۷)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی اس کے قریب قریب ہے، بعض حضرات کے نزدیک بغیر عذر کے راکباً طواف کرلیا جائے تو طواف ہوتا ہی نہیں۔ (تفصیل کے لئے اوجز: ۳/۵۱۰، دیکھئے)

حافظ عینی نے سعید بن منصور کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھوڑے پر سوار ہو کر طواف کرنے سے منع فرمایا تھا۔ (عمدۃ القاری: ۹/۲۵۷، اشرف التوضیح: ۲/۳۱۱)

یستلم الرکن بمحجن: محجن وہ لکڑی جس کا اوپر کا سرا خم دار اور مڑا ہوا ہو۔ (جیسے چوب دستی ہوتی ہے) طواف راکباً میں حجراسود کی تقبیل تو ہو ہی نہیں سکتی، استلام الید بھی نہیں ہوسکتا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بجائے استلام بالید کے بالمحجن کرتے تھے، یعنی لکڑی سے حجراسود کا مس کرتے تھے، پھر اس کے بعد اس محجن کی تقبیل کرتے تھے، گویا حجراسود کی تقبیل بالواسطہ ہوگئی، جیسا کہ آگے ابوالطفیل کی حدیث میں آرہا ہے۔

یستلم الرکن بمحجنہ ثم یقبلہ: اسی طرح طواف ماشیاً میں بھی اگر اژدہام کی وجہ سے تقبیل نہ کرسکے تو استلام بالید ہی پر اکتفا کرے اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو طواف کے دوران جب بھی حجراسود کی محاذات میں پہنچے تو اس کا استقبال کرکے تکبیر تحریمہ کی طرح رفع یدین کے ساتھ "بسم اللہ اکبر" کہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: "والعمل علی ہذا عند اہل العلم یستحبون تقبیل الحجر فان لم یمکن ان یصل الیہ استلمہ بیدہ وقبل یدہ وان لم یصل الیہ استقبلہ اذا حاذی بہ وکبر وہو قول الشافعی" (الدرالمنضود: ۳/۲۳۳)

طریق استلام

{۲۴۵۵} وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ بِالْبَيْتِ

عَلٰى بَعِيْرٍ كُلَّمَا اَتٰى عَلَى الرُّكْنِ اَشَارَ اِلَيْهِ بِشَيْءٍ فِيْ يَدِهٖ وَكَبَّرَ۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۲۱۹، باب الرکبین عند الرکن، حدیث نمبر: ۱۵۸۸۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے خانہ کعبہ کا طواف اونٹنی پر سوار ہو کر کیا، جب آنحضرت ﷺ حجر اسود کے سامنے آتے ایک چیز سے جو آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں تھی، اس کی طرف اشارہ کرتے اور "اللہ اکبر" کہتے۔

تشریح: اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ جب حجر اسود پر پہنچتے تو کسی شئ سے اشارہ کیا کرتے اور تکبیر فرماتے تھے۔

اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص ہجوم کی وجہ سے استلام اور تقبیل حجر پر قادر نہ ہو تو کیا کرے؟ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تکبیر کہے، حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تکبیر اور اشارہ دونوں کرے، حضرت امام شافعی اور حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک تقبیل، تکبیر، اشارہ وغیرہ سب کرے اور اگر تقبیل وغیرہ پر قادر نہ ہو تو صرف حجر اسود پر منہ رکھدے۔

ایضاً

{۲۴۵۶} وَعَنْ اَبِي الطُّفَيْلِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ وَيَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ مَعَهٗ وَيُقَبِّلُ الْمِحْجَنَ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۴۱۳، باب جواز الطواف علی بعیر، حدیث نمبر: ۱۲۷۵۔

ترجمہ: حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا کہ آپ محجن سے حجر اسود کی طرف اشارہ کرتے اور اس کو چومتے۔

تشریح: رکن سے مراد حجر اسود ہے، اور محجن ایسی لکڑی کو کہتے ہیں جس کے سرے میں کچھ کجی ہو۔ آنحضرت ﷺ نے حجر اسود کا استلام محجن (چھڑی) کے ساتھ کیا۔ (التعلیق: ۳/ ۲۱۱)

استلام حجر کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ حجر اسود پر رکھے، دونوں ہاتھوں کے درمیان تقبیل کرے۔ اگر حجر اسود کو ہاتھ نہ لگا سکے تو کسی لکڑی وغیرہ سے اشارہ کر کے اس لکڑی کو چوم لے اور اگر لکڑی وغیرہ نہ ہو کفین سے اشارہ کر کے کفین کو چوم لے۔

حدیث مذکور سے استلام بالعصاء کا جواز معلوم ہوا، یہ بات یاد رہے کہ اگر تقبیل حجر سے کسی کو ایذاء پہنچنے کا اندیشہ ہو تو ترک تقبیل واجب ہے، کیونکہ تقبیل مسنون ہے اور ترک ایذاء واجب ہے۔ (شامی: ۲/۱۸۰)

حائضہ طواف وسعی نہ کرے

{۲۴۵۷} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْكُرُ إِلَّا الْحَجَّ. فَلَمَّا كُنَّا بِسَرِفَ طَمِثْتُ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِيْ. فَقَالَ: لَعَلَّكِ نَفِسْتِ؟ قُلْتُ: نَعَمْ! قَالَ: فَإِنَّ ذٰلِكِ شَيْءٌ كَتَبَهُ اللهُ عَلىٰ بَنَاتِ اٰدَمَ. فَافْعَلِيْ مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ غَيْرَ اَنْ لَّا تَطُوْفِيْ بِالْبَيْتِ حَتّٰى تَطْهُرِيْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۴۴، کتاب الحیض، باب تقضی الحائض المناسک الخ، حدیث نمبر: ۳۰۵۔ مسلم شریف: ۱/۳۸۸، کتاب الحج، باب وجوہ الاحرام الخ، حدیث نمبر: ۱۲۱۱۔

حل لغات: طمث: طمث (ن) طمثا المرأۃ، حائضہ ہونا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم حضرت رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ صرف حج کے ارادہ سے نکلے، جب مقام سرف میں پہنچے تو میں حائضہ ہوگئی، اور حضرت نبی کریم ﷺ میرے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ میں رو رہی تھی، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ شاید تم حائضہ ہوگئی ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ ایک ایسی چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں کے لئے مقرر کر دیا ہے، اس لئے تم وہی افعال کرو جو حجاج کر رہے ہیں، بس خانہ کعبہ کا طواف نہ کرو جب تک کہ پاک نہ ہو جاؤ۔

تشریح: لانذکر الا الحج: یہاں ایک سوال ہے کہ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے صرف حج کا احرام باندھا تھا، عمرہ کا احرام نہیں تھا، مشکوٰۃ کے صفحہ: ۲۲۵، پر حدیث گذری ہے جس میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "لم اھلل الا بعمرۃ" کہ میں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا، ان دونوں میں بظاہر تعارض ہے۔

جواب یہ ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے میقات سے عمرہ کا احرام باندھا تھا لیکن حیض کی وجہ سے عمرہ کے افعال نہیں کرسکیں کہ ایام حج شروع ہو گئے، تو آپ نے عمرہ کا احرام ختم کر کے حج کا احرام باندھ لیا، باقی "لانذکر الا الحج" کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ سفر سے مقصود اصلی حج تھا، اس لئے ہم عام گفتگو میں اور تلبیہ میں صرف حج کا ذکر کرتے تھے، عمرہ کا ذکر نہیں کرتے تھے، گفتگو میں عمرہ کا تذکرہ نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ عمرہ کی نیت بھی نہ ہو، اس لئے "لم اھلل الا بعمرۃ" اور "لانذکر الا الحج" میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ۵/۳۱۷)

"لانذکر الا الحج" والی روایت کلام محاورہ کے مطابق ہے کہ عام محاورہ میں جب کوئی حج کو جائے چاہے وہ قارن ہو متمتع یا منفرد ہو وہ حج کا ذکر کرتا ہے کہ میں حج کو جارہا ہوں، عمرہ کا ذکر نہیں کرتا۔

غیر ان لاتطوفی بالبیت: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت حیض میں طواف سے منع فرمایا، حالت حیض میں بالاتفاق طواف کرنا جائز نہیں، حائضہ کے لئے نہی عن الطواف کی علت کیا ہے؟ اس میں آراء مختلف ہیں، جن ائمہ کے نزدیک طواف کے لئے طہارت شرط ہے ان کے نزدیک نہی کی علت طواف کی شرط کا مفقود ہونا ہے، ہمارے نزدیک طواف کے لئے طہارت شرط نہیں ہے، ہمارے نزدیک نہی کی علت حرمت دخول مسجد ہے، چونکہ طواف مسجد میں ہوتا ہے اور حائضہ کا مسجد میں داخل ہونا صحیح نہیں، اس لئے حالت حیض میں عورت طواف نہیں کرے گی۔ (مرقاۃ: ۵/۳۱۸، اشرف التوضیح: ۲/۳۱۳)

مشرک کے لئے طواف

{۲۴۵۸} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ بَعَثَنِیْ اَبُوْبَکْرٍ

فِي الْحَجَّةِ الَّتِيْ اَمَّرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهَا قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ يَوْمَ النَّحْرِ فِيْ رَهْطٍ اَمَرَهُ اَنْ يُّؤَذِّنَ فِي النَّاسِ اَلَا لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوْفَنَّ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۳۰، باب لا یطوف بالبیت عریان الخ، حدیث نمبر: ۱۵۹۷، مسلم شریف: ۱/۴۳۵، باب لا یحج البیت مشرک، حدیث نمبر: ۱۳۴۷۔

حل لغات: رھط: تین سے دس تک کی جماعت۔ ارھط۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھے حجۃ الوداع سے پہلے اس حج میں جس میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو امیر حج بنا کر بھیجا تھا، ایک جماعت کے ساتھ بھیجا کہ لوگوں میں یہ اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد مشرکین نہ حج کریں، اور نہ کوئی برہنہ طواف کرے۔

تشریح: امرہ النبی علیہا قبل حجۃ الوداع: یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حجۃ الوداع سے ایک سال پہلے امیر حج بنا کر بھیجا تھا، اس میں ان کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہاں یہ اعلان کرا دیں کہ اب کوئی مشرک حج نہیں کرے گا۔

فی رھط امرہ ان یؤذن فی الناس الخ: چنانچہ اس حکم کی تعمیل کے لئے انہوں نے جماعت تشکیل دی، جس میں سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، اس سے مقصد یہ تھا کہ جب زیادہ لوگ اعلان کرنے والے ہوں گے، تو تمام لوگوں کو اس کا علم ہو جائے گا اور فتنہ باز لوگوں کا عذر بھی ختم ہو جائے گا۔

ولا یطوفن بالبیت عریان: یعنی زمانہ جاہلیت میں ایک رسم یہ تھی کہ لوگ ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے کہ ہم ان کپڑوں میں گناہ کرتے ہیں؛ اس لئے ان کپڑوں کو پہن کر طواف کریں یہ بڑی بے ادبی ہے، اس لئے وہ لوگ ننگے ہی طواف کرتے تھے، شریعت اسلامیہ نے اس قبیح رسم میں پابندی لگا دی۔

سنہ ۹ھ کے اندر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اعلان براءۃ لے کر بھیجا تھا۔

"ولا یطوفن بالبیت عریان الخ" اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہے کہ ستر طواف کے شرائط میں سے ہے یا نہیں، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک شرائط میں سے ہے۔ امام مالک کے نزدیک شرائط میں سے نہیں بلکہ واجب ہے، یہی ایک روایت امام احمد کی ہے۔

الفصل الثانی

خانہ کعبہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھانا

{۲۴۵۹} وَعَنِ الْمُهَاجِرِ الْمَكِّيِّ قَالَ سُئِلَ جَابِرٌ عَنِ الرَّجُلِ يَرَى الْبَيْتَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ، فَقَالَ قَدْ حَجَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ نَكُنْ نَفْعَلُهُ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۷۴، ابواب الحج، باب ماجاء فی کراھیۃ رفع الیدین عند رؤیۃ البیت، ابو داؤد شریف: ۱/۲۵۸، باب فی رفع الیدین اذا رأی البیت، حدیث نمبر: ۱۸۷۰۔

ترجمہ: حضرت مہاجر مکی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے خانہ کعبہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھانے والے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا ہے، لیکن ہم لوگوں نے ایسا نہیں کیا تھا۔

بیت اللہ کو دیکھ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا

تشریح: اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ جب بیت اللہ شریف پر نظر پڑے تو اس وقت دعا مانگنا مستحب ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ دعا مانگتے ہوئے ہاتھ اٹھانے چاہئیں یا نہیں؟

چنانچہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ اس حدیث شریف کے پیش نظر امام مالک، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مسلک ہے کہ بیت اللہ کو دیکھ کر دعا مانگنے والا ہاتھ نہ اٹھائے۔ جب کہ امام احمد اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہما کا مسلک یہ ہے کہ بیت اللہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی جائے، یعنی ان کے نزدیک رفع یدین دعا میں عند رؤیۃ البیت مسنون ہے۔ (شرح طیبی: ۲۷۲، شرح معانی الآثار: ۱/۴۵۵)

لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کا مسلک اس کے برخلاف لکھا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کا صحیح مسلک یہ ہے کہ ان کے نزدیک رفع یدین دعا میں عند رؤیۃ البیت مسنون ہے۔ (مرقاۃ:۳۱۸/۵)

بہر حال جو حضرات عدم رفع یدین کے قائل ہیں ان کا استدلال حضرت مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت سے ہے اور جو حضرات رفع یدین کے قائل ہیں ان کا استدلال سنن بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہے۔

(۱)…… عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ترفع الا یدی فی الصلوۃ واذا رای البیت وعلی الصفا والمروۃ وعشیۃ عرفۃ وبجمع وعند الجمرتین وعلی المیت۔ [(۱) نماز میں ہاتھ اٹھائے جائیں گے۔ (۲) اور جب بیت اللہ کو دیکھے۔ (۳) صفا مروہ پر۔ (۴) عرفہ کی شام۔ (۵) مزدلفہ میں۔ (۶) جمرتین پر۔ (۷) صلوۃ جنازہ پر۔]

(سنن بیہقی:۵/۷۲، باب رفع الیدین اذا رای البیت)

(۲)…… ایسا ہی بیہقی میں ابن جریج کی روایت ہے: ”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا رای البیت رفع یدیہ وقال اللھم زد ھذا البیت تشریفا وتعظیما وتکریما ومھابۃ وزد من شرف وکرمہ وعظمہ ممن حجہ او اعتمرہ تشریفا وتکریما وتعظیما وبر“ [حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت اللہ شریف کو دیکھتے، دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھتے تھے: ”اے اللہ! اس گھر کی شرافت، عظمت، بزرگی، ہیبت کو زیادہ فرما۔ اور حج وعمرہ کرنے والوں میں سے جو شخص اس کے ساتھ تشریف وتکریم اور تعظیم کا معاملہ کرے، اس کی شرافت وکرامت بزرگی وعظمت کو زیادہ فرما۔] (سنن بیہقی:۵/۷۳، باب القول عند رویۃ البیت)

جہاں تک تعلق ہے حضرت مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کا تو اس کا جواب یہ دیا ہے کہ چونکہ ان کی روایت نافی ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن جریج رضی اللہ عنہ کی روایات مثبت ہیں، لہٰذا مثبت کو نافی پر ترجیح ہوگی۔ (بیہقی:۵/۷۳)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ سب سے بہتر یہ ہے کہ روایات میں تطبیق کی صورت

اختیار کی جائے، وہ اس طرح کہ جن روایات میں اثبات رفع ہے ان کو اول رؤیت پر محمول کیا جائے گا، یعنی جب پہلی نظر بیت اللہ پر پڑے تو رفع یدین مسنون ہوگا، اور جن روایات میں عدم رفع کا ذکر ہے ان کو کل مرۃ پر محمول کیا جائے، یعنی رؤیت اولیٰ کے بعد بار بار دیکھنے کے وقت رفع یدین نہیں کیا جائے گا۔ (مرقاۃ: ۵/۳۱۸، نفحات التنقیح: ۳/۲۳۳)

حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ثبوت رفع کی روایات کا تعلق اس رفع یدین سے ہے جو دعا کے وقت ہاتھ پھیلا کر ہوتا ہے، اور نفی کا تعلق اس رفع سے ہے جو تعظیماً للبیت ہو، جس طرح افتتاح صلوۃ میں ہوتا ہے۔

معلم الحجاج کے مؤلف نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، لیکن حضرت اقدس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان زبدۃ المناسک میں استحباب رفع کی طرف ہے۔ یعنی "رفع الیدین عند مشاهدة البیت تعظیماً للبیت" (الدر المنضود: ۳/۲۳۰)

سعی کے دوران کعبہ مشرفہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھانا

{٢٤٦٠} وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ اَقْبَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ مَكَّةَ فَاَقْبَلَ اِلَى الْحَجَرِ فَاسْتَلَمَهٗ، ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ، ثُمَّ اَتَى الصَّفَا، فَعَلَاهُ حَتّٰى يَنْظُرَ اِلَى الْبَيْتِ، فَرَفَعَ يَدَيْهِ، فَجَعَلَ يَذْكُرُ اللهَ مَا شَاءَ وَيَدْعُوْا۔ (رواه ابو داؤد)

حواله: ابو داؤد شريف: ١/٢٥٨، باب في رفع اليد اذا رأى البيت، حديث نمبر: ١٨٧٢۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، پس حجر اسود کی طرف متوجہ ہوئے، اس کی تقبیل فرمائی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کا طواف فرمایا، پھر صفا پر آ کر اس کی بلندی پر چڑھے، یہاں تک کہ خانہ کعبہ نظر آیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور جتنا چاہا اللہ تعالیٰ کا ذکر فرماتے رہے اور دعا فرماتے رہے۔

تشریح: ثم اتی الصفافعلاہ الخ: یعنی حضرت نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے ہی پہلے طواف کیا، دو رکعت "صلوۃ طواف" پڑھی، اور سعی کے لئے تشریف لے گئے، جب صفا پہاڑی کی بلندی پر چڑھے اور وہاں سے خانہ کعبہ نظر آیا تو آنحضرت ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور دعا فرمائی۔

معلوم ہوا کہ سعی کے وقت جب صفا پر چڑھا جائے تو وہاں بیت اللہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا چاہئے اور پھر تکبیر تہلیل کرے، اور درود پڑھنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی چاہئے۔ بعض لوگ اس موقع پر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے ہیں، جیسا کہ نماز میں تکبیر کے ساتھ رفع یدین کیا جاتا ہے، خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، یہ ایک غیر مشروع اور غیر مسنون طریقہ ہے۔ (مظاہر حق: ۳۱۲/۲، مرقاۃ: ۲۰۸/۳)

طواف نماز کی طرح ہے

{۲۴۶۱} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلطَّوَافُ حَوْلَ الْبَیْتِ مِثْلَ الصَّلٰوةِ اِلَّا اَنَّکُمْ تَتَکَلَّمُوْنَ فِیْهِ فَمَنْ تَکَلَّمَ فِیْهِ فَلَا یَتَکَلَّمَنَّ اِلَّا بِخَیْرٍ۔ (رواہ الترمذی والنسائی والدارمی) وَذَکَرَ التِّرْمِذِیُّ جَمَاعَةً وَقَفُوْهُ عَلَی ابْنِ عَبَّاسٍ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۹۰/۱، ابواب الحج، باب: ۱۰۸، حدیث: ۹۶۰۔ نسائی شریف: ۲۸/۲، اباحة الکلام فی الطواف، حدیث نمبر: ۲۹۲۵۔ دارمی: ۶۶/۲، باب الکلام فی الطواف، حدیث نمبر: ۱۸۴۷۔

حل لغات: مثل: نظیر۔ جمع: امثال۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ خانہ کعبہ کے گرد طواف کرنا نماز کے مانند ہے، الا یہ کہ تم طواف میں بولتے ہو، تو جو طواف میں بات کرے اس کو اچھی باتیں کرنی چاہئے۔ (ترمذی، نسائی، دارمی) ترمذی نے ذکر کیا کہ کچھ لوگ اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف کرتے ہیں۔

تشریح: قال الطواف حول البیت: یعنی اس طواف سے مراد خانہ کعبہ کا طواف ہے، نہ کہ سعی بین الصفاوالمروہ۔ (مرقاۃ:۵/۳۱۸)

مثل الصلوۃ الخ: یہ تشبیہ ثواب میں ہے، یعنی جس طرح سے نماز کا ثواب بہت زیادہ ہے، ایسے ہی طواف کا ثواب بھی بہت زیادہ ہے، جیسے جمعہ کے خطبے کو نماز سے تشبیہ دی گئی ہے، تو وہاں بھی مراد ثواب ہی ہے، نہ کہ وہ قیود وشرائط مراد ہیں جو نماز کے لئے ہیں۔ (درمختار:۳/۲۴)

اس حدیث شریف میں طواف کو نماز سے تشبیہ دی گئی ہے، اور کلام کا استثناء کیا گیا ہے۔ کلام کے بارہ میں تو اس حدیث شریف میں تصریح ہے کہ طواف میں کلام کرنا جائز ہے، لیکن فضول کلام نہ کرے، صرف خیر کی بات کرے، حدیث شریف میں تصریح کی وجہ سے تو اس مسئلہ میں اتفاق ہے۔

نماز میں ستر عورت اور طہارت عن الاحداث شرط ہے، آیا طواف میں بھی ستر عورت اور طہارت شرط ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

طواف میں طہارت اور ستر کی حیثیت

حنفیہ کے نزدیک طواف میں طہارت اور ستر عورت شرط نہیں، بلکہ واجب ہے، بغیر ستر یا بغیر طہارت کے طواف کرلے گا تو طواف ہو جائے گا لیکن ترک واجب کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ستر اور طہارت طواف کے لئے شرط ہے، بغیر طہارت اور ستر کے طواف نہیں ہوگا۔ (مرقاۃ:۵/۳۱۹)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل: یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے، کیونکہ اس حدیث شریف میں طواف کو نماز سے تشبیہ دی گئی ہے، اور نماز کے لئے طہارت اور ستر شرط ہے، اسی طرح طواف کے لئے دونوں چیزیں شرط ہوں گی، اسی باب کی فصل اول کی آخری حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "الا لا یحج بعد العام مشرک ولا یطوفن بالبیت عریان" [خبردار! اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ شریف کا حج نہ کرے اور کوئی شخص ننگا طواف کرے۔] اس حدیث شریف میں اسلام اور ستر عورت کو طواف کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اسلام بالاتفاق حج اور طواف کی صحت کے لئے شرط

ہے، تو سترعورت بھی شرط ہونی چاہئے، کیونکہ دونوں باتیں ایک حدیث شریف میں ایک انداز سے بیان کی گئی ہیں۔(اعلاء السنن: ۸۲/ ۱۰)

حنفیہ کی دلیل: قرآن پاک میں ہے "وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ" [اور اس بیت عتیق کا طواف کریں۔] یہاں مطلق طواف کا امر ہے، اس کے ساتھ طہارت اور ستر کی قید نہیں، اور مذکورہ احادیث جن سے طہارت اور ستر کی قید ثابت ہوتی ہے وہ اخبار آحاد ہیں، اور خبر واحد سے ہمارے نزدیک کتاب اللہ کے مطلق حکم کو مقید کرنا صحیح نہیں، کیونکہ تقیید بھی ایک قسم کا نسخ ہے۔ اس لئے ہم نے کتاب اللہ پر نظر کرتے ہوئے مطلق طواف کو (بغیر طہارت اور ستر کی شرط کے) فرض کہا اور اخبار آحاد کی وجہ سے ستر اور طہارت کو واجب قرار دیا، اس طرح آیت اور احادیث دونوں پر عمل ہوگا۔ اور اطلاق کتاب اللہ کا نسخ بھی لازم نہیں آئے گا۔(اعلاء السنن: ۸۷/ ۱۰)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل کے جوابات

(۱)...... حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما میں طہارت اور ستر کے شرط ہونے کی تصریح نہیں ہے، بلکہ تشبیہ سے استدلال کیا گیا ہے، اور یہ استدلال تام نہیں، کیونکہ تشبیہ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ مشبہ تمام اوصاف میں مشبہ بہ کی طرح ہو، اس لئے طواف کو نماز کے ساتھ تشبیہ دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نماز کی تمام شرائط طواف کے لئے بھی ثابت ہوں، چنانچہ نماز کے لئے استقبال قبلہ شرط ہے، لیکن اس حدیث شریف کی وجہ سے طواف کے لئے کسی کے نزدیک بھی استقبال شرط نہیں۔

(۲)...... مذکورہ احادیث اخبار آحاد ہیں، اور اخبار آحاد سے وجوب ثابت ہوسکتا ہے، شرطیت کا ثبوت نہیں ہوسکتا اور وجوب کے ہم بھی قائل ہیں۔(مرقاۃ: ۳۱۹/ ۵)

(۳)...... "الا لایحج بعد العام مشرک" والی حدیث سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا تھا کہ حدیث شریف کے پہلے جملے سے بالاتفاق اسلام کا طواف کیلئے شرط ہونا ثابت کرتے ہیں، تو حدیث کا دوسرا جملہ بھی اسی کے مثل اور قرین ہے، اس سے ستر کی شرط ثابت ہونی چاہئے، اس کا

جواب یہ ہے اسلام کی شرط اس حدیث سے ثابت نہیں کی، بلکہ یہ شرط ان عام دلائل سے ثابت ہے جن سے عبادات کی صحت کیلئے اسلام کا ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے۔(اعلاء السنن: ١٠/٨٧)

تنبیہ

بغیر طہارت اور بغیر ستر کے طواف کرنا بالاتفاق قبیح ہے، اور طہارت اور ستر طواف کے لئے ضروری ہیں، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، اختلاف اس بات میں ہے کہ طہارت اور ستر کس درجہ میں ضروری ہیں؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرط کے درجہ میں ضروری ہیں، اور امام ابوحنیفہ ان کو وجوب کا درجہ دیتے ہیں، شرط ہونے کا انکار کرتے ہیں، شرطیت کے انکار سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام ابوحنیفہ طواف عریاناً اور طواف بغیر طہارت کی قباحت کے منکر ہیں۔(اشرف التوضیح: ٢/٣١٥)

حجر اسود جنت کا پتھر ہے

{٢۴٦٢} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ الْحَجَرُ الْاَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ اَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِيْ آدَمَ۔ (رواہ احمد والترمذی) وَقَالَ: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

حوالہ: مسند احمد ١/٣٠٧، حدیث نمبر: ٢٧٩٦، ترمذی شریف: ١/١٧٧، باب ما جاء فی فضل الحجر الاسود، حدیث نمبر: ٨٧٧۔

حل لغات: اللبن: دودھ، جمع: البان۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ حجر اسود جنت سے اترا ہے اور وہ دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا لیکن بنی آدم کے گناہوں نے اس کو سیاہ کر دیا ہے۔

تشریح: کیا واقعۃً حجر اسود جنت سے نازل ہوا ہے، یا یہ کلام بطور تشبیہ ہے؟ بعض لوگوں نے اسے تشبیہ بلیغ پر محمول کیا ہے کہ حجر اسود برکت، شرافت اور کرامت میں اتنا بڑا ہوا ہے کہ اس دنیا میں پیدا

شدہ چیزوں کی طرح نہیں ہے، بلکہ جنت سے آمدہ اشیاء کی طرح ہے۔لیکن محققین شارحین حدیث کے نزدیک اس حدیث کو تشبیہ پر محمول کرنا صحیح نہیں، بلکہ اس قسم کی تاویلات ظلمت باطن کی علامت ہیں، یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے۔اسے ظاہر پر محمول کرنے سے کوئی استحالہ عقلی وشرعی لازم نہیں آتا، اس لئے اس حدیث شریف کے پیش نظر یہی کہا جائے گا کہ واقعۃً یہ حجر جنت سے نازل ہوا ہے۔

اشکال وجواب

اس حدیث شریف کو حقیقی معنی پر محمول کرنے پر اشکال کیا گیا ہے کہ نصوص سے یہ بات ثابت ہے کہ جنت اور جنت کی اشیاء اس دنیا اور اس میں پیدا شدہ اشیاء سے مختلف ہیں، جنت کی اشیاء زوال وفناء سے محفوظ ہیں اور ان کو آفات نہیں پہنچ سکتیں اور حجر اسود کو آفات پہنچی ہیں، چنانچہ ملاحدہ کے ہاتھوں سے ایک مرتبہ ٹوٹ بھی چکا ہے، جس کے نشانات اب بھی باقی ہیں، اگر یہ واقعۃً جنت سے ہوتا تو آفات سے محفوظ رہتا۔

جواب: جنت کی اشیاء کو جنت میں آفات نہیں پہنچ سکتیں، لیکن دنیا میں آنے کے بعد اس کے حالات متغیر ہوسکتے ہیں اور دنیا کی آفات کے اثرات بھی اس کو پہنچ سکتے ہیں، جیسا کہ جنت میں انسان کو بھوک اور پیاس نہیں لگتی، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام جب تک جنت میں تھے ان کو جوع وعطش کا احساس نہیں ہوا، لیکن دنیا میں آنے کے بعد ان چیزوں کا احساس فرمانے لگے، معلوم ہوا کہ جنت سے دنیا میں آنے کے بعد احوال بدل جاتے ہیں۔

فسودته خطایا بنی آدم: یہ بھی اپنی حقیقت پر محمول ہے اور اس سے مقصود اس پر تنبیہ کرنا ہے کہ گناہ کی نحوست اس حد تک ہے کہ اس کا اثر ایک شئ جامد پر بھی ہو رہا ہے تو خود گناہ گار کے دل کا کیا حال ہوگا۔(اشرف التوضیح:۳۱۶/ ۲)

اشکال مع جواب

اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب بدکاروں کی بدکاری نے اسے سیاہ کر دیا تو نیکوکار لوگوں نے بھی تو

اس کو مس کیا ہوگا، لہٰذا ان کی نیکو کاری اس کو سفید کر دیتی، اور جب کہ نیکو کار اکثر ہیں اور ان کے اندر تمام انبیاء کرام اور جملہ صحابہ حضرت عمر و ابو بکر رضی اللہ عنہم وغیرہ ہیں۔

جواب: یہ ہے کہ نتیجہ ارذل کے تابع ہوتا ہے اور اس سودته کے اندر بھی دونوں احتمال ہیں کہ حقیقۃً تسوید مراد ہے، یا مطلق خطایا کی تقبیح اور ان کے اثر کا بیان کرنا مقصود ہے۔

حجر اسود کی گواہی

{۲۴۶۳} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَجَرِ وَاللهِ لَيَبْعَثَنَّهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهٗ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهٖ يَشْهَدُ عَلٰى مَنِ اسْتَلَمَهٗ بِحَقٍّ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۹۰، باب: ۱۰۹، حدیث: ۹۶۱، ابن ماجہ شریف: ۲۱۱، باب استلام الحجر، حدیث نمبر: ۲۹۴۴، دارمی: ۲/۶۳، باب فی فضل استلام الحجر، حدیث نمبر: ۱۸۳۹۔

حل لغات: یبصر البصر (افعال) دیکھنا۔ لسان: زبان، جمع: السنہ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کے بارے میں فرمایا: خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اٹھائیگا اس حال میں کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی، جن سے وہ دیکھے گا، زبان ہوگی، جس سے وہ بولے گا اور جس شخص نے حق کے ساتھ اس کی تقبیل کی ہوگی، اس کے لئے گواہی دے گا۔

تشریح: جس نے حق کے ساتھ اس کو بوسہ دیا ہوگا، کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے ایمان، صدق اور یقین کے ساتھ اور محض طلب ثواب کی خاطر حجر اسود کو بوسہ دیا ہوگا، قیامت میں وہ اس شخص کے بارے میں گواہی دے گا کہ اس شخص نے مجھے بوسہ دیا تھا۔

یہ حدیث بھی اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے، اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں کہ قیامت کے دن حجر اسود کو بالکل اسی طرح آنکھیں اور زبان عطا ہوں گی، جس طرح ہم انسانوں کو عطا کی گئی ہیں، کیونکہ اللہ رب العزت جمادات میں بینائی اور گویائی پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ اگر خون و گوشت کے

ایک لوتھڑے کو دیکھنے اور بولنے کی قوت دے سکتا ہے تو اسی طرح ایک پتھر کو بھی دیکھنے اور بولنے پر قادر کرسکتا ہے۔

حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوت ہیں

{۲۴۶۴} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اِنَّ الرُّکْنَ وَالْمَقَامَ یَاقُوْتَتَانِ مِنْ یَاقُوْتِ الْجَنَّةِ طَمَسَ اللّٰہُ نُوْرَهُمَا وَلَوْ لَمْ یَطْمِسْ نُوْرَهُمَا لَأَضَاءَ امَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ. (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/ ۱۷۷، ابواب الحج، باب ماجاء فی فضل الحجر الاسود والرکن المقام، حدیث نمبر: ۸۷۸۔

حل لغات: یاقوتتان: یاقوت کا تثنیہ ہے، ایک بیش قیمت پتھر۔ جمع: یواقیت، طمس: طمس (ض) طمسا: بے نور ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو بے نور فرمادیا، اگر اللہ تعالیٰ ان کو بے نور نہ بناتا تو یہ دونوں مشرق ومغرب کی تمام چیزوں کو روشن کردیتے۔

تشریح: ان الرکن: رکن سے مراد حجر اسود ہے۔ (مرقاۃ: ۵/۳۲۰)

والمقام: مقام سے مراد مقام ابراہیم ہے۔ یہ وہ جنتی پتھر ہے، جس پر کھڑے ہوکر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر فرمائی تھی، مطاف میں مشرق کی طرف خانہ کعبہ کے دروازہ کے سامنے ایک جالی دار قبہ میں محفوظ ہے۔

طمس اللہ نورهما: یعنی ان دونوں پتھروں کے نور کو سلب کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ایمان غیب پر رہے۔ (مرقاۃ: ۵/۳۲۰)

استلام وطواف کی فضیلت

{۲۴۶۵} وَعَنْ عُبَیْدِ بْنِ عُمَیْرٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ کَانَ یُزَاحِمُ عَلَی الرُّکْنَیْنِ زِحَامًا مَا رَأَیْتُ اَحَدًا مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُزَاحِمُ عَلَیْہِ، قَالَ: اِنْ اَفْعَلْ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اِنَّ مَسْحَھُمَا کَفَّارَۃٌ لِلْخَطَایَا، وَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ: مَنْ طَافَ بِھٰذَا الْبَیْتِ اُسْبُوْعًا فَاَحْصَاہُ کَانَ کَعِتْقِ رَقَبَۃٍ، وَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ: لَا یَضَعُ قَدَمًا وَلَا یَرْفَعُ اُخْرٰی اِلَّا حَطَّ اللّٰہُ عَنْہُ بِھَا خَطِیْئَۃً وَ کَتَبَ لَہٗ بِھَا حَسَنَۃً۔

(رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/ ۱۹۰، باب: ۱۰۷، حدیث: ۹۵۹۔

حل لغات: یزاحم: زحم (ف) زحما: بھیڑ کرنا۔ الخطایا: جمع ہے خطیئۃ کی بمعنی گناہ۔

ترجمہ: حضرت عبید بن عمیر سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں رکنوں کو ہاتھ لگانے میں جس طرح سبقت کرتے کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کو اس طرح سے سبقت کرتے نہیں دیکھا، نیز وہ فرماتے تھے کہ: اگر میں یہ کرتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ان دونوں کو چھونا گناہوں کے لئے کفارہ ہے، میں نے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص کعبہ کا سات چکر طواف کرے، اور اس کو شمار کرے، تو اس کو غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملتا ہے، نیز میں نے فرماتے ہوئے سنا کہ وہ ایک قدم رکھ کر دوسرا قدم نہیں اٹھاتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو مٹا دیتا ہے اور اس کے لئے نیکیاں لکھ دیتا ہے۔

تشریح: عبید بن عمیر: ان کی پیدائش حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہو چکی تھی، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا بھی تھا، خلاصہ یہ ہے کہ ان کی صحابیت میں اختلاف ہے؛ البتہ تابعی ہونے میں سب کا اتفاق ہے۔

علی الرکنین: مراد حجراسود اور رکن یمانی ہے۔

کفارۃ للخطایا: خطا سے مراد گناہ صغیرہ ہیں، یعنی طواف کے دوران حجراسود کا استلام کرنے سے گناہِ صغیرہ ختم ہوجاتے ہیں۔ البتہ ان کی یہ سبقت اس طرح ہوتی تھی، کہ لوگوں کو کوئی ایذاء نہیں پہنچتی تھی۔

فائدہ: معلوم ہوا حجراسود اور رکن یمانی کے استیلام کی کوشش کرنی چاہئے کہ اس کی خاص فضیلت ہے، جو حدیث پاک میں بیان کی گئی ہے، لیکن یہ کوشش اس طرح ہو کہ کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، اگر استیلام کی صورت میں کسی کو تکلیف پہنچتی ہے تو پھر اس کی اجازت نہیں، چونکہ ایذاء مسلم حرام ہے، اگر کسی کو یا خود کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پھر یہ فضیلت حاصل ہونے کے بجائے الٹا گناہ ہوگا۔ اس لئے اس سے اجتناب بہت ضروری ہے۔

رکنین کے درمیان دعا

{۲۴۶۶} وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ السَّائِبِ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: مَا بَیْنَ الرُّکْنَیْنِ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۶۰، کتاب المناسک، باب الدعاء فی الطواف، حدیث نمبر: ۱۸۹۲۔

حل لغات: رب: پالنہار، جمع: ارباب، حسنة: اچھائی، جمع: حسنات۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن السائب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں رکنوں کے درمیاں کہتے ہوئے سنا: "رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ" [اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما۔]

تشریح: آدمی حجراسود اور رکن یمانی کے درمیان دعا کرے، خاص طور سے اس حدیث شریف میں مذکور دعا کو پڑھے، یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔

طواف میں کیا دعا پڑھنی چاہئے؟

حدیث الباب میں یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ طواف کرتے وقت رکنین یمانین پر جب پہنچتے تھے تو اس وقت "رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً الخ" پڑھتے تھے۔ اس سلسلے میں حج کی جو کتابیں چھپتی ہیں اور حج کے زمانہ میں وہ وہاں تقسیم ہوتی ہیں ان میں طواف کے ہر ہر شوط کی الگ الگ دعائیں لکھی ہیں لیکن ان دعاؤں کا ثبوت حدیث سے نہیں ہے۔ قسطلانی شرح بخاری میں ہے، ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ طواف میں حضور اقدس ﷺ سے کوئی دعا ثابت نہیں، بجز "رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً الخ" کے بین الرکنین الیمانیین۔ پھر وہ آگے لکھتے ہیں: رافعی سے منقول ہے کہ طواف میں قراءت قرآن افضل ہے دعا غیر ماثور سے۔ اور دعاء ماثور افضل ہے تلاوت قرآن سے، اور صاحب ہدایہ لکھتے ہیں: طواف میں ذکر اللہ افضل ہے بنسبت تلاوت کے اور مالکیہ کے نزدیک طواف میں قراءت مکروہ ہے۔ (الدر المنضود: ۳/۲۳۸)

صفا اور مروہ کے درمیان سعی کے مسائل

صفا و مروہ

صفا اور مروہ مکہ معظمہ کی دو پہاڑیاں ہیں، جو اس وقت بالکل مسجد حرام سے مل چکی ہیں، زمانہ جاہلیت میں ان پہاڑیوں پر "اساف" اور "نائلہ" کے نام کے دو بت نصب تھے، اور مشرکین عرب ان کی عبادت کیا کرتے تھے، اسی بناء پر اسلام لانے کے بعد ان لوگوں کو صفا و مروہ پر جانے سے انقباض ہوا، نیز بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انصارِ مدینہ "مشلل" نامی جگہ پر نصب ایک "مناۃ" نامی بت کی پوجا کرتے تھے، اور وہ صفا و مروہ کی سعی کو برا سمجھتے تھے۔ تو ان دونوں خود ساختہ خیالات کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا:

"اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ، فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ

یَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ۔" (البقرہ:۱۵۸)

[بے شک صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں، سو جو کوئی بیت اللہ شریف کا حج یا عمرہ کرے اس پر ان دونوں (صفا و مرہ) کا چکر لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور جو کوئی اپنی خوشی سے کوئی نیکی کرتے تو اللہ تعالیٰ قدر دان ہے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔]

اس آیت نے واضح کر دیا کہ صفا و مروہ شعائر اسلام میں داخل ہیں، اور ان کے مابین سعی کرنا بلا تردد مناسک حج و عمرہ میں شامل ہے، لہٰذا جاہلیت کی فرسودہ باتوں سے ان جگہوں کی حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ (البحر العمیق:۹/۱۲۷۷/۳۔ احکام القرآن للجصاص للرازی:۹۵/۱۔ روح المعانی:۳۷/۲ تفسیر قرطبی:۱۷۸/۱)

حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی یادگار

صفا و مرہ کی سعی دراصل حضرت ہاجرہ (والدۂ حضرت اسماعیل علیہ السلام) کی اس بے تابانہ دوڑ کی یادگار ہے جب وہ اپنے صاحبزادے کی بے قراری دیکھ کر بڑے عجز و نیاز کے ساتھ پانی کی تلاش میں کبھی اس پہاڑی پر جاتی تھیں اور کبھی دوسری پہاڑی پر جاتی تھیں کہ کہیں پانی کا سراغ مل جائے، تا آں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان کی مشکل آسان فرمائی اور فرشتہ کو بھیج کر ماء زمزم کا چشمہ جاری فرمایا، جو بیک وقت غذا، شفا اور سقا تینوں کا کام دیتا ہے۔ (بخاری شریف:۴۷۵/۱ تفسیر ابن کثیر مکمل:۱۲۶)

سعی کرتے ہوئے جذبات کیا رہنے چاہئیں؟

صفا و مروہ کی سعی محض کوئی رسم نہیں، بلکہ ایک اہم ترین عبادت ہے، اس کو انجام دیتے وقت اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر نظر اور اپنی عاجزی اور ذلت کا اظہار ہونا چاہئے۔ مفسر قرآن حضرت علامہ عماد الدین اسماعیل ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فَالسَّاعِيْ بَيْنَهُمَا يَنْبَغِيْ لَهُ اَنْ يَسْتَحْضِرَ فَقْرَهٗ وَذُلَّهٗ وَحَاجَتَهٗ اِلَى اللهِ فِيْ هِدَايَةِ قَلْبِهٖ وَصَلَاحِ حَالِهٖ وَغُفْرَانِ ذَنْبِهٖ وَاَنْ يَلْتَجِئَ اِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ لِيُزِيْحَ مَا هُوَ بِهٖ مِنَ النَّقَائِصِ

وَالْعُيُوْبِ وَاَنْ يَّهْتَدِيَ اِلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ، وَاَنْ يُّثَبِّتَهٗ عَلَيْهِ اِلٰى مَمَاتِهٖ وَاَنْ يُّحَوِّلَهٗ مِنْ حَالِهِ الَّذِيْ هُوَ عَلَيْهِ مِنَ الذُّنُوْبِ وَالْمَعَاصِيْ اِلٰى حَالِ الْكَمَالِ وَالْغُفْرَانِ وَالسَّدَادِ وَالْاِسْتِقَامَةِ كَمَا فَعَلَ بِهَاجَرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا." (ابن کثیر:۱۳۷)

[صفاومرہ کے درمیان سعی کرنے والے کے لئے مناسب ہے کہ وہ اپنی بے مائیگی، ذلت اور اللہ کے سامنے محتاج ہونے کا استحضار کرے اور اپنی قلبی ہدایت اصلاح حال گناہوں کی مغفرت کا خواہاں ہو، اور اللہ تعالیٰ سے اپنے نقائص وعیوب کے ازالہ اور صراط مستقیم کی رہنمائی اور تا زندگی دین پر ثبات قدمی اور گناہوں اور معاصی کی حالت سے مغفرت، اور صلاح وسداد کی حالت کی طرف لوٹانے کی التجا کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ معاملہ فرمایا۔]

بلاشبہ اگر مذکورہ بالا تصور کے ساتھ سعی کی جائے گی تو اس عبادت کا وزن بڑھ جائے گا، اور رحمت خداوندی سعی کرنے والے بندہ کی طرف متوجہ ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ سبھی حجاج ومعتمرین کو "سعی مشکور" سے نوازیں۔ آمین! ذیل میں سعی سے متعلق چند اہم مسائل ذکر کئے جارہے ہیں:

سعی کی شرعی حیثیت

حج میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے۔ "هو ركن عند الثلاثة وواجب عندنا" (غنیۃ الناسک:۱۲۸، تاتارخانیۃ زکریا:۳/۵۰۳، تبیین الحقائق:۲/۲۸۰، اللباب فی شرح الکتاب:۱/۱۷۰، درمختار زکریا:۳/۴۶۹، الحبر العمیق:۳/۱۲۸۲، شرح نقایہ:۱/۱۸۷، ھدای مع الفتح:۱/۴۶۰، خانیۃ:۱/۲۹۲)

سعی نفلی نہیں ہوتی

صفاومرہ کی سعی جب بھی ادا کی جائے گی وہ رکن یا واجب ہی ہوگی، نفلی طور پر سعی کرنا شریعت میں ثابت نہیں ہے۔ "التنفل بالسعي غير مشروع" (غنیۃ الناسک:۱۳۷، مجمع الانھر:۱/۲۷۵، شامی زکریا:۳/۵۱۶، مبسوط سرخسی:۲/۲۵۹، تبیین الحقائق:۲/۲۸۳، معلم الحجاج:۱۵۰)

طواف وسعی کے درمیان فصل

طواف کے فوراً بعد سعی کرنا اگرچہ لازم نہیں ہے، طواف اور سعی کے درمیان لمبے فصل کے باوجود کوئی جزاء لازم نہیں آتی لیکن سنت یہی ہے کہ بلاعذر طواف وسعی کے درمیان فصل نہ کیا جائے اور اگر عذر ہو مثلاً بیماری یا تھکاوٹ ہو جائے تو فصل میں حرج نہیں ہے۔ (الفقه علی المذاهب الاربعة: ۱/۶۵۹، غنیة الناسک: ۱۲۸، البحر الرائق: ۳/۳۳۲، شامی زکریا: ۳/۵۱۴)

سعی شروع کرتے وقت حجر اسود کا استلام

جب سعی کرنے کا ارادہ ہو تو اولاً حجر اسود کا استلام کرے، اس کے بعد سعی کیلئے صفا پہاڑ کی طرف چلے۔

(غنیۃ الناسک: ۱۲۸، تاتارخانیۃ زکریا: ۴۹۳/۳، تبیین الحقائق: ۲۷۶/۲، البحر العمیق: ۱۲۵۳/۳، ہندیۃ: ۲۲۶/۱، ہدایۃ: ۲۴۰/۱، مبسوط سرخسی: ۹/۴)

صفا پر چڑھتے ہوئے کیا پڑھے؟

جب صفا کے قریب پہنچ جائے تو کہے: ”ابدأ بما بدأ الله به“ ”إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ، فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا“ [یعنی میں بھی اپنی سعی اسی مقام سے شروع کرتا ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد ”إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ“ میں اول رکھا ہے، یعنی صفا سے۔] اس کے بعد صفا پہاڑی پر اتنا چڑھے کہ بیت اللہ شریف نظر آنے لگے۔

(غنیة الناسک: ۱۲۸، طحطاوی: ۷۳۴، هدایه: ۱/۲۴۲)

تنبیہ: صفا یا مروہ پر اتنا چڑھنا کافی ہے کہ اگر رکاوٹیں نہ ہوں تو بیت اللہ شریف نظر آنے لگے، لہٰذا ان پہاڑیوں پر اوپر تک چڑھنا خلافِ سنت ہے۔

صفا پر چڑھنے کے بعد کیا کرے؟

جب صفا پر چڑھ جائے تو بیت اللہ شریف کی طرف رخ کرے (خواہ وہ نظر آئے یا نہ آئے) اور

اپنے دونوں ہاتھ دعاء کی طرف کندھوں کے برابر تک اٹھائے (نماز کی طرح نہ اٹھائے) اور اللہ اکبر اور کلمہ طیبہ پڑھے اور خوب دعائیں مانگے، یہ قبولیت کا مقام ہے۔ ”واذا صعد علیہا استقبل البیت ورفع یدیہ حذو منکبیہ جاعلا بطنہما نحو السماء کما للدعاء۔ الی قولہ۔ ویدعو بما شاء لنفسہ وللمسلمین الخ“ (غنیة الناسک: ۱۲۹، اللباب: ۱/۱۷۰، طحطاوی: ۴۳۴، درمختار مع الشامی زکریا: ۳/۵۱۴)

صفا پر چڑھنے کا خاص ذکر

حضرت نبی کریم ﷺ نے صفا پر چڑھنے کے بعد حسب ذیل کلمات کا ورد فرمایا: ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ، اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ“ [اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ اکیلا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے علاوہ کوئی حاکم نہیں وہ یکتا ہے، اس کا کوئی ساجھی نہیں، ہر طرح کی بادشاہت صرف اسی کو زیب دیتی ہے، اور ہر طرح کی خوبیاں صرف اسی کے لائق ہیں، وہی زندگی اور موت کا مالک ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اللہ کے علاوہ کوئی حاکم نہیں اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اور اپنے بندے کی مدد فرمائی، اور اکیلے ہی سب مخالف جماعتوں کو شکست فاش دی۔] (غنیة الناسک: ۱۲۹، بدائع الصنائع زکریا: ۲/۳۴۴، تاتارخانیة زکریا: ۳/۵۰۱، تبیین الحقائق: ۲/۲۶۶، خانیة: ۱/۳۹۳، مناسک ملا علی قاری: ۱۷۱، تبیین الحقائق: ۲/۲۶۶)

میلین اخضرین کے درمیان جھپٹ کر چلنا

جب سعی کرتے ہوئے میلین اضرین (صفا و مروہ کے درمیان وادی کا وہ حصہ جہاں اس وقت چھت میں ہری لائٹیں بطور نشانی لگی ہوئی ہیں) کے پاس پہنچے تو دوڑنے کے انداز میں چلنے کی رفتار تیز کردے، اور ہر چکر میں ایسا ہی کرے۔ (غنیة الناسک: ۱۳۰، ومثلہ فی التاتارخانیة: ۳/۵۰۲، اللباب فی

شرح الکتاب: ۱/۱۷۰، ھدایۃ مع الفتح: ۲/۴۵۸، شرح نقایۃ: ۱/۱۹۸، درمختار زکریا: ۳/۵۱۵، البحر الرائق: ۲/۳۳۳)

سعی کی ایک اہم دعا

بہتر یہ ہے کہ سعی کے دوران اس دعا کا کثرت سے ورد رکھا جائے: "رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَنْ مَّا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ" (غنیۃ الناسک: ۱۲۹، تاتارخانیۃ: ۳/۴۹۶، شرح نقایۃ: ۱/۱۹۸، بدائع الصنائع زکریا: ۲/۳۴۴) [اے میرے رب! میرے ساتھ مغفرت اور رحمت کا معاملہ فرمائیے، اور جو (میری کوتاہیاں) آپ کو معلوم ہیں ان سے درگذر فرمائیے، بے شک آپ سب سے زیادہ عزت اور کرامت والے ہیں۔]

سعی کے ختم پر نفلی نماز

سعی ختم کرنے کے بعد مستحب یہ ہے کہ مسجد حرام میں آکر دو رکعت نماز پڑھے۔ (غنیۃ الناسک: ۱۳۰، ومثلہ فی الدر المختار مع الشامی زکریا: ۳/۵۱۵، خانیۃ: ۱/۲۹۳، فتح القدیر: ۲/۴۶۰، الموسوعۃ الفقہیۃ: ۲۵، مجمع الانھر: ۱/۴۰۵)

سعی کا رکن اصلی

سعی کا رکن یہ ہے کہ سعی صفا اور مروہ کے درمیان کرے، لہٰذا اس سے باہر سعی کرنا درست نہیں ہوگا۔ "واما رکنہ فکونہ بین الصفا والمروۃ فلا یجوز خارج المسعی" (غنیۃ الناسک: ۱۳۱، البحر العمیق: ۳/۱۲۸۷، بدائع الصنائع: ۲/۳۱۹)

جدید مسعیٰ

آج کل سعی کی جگہ پہلے کے مقابلہ میں کئی گنا چوڑی کر دی گئی اور اسے کئی منزلہ بنا دیا گیا ہے، اور

آنے جانے کے راستے الگ کردئے گئے ہیں، تو حکومت کی تحقیق کے مطابق یہ پوری جگہ اصلاً صفاومروہ پہاڑیوں کے بیچ ہی میں ہے، اس لئے وہاں کسی بھی منزل میں سعی بلاتردد درست ہے۔

سعی کی شرطیں

سعی صحیح ہونے کی پانچ شرطیں ہیں:

(۱)...... **بذاتِ خود سعی کرنا:** پہلی شرط یہ ہے کہ بذاتِ خود سعی کرے، چاہے کسی سواری پر سوار ہوکر یا کسی کے سہارے سے ہو، اس میں نیابت نہیں چلتی۔ (غنیۃ الناسک: ۱۳۱، مناسک ملا علی قاری: ۱۷۴)

(۲)...... **سعی کے اکثر چکروں کا پورا کرنا:** دوسری شرط یہ ہے کہ سعی کے ساتھ چکروں میں سے کم از کم چار چکر پورے کرے، لہٰذا اگر کسی نے چار چکر سے کم کئے تو گویا اس نے سعی ہی نہیں کی۔ (غنیۃ الناسک: ۱۳۲، مناسک ملا علی قاری: ۱۷۸)

(۳)...... **سعی سے پہلے احرام باندھنا:** تیسری شرط یہ ہے کہ سعی سے پہلے احرام باندھا ہو، البتہ سعی کرتے وقت احرام کی حالت ہو یا نہ ہو؟ اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وقوفِ عرفہ سے پہلے حج کے لئے سعی کر رہا ہے تو حالت احرام میں سعی کرنا شرط ہے، اور وقوفِ عرفہ کے بعد سعی کر رہا ہے تو اگر حلق یا قصر سے قبل سعی کرے تو احرام شرط ہے، اور اگر حلق کے بعد سعی کرے گا تو احرام شرط نہیں، بلکہ بلا احرام ہی طواف وسعی کرنا افضل ہے۔

(غنیۃ الناسک: ۱۳۲، مناسک ملا علی قاری: ۱۷۴)

(۴)...... **معتبر طواف کے بعد سعی کرنا:** چوتھی شرط یہ ہے کہ معتد بہ یعنی کم از کم طواف کے چار چکر لگانے کے بعد سعی کرے، چاہے وہ طواف حدث یا جنابت کی حالت میں ہی کیوں نہ کیا ہو۔ (غنیۃ الناسک: ۱۳۲، مناسک ملا علی قاری: ۱۷۷)

(۵)...... **وقت کا ہونا:** پانچویں شرط یہ ہے کہ اگر یہ سعی حج کی ہے تو سعی کا وقت یعنی اشہر حج کا شروع ہوجانا، لہٰذا اشہر حج سے پہلے حج کی سعی درست نہیں ہوگی، البتہ حج کی سعی اشہر حج کے بعد بھی ہو

سکتی ہے، گوکہ وہ بلاعذر مکروہ ہے۔ (غنیۃ الناسک: ۱۳۲، مناسک ملاعلی قاری: ۱۷۸)

واجباتِ سعی

سعی میں درج ذیل چھ امور واجب ہیں:

(۱)...... **پاکی کی حالت میں طواف کے بعد سعی کرنا:** اوّل یہ کہ سعی ایسے طواف کے بعد کرے جو جنابت اور حیض سے پاکی کی حالت میں کیا گیا ہو (البتہ جو طواف بے وضو کیا گیا ہو یا بدن اور کپڑے پر نجاست لگی رہنے کی حالت میں کیا گیا ہو اس کے بعد کی سعی معتبر ہوگی، البتہ یہ خلافِ سنت ہوگا۔) (غنیۃ الناسک: ۱۳۳)

(۲)...... **سعی کو صفا سے شروع کر کے مروہ پر ختم کرنا:** سعی کا دوسرا واجب یہ ہے کہ سعی کی ابتداء صفا سے اور انتہاء مروہ پر کی جائے (لہٰذا اگر کسی نے مروہ سے صفا تک پہلا چکر لگایا تو یہ چکر کالعدم ہوگا اور بعد میں صفا سے اس کا اعادہ لازم ہوگا، اگر اعادہ نہ کیا تو دم دینا پڑیگا، کیونکہ ترکِ واجب کا ارتکاب ہوا ہے۔ (غنیۃ الناسک: ۱۳۳، وانظر: ۱۳۲، کمامر)

(۳)...... **پیدل سعی کرنا:** سعی درست ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اگر کوئی عذر نہ ہو تو پیدل سعی کرے، لہٰذا اگر کسی نے بلاعذر سوار ہو کر سعی کی تو اس پر سعی کا لوٹانا لازم ہوگا۔ (غنیۃ الناسک: ۱۳۳، مناسک ملاعلی قاری: ۱۷۸)

(۴)...... **حالت احرام میں عمرہ کی سعی کرنا:** اگر سعی عمرہ کے لئے کر رہا ہے تو حالت احرام میں کرنا واجب ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص عمرہ کی سعی حالت احرام میں نہ کرے تو اس پر دم لازم ہوگا۔ ”الخامس: کونہ فی حالۃ الاحرام فی سعی للعمرۃ الخ“ (غنیۃ الناسک: ۱۳۴، مناسک ملاعلی قاری: ۱۷۸)

(۶)...... **صفا اور مروہ کے درمیان کی پوری مسافت طے کرنا:** سعی درست ہونے کے لئے یہ بھی واجب ہے کہ صفا اور مروہ کے درمیان جتنی مسافت ہے وہ پوری کرے۔

(غنیۃ الناسک: ۱۳۴، مناسک ملاعلی قاری: ۱۷۸)

سعی کی سنتیں

سعی میں درج ذیل چیزیں مسنون ہیں:

(۱)......حجر اسود کا استلام کرنا۔

(۲)......سعی طواف کے فوراً بعد کرنا، ان کے درمیان بلاعذر فصل نہ کرنا۔

(۳)......صفا اور مروہ پر اس قدر چڑھنا کہ بیت اللہ شریف دیکھا جاسکے۔

(۴)......صفا و مروہ پر چڑھ کر بیت اللہ شریف کی طرف رخ کرنا۔

(۵)......ساتوں چکروں کو پے درپے کرنا۔ (اگر چکروں کے درمیان وقفہ کیا مثلاً ایک دن ایک چکر کیا، پھر دوسرے دن دوسرا چکر کیا الخ، تب بھی سعی درست ہو جائے گی لیکن بلاعذر ایسا کرنا مکروہ اور خلافِ سنت ہے۔)

(۶)......حدثِ اکبر یعنی حیض و جنابت وغیرہ سے پاکی کی حالت میں سعی کرنا۔

(۷)......سعی ایسے طواف کے بعد کرنا جو حدثِ اصغر سے، بدن اور کپڑوں کی پاکی کی حالت میں کیا گیا ہو۔

(۸)......میلین اخضرین کے درمیان تیز چلنا۔

(۹)......ستر کا چھپانا۔

"وھی استلام الحجر الاسود، والموالاۃ بینہ وبین الطواف۔ الی قولہ۔ و ستر العورۃ فیہ مع انہ فرض فی کل حال" (غنیۃ الناسک: ۱۳۵، مناسک ملا علی قاری)

سعی کے مستحبات

سعی میں درج ذیل چیزیں مستحب ہیں:

(۱)......نیت کرنا۔ (واضح رہے کہ سعی میں نیت صرف مستحب ہے، ضروری نہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص صفا و مروہ کے چکر بلا نیت بھی لگالے تب بھی اس کی سعی ادا ہو جائیگی۔)

(۲)......دورانِ سعی ذکر و دعاء میں مشغول رہنا اور کثرت سے ذکر و دعاء کرنا۔

(۳)……صفا اور مروہ پر زیادہ دیر تک ٹھہرنا۔

(۴)……اگر سعی کے چکروں کے درمیان تفریق ہوگئی ہو تو از سر نو کرنا۔

(۵)……سعی سے فارغ ہونے کے بعد مسجد حرام میں دو رکعت نماز ادا کرنا۔

"وھی النیة فلو مشی من الصفا والمروة ھار باا و باذ عاا و مشتریا۔ا لی قو له۔واداء رکعتین بعد فراغه منه فی المسجد" (غنیۃ الناسک:۱۳۵، مناسک ملاعلی قاری:۱۸۰)

سعی کے مباحات

سعی میں درج ذیل باتیں مباح ہیں:

(۱)……جائز گفتگو کرنا۔

(۲)……کھانا پینا اس طرح کہ سعی کے چکروں میں اس کی وجہ سے زیادہ فاصلہ نہ ہو جائے۔

(۳)……سعی کے دوران فرض یا جنازہ کی نماز پڑھنے کے لئے جانا۔

"وھی الکلام المباح الذی لا یشغله مما ینبغی فیه الخ"

(غنیۃ الناسک:۱۳۵، مناسک ملاعلی قاری:۱۸۰)

سعی کے مکروہات

درج ذیل چیزیں سعی کے درمیان مکروہ ہیں:

(۱)……بغیر کسی عذر کے سوار ہونا۔

(۲)……سعی کے چکروں میں بہت زیادہ فصل کرنا اگر کوئی عذر نہ ہو۔

(۳)……خرید و فروخت کرنا۔

(۴)……ایسی گفتگو کرنا جو خشوع وخضوع یا ذکر و دعاء اور پے در پے سعی کرنے میں مخل ہو۔

(۵)……صفا اور مروہ پر بالکل نہ چڑھنا۔

(۶)……میلین اخضرین کے درمیان تیز نہ چلنا۔

(۷)......سعی کو ایام نحر سے مؤخر کرنا۔

(۹)......ستر کا نہ چھپانا۔

"فصل فی مکروهاته: وهی الرکوب فیه من غیر عذر، وتفریقه تفریقا کثیرا۔ الی قوله۔ وترک ستر العورة الخ" (غنیة الناسک: ۱۳۶، مناسک ملاعلی قاری: ۱۸۱)

(کتاب المسائل: ج۳)

سعی کا حکم

{۲۴۶۷} وَعَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَتْ اَخْبَرَتْنِيْ بِنْتُ اَبِيْ تُجْرَاةَ قَالَتْ: دَخَلْتُ مَعَ نِسْوَةٍ مِّنْ قُرَيْشٍ دَارَ آلِ اَبِيْ حُسَيْنٍ نَنْظُرُ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَرَأَيْتُهُ يَسْعٰى وَاِنَّ مِئْزَرَهُ لَيَدُوْرُ مِنْ شِدَّةِ السَّعْيِ، وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: اِسْعَوْا فَاِنَّ اللهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ. (رواه فی شرح السنة) وَرَوَى اَحْمَدُ مَعَ اِخْتِلَافٍ.

حوالہ: مسند احمد: ۴۱۱/۳، شرح السنۃ: ۳۱۴/۴، باب السعی بین الصفا والمروۃ، حدیث نمبر: ۱۹۲۱۔

حل لغات: مئزر: تہبند، جمع: مأزر۔

ترجمہ: حضرت صفیہ بنت شیبہ سے روایت ہے کہ مجھے بنت تجرات نے بتایا کہ میں قریش کی عورتوں کے ساتھ آل ابوحسین کے گھر گئی؛ تاکہ ہم حضرت رسول اکرم ﷺ کو دیکھیں، اس وقت آنحضرت ﷺ صفا مروہ کی سعی فرما رہے تھے، چنانچہ میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ سعی فرما رہے تھے، اور آپ کی شدت دوڑ کی وجہ سے آپ کا تہبند گھوم رہا تھا، نیز میں نے آنحضرت ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ آپ لوگ سعی کیجئے: اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں پر سعی کو واجب کیا ہے۔

تشریح: صفیۃ بنت شیبہ: ان کی صحابیت میں کلام ہے، البتہ تابعیت میں وثوق ہے۔

ننظر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ: یہ عورتیں حضرت نبی کریم ﷺ کو دیکھنے اس لئے گئی تھی تاکہ آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر افعال حج یا دوسرے امور سیکھیں۔ (مرقاۃ: ۳۲۲)

فرأیتہ یسعی الخ: صفا مروہ کے درمیان سعی یہ یادگار ہے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی جو پانی کی تلاش میں اس جگہ دوڑی تھیں واقعہ مشہور ہے۔ کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور ان کے شیر خوار بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وادیٔ غیر ذی زرع (جنگل بیابان)

میں جہاں اب مسجد حرام ہے، چھوڑ کر چلے گئے تو جو پانی مشکیزے میں ان کے پاس تھا، جب وہ ختم ہوگیا تو اب وہ پانی کی تلاش میں نکلیں برابر میں صفا پہاڑی تھی اس پر چڑھیں مگر پانی نہ ملا پھر جلدی سے بچے کے فراق میں نیچے اتر کر بھاگی بھاگی بچے کو دیکھنے کے واسطے آئیں، پھر دوبارہ مروہ پہاڑی پر اسی پانی کی تلاش میں چڑھیں، اسی طرح سات بار صفا مروہ پر چڑھی اور اتریں اور ساتویں بار جب بچے کے پاس آئیں تو دیکھتی ہیں کہ بچہ جس جگہ پاؤں کی ایڑیاں رگڑ رہا تھا، وہاں سے اللہ کی رحمت سے پانی کا چشمہ ابل رہا ہے، جس کو زمزم کہتے ہیں۔ الحاصل اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا پسند آئی اور ہمیشہ کے لئے حج میں سعی کی سنت جاری ہوگئی۔

سعی میں تین بحثیں ہیں:

(۱)......حکمہ۔

(۲)......صفا سے مروہ اور پھر مروہ سے صفا یہ دونوں مل کر ایک شوط ہے یا دو شوط ہیں؟

(۳)......بین الصفا والمروہ سعی یعنی دوڑنا ضروری ہے یا مشی بھی جائز ہے؟

بحث اول: سعی بین الصفا والمروہ کے حکم میں اختلاف ہے، اس میں چار قول ہیں: امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے قول مشہور میں سعی رکن ہے۔ "لا یتم الحج الا به اصح الروایتین" عن احمد بھی یہی ہے اور حنفیہ کے یہاں واجبات میں سے ہے، جس کے ترک سے دم واجب ہوتا ہے۔ یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت ہے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نسیاناً ترک کی صورت میں تو دم سے تلافی ہو سکتی ہے۔ عمداً ترک میں نہیں یہی عطا کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک سنت ہے۔ وھو روایۃ عن احمد (لامع وفتح الباری) دلیل وجوب مسند احمد کی روایت ہے، حبیبہ بنت ابی تجراہ مرفوعاً روایت کرتی ہیں، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سعی فرما رہے تھے: "کتب علیکم السعی فاسعوا" [تمہارے اوپر سعی فرض کر دی گئی، پس تم سعی کرو۔] نیز حدیث مسلم "ما اتم اللہ حج امرأ ولا عمرته لم یطف بین الصفا والمروۃ" (عون)

بحث ثانی: صفا سے مرہ ایک شوط شمار ہوتا ہے، اور پھر مروہ سے واپسی صفا پر یہ دوسرا شوط ہے۔ ھکذا عند الجمھور خلافا لبعض الشافعیہ والطحاوی من الحنفیۃ۔ ان کے نزدیک صفا سے مروہ اور پھر مروہ سے صفا دونوں مل کر ایک شوط ہے۔

بحث ثالث: بطن وادی (یعنی دونوں پہاڑیوں کے درمیان کا وہ حصہ جو ہموار ہے، جس میں اتار اور چڑھائی نہیں، اور جہاں سے چڑھائی شروع ہو وہاں سعی مستحب نہیں ہے، بلکہ مشی، اگرچہ آج کل تقریباً سارا ہی حصہ ہموار کر دیا گیا، اسی لئے بطن وادی میں دو نشان لگا دئے گئے ہیں، جن کو میلین اخضرین کہتے ہیں۔) میں سعی یعنی دوڑنا اولیٰ و مستحب ہے، اگر کوئی شخص بجائے سعی کے مشی اختیار کرے تو بالاتفاق جائز ہے، صرف خلافِ اولیٰ ہے۔

(الدر المنضود: ۳/۲۴۴، مرقاۃ: ۵/۳۲۲)

سعی کیسے کرے؟

{۲۴۶۸} وَعَنْ قُدَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمَّارٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ عَلٰى بَعِيْرٍ لَا ضَرَبَ وَلَا طَرَدَ وَلَا اِلَيْكَ اِلَيْكَ. (رواه فی شرح السنۃ)

حوالہ: شرح السنہ: ۳/۴۱۲، باب السعی بین الصفا والمروۃ، حدیث نمبر: ۱۹۲۲۔

حل لغات: طرد: طرد (ن) طردا، دور کرنا۔

ترجمہ: حضرت قدامہ بن عبداللہ بن عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صفا مروہ کی سعی سواری پر کرتے ہوئے دیکھا، نہ مارنا تھا اور نہ ہانکنا تھا، دور کرنا تھا اور نہ ہٹو بچو کی آوازیں تھیں۔

تشریح: ضرب کے معنی مارنا، طرد کے معنی ہیں دھکے دینا اور الیک اسم فعل ہے، بمعنی "تنح" "ایک طرف ہٹ جا" مطلب یہ ہے کہ جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سعی فرمارہے تھے، تو اس وقت اپنا راستہ صاف کرنے کے لئے اور اظہار شان کی خاطر نہ تو وہاں لوگوں کو مارا جارہا تھا، نہ دھکے دئے جا

رہے تھے اور نہ ہی ہٹو بچو کا شور تھا۔

اس میں ان امراء اور سلاطین پر تعریض ہے جن کے خدام ان کے لئے راستہ صاف کرنے کے لئے لوگوں کو مارتے بھی ہیں اور ان کو دھکیلتے ہیں اور ہٹو بچو کی آوازیں لگاتے ہیں۔(مرقاۃ: ۳/۲۱۲)

فائدہ: معلوم ہوا کہ امراء وسلاطین کو ان سب چیزوں سے اجتناب کرنا چاہئے۔

طواف میں اضطباع

{۲۴۶۹} وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ بِالْبَيْتِ مُضْطَبِعًا بِبُرْدٍ أَخْضَرَ۔

(رواه الترمذی وابوداؤد وابن ماجة والدارمی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۷۴، باب ماجاء ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم طاف مضطبعا الخ، حدیث نمبر: ۸۵۹، ابوداؤد شریف: ۱/۲۵۹، باب الاضطباع فی الطواف، حدیث نمبر: ۱۸۸۳، ابن ماجہ: ۲۱۲، باب الاضطباع، حدیث نمبر: ۲۹۵۴، دارمی: ۲/۶۵، باب الاضطباع فی الرمل، حدیث نمبر: ۱۸۴۳۔

حل لغات: مضطبعا: اضطبع (افتعال) بازو ظاہر کرنا، داہنی بغل سے چادر کو نکال کر بائیں کاندھے پر ڈالنا۔ برد: چادر، جمع: برٗد۔

ترجمہ: حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کا طواف اس حال میں کیا کہ آپ سبز چادر سے اضطباع کئے ہوئے تھے۔

طواف میں اضطباع

تشریح: لغت میں ضبع کے دو معنی آتے ہیں:

(۱)...... وسط العضد یعنی بازو کا درمیان والا حصہ۔

(۲)...... ماتحت الابط یعنی بغل کا نچلا حصہ۔

طواف میں اضطباع کے معنی ہیں کہ چادر کو اس طرح سے اوڑھنا کہ اسے دائیں بغل کے

نیچے سے نکال کر بائیں کاندھے پر ڈال لیا جائے۔

اضطباع اور رمل دونوں اسی طواف میں مسنون ہیں، جس کے بعد سعی ہو، لیکن فرق یہ ہے کہ اضطباع پورے طواف میں سنت ہے، جب کہ رمل صرف تین اشواط میں مسنون ہے، یہ بات ذہن میں رہے کہ اضطباع سنن طواف میں سے ہے، سنن احرام میں سے نہیں ہے، اس لئے طواف کے علاوہ باقی اوقات میں اضطباع نہیں کرنا چاہئے، بعض لوگ جو ابتداء احرام ہی سے اضطباع اختیار کر لیتے ہیں، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، بلکہ نماز کی حالت میں اضطباع مکروہ ہے۔

(طیبی: ۵/۲۷۷، مرقاۃ: ۳/۲۱۲، نفحات التنقیح: ۳/۲۳۵)

اضطباع کرنا سنت ہے

{۲۴۷۰} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابَهٗ اِعْتَمَرُوْا مِنَ الْجِعِرَّانَةِ فَرَمَلُوْا بِالْبَيْتِ ثَلَاثًا وَجَعَلُوْا اَرْدِيَتَهُمْ تَحْتَ اٰبَاطِهِمْ ثُمَّ قَذَفُوْهَا عَلٰى عَوَاتِقِهِمُ الْيُسْرٰى۔

(رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۵۹، باب الاضطباع فی الطواف، حدیث نمبر: ۱۸۸۴۔

حل لغات: رملوا: رَمَلَ (ن) رملًا: کندھوں کو ہلاتے ہوئے چلنا۔ اردیۃ: جمع ہے رداء کی، بمعنی چادر۔ اباط: جمع ہے ابط کی بمعنی بغل۔ عواتق: جمع ہے عاتق کی بمعنی کندھا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے جعرانہ سے عمرہ کیا، تو طواف میں تین مرتبہ رمل کیا اور اپنی چادر کو بغل کے نیچے سے نکال کر اپنے کندھوں پر ڈال لیا۔

تشریح: الجعرانۃ: میقات حج وعمرہ میں سے ایک ہے جو مکہ مکرمہ سے سب سے زیادہ قریب ہے۔

فرملوا بالبیت ثلاثا: مراد شروع کے تین چکر ہیں، یعنی رمل شروع کے تین چکروں میں سنت ہے۔

﴿الفصل الثالث﴾

استلام حجر اسود و رکن یمانی کی اہمیت

{۲۴۷۱} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ مَا تَرَکْنَا اِسْتِلَامَ ھٰذَیْنِ الرُّکْنَیْنِ الْیَمَانِیِّ وَالْحَجَرِ فِیْ شِدَّۃٍ وَلَا رَخَاءٍ مُنْذُ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَلِمُھُمَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَھُمَا: قَالَ نَافِعٌ: رَأَیْتُ ابْنَ عُمَرَ یَسْتَلِمُ الْحَجَرَ بِیَدِہٖ ثُمَّ قَبَّلَ یَدَہٗ وَقَالَ مَا تَرَکْتُہٗ مُنْذُ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَفْعَلُہٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۱۸، باب الرمل فی الحج والعمرۃ، حدیث نمبر: ۱۵۸۲، مسلم شریف: ۱/۴۱۲، باب استحباب استلام الرکنین الخ، حدیث نمبر: ۱۲۶۸۔

حل لغات: رخاء: فراخی۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم نے ان دونوں رکنوں؛ یعنی رکن یمانی اور حجر اسود کا استلام نہ بھیڑ میں چھوڑا نہ چھیڑ میں، جب سے میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا استلام کرتے دیکھا ہے۔ نیز بخاری ومسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ حجر اسود کو ہاتھ سے چھوتے تھے، اور پھر اس ہاتھ کو چومتے تھے، اور فرماتے تھے کہ جب سے میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کرتے ہوئے دیکھا ہے میں نے کبھی اس کو ترک نہیں کیا۔

تشریح: رکن یمانی اور حجر اسود کا استلام تو بالاتفاق مسنون ہے، ان کے علاوہ بیت اللہ شریف کے باقی کونوں کا بھی استلام ہے یا نہیں؟

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بیت اللہ کے تمام کونوں کا

استلام کرنا چاہئے، جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات پر متفق ہیں کہ استلام صرف حجر اسود اور رکن یمانی کا مسنون ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں یہ اختلاف تھا بعد میں تمام امت کا اتفاق ہے کہ استلام صرف رکنین کا مسنون ہے۔

حجر اسود کے استلام کے ساتھ تقبیل بھی بالاتفاق مسنون ہے۔ رکن یمانی کے استلام کے ساتھ تقبیل مسنون ہے یا نہیں؟

فقہ حنفی کی ظاہر الروایہ یہ ہے کہ تقبیل مسنون نہیں اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ تقبیل مسنون ہے۔ فقہاء حنفیہ میں سے بعض نے ظاہر الروایۃ کو ترجیح دی ہے اور بعض نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکن یمانی کی تقبیل فرمائی، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت ہی نہیں، یا ضعیف ہے۔ حاکم نے اس حدیث شریف کی تصحیح کی ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حاکم کی تصحیح پر اعتماد کرتے ہوئے یہ کہنا چاہئے کہ تقبیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، لیکن یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ نہیں تھی، کبھی کبھار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقبیل فرمائی ہے۔ (مرقات: ۲۱۲/ ۳، شامی: ۱۸۴/ ۲، اشرف التوضیح: ۳۱۸/ ۲)

ضروری تنبیہ: بعض لوگ حجر اسود کی تقبیل کے لئے بہت زیادہ دھکا مکی کرتے ہیں، بھیڑ میں گھستے ہیں، بعض دفعہ خود اپنے آپ کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے، بعض دفعہ دوسروں کو ایذا پہنچ جاتی ہے، بعض دفعہ اسی بھیڑ میں عورتیں بھی ہوتی ہیں، ان کے ساتھ اختلاط ہوتا ہے، بعض دفعہ عورتوں کے بدن کے ساتھ بدن ملجاتا ہے، یہ سب چیزیں گناہ کی ہیں، ایسی حالت میں حجر اسود کی تقبیل میں کوئی ثواب نہیں ملتا بلکہ گناہ ہوتا ہے، اس لئے ان چیزوں سے سخت اجتناب کرنا چاہئے۔

عذر کی وجہ سے سواری پر طواف کرنا

{۲۴۷۲} وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ شَكَوْتُ اِلٰى

رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنِّیْ اَشْتَكِیْ، فَقَالَ طُوْفِیْ مِنْ وَّرَاءِ النَّاسِ وَاَنْتِ رَاكِبَةٌ، فَطُفْتُ وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ اِلیٰ جَنْبِ الْبَیْتِ یَقْرَأُ بِالطُّوْرِ وَ كِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۲۱، باب المریض یطوف راکباً، حدیث نمبر: ۱۶۰۶، مسلم شریف: ۱/۴۱۳، باب جواز الطواف علی بعیر، حدیث نمبر: ۱۲۷۶۔

حل لغات: شکوت: شکی (ن) شکایۃ، شکایت کرنا۔ اشتکی (افتعال) بیمار ہونا۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم ﷺ سے شکایت کی کہ میں بیمار ہوں، تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم لوگوں کے پیچھے سواری پر طواف کرلو، چنانچہ میں نے طواف کیا، اور جناب نبی کریم ﷺ بیت اللہ کے قریب سورۂ طور کی تلاوت کرتے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔

طواف ام سلمہ رضی اللہ عنہا راکباً

تشریح: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے کسی عذر مرض وغیرہ کی وجہ سے آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر طواف راکباً کیا، یہ طوافِ وداع تھا۔ ۱۴ / ذی الحجہ کا واقعہ ہے، اور آنحضرت ﷺ کی یہ نماز صبح کی نماز تھی، آنحضرت ﷺ منیٰ سے نکلنے کے بعد محصب میں ٹھہرے، پھر وہاں سے اخیر شب میں مکہ مکرمہ طواف وداع کے لئے تشریف لائے اور صبح کی نماز بھی ادا فرمائی: جس وقت آنحضرت ﷺ صبح کی نماز ادا فرمارہے تھے، عین اسی وقت ام سلمہ رضی اللہ عنہا طواف کررہی تھیں، نماز بیت اللہ شریف کے بالکل متصل ہو رہی تھی، اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا طواف راکباً لوگوں کے پیچھے کررہی تھیں، تاکہ تباعد عن الرجال اور تستر حاصل ہو، نیز یہ کہ سواری سے کسی نماز کو اذیت نہ پہنچے۔

اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہے کہ راکباً طواف بلا عذر کے جائز ہے یا نہیں، جمہور کے نزدیک عذر کی وجہ سے بالاتفاق جائز ہے، اور بلا عذر کی صورت میں مختلف اقوال ہیں:

(۱)......امام احمد کی روایت ہے کہ ناکافی ہے، دوسری روایت امام احمد کی ہے کہ جائز ہے مع الدم، یہی

امام مالک کا قول ہے۔

(۲)......کافی ہے، دم واجب ہوگا، اور جب تک مکہ مکرمہ کے اندر مقیم ہے اعادہ واجب ہے۔

(۳)......کافی ہے، دم واجب نہیں ہے، یہ امام احمد کی ایک روایت اور امام شافعی کا مذہب ہے۔ ہمارا مسلک بھی یہی ہے۔ تفصیل ما قبل میں گذر چکی۔

حجر اسود کو بوسہ کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خطاب

{۲۴۷۳} وَعَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ وَيَقُوْلُ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ مَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ وَلَوْلَا اَنِّيْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۱۷، باب ما ذکر فی الحجر الاسود، حدیث نمبر: ۱۵۷۳، مسلم شریف: ۱/۴۱۳، باب استحباب تقبیل الحجر الاسود الخ، حدیث نمبر: ۱۲۷۰۔

حل لغات: اعلم: علم (س) علماً، جاننا، تنفع: نفع (ف) نفعا: فائدہ پہنچانا، تضر: ضر (ن) ضرا، نقصان پہنچانا۔

ترجمہ: حضرت عابس بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حجر اسود کو چومتے ہوئے دیکھا، وہ کہہ رہے تھے کہ میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ تو نفع پہنچا سکتا ہے، نہ نقصان، اور اگر میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرا بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں تجھے نہ چومتا۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حجر اسود کو بوسہ دینا امر تعبدی ہے، اس کی علت ہمیں نہیں معلوم، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تقبیل فرمائی ہے، ہم فقط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں تقبیل کرتے ہیں۔ (مرقاۃ: ۵/۳۲۵)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا مقصد یہ تھا کہ بعض نو مسلم جو پتھروں کی عبادت سے مانوس تھے، وہ اس عمل کو دیکھ کر کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ حجر اسود نفع اور ضرر کا مالک ہے، اس لئے آپ رضی اللہ عنہ نے یہ ارشاد فرما کر سمجھا دیا کہ یہ پتھر بذاتِ خود نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی کسی

کو نقصان پہچانے کی طاقت رکھتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ موسم حج میں یہ بات عام ہو کر مختلف شہروں کو پہنچ جائے، اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی ترغیب بھی ہے کہ ہم یہ عمل صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور اتباع کی وجہ سے کرتے ہیں۔ (طیبی: ۵/۲۷۸)

نیز اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ بات کسی بھی صاحب عقل پر مخفی نہیں ہے، چاہے کافر ہی کیوں نہ ہوں پتھر بذاتِ خود نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نقصان، پھر بھی یہ کفار جو پتھر سے بنائے گئے بتوں کی تعظیم اور عبادت کرتے ہیں اور یہ زعم فاسد اور اعتقاد باطل رکھتے ہیں کہ یہ بت ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کریں گے، ان کے اس اعتقاد باطل پر ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل اور برہان نہیں ہے، اس کے برخلاف مسلمان اگر بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم کی بناء پر ہے اور اگر حجر اسود کی تقبیل کرتے ہیں تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی بناء پر ہے۔ (نفحات التنقیح: ۳/۳۳۶، مرقاۃ: ۳/۲۱۳)

اشکال مع جواب

اس حدیث شریف پر اشکال ہے کہ ایک روایت کے اندر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے کھڑے تھے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تو اس پر انہوں نے فرمایا: کہ اے عمر یہ تو نافع ہے، وہ یہ کہ حق کے ساتھ استلام کرنے والے کو جنت کے اندر داخل کرائے گا، اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے، لہٰذا اب اس حدیث شریف کا جواب یہ ہے کہ ابتداءً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے علم کے اعتبار سے فرما دیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: مرقاۃ: ۳/۲۱۴۔

رکن یمانی پر دعا اور فرشتوں کی آمین

{۲۴۷۴} وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وُكِّلَ بِهٖ سَبْعُوْنَ مَلَكًا يَعْنِیْ الرُّكْنَ الْيَمَانِیَّ فَمَنْ قَالَ

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ، رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ" قَالُوْا: آمِیْنَ. (رواہ ابن ماجة)

حوالہ: ابن ماجہ شریف: ۲۱۲، باب فضل الطواف، حدیث نمبر: ۲۹۵۷۔

حل لغات: ملکا: فرشتہ، جمع: ملائک، حسنة: بھلائی، جمع: حسنات۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہاں یعنی رکن یمانی پر ستر فرشتے متعین ہیں، تو جو شخص یہ دعا پڑھے: "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ، رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ" [اے اللہ! میں دنیا وآخرت میں معافی اور عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ اے ہمارے پروردگار! ہم کو دنیا کی بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما۔ اور جہنم کے عذاب سے ہماری حفاظت فرما۔] فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔

تشریح: رکن یمانی کے پاس دعا کرنی چاہیے، وہاں دعا قبول ہوتی ہے۔

وکل بہ سبعون ملکا الخ: رکن یمانی کے پاس ستر فرشتے متعین ہیں۔

قالوا آمین: ان فرشتوں کا کام دعا کرنے والے کی دعا پر آمین کہنا ہے۔

طواف کے دوران ذکر کی فضیلت

{۲۴۷۵} وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ طَافَ بِالْبَیْتِ سَبْعًا وَلَا یَتَكَلَّمُ اِلَّا "بِسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" مُحِیَتْ عَنْهُ عَشْرُ سَیِّئَاتٍ وَ كُتِبَ لَهٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَرُفِعَ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَمَنْ طَافَ فَتَكَلَّمَ وَهُوَ فِیْ تِلْكَ الْحَالِ خَاضَ فِی الرَّحْمَةِ بِرِجْلَیْهِ كَخَائِضِ الْمَاءِ بِرِجْلَیْهِ. (رواہ ابن ماجة)

حوالہ: ابن ماجہ شریف: ۲۱۲، باب فضل الطواف، حدیث نمبر: ۲۹۵۸۔

حل لغات: محیت: محی (ن) محیا، مٹانا۔ خاض: خاض (ن) خوضاً، داخل ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے سات مرتبہ خانہ کعبہ کا طواف کیا اور "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہِ" کے علاوہ کچھ کلام نہیں کیا، تو اس کے دس گناہ معاف کئے جاتے ہیں، اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کے دس درجات بلند ہوتے ہیں، اور جس شخص نے ان کلمات کو کہتے ہوئے طواف کیا، تو وہ پانی میں داخل ہونے کی طرح دریائے رحمت میں داخل ہوگیا۔

تشریح: من طاف بالبیت سبعا: مراد ایک طواف کے سات چکر ہیں۔ (مرقاۃ: ۵/۳۲۷)

محیت عنہ عشر سیئات الخ: یعنی یہ فضائل یا تو ہر کلمے کے عوض میں ملتے ہیں یا یہ کہ ان تمام کلمات کہنے پر ہی یہ مقام حاصل ہوتا ہے۔ (مرقاۃ: ۵/۳۲۷)

فائدہ: معلوم ہوا طواف کے دوران ذکر میں مشغول اور دنیوی باتیں نہ کرنا افضل و بہتر ہے۔

باب الوقوف بعرفة

وقوفِ عرفہ کا بیان

رقم الحدیث: ۲۴۷۶ر تا ۲۴۸۶ر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب الوقوف بعرفة

وقوفِ عرفہ کا بیان

''عرفہ'' ایک مخصوص جگہ کا نام ہے، جس کے حدود اربعہ معروف ومشہور ہیں، اور یہ زمان کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے کہ ذی الحجہ کی نو تاریخ کو یوم عرفہ کہتے ہیں، اور عرفات جمع کے صیغہ کے ساتھ بھی اسی مخصوص جگہ کو کہتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ یہ جمع باعتبار اطراف اور جوانب کے ہو۔

وقوف عرفہ ارکانِ حج میں سے رکن اعظم ہے، اس کے بغیر حج ادا نہیں ہوتا، اس لئے میدان عرفہ میں یوم عرفہ نو تاریخ کو زوال آفتاب سے لے کر مغرب تک حجاج کے لئے قیام کرنا ضروری ہے، ویسے وقوف عرفہ کا وقت یوم عرفہ کے زوال آفتاب سے لے کر یوم نحر کے طلوع صبح صادق تک ہے، اس پورے وقت میں اگر وقوف عرفہ ہو جائے تو حج ہو جائے گا اور وقوف کے اس میدان سے گذرنا بھی کافی ہے، اگر چہ یہ علم نہ بھی ہو کہ یہ عرفات ہے، جیسے بیہوشی یا نوم کی حالت میں خبر نہیں ہوتی اور اگر یہ سارا وقت گذر گیا اور حاجی عرفات نہیں گیا تو حج فوت ہو گیا، پھر اس کا کوئی کفارہ اور فدیہ نہیں ہوسکتا۔

حدیث شریف میں **"الحج عرفة"** آیا ہے۔ یعنی حج اصل وقوف عرفہ ہے اور یہ فرض ہے اور وقوف مزدلفہ واجب ہے، وقوفِ عرفہ کے ترک ہو جانے پر حج فوت ہو جائے گا اور اس کا کوئی بدل نہیں ہے، اور وقوفِ مزدلفہ کے فوات پر ادائے دم سے تدارک ہوسکتا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں قریش مکہ وقوف مزدلفہ میں کیا کرتے تھے۔ اور **"نحن حمام بيت الله"** کہہ کر کہ ہم بیت اللہ شریف کے کبوتر ہیں، اور حرم کے مجاور ہیں اس لئے حدودِ حرم سے باہر نکلنا پسند نہیں کرتے

تھے، مزدلفہ حدود حرم کے اندر ہے، جب کہ عرفات حدود حرم سے باہر ہے، قریش یہ حیلہ کر کے مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے اور وہیں سے واپس آتے تھے اور مقصود اس سے فخر وغرور اور اپنی شان کو عام لوگوں سے ممتاز کرنا تھا، اس لئے کہ عام لوگ وقوف عرفہ ہی میں کرتے تھے، اور اسلام نے بھی یہی حکم دیا کہ عرفہ ہی میں وقوف کیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ**" یعنی تم سب کو خواہ قریش ہوں یا غیر قریش، ضروری ہے کہ اسی جگہ ہو کر واپس آؤ جہاں اور لوگ جا کر وہاں سے واپس آتے ہیں۔ (نفحات التنقیح: ۳/۳۳۷)

عرفات کی وجہ تسمیہ

عرفات کی وجہ تسمیہ سے متعلق متعدد اقوال ہیں:

(۱)...... یہ ہے کہ حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام جب جنت سے اتر کر اس دنیا میں آئے تو دونوں کی ملاقات اسی جگہ ہوئی تھی اور تعارف ہوا تھا، اسی مناسبت کی بناء پر اس جگہ کا نام عرفہ پڑ گیا۔

(۲)...... دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مناسک حج کی یہاں تعلیم دیا کرتے تھے، اور ایک ایک نسک کے بعد پوچھتے، **عرفتَ**؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام جواب میں فرماتے: **عرفتُ**۔ دونوں کے سوال و جواب میں اس کلمہ کا استعمال اس جگہ کی وجہ تسمیہ بن گیا۔

(۳)...... تیسرا قول یہ ہے کہ یہ مکان بہت ہی معظم اور مشہور ہے، گویا تعارف کرانے سے قبل معروف ہے۔

(۴)...... چوتھا قول یہ ہے کہ اس جگہ میں بندے عبادت اور دعاؤں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتے ہیں، ان تمام صورتوں میں عرفہ معرفت سے مشتق ہے۔

(۵)...... بعض نے کہا: کہ یہ عرف بسکون الراء سے مشتق ہے، جس کا استعمال عام طور پر رائحہ طیبہ کے لئے ہوتا ہے، چونکہ منیٰ میں ذبائح کی وجہ سے رائحہ کریہہ ہوتی ہے، اس کے

مقابلہ میں اس جگہ کو عرفہ کہا گیا، کیونکہ یہاں منی سے دور ہونے کی وجہ سے وہ رائحہ کریہہ نہیں ہے۔ (التعلیق:۲۱۹/۳)

(۶)......بعض نے کہا: عرفہ اعتراف سے ماخوذ ہے چونکہ بندہ اس جگہ اپنے معاصی اور اپنی بندگی کا اعتراف کرتا ہے اس لئے عرفہ کہتے ہیں۔

(۷)......بعض نے کہا: بندے اس میدان میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کا اعتراف کرتے ہیں۔ اس لئے اس کو عرفہ کہتے ہیں۔ (نفحات التنقیح:۳۳۸/۳)

عرفات کا جائے وقوع

عرفات کا میدان مکہ معظمہ وسط شہر سے مشرقی جانب تقریباً پچیس کلو میٹر دور حدودِ حرم سے باہر واقع ہے۔ (حاشیۃ البحر العمیق:۱۴۹۹/۳)

اور مؤرخِ مکہ شیخ محمد کردی کی تحقیق کے مطابق مسجد حرام سے مسجد نمرہ تک کی مسافت ۲۱ رکلو میٹر ہے، اور ''مسجد نمرہ'' سے ''مسجد صخرات'' (جبل رحمت کے قریب وہ مقام جہاں پیغمبر علیہ السلام نے وقوف فرمایا تھا) ۳ رکلو میٹر ہے۔ (حاشیۃ البحر العمیق:۱۴۱۶/۳)

گویا مسجد حرام سے جبل رحمت (عرفات) تک کی مسافت ۲۴ رکلو میٹر ہوئی۔

عرفات کی حدودِ اربعہ

عرفات کے شمال میں وادیٔ وصیق، مغرب میں وادیٔ عرنہ (اسی میں مسجد نمبرہ کا اگلا حصہ واقع ہے) ہے، اس وادی کی لمبائی پانچ ہزار میٹر ہے، جو عرفات اور حدودِ حرم میں حد فاصل ہے، اور جنوب اور مشرق میں پہاڑی سلسلہ ہے، جن کا اندرونی حصہ عرفات میں شامل ہے۔ (حاشیۃ البحر العمیق:۱۵۰۲/۳)

آج کل حکومت نے حدودِ عرفہ کی پہنچان کے لئے بڑے بڑے پیلے بورڈ لگا رکھے ہیں، ان کو ملحوظ رکھ کر ہی عرفات میں قیام کرنا چاہئے۔

عرفات میں زوال سے پہلے کی مصروفیات

عرفات پہنچ کر وقت ضائع نہ کرے، بلکہ زوال تک دعا، درود شریف اور ذکر وتلبیہ میں مشغول رہے، اور اگر کھانے پینے یا آرام کی ضرورت ہو تو زوال سے پہلے پہلے ان چیزوں سے نمٹ لے، تاکہ زوال کے بعد پوری توجہ کے ساتھ وقوف کیا جاسکے۔ **(غنیة الناسک: ۱۴۸، البحر العمیق: ۱۵۳۶/۳)**

عرفات میں ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی پڑھنے کی شرائط

سنت یہ ہے کہ جو حجاج عرفات میں میدان میں ''مسجد نمرہ'' میں امام الحج کے ساتھ نماز پڑھیں، وہ ظہر اور عصر دونوں اکٹھی ادا کریں گے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان دونوں نمازوں کو اکٹھا پڑھنے کی شرائط درج ذیل ہیں:

(۱)......حج کا احرام۔

(۲)......جماعت۔

(۳)......حکومت کی طرف سے مقرر کردہ امام۔

(۴)......ظہر کا عصر پر مقدم ہونا۔

(۵)......ظہر کے وقت میں عصر پڑھنا۔

(۶)......جگہ عرفات کا میدان یا اس کے قریب ہونا۔

مذکورہ بالا شرائط میں سے اگر کوئی بھی شرط مفقود ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عرفات میں ظہر اور عصر کو جمع کر کے پڑھنا جائز نہ ہوگا، بلکہ دونوں نمازوں کو اپنے اپنے وقت میں پڑھنا ضروری ہوگا۔ **"فجملة الشروط ستة...، ولو فقد شرط منها یصلی کل صلاة فی الخیمة علی حدة فی وقتها بجماعة او غیرها"**

(غنیة الناسک: ۱۵۳، ومثله فی الشامی زکریا: ۵۲۰/۳، سکب الانهر: ۴۰۷/۱، البحر الرائق کوئٹه: ۳۳۷/۲)

خیموں میں مقیم حجاج نمازیں کس طرح پڑھیں؟

حنفیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق چوں کہ عرفات کے میدان میں خیموں میں ٹھہرنے والے حجاج سرکاری امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھ پاتے (جو جمع بین الصلوتین کی منجملہ شرطوں میں سے ایک ہے) لہٰذا وہ خیمہ میں رہتے ہوئے ظہر کی نماز ظہر کے وقت میں اور عصر کی نماز عصر کے وقت میں پڑھیں گے۔ **"ولو فقد شرط منها یصلی کل صلوة فی الخیمة علیحدة فی وقتها بجماعة او غیرها"** (غنیة الناسک: ۱۵۳، ومثله فی التاتارخانیة: ۵۰۷/۳، درمختار مع الشامی زکریا: ۵۲۱/۳، هندیة: ۲۲۸/۱)

وقوفِ عرفات معتبر ہونے کی شرائط

۹ر ذی الحجہ کو وقوفِ عرفات حج کا رکن اعظم ہے، اس کے معتبر ہونے کے لئے تین شرطیں پائی جانی ضروری ہیں:

(۱)......حج صحیح کا احرام۔ (لہٰذا اگر بغیر احرام کے وقوف کیا، یا حج فاسد کے ساتھ وقوف کیا، تو ایسا وقوف معتبر نہ ہوگا۔)

(۲)......عرفات کی شرعی حدود میں قیام۔ (لہٰذا اگر عرفات سے باہر کسی حصہ میں مقیم رہا تو اس کا وقوف صحیح نہ ہوگا۔)

(۳)......وقت۔ (اس کی ابتداء نوی ذی الحجہ کے زوال سے ہوتی ہے، اور اس کا آخری وقت دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق ہے، اس درمیان جو حاجی کچھ دیر کے لئے بھی حدودِ عرفات سے گذر جائے، اس کا فرض ادا ہوجائیگا۔) **"وهی ثلاثة: الاول: الاحرام بحج صحیح غیر فائت ولا فاسد، والثانی: المکان وهو عرفات، والثالث: والوقت، وهو اوله زوال الشمس یوم عرفة وآخره طلوع الفجر الثانی من یوم النحر"** (غنیة الناسک: ۱۵۷، وهکذا تستفاد من الشامی زکریا: ۵۲۲/۳، البحر الرائق: ۳۳۹/۲)

فرض وقوف کی مقدار

حاجی کے لئے وقت کے اندر رات یا دن میں کسی بھی وقت حدودِ عرفات میں ٹھہرنا یا گذرنا فرض ہے، لہٰذا ۹؍ذی الحجہ (یوم عرفہ) کے زوال کے بعد سے ۱۰؍ذی الحجہ (یوم النحر) کی صبح صادق کے درمیان جوشخص (شرائط کے ساتھ) حدودِ عرفات میں ٹھہرے یا گذر جائے، خواہ جاگتے ہوئے ہو یا سوتے ہوئے ہو، ہوش میں ہو یا بے ہوشی میں ہو، سواری پر ہو یا پیدل ہو، حتیٰ کہ وقوف کی نیت ہو یا نہ ہو، بہر صورت اس کا فرض ادا ہو جائے گا۔ **"فالقدر المفروض من الوقوف هو كينونته بعرفة في ساعة من هذا الوقت"** **(بدائع الصنائع: ۳۰۵/۲، البحر المعیق: ۱۵۱۳/۳، البحر الرائق کوئٹہ: ۳۳۹/۲، درمختار مع الشامی زکریا: ۵۲۲/۳)**

وقوفِ واجب کی مقدار

وقوفِ عرفات میں واجب یہ ہے کہ عرفہ کا دن گذار کر آنے والی رات کا کچھ حصہ ضرور عرفات میں گذارا جائے، بریں بنا اگر وقوفِ عرفات دن میں کیا تو زوال کے بعد سے جب بھی عرفات میں داخل ہو تو غروبِ شمس کے بعد تک حدودِ عرفات میں رہنا واجب ہوگا۔ **"واما قدر الواجب فيه ان وقف نهارا، فحد الوقوف من الزوال بل من حين وقف الى تغرب الشمس"** **(غنیۃ الناسک: ۱۵۹، ہندیۃ: ۲۲۹/۱، البحر الرائق کوئٹہ: ۳۳۹/۲، درمختار مع الشامی زکریا: ۵۲۴/۳)**

"الوقوف المعتدر كنا هو الوقوف بالنهار او بالليل الا ان الواجب هو الوقوف بجزء من الليل لا محالة" **(البحر العمیق: ۱۵۱۴/۳)**

رات میں وقوفِ عرفات

نویں ذی الحجہ کا دن گذار کر رات میں وقوفِ عرفات بھی معتبر ہے، اور اس میں وقت کے اعتبار

سے کوئی تحدید نہیں ہے، یعنی پوری رات ٹھہرنا اس پر ضروری نہیں، بلکہ تھوری دیر بھی اگر وقت پایا جائے تو فرض ادا ہو جائے گا، اور اس پر کوئی جنایت بھی لازم نہ ہوگی۔ **"واما اذا وقف لیلا فلا واجب فی حقه حتی لو وقف ساعة لایلزمه شیئ"** (غنیة الناسک:۱۵۹، شامی زکریا:۳/۴۷۰)

وقوفِ عرفات کی سنتیں

وقوفِ عرفات میں درج ذیل اعمال مسنون ہیں:

(۱)……غسل کرنا۔

(۲)……امام کا ظہر اور عصر سے پہلے دو خطبے دینا۔

(۳)……ان دونوں خطبوں کا زوال کے بعد نمازوں سے پہلے ہونا۔

(۴)……ظہر اور عصر کی نمازیں ملا کر ظہر کے وقت میں پڑھنا۔

(۵)……نماز کے بعد بلا کسی تاخیر کے وقوف کا اہتمام کرنا۔

(۶)……غروب کے بعد عرفات سے امام کے نکلنے کے بعد ہی نکلنا۔

(۷)……غروب ہونے کے بعد عرفات سے روانہ ہونے میں بلا عذر تاخیر نہ کرنا۔ (البتہ اگر عذر کی وجہ سے تاخیر ہو تو حرج نہیں) **"واما سننه فالغسل للوقوف والخطبتان الخ"**

(غنیة الناسک:۱۶۰، ھندیة:۱/۲۲۹، البحر الرائق کوئٹه:۲/۳۳۹، مناسک ملا علی قاری ؒ:۲۰۶)

وقوفِ عرفات کے مستحبات

وقوفِ عرفات میں مستحب ہے کہ تلبیہ، تکبیر، کلمہ طیبہ، دعا، تلاوتِ قرآن اور درود شریف کی کثرت رکھی جائے، اور جس جگہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے وقوف فرمایا، اس کے قریب وقوف کیا جائے۔ **"واما مستحباته: فالاکثار من التلبیة والتکبیر والتهلیل الخ"** (غنیة الناسک:۱۶۰، **مناسک ملا علی قاری ؒ:۲۰۶، ھندیة:۱/۲۲۹، البحر الرائق کوئٹه:۲/۳۴۰)**

جبل رحمت پر چڑھنا کوئی فضیلت کی بات نہیں

بہت سے لوگ عرفات میں ''جبل رحمت'' پر چڑھ کر وقوف کرنے کو باعث فضیلت سمجھتے ہیں، اور اس جگہ کو عرفات کی دیگر جگہوں سے افضل خیال کرتے ہیں، چنانچہ اس پہاڑی پر حاجیوں کی بھیڑ کی بھیڑ نظر آتی ہے، حالانکہ یہ خیال اور عمل قطعاً غلط ہے، اس پہاڑی پر چڑھنے کی کوئی فضیلت معتبر دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ (غنیۃ الناسک: ۱۶۰، البحر العمیق: ۱۵۲۷/ ۳، شامی زکریا: ۵۲۲/ ۳، البحر الرائق کوئٹہ: ۳۴۰/ ۲)

غروب سے قبل اپنی جگہ سے روانہ نہ ہوں

بہتر یہ ہے کہ جب تک سورج غروب نہ ہو جائے، میدانِ عرفات میں اپنی قیام گاہ سے چلنا شروع نہ کریں، البتہ غروب کے بعد بلا عذر دیر نہ کریں۔ **''ولا یتوجه قبل الغروب وان لم یجاوز حدود عرفة''** (غنیۃ الناسک: ۱۶۱، مناسک ملا علی قاری رحمہ اللہ: ۲۰۸) (کتاب المسائل: ج ۳)

﴿الفصل الاول﴾

عرفہ میں تلبیہ وتکبیر

{۲۴۷۶} وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِيْ بَكْرٍ الثَّقَفِيِّ اَنَّهُ سَأَلَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ وَهُمَا غَادِيَانِ مِنْ مِنًى اِلٰى عَرَفَةَ كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ فِيْ هٰذَا الْيَوْمِ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: كَانَ يُهِلُّ مِنَّا الْمُهِلُّ فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ وَيُكَبِّرُ الْمُكَبِّرُ مِنَّا فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حواله: بخاری شریف: ۱/۲۲۵، باب التلبية والتكبير اذا غدى من منى ا لخ، حدیث نمبر: ۱۶۳۰، مسلم شریف: ۱/۴۱۶، باب التلبية والتكبير في الذهاب من منى الخ، حديث نمبر: ۱۲۸۵۔

حل لغات: غاديان: غدا (ن) غدوا، صبح کے وقت جانا۔

ترجمه: حضرت محمد بن ابو بکر ثقفی سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس وقت دریافت کیا جب وہ دونوں صبح کے وقت منی سے عرفہ جارہے تھے کہ آپ لوگ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس دن میں کیا کرتے تھے؟: تو انہوں نے کہا: ہم میں سے تلبیہ کہنے والا تلبیہ کہتا تھا، اور اس کو اس سے منع نہیں کیا جاتا تھا، اور ہم میں سے تکبیر کہنے والا تکبیر کہتا تھا اور اس کو اس سے منع نہیں کیا جاتا تھا۔

تشريح: محمد بن ابی بکر ثقفی: ثقیف طائف میں ایک قبیلے کا نام ہے، اسی قبیلے کی طرف منسوب ہو کر یہ ثقفی کہلاتے ہیں۔

غاديان: مراد صبح کے وقت جانا۔

كان يهل منا المهل الخ: اهلال کا معنی تلبیہ پڑھنا، مہل تلبیہ پڑھنے والا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض عرفات

میں وقوف کے وقت تلبیہ پڑھتے تھے، اور بعض تکبیر پڑھتے تھے، ان میں سے کسی پر روک ٹوک نہیں ہوتی تھی۔ حضور اقدس ﷺ کی تقریر اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سکوتی سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ وقوف عرفہ میں تلبیہ اور تکبیر دونوں جائز ہیں، اسی طرح باقی اذکار بھی جائز ہیں، یہ جواز کی بحث ہے، وقوف عرفہ میں تلبیہ پڑھنا مسنون ہے۔ حاجی کا تلبیہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب سے احرام باندھا اور یوم النحر کو جمرۂ عقبہ کی رمی تک رہتا ہے، جمرۂ عقبہ کی رمی پر تلبیہ ختم ہو جاتا ہے۔ (مرقاة: ۳۲۵/ ۵، اشرف التوضیح: ۳۱۹/ ۲)

مقامات وقوف

{۲۴۷۷} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: نَحَرْتُ هٰهُنَا وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ فَانْحَرُوْا فِيْ رِحَالِكُمْ وَوَقَفْتُ هٰهُنَا وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَوَقَفْتُ هٰهُنَا وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۴۰۰، باب حجة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر: ۱۲۱۸۔

حل لغات: رحال: جمع ہے رحل کی، بمعنی قیام گاہ، **وقفت: وقف (ض) وقوفاً،** ٹھہرنا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے تو یہاں قربانی کی ہے؛ ویسے پورا منی قربان گاہ ہے، اس لئے تم لوگ اپنی قیام گاہ میں قربانی کرلو، میں نے یہاں وقوف کیا ہے؛ حالانکہ پورا عرفہ وقوف کی جگہ ہے اور میں یہاں وقوف کیا، جب کہ پورا مزدلفہ وقوف کی جگہ ہے۔

تشریح: قال نحرت ههنا والمنى كلها منحر: منحر اسم ظرف کا صیغہ ہے، نحر (قربانی) کی جگہ، موقف وقوف کی جگہ، جمع مزدلفہ کا علم ہے، مزدلفہ کو جمع اس لئے کہتے ہیں کہ یہاں لوگ جمع ہوتے ہیں، اور مزدلفہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ ازدلاف سے مشتق ہے، اس کے معنی ہیں قریب ہونا، اور یہ جگہ منیٰ کے قریب ہے۔

منی میں جہاں حضور اقدس ﷺ نے نحر فرمایا ہے وہ مسجد خیف کے قریب ہے، اور عرفات میں صخرات کے قریب وقوف فرمایا، اور مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس وقوف فرمایا تھا، حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ منیٰ کی جگہوں میں سے جہاں میں نے قربانی کی ہے وہ جگہ قربانی کے لئے مخصوص نہیں، بلکہ منیٰ میں جہاں قربانی کرلو صحیح ہے، اور عرفات اور منیٰ میں جہاں میں نے وقوف کیا ہے وہ جگہ وقوف کے لئے ضروری نہیں، عرفات اور مزدلفہ میں سے جہاں وقوف کرلو صحیح ہے۔ (اعلاء السنن: ۱۲۴/۱۰)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ عرفات اور منیٰ میں سے ہر جگہ وقوف صحیح ہے، لیکن دوسری احادیث میں عرفات میں سے بطن عرنہ اور مزدلفہ میں سے وادیٔ محسر میں وقوف سے منع فرمایا گیا ہے۔ (ایضاً)

اس لئے ان دو جگہوں میں وقوف سے بچنا چاہئے، ان دو جگہون میں وقوف کیا تو حنفیہ کے اصح قول کے مطابق وقوف نہیں ہوگا۔ (ھدایہ: ۲۰۹/۱، مرقاۃ: ۳۳۱/۵، شامی: ۱۹۱/۲، اشرف التوضیح: ۳۲۰/۲)

یوم عرفہ کی فضیلت

{۲۴۷۸} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ يَّوْمٍ اَكْثَرَ مِنْ اَنْ يُّعْتِقَ اللهُ فِيْهِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ مِنْ يَّوْمِ عَرَفَةَ وَإِنَّهٗ لَيَدْنُوْا ثُمَّ يُبَاهِيْ بِهِمُ الْمَلَائِكَةَ فَيَقُوْلُ مَا اَرَادَ هٰؤُلَاءِ؟۔ (مسلم شریف)

حوالہ: مسلم شریف: ۴۳۶/۱، باب فضل یوم عرفۃ، حدیث نمبر: ۱۳۴۸۔

حل لغات: یعتق: اعتق (افعال) آزاد کرنا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایسا کوئی دن نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ بندے کو عرفہ کے دن سے زیادہ آگ سے آزاد کرتا ہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بندوں کے قریب ہوتا ہے اور حجاج پر فخر کرتے ہوئے

فرماتا ہے کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟

تشریح: قال مامن یوم اکثر من ان یعتق اللہ فیہ الخ: مراد یہ ہے کہ یوں تو اللہ تعالیٰ گاہ بگاہ جہنمیوں کو آزاد کرتا ہی رہتا ہے، ان میں یوم عرفہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن جتنا لوگوں کو جہنم سے آزاد فرماتے ہیں اور کسی دن میں اتنا آزاد نہیں فرماتے۔

و انہ لیدنو: مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دن بندوں پر فضل اور رحم کرتا ہے۔ اور اپنے فضل و کرم اور رحمت و مغفرت کے اعتبار سے بندوں کے بہت قریب ہوتا ہے۔

الفصل الثانی

موقف عرفات

{۲۴۷۹} وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ خَالٍ لَهٗ يُقَالُ لَهٗ يَزِيْدُ بْنُ شَيْبَانَ قَالَ: كُنَّا فِيْ مَوْقِفٍ لَنَا بِعَرَفَةَ يُبَاعِدُهٗ عَمْرٌو مِنْ مَوْقِفِ الْإِمَامِ جِدًّا فَأَتَانَا ابْنُ مِرْبَعٍ الْأَنْصَارِيُّ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ، فَقَالَ: إِنِّيْ رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اليكم، يَقُوْلُ لَكُمْ: قِفُوْا عَلٰى مَشَاعِرِكُمْ فَإِنَّكُمْ عَلٰى إِرْثٍ مِنْ إِرْثِ أَبِيْكُمْ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

(رواه الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجة)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۷۷، باب ماجاء فی الوقوف بعرفات، حدیث نمبر: ۸۸۳، ابوداؤد شریف: ۱/۲۶۶، باب موضع الوقوف بعرفة، حدیث نمبر: ۱۹۱۹، نسائی شریف: ۲/۳۶، باب رفع الیدین فی الدعاء بعرفة، حدیث نمبر: ۳۰۱۷، ابن ماجه شریف: ۲۱۶، باب الموقف بعرفات، حدیث نمبر: ۳۰۱۱۔

حل لغات: مشاعر: جمع ہے مشعر کی، بمعنی ارکان حج ادا کرنے کی جگہ۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن عبد اللہ بن صفوان اپنے ماموں سے جن کا نام یزید بن شیبان تھا، روایت کرتے ہیں کہ ہم میدان عرفات میں اس جگہ ٹھہرے ہوئے تھے، جو ہمارے لئے متعین تھی، جسے عمرو امام کے موقف سے بہت دور بتاتے تھے، اتنے میں ابن مربع انصاری نے ہمارے پاس آ کر کہا: میں حضرت رسول اکرم ﷺ کا قاصد ہوں، تمہارے لئے یہ پیغام ہے کہ تم لوگ اپنے مشاعر میں ٹھہرے رہو، اس لئے کہ تم لوگ اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی میراث پر قائم ہو۔

تشریح: مضمون حدیث یہ کہ یزید بن شیبان رضی اللہ عنہ جو کہ صحابی ہیں، وہ فرماتے ہیں جس وقت حجۃ الوداع میں ہم عرفات میں ٹھہرے ہوئے تھے، تو ہمارے پاس ابن مربع انصاری (**قیل اسمہ زید وقیل یزید وقیل عبد اللہ**) آئے اور انہوں نے آ کر فرمایا: میں حضور اقدس ﷺ کا بھیجا ہوا آیا ہوں، اور آنحضرت ﷺ کا یہ پیام لایا ہوں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم لوگ جس جگہ

ٹھہرے ہوئے ہو وہیں ٹھہرے رہو، اس لئے کہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث پر ہو، یعنی ان کے طریقہ پر اور تمہارا یہ وقوف ان کی سنت کے مطابق ہے۔

سوال یہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات کیوں فرمائی؟

اس کی وضاحت کیلئے راوی نے ایک جملہ حدیث میں مدرج کیا: **"فی مکان یباعده عمرو عن الامام"** عمرو سے عمرو بن عبداللہ مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عمرو بن عبداللہ کہتے ہیں جس جگہ یہ لوگ عرفات میں وقوف کر رہے تھے وہ جگہ امام کے موقف سے دور تھی، امام ان سے کافی فاصلہ پر تھا، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی تسلی اور تطییب خاطر کے لئے یہ بات کہلانے کی ضرورت پیش آئی۔

دراصل عرفات بہت طویل وعریض میدان ہے، اس میں کسی بھی جگہ وقوف کیا جائے درست ہے، عرفات میں وقوف کے لئے خیمے پہلے سے نصب کئے جاتے ہیں، ان حضرات نے اپنے خیمے ایسی جگہ لگائے ہوں گے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے موقف سے دور تھی، اور پھر بعد میں وہاں سے منتقل ہونے میں ظاہر ہے کہ حرج تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی کے لئے آدمی بھیج کر یہ بات کہلوائی کہ جہاں تم ہو وہیں ٹھہرے رہو، امام ہی کے قریب وقوف کرنا کوئی ضروری نہیں اور اصل تو اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اتباع ہے، سو بحمد اللہ وہ حاصل ہے، بخلاف قریش کے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کے خلاف مزدلفہ میں وقوف کیا کرتے تھے، جو شرعاً معتبر نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فائدہ: سبحان اللہ! کس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کی دلداری فرماتے تھے۔ (عون، الدر المنضود: ۲۶۶/۳، التعلیق: ۲۲۱/۳)

پورا عرفہ موقف ہے

{۲۴۸۰} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كُلُّ عَرَفَةَ مَوْقِفٌ وَكُلُّ مِنٰى مَنْحَرٌ وَكُلُّ الْمُزْدَلِفَةِ مَوْقِفٌ وَكُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ طَرِيْقٌ وَمَنْحَرٌ۔ (رواه ابوداؤد والدارمی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲۶۸/۱، باب الصلوة بجمع، حدیث نمبر: ۱۹۳۷، دارمی: ۷۹/۲،

باب عرفة کلہا موقف، حدیث نمبر: ۱۸۷۹۔

حل لغات: فجاج: جمع ہے فج کی، بمعنی گلی۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پورا عرفہ موقف ہے، پورا منیٰ قربان گاہ ہے، پورا مزدلفہ موقف ہے، اور مکہ مکرمہ کی ہر گلی راستہ اور قربان گاہ ہے۔

تشریح: کل عرفة موقف: یعنی عرفہ کا پورا میدان حاجیوں کے ٹھہرنے کی جگہ ہے، جہاں چاہے ٹھہرے درست ہے۔

وکل منی منحر: مراد یہ ہے کہ پورے منیٰ میں حجاج جہاں چاہیں قربانی کریں۔

وکل فجاج مکة طریق ومنحر: اس میں اس بات کا جواز بتلایا ہے کہ حجاج مکہ مکرمہ کے جس راستے سے چاہیں داخل ہو سکتے ہیں؛ اگرچہ بعض راستے سے داخل ہونا افضل ہے، ایسے ہی حدود حرم میں جہاں چاہیں قربانی کرنے کی گنجائش ہے، البتہ منیٰ میں قربانی کرنا افضل ہے۔ (مرقاۃ: ۵/۳۳۰)

عرفہ کا خطبہ

{۲۴۸۱} وَعَنْ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ عَرَفَةَ عَلٰى بَعِيْرٍ قَائِمًا فِي الرِّكَابَيْنِ۔ (رواه ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۶۵، باب الخطبة بعرفة، حدیث نمبر: ۱۹۱۸۔

حل لغات: الرکابین: زین کا وہ حصہ جس پر سوار اپنا پیر رکھتا ہے، جمع: رکب۔

ترجمہ: حضرت خالد بن ہوذہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرفہ کے دن اونٹ کے اوپر دونوں رکابوں پر کھڑے ہو کر تقریر کرتے ہوئے دیکھا۔

خطب الحج کی تعداد وتعیین مع اختلاف ائمہ

تشریح: خطب الحج کی تعداد میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک تین ہیں، ان

تاریخوں میں ۷ر ذی الحجہ، ۹ر ذی الحجہ، ۱۱ر ذی الحجہ۔ اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک خطبے چار ہیں، ان تاریخوں میں: ۷ر ۹ر ۱۰ر ۱۲ر اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین ہیں، پہلا ۸ر ذی الحجہ کو دوسرا، ۹ر ذی الحجہ کو۔ تیسرا ۱۰ر ذی الحجہ کو۔ (الدر المنضود: ۲۶۵/۳)

فائدہ: (۱)...... اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ سواری پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا جائز ہے۔

(۲)...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ دینا سواری پر اس لئے تھا تا کہ دور اور نزدیک والے سب سنیں اور منتفع ہوں۔ اور خطبہ سننے میں کسی کو دشواری نہ ہو۔

یوم عرفہ کی دعا

{۲۴۸۲} **وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ وَخَيْرُ مَا قُلْتُ اَنَا وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ قَبْلِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (رواه الترمذی) وَرَوٰى مَالِكٌ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ اِلٰى قَوْلِهٖ لَا شَرِيْكَ لَهٗ۔**

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۹۹/۲، ابواب الدعوات، باب فی دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتعوذہ، حدیث نمبر: ۳۵۸۵۔

حل لغات: النبیون: جمع ہے نبی کی، بمعنی پیغمبر۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے والد اور اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یوم عرفہ کی دعا سب سے بہترین دعا ہے اور ان میں وہ دعا سب سے بہتر ہے جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام نے کی ہے، یعنی "**لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ**"

تشریح: حجاج کو عرفہ کے دن یہ دعا کرنی چاہئے؛ اس لئے کہ یہ ایک جامع اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی پسندیدہ دعا ہے۔

خير الدعاء دعاء يوم عرفة: یوں تو ہر وقت کی دعا اہم ہے، لیکن یوم عرفہ کی دعا کی ایک خاص اہمیت ہے۔

وخير ما قلت انا والنبيون من قبلي: مراد یہ ہے کہ یوم عرفہ میں حجاج کو اس حدیث شریف میں مذکور دعا کا خاص اہتمام کرنا چاہئے۔ اسلئے کہ یہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی پسندیدہ دعا ہے۔

عرفہ کے دن شیطان کی رسوائی

{۲۴۸۳} وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ كَرِيْزٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا رُؤِيَ الشَّيْطَانُ يَوْمًا هُوَ فِيْهِ أَصْغَرُ وَلَا أَدْحَرُ وَلَا أَحْقَرُ وَلَا أَغْيَظُ مِنْهُ فِيْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَمَا ذَاكَ إِلَّا لِمَا يَرٰى مِنْ تَنَزُّلِ الرَّحْمَةِ وَتَجَاوُزِ اللهِ عَنِ الذُّنُوْبِ الْعِظَامِ إِلَّا مَا رُؤِيَ يَوْمَ بَدْرٍ، فَقِيْلَ مَا رُؤِيَ يَوْمَ بَدْرٍ؟ قَالَ: فَإِنَّهُ قَدْ رَأٰى جِبْرِيْلَ يَزَعُ الْمَلَائِكَةَ۔ (رواه مالك مرسلا وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ۔

حواله: موطا امام مالک: ۴۷، القران، باب ما جاء فی الدعاء، شرح السنة: ۳۲۳/۴، باب فضل یوم عرفة، حدیث نمبر: ۱۹۳۰۔

حل لغات: ادحر: دحر (ف) دحراً، دھتکارنا۔ احقر: حقر (ض) حقراً، بےقدر ہونا۔ اغيظ: غاظ (ض) غيظاً، غصہ پر برانگیختہ ہونا۔ يزع: وزع (ف) وزعا الجيش، ترتیب سے صفوں میں رکھنا۔

ترجمه: حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن کریز رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایسا کوئی دن نہیں ہے جس میں شیطان کو اتنا زیادہ ذلیل و راندہ اور اتنا زیادہ حقیر پر غیظ دیکھا گیا ہو، جتنا کہ وہ عرفہ کے دن ہوتا ہے، یہ اس لئے کہ وہ اس دن رحمت کے نزول اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑے بڑے گناہوں کی معافی دیکھتا ہے؛ البتہ بدر کے دن ایسا دیکھا گیا تھا؛ پوچھا گیا کہ اس نے کیا دیکھا تھا؟ ارشاد فرمایا: کہ اس نے جبرئیل علیہ السلام کو فرشتوں کی صف بندی کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

تشريح: مارؤى الشيطان يوم هو فيه اصغر الخ: مراد یہ ہے کہ عرفہ کے دن شیطان خود کو

بڑا ذلیل اور رسوا محسوس کرتا ہے۔

وماذلک الالمایری من تنزل الرحمة الخ: یعنی شیطان کے خود کو ذلیل اور رسوا محسوس کرنے کی وجہ خدا کی طرف سے رحمت کا نزول اور معافی کا اعلان ہے۔

عن الذنوب العظام: حدیث شریف کے ان کلمات سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دن گناہ کبیرہ بھی معاف کر دیتا ہے۔(مرقاۃ:۵/۳۳۲)

الامارؤی یوم بدر الخ: یعنی جس طریقے سے عرفہ کے دن شیطان اپنے آپ کو ذلیل اور رسوا محسوس کرتا ہے، ایسے ہی ''یوم بدر'' میں کیا تھا، اور اس کی وجہ ملائکہ کا نزول ہے۔

عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ کا حاجیوں پر فخر کرنا

{۲۴۸۴} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ یَوْمُ عَرَفَۃَ اِنَّ اللہَ یَنْزِلُ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا فَیُبَاھِیْ بِھِمُ الْمَلَائِکَۃَ فَیَقُوْلُ: اُنْظُرُوْا اِلٰی عِبَادِیْ اَتَوْنِیْ شُعْثًا غُبْرًا ضَاجِّیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ اُشْھِدُکُمْ اَنِّیْ غَفَرْتُ لَھُمْ فَیَقُوْلُ الْمَلَائِکَۃُ یَا رَبِّ فُلَانٌ کَانَ یُرْھَقُ وَفُلَانٌ وَفُلَانَۃٌ، قَالَ: یَقُوْلُ اللہُ عَزَّ وَ جَلَّ قَدْ غَفَرْتُ لَھُمْ، قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: فَمَا مِنْ یَوْمٍ اَکْثَرُ عَتِیْقًا مِنَ النَّارِ مِنْ یَوْمِ عَرَفَۃَ۔ (رواہ فی شرح السنة)

حوالہ: شرح السنة:۴/۳۲۴، باب فضل یوم عرفة، حدیث:۱۹۳۱،

حل لغات: شعثا: شعث (س) شعثاً، پراگندہ ہونا۔ غبرا: غبر (ن) غبورا، گرد آلود ہونا، ضاجین: ضج (ض) ضجا، چیخنا، زور زور سے بولنا، یرھق: رھق (س) رھقا، برائیوں کا مرتکب ہونا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن آسمان دنیا پر نازل ہو کر فرشتوں کے سامنے حاجیوں پر فخر کرتے ہوئے فرماتا ہے، میرے بندوں کو دیکھو! یہ لوگ میرے پاس پراگندہ بال، گرد آلود اور دور دراز سے چلتے ہوئے

میرے پاس آئے ہیں، میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان سب کو بخش دیا، تو فرشتے کہتے ہیں: اے پروردگار! فلاں شخص گناہ کرتا تھا، اور فلاں مرد اور فلانی عورت بھی گناہ گار ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے: میں نے انہیں بھی بخش دیا، جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایسا کوئی دن نہیں ہے، جس میں اللہ تعالیٰ یوم عرفہ سے زیادہ جہنمیوں کو آزاد کرتا ہو۔

تشریح: ان اللہ تعالیٰ ینزل الی السماء الدنیا: مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔

فیباھی بھم الملائکۃ: مراد آسمان دنیا کے فرشتے ہیں، یا مقربین یا تمام فرشتے، ان تینوں احتمالوں کی گنجائش ہے۔ (مرقاۃ: ۵/۳۳)

"شعث" اشعث کی جمع ہے، اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ جس کے بال پراگندہ ہوں۔

"غبر" اغبر کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں غبار آلود شخص۔

"ضاجین" (بتشدید الجیم) یعنی تلبیہ اور ذکر کے ذریعہ آواز بلند کرنے والے، اور بعض نسخوں میں یہ لفظ حاء مہملہ کی تخفیف کے ساتھ بھی وارد ہے، اور اس صورت میں معنی ہوں گے حرارت شمس کو برداشت کرنے والے۔ **"من کل فج عمیق ای من کل طریق بعید"**

"یرھق" (بتشدید الھاء وفتحہ ویخفف) ارہاق یا ترہیق سے مشتق ہے، اور مجہول کا صیغہ ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ شخص متہم بالسوء اور مرتکب محارم ہے، گویا فرشتوں نے عرض کیا کہ یا اللہ! فلاں اور فلاں اشخاص تو ارتکاب محارم کی طرف منسوب ہیں، ان کی مغفرت کیوں کر ہو رہی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہاں! اس کے باوجود میں نے انہیں معاف کر دیا۔

نزول کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف متشابہات میں سے ہے۔

(مرقاۃ: ۵/۳۳۳ نفحات التنقیح: ۳/۳۳۸)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص تجلی اور خاص رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ میدان عرفات میں پراگندگی ہی مطلوب ہے، اس لئے میدانِ عرفات میں بناؤ سنگار اور زیادہ صفائی ستھرائی کی طرف توجہ نہیں کرنا چاہئے۔

﴿الفصل الثالث﴾

عرفات میں وقوف کا حکم

{۲۴۸۵} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ قُرَيْشٌ وَمَنْ دَانَ دِيْنَهَا يَقِفُوْنَ بِالْمُزْدَلِفَةِ وَكَانَ يُسَمَّوْنَ الْحُمْسَ فَكَانَ سَائِرُ الْعَرَبِ يَقِفُوْنَ بِعَرَفَةَ، فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ أَمَرَ اللّٰهُ تَعَالیٰ نَبِيَّهُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَأْتِيَ عَرَفَاتٍ، فَيَقِفُ بِهَا، ثُمَّ يُفِيْضُ مِنْهَا، فَذَالِكَ قَوْلُهُ عَزَّوَجَلَّ، ثُمَّ أَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۶۴۸، کتاب التفسیر، باب قوله ثم افیضو الأیة، سورۃ البقرۃ، حدیث نمبر: ۴۳۳۵، مسلم شریف: ۱/۴۰۰، باب حجة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر: ۱۲۱۹۔

حل لغات: دان: دان (ن) دنواً، قریب ہونا، الحمس: حمس (س) حمساً، دلیر ہونا، سائر: سئر (س) سئاراً، باقی رہنا یفیض: فاض (ض) فیضاً منتشر ہونا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قریش اور وہ لوگ جو ان کے مذہب سے قریب تھے، مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے اور قریش کو بہادر کہا جاتا تھا، البتہ سارا عرب عرفہ میں ٹھہرتا تھا لیکن جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ میدان عرفات میں آکر وہاں وقوف کریں اور پھر وہاں سے کوچ کریں، یہ اللہ تعالیٰ کے قول "**ثُمَّ أَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ**" کی وجہ سے ہے۔

تشریح: جاننا چاہئے کہ حاجی اولاً مکہ مکرمہ سے منیٰ آتا ہے، پھر وہاں ایک رات ٹھہر کر میدان عرفات جاتا ہے، منیٰ اور عرفات کے درمیان مزدلفہ واقع ہے، جس طرح منیٰ مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے، اسی طرح منیٰ سے مزدلفہ بھی تین میل کے فاصلے پر ہے، پھر اسی طرح مزدلفہ سے آگے

عرفات بھی تین میل پر ہے۔

اس کے بعد سمجھئے کہ منی اور مزدلفہ یہ دونوں تو حد حرم میں داخل ہیں، اور عرفات خارج حرم ہے، اسلام سے پہلے یہ دستور تھا کہ عام لوگ تو وقوف میدان عرفات ہی میں جا کر کرتے تھے لیکن قریش نے اس بارے میں اپنے ساتھ خصوصی وامتیازی برتاؤ کر رکھا تھا، وہ کہتے تھے: **"نحن قطین الله"** یعنی یہ کہ ہم بیت اللہ کے ساکنین اور پڑوسی ہیں، ہمارے تمام کام حج سے متعلق حد حرم ہی میں ہوں گے، چنانچہ وہ وقوف بجائے عرفات کے مزدلفہ میں کرتے تھے اور پھر یہیں سے لوٹ کر منی آجاتے تھے۔

کانت قریش ومن دان دینھا: قریش اور جو لوگ ان کے طور وطریق کو اختیار کرنے والے تھے یعنی ان کے ہم مسلک اور تابع تھے۔

وکانوا یسمون الحمس: قریش کا لقب حمس تھا حمس احمس کی جمع ہے، ماخوذ ہے حماسہ سے جس کے معنی شجاعت کے ہیں، ان کا یہ لقب اس لئے تھا کہ وہ اپنے مذہب اور دین میں متصلب اور پختہ تھے۔

فلما جاء الاسلام امر الله تعالیٰ الخ: یعنی جب اسلام آیا تو اہل اسلام کو یہ ہدایت دی گئی کہ وہ لوگ عرفہ ہی میں وقوف کریں، یہ انبیائے سابقین کا طریقہ ہے، اور یہ لوگ جو عرفہ کے بجائے مزدلفہ میں وقوف کرتے ہیں، قدیم طریقے کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل ترک ہے۔ **متابعة للانبیاء الکرام۔**

ثم یفیض منھا: یعنی وقوف عرفہ کے بعد واپسی کے دوران مزدلفہ میں ٹھہرا جائے، تاکہ ہر اعتبار سے طریق مستقیم پر عمل ہو کر غلط طریقے یکسر ختم ہو جائیں۔

اس کے بعد سمجھنا چاہئے کہ وقوف عرفہ بالاتفاق ارکان حج میں سے ہے، جس کے فوت ہونے سے حج فوت ہو جاتا ہے۔

وقتِ وقوف ابتداءً وانتہاءً نیز مقدار وقوف وجوباً وفرضاً

اب یہ کہ اس کا وقت کب سے کب تک ہے اور کتنی مقدار وقوف کی فرض ہے، دونوں مسئلہ مختلف فیہ ہیں۔ **اما المسئلة الاولیٰ ای وقت الوقوف ابتداءً وانتهاءً فعند الجمهور والائمة الثلاثة**

وقت وقوف **من زوال عرفه الی فجر یوم النحر** ہے۔ (نو تاریخ کو زوال کے وقت سے دس تاریخ کی صبح صادق تک ہے) **وعند الامام احمد من فجر عرفة الی فجر یوم النحر** (ان کے نزدیک نو تاریخ کی صبح صادق سے وقت وقوف شروع ہوجاتا ہے۔)

واما المسئلة الثانية اعنی مقدار الوقوف: پس مقدار وقوف دو ہیں۔ یعنی اس کے دو درجے ہیں، ایک فرض اور ایک واجب، جو مقدار فرض ہے اس میں کمی کرنے سے تو وقوف ہی نہ ہوگا اور جو مقدار واجب ہے اس میں کمی کرنے سے وقوف ناقص ہوگا، پس مقدار واجب حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک امتداد الوقوف من الزوال الی الغروب ہے، یعنی زوال سے لے کر غروب آفتاب تک، مسلسل وہاں ٹھہرنا واجب ہے، گو فرض اس سے کم سے بھی ادا ہوجائے گا، لیکن مقدار واجب یہی ہے۔

اور شافعیہ ومالکیہ کے نزدیک **"الجمع بین اللیل والنہار فی ای وقت منہما"** یعنی کچھ حصہ رات کا اور کچھ دن کا وہاں ٹھہرنا واجب ہے، (شرعاً رات کی ابتداء غروب شمس سے ہوجاتی ہے)، لیکن شافعیہ کے نزدیک اگر صرف دن میں **(بعد الزوال)** یا صرف رات میں وقوف کیا تو فرض وقوف ادا ہو جائے گا اور ترک واجب لازم آئے گا، اور مالکیہ کے نزدیک صرف دن میں وقوف سے فرض ادا نہ ہوگا، ہاں صرف رات میں وقوف سے فرض ادا ہو جائے گا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا وقوف بعد الغروب ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صرف واجب ہے اور مالکیہ کے نزدیک فرض ہے۔ (الدر المنضود: ۳/۲۶۳)

آنحضرت ﷺ کی دعا کی قبولیت اور ابلیس کا واویلا

{۲۴۸۶} **وَعَنْ** عَبَّاسِ بْنِ مِرْدَاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا لِأُمَّتِهٖ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ بِالْمَغْفِرَةِ، فَأُجِيْبَ إِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ مَا خَلَا الْمَظَالِمِ، فَإِنِّيْ اٰخِذٌ لِلْمَظْلُوْمِ مِنْهُ، قَالَ أَيْ رَبِّ إِنْ شِئْتَ أَعْطَيْتَ الْمَظْلُوْمَ مِنَ الْجَنَّةِ وَغَفَرْتَ لِلظَّالِمِ، فَلَمْ يُجَبْ عَشِيَّتَهٗ، فَلَمَّا أَصْبَحَ بِالْمُزْدَلِفَةِ أَعَادَ الدُّعَاءَ فَأُجِيْبَ إِلٰى مَا سَأَلَ، قَالَ: فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ قَالَ: تَبَسَّمَ. فَقَالَ لَهُ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ: بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ! اِنَّ هٰذِهٖ لَسَاعَةٌ مَا كُنْتَ تَضْحَكُ فِيْهَا فَمَا الَّذِيْ اَضْحَكَكَ؟ اَضْحَكَ اللّٰهُ سِنَّكَ. قَالَ: اِنَّ عَدُوَّ اللّٰهِ اِبْلِيْسَ لَمَّا عَلِمَ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدِ اسْتَجَابَ دُعَائِيْ وَغَفَرَ لِاُمَّتِيْ اَخَذَ التُّرَابَ، فَجَعَلَ يَحْثُوْهُ عَلٰى رَأْسِهٖ وَيَدْعُوْا بِالْوَيْلِ وَالثُّبُوْرِ، فَاَضْحَكَنِيْ مَا رَاَيْتُ مِنْ جَزْعِهٖ۔ (رواه ابن ماجة) وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ نَحْوَهٗ۔

حوالہ: ابن ماجہ شریف: ۲۱۶، باب الدعاء بعرفۃ، حدیث نمبر: ۳۰۱۳۔

حل لغات: امتہ: قوم، جمع: امم، شئت: شاء (ف) شیئا: چاہنا، الجنة: باغ، جمع: جنات۔

ترجمہ: حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کی شام اپنی امت کے لئے مغفرت کی دعا مانگی، جسے قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے ظالموں کے علاوہ ان سب کو بخش دیا؛ اس لئے کہ میں ظالم سے مظلوم کا حق لوں گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میرے پروردگار! آپ چاہیں تو مظلوم کو جنت دے کر ظالم کو بخش سکتے ہیں؛ لیکن اس شام کو یہ دعا قبول نہیں ہوئی، البتہ مزدلفہ کی صبح کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کا اعادہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ مانگا سب قبول ہوگیا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے یا مسکرائے، تو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! یہ ایسا وقت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے نہیں تھے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس چیز نے ہنسایا؟ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش وخرم رکھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ کے دشمن ابلیس نے جب یہ جانا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرما کر میری امت کو بخش دیا، تو اس نے مٹی لے کر اپنے سر پر ڈالنا شروع کر دیا اور اس نے عذاب اور ہلاکت کو بلانا شروع کر دیا؛ چنانچہ اس کی بدحواسی دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی۔

تشریح: دعا لامته عشیة عرفة الخ: اس کے اندر اختلاف ہے کہ اس امت کا مصداق کون ہے؟

(۱)...... بعض نے کہا: کہ اس سے وہ مراد ہیں جو واقفین عرفہ ہوں۔
(۲)...... وہ تمام لوگ اس کے اندر داخل ہیں جو قیامت تک وقوف کریں گے، دوسری بات اس حدیث شریف سے یہ معلوم ہوئی کہ حج کرنے سے مظالم تک بھی معاف ہوجاتے ہیں، لیکن اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہے، بعض کے نزدیک معاف نہیں ہوتے، شمس الدین رملی کی رائے ہے کہ سب گناہ اور مظالم معاف ہوجاتے ہیں، حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلی حدیث کے اندر ایک جگہ یہ گذرا کہ حج کرنے سے حاج ایسا ہوجاتا ہے۔ **"کیوم ولدته امه"** [اس دن کے مثل جس دن اس کو اس کی ماں نے جنا تھا۔] فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف سے بھی تائید ہوتی ہے کہ سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اور جو لوگ کہتے ہیں کہ مظالم وغیرہ معاف نہیں ہوتے وہ اس حدیث کے متعلق کہتے ہیں کہ ضعیف ہے۔ ابن الجوزی وغیرہ نے بھی ضعف کا دعویٰ کیا ہے، لیکن ان لوگوں پر علامہ سیوطی اور حافظ رحمہما اللہ نے رد کیا ہے اور اس حدیث شریف کو صحیح قرار دیا ہے، اب یہ کہ مظالم تو حقوق العباد میں سے ہیں، وہ کیسے معاف ہوں گے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ وہ ارضاء کے ساتھ خصم کو خوش کردیں، بعض لوگوں نے کہا کہ مظالم کی دو قسمیں ہیں۔ صغائر۔ کبائر۔ اس سے صغائر معاف ہوتے ہیں، علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے وہ حقوق مراد ہیں جن کو عبد ادا نہیں کرسکتا، ان کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔ (التعلیق: ۳/۲۲۳)

فائدہ: معلوم ہوا کہ مزدلفہ کی رات بھی بطور خاص قبولیت کی رات ہے، اس لئے مزدلفہ میں بھی دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہئے۔
(۲)...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر کمال شفقت کا علم ہوا کہ امت کی معافی کے لئے کس کس طرح دعا فرمائی اور عرفہ میں اگر دعا قبول نہیں ہوئی تو مزدلفہ میں دعا مانگتے رہے، یہاں تک کہ دعا قبول ہوگئی۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

باب الدفع من عرفة والمزدلفة

عرفات اور مزدلفہ سے واپسی کا بیان

رقم الحدیث: ۲۴۸۷/ تا ۲۵۰۰/

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب الدفع من عرفة والمزدلفة

عرفات اور مزدلفہ سے واپسی کا بیان

﴿الفصل الاول﴾

عرفات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی

{۲۴۸۷} وَعَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سُئِلَ اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِيْرُ فِيْ حَجَّةِ الْوِدَاعِ حِيْنَ دَفَعَ؟ قَالَ: كَانَ يَسِيْرُ الْعَنَقَ، فَاِذَا وَجَدَ فَجْوَةً نَصَّ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۲۶، باب السیر اذا دفع من عرفۃ، حدیث نمبر: ۱۶۳۷، مسلم شریف: ۱/۴۱۷، باب الافاضۃ من عرفات الخ، حدیث نمبر: ۱۲۸۶۔

حل لغات: العنق: عنق (س) عنقا: لمبی گردن والا ہونا، اعنق (افعال) تیز چلنا، فجوۃ: دو چیزوں کے درمیان کشادگی، جمع: فجوات، نص: نص (ض) نصا الناقۃ، اونٹنی کا تیز دوڑانا۔

ترجمہ: حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ

سے دریافت کیا گیا کہ حجۃ الوداع میں واپسی کے وقت حضرت رسول اکرم ﷺ کی رفتار کیسی تھی؟ انہوں نے فرمایا: آنحضرت ﷺ تیز چلتے، اور جہاں کشادہ راستہ ملتا وہاں اپنی اونٹنی کو دوڑاتے۔

تشریح: عن هشام بن عروه: عروہ سے مراد عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہیں، بڑے مشہور تابعی ہیں، بلکہ مدینہ منورہ کے سات بڑے فقہاء میں ان کا شمار ہے۔ (مرقاۃ: ۲۲۲/۳)

کیف کان رسول الله صلی الله علیه وسلم الخ: واپسی سے مراد عرفہ سے واپسی ہے، یعنی حضرت نبی کریم ﷺ عرفہ سے جب واپس ہو رہے تھے تو آنحضرت ﷺ کی رفتار کیسی تھی؟

قال کان یسیر العنق الخ: یعنی آنحضرت ﷺ کی رفتار تیز تھی، اور جب آنحضرت ﷺ کو موقع ملتا کہ راستہ کشادہ ہے تو آنحضرت ﷺ اپنی سواری کو دوڑا بھی دیتے تھے۔

راستہ میں حجاج کرام تیز چلیں، تاکہ مقامات مقدسہ میں جلدی جا کر زیادہ سے زیادہ عبادت ودعا کی جاسکے۔ (مرقاۃ: ۲۲۲/۳)

فائدہ: اس سے ڈرائیوری کا ادب معلوم ہو گیا کہ درمیانی رفتار سے گاڑی چلانی چاہیے، البتہ اگر راستہ صاف ہو تو پھر گاڑی تیز دوڑانے میں بھی مضائقہ نہیں، اسی طرح اگر گاڑیوں کا اژدحام ہے تو پھر اسی اعتبار سے گاڑی چلانا چاہئے اور اس کی کوشش کرنا چاہئے کہ نہ ہم سے کسی کو تکلیف پہنچے، نہ کوئی دوسرا ہم کو تکلیف پہنچا سکے۔

رفتار میں طمانینت ہو

{۲۴۸۸} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّهٗ دَفَعَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَرَفَةَ. فَسَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاءَهٗ زَجْرًا شَدِيْدًا وَضَرْبًا لِلْاِبِلِ، فَاَشَارَ بِسَوْطِهٖ اِلَيْهِمْ، وَقَالَ: يَا اَيُّهَا النَّاسُ! عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ فَاِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِالْاِيْضَاعِ. (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۲۶، باب امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالسکینۃ عند الافاضۃ الخ، حدیث نمبر: ۱۶۷۱۔

حل لغات: زجرا: زجر (ن) زجرا، ڈانٹنا، سوط: کوڑا، جمع، اسواط، ایضاع: اوضع

(افعال) البعیر، اونٹ کو تیز دوڑانا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ عرفہ کے دن واپسی میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے اونٹوں کے زور سے ہانکنے مارنے کا شور سنا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کوڑے سے لوگوں کی طرف اشارہ کرکے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اطمینان کے ساتھ چلو؛ اس لئے کہ دوڑانا کوئی نیکی نہیں ہے۔

تشریح: انه دفع مع النبی صلی اللہ علیه وسلم الخ: مراد یہ ہے کہ عرفہ سے مزدلفہ آنے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

فسمع النبی صلی اللہ علیه وسلم الخ: یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے اونٹوں کے ہانکنے اور مارنے کی شدید آواز سنی۔

فاشار بسوطه الیهم وقال الخ: یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سواریوں کو تکلیف دیتے ہوئے دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا: کہ چال میں طمانیت اختیار کی جائے، محض تیز چلنا کوئی نیکی کا کام نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نیکی صرف اپنی سواریوں کو دوڑانے ہی میں نہیں ہے، بلکہ نیکی کا اصل تعلق افعال حج کی ادائیگی اور ممنوعات سے اجتناب اور پرہیز سے ہے۔

حاصل یہ ہے کہ نیکیوں کی طرف جلدی ومسابقت اگرچہ پسندیدہ اور اچھی چیز ہے، لیکن ایسی جلدی ومسابقت پسندیدہ نہیں جو مکروہات تک پہنچا دے، اور جس پر گناہ ہو۔ (مرقاۃ: ۲۲۲/۳)

تلبیہ کب تک مسنون ہے؟

{۲۴۸۹} وَعَنْهُ اَنَّ اُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ كَانَ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ اِلَى الْمُزْدَلِفَةِ، ثُمَّ اَرْدَفَ الْفَضْلَ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ اِلٰى مِنًى، فَكِلَاهُمَا قَالَ: لَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلَبِّيْ حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲۲۸/۱، باب التلبیة والتکبیر غداة النحر الخ، حدیث نمبر: ۱۶۵۷،

مسلم شریف: ۱/۴۱۵، باب استحباب ادامۃ الحاج التلبیۃ الخ، حدیث نمبر: ۱۲۸۰۔

حل لغات: اردف: اردف (افعال) اپنے پیچھے سوار کرنا، **العقبۃ:** گھاٹی، جمع: **عقاب**۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ عرفہ سے مزدلفہ تک حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف تھے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ سے منی تک فضل کو اپنے پیچھے بٹھایا، ان دونوں کا بیان ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمی جمرۂ عقبہ تک برابر تلبیہ پڑھتے رہے۔

تشریح: ان اسامۃ بن زید کان ردف الخ: عرفہ سے مزدلفہ تک حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

ثم اردف الفضل من المزدلفۃ الی منی: مزدلفہ سے منی تک حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

فکلاھما قال لم یزل الخ: رمی جمرۂ عقبہ تک تلبیہ پڑھتے رہنا سنت ہے۔ تلبیہ پڑھنا کب بند کرے؟ اس کی تفصیل آگے آرہی تھے۔

فائدہ: منی پہنچ کر سب سے پہلا عمل جمرۂ عقبہ کی رمی ہے، جو واجب ہے، منی میں تین مخصوص مقام ہیں، جنہیں ''جمرات'' کہتے ہیں، پہلا جمرہ جو مسجد خیف کے نزدیک واقع ہے، اسے جمرۂ اولی، دوسرا جمرہ اس سے آگے ہے، اسے جمرۂ وسطی، اور تیسرا جمرہ جو منی کے اخیر میں ہے، اسے جمرۂ عقبہ کہتے ہیں۔ اس حدیث شریف میں یہی اخیر والا جمرہ مراد ہے۔

مزدلفہ میں جمع بین الصلوتین

{۲۴۹۰} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ جَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِجَمْعٍ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا بِإِقَامَةٍ وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا وَلَا عَلٰى أَثَرِ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۲۷، باب من جمع بینھما الخ، حدیث نمبر: ۱۶۷۳۔

حل لغات: جمع: جمع (ف) جمعا: اکٹھا کرنا، جمع کرنا۔ یسبح: سبح (تفعیل) تسبیح پڑھنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھیں، ان میں سے ہر ایک کے لئے تکبیر کہی تھی، ان دونوں کے درمیان آنحضرت ﷺ نے نہ نفل پڑھی، نہ تسبیح۔

تشریح: جمعِ مزدلفہ کا عَلَم ہے۔ (کما مر) مطلب حدیث پاک کا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو جمع کیا اور دونوں نمازوں کے لئے الگ الگ اقامت کہلوائی، یعنی دو نمازیں دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمائیں۔ حدیث شریف میں دو مسئلے ہیں:

(۱)......مغرب اور عشاء کو جمع کرنا اس مسئلہ پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ مغرب اور عشاء کو عشاء کے وقت میں جمع کر کے پڑھا جائے گا۔

(۲)......دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مغرب اور عشاء کو جمع کیا جائے گا تو دونوں کے لئے ایک اقامت کہی جائے گی یا دو اقامتیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اذانین اور اقامتین کے ساتھ مغرب اور عشاء کو جمع کیا جائے گا۔ اور یہی مذہب امام بخاری کا ہے۔ (اعلاء السنن: ۱۲۴/۱۰)

امام احمد، امام شافعی، امام زفر اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت یہ ہے کہ مغرب اور عشاء کو ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا کرے۔ (اعلاء السنن: ۱۲۱/۱۰)

حنفیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اگر مغرب اور عشاء کو بغیر فاصلے کے جمع کیا ہے اور ان دونوں کے درمیان سنن ونوافل یا اور کسی کام کا فصل نہیں کیا تو دونوں کو ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ ادا کرے، یعنی مغرب کی نماز سے پہلے اذان کہی جائے اور اقامت کہی جائے، پھر عشاء کے لئے نہ اذان کہی جائے اور نہ اقامت کہی جائے اور اس طرح بغیر وقفے کے دونوں کو جمع کرنا بہتر ہے۔ اور اگر دونوں کے درمیان کچھ وقفہ ہو جائے تو ایک اذان اور دو اقامتیں کہی جائیں۔ (ھدایہ: ۲۰۹/۱)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل: "حدثنا ابو اسحق قال سمعت عبدالرحمن بن یزید یقول حج عبداللہ (ای بن مسعود) فاتینا المزدلفۃ حین الاذان بالعتمۃ وقریبا من ذلک فامر رجلا فاذن واقام ثم صلی المغرب وصلی بعدھا رکعتین ثم دعا بعشائہ

فتعشی ثم اری رجلا فاذن واقام الحدیث" (بخاری شریف: ۲۲۷/۱)[ہم مزدلفہ میں عشاء کی اذان کے وقت یا اس کے قریب پہنچے، پس ایک شخص کو حکم فرمایا، اس نے اذان دی اور اقامت کہی، پھر مغرب پڑھی اور اس کے بعد دو رکعت، پھر شام کا کھانا طلب فرمایا، پس شام کا کھانا کھایا، پھر میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے بھی اذان دی اور اقامت کہی۔الحدیث۔]

امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ کی دلیل: حدیث الباب امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے، اس میں ہے کہ مغرب اور عشاء کو جمع کیا ہر ایک کے لئے الگ اقامت تھی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل: مسلم شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "**جمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین المغرب والعشاء بجمع صلی المغرب ثلثا والعشاء رکعتین باقامة واحدة**" (مسلم شریف: ۴۱۷)[حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو جمع فرمایا، مغرب کی تین رکعات پڑھیں، اور عشاء کی دو رکعت ایک اقامت کے ساتھ]

اسی طرح سعید بن جبیر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل نقل کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مزدلفہ میں آئے، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مغرب اور عشاء ایک اقامت کے ساتھ پڑھائی، پھر پلٹ کر ارشاد فرمایا: کہ اسی طرح اسی جگہ میں ہم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی تھی۔ (مسلم شریف: ۴۱۷/۱، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۳/۱/۴)

"**عن ابی ایوب قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمزدلفة المغرب والعشاء باقامة**" (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۳/۱/۴)[حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: کہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو ایک اقامت کے ساتھ پڑھا۔]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب: اس باب کی احادیث مختلف ہیں، بعض میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ مغرب اور عشاء کو جمع فرمایا، اور بعض میں ہے کہ دو اقامتوں کے ساتھ جمع فرمایا، دونوں قسم کی حدیثیں صحیح ہیں، ان دونوں کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشاء کو ایک اذان اور ایک اقامت

کے ساتھ جمع فرمایا تھا۔ اور ان دونوں کے درمیان کچھ فاصلہ نہیں فرمایا۔

کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مغرب پڑھ کر اونٹوں کو بٹھایا اور سامان اتارا، پھر کھانا کھایا، پھر اقامت کہہ کر عشاء کی نماز پڑھی، چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ کام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے کئے تھے، اس لئے بعض روایتوں میں مغرب کے بعد کھانا کھانے اور عشاء کے لئے اقامت کہنے کی نسبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دی گئی، اس لئے جن حدیثوں میں اقامت واحدہ کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے وہاں نسبت حقیقی ہے، اقامتین کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مجازی ہے۔ اقامت واحدہ والی حدیث اس صورت پر محمول ہے جبکہ مغرب اور عشاء کے درمیان فاصلہ نہ ہو اور اقامتین والی حدیث اس صورت پر محمول ہے جب کہ مغرب اور عشاء کے درمیان نوافل عشاء (شام کا کھانا) یا اور کسی چیز کا فاصلہ ہو۔ (اعلاء السنن: ۱۲۱/ ۱۰)

فائدہ: جو حضرات جمع با قامتین کے قائل ہیں انہوں نے مختلف احادیث میں ترجیح کا طریقہ اختیار کیا ہے، اور اقامتین والی احادیث کو ترجیح دی ہے، وجہ ترجیح یہ ہے کہ جمع باقامتین والی احادیث پر بخاری و مسلم متفق ہیں، اور جمع باقامۃ واحدۃ والی احادیث پر مسلم منفرد ہیں، اس لئے تعارض کے وقت وہ احادیث راجح ہوں گی، جن پر بخاری و مسلم متفق ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ ترجیح والے طریقہ سے بعض احادیث کا ترک لازم آتا ہے اور حنفیہ نے جو تطبیق کی صورت اختیار کی ہے اس سے دونوں حدیثوں پر عمل ہو جاتا ہے، اس لئے حنفیہ کا تطبیق والا طریق بہتر ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل بخاری شریف کی وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اذانین اور اقامتین کے ساتھ مغرب اور عشاء کو جمع فرمایا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ عشاء کی اذان میں حدیث شریف کے راوی زہیر کو شک ہے۔ (بخاری شریف: ۲۲۷/ ۱) اس لئے حدیث شریف سے اذانین پر استدلال تام نہیں۔ (اعلاء السنن: ۱۲۴/ ۱۰، التعلیق: ۲۲۵/ ۳، اشرف التوضیح: ۳۲۱/ ۲)

لم یسبح بینھما الخ: اس حدیث شریف کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں نمازوں کے درمیان سنن و نوافل کا اہتمام نہیں ہوا، لیکن معتمد قول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں سونے

سے پہلے سنن اور وتر کی نمازیں پڑھی تھیں۔ "والمعتمد انه یصلی بعدها سنة المغرب والعشاء والوتر لقوله (ثم اضطجع) ای للنوم بعد راتبة العشاء والوتر کما فی روایة" (مرقاۃ:۵/۳۰۲)

آنحضرت ﷺ نے کسی نماز کو وقت سے پہلے نہیں پڑھا

{۲۴۹۱} وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ مَا رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰی صَلٰوةً اِلَّا لِمِیْقَاتِهَا اِلَّا صَلٰوتَیْنِ صَلَاةَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ وَصَلَّی الْفَجْرَ یَوْمَئِذٍ قَبْلَ مِیْقَاتِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۲۸، باب متی یصلی الفجر بجمع الخ، حدیث نمبر: ۱۶۵۳، مسلم شریف: ۱/۴۱۷، باب استحباب زیادة الغلس، حدیث نمبر: ۱۲۸۹۔

حل لغات: میقات: وقت، جمع: مواقیت، صلاتین: تثنیہ ہے صلوۃ کی، بمعنی نماز۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو دو نمازوں کے علاوہ کوئی نماز وقت سے پہلے پڑھتے نہیں دیکھا، ایک مغرب وعشاء کی نماز مزدلفہ میں، اور دوسری فجر کی نماز جو آنحضرت ﷺ نے اس دن وقت سے پہلے پڑھی تھی۔

تشریح: صلوۃ المغرب پر نصب ہے یا تو صلوتین کا بدل ہے، یا اعنی فعل مقدر کا مفعول بہ ہے، مطلب حدیث شریف کا یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے جب بھی فرض نماز پڑھی ہے اپنے وقت پر پڑھی ہے، ایک وقت کی نماز دوسرے وقت میں نہیں پڑھی، مگر چند نمازوں میں حضور اقدس ﷺ نے تقدیم وتاخیر فرمائی ہے۔

(۱)......مزدلفہ میں حضور اقدس ﷺ نے مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھا، جس سے مغرب اپنے وقت سے مؤخر ہوگئی۔

(۲)......مزدلفہ میں فجر کی نماز اپنے وقت معتاد سے قبل پڑھی۔

مغرب کی نماز تو حقیقتاً اپنے وقت سے مؤخر تھی، اس لئے کہ عشاء کے وقت میں پڑھی گئی

تھی، باقی فجر کے بارے میں جو فرمایا گیا کہ وہ اپنے وقت سے پہلے پڑھی گئی، اس سے مراد یہ ہے کہ وقت معتاد سے قبل پڑھی گئی، یہ مطلب نہیں کہ فجر کا وقت شروع ہونے سے پہلے پڑھ لی تھی، کیونکہ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مزدلفہ میں ایک مرتبہ صبح ہونے کے بعد فجر پڑھی اور فرمایا **"الفجر فی ھذہ الساعۃ"** (کہ فجر اس وقت پڑھی جاتی ہے)

(التعلیق: ۳/۲۲۷، بخاری شریف: ۱/۲۲۷)

جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اپنے وقت جواز کے بعد اور فجر وقت معتاد سے پہلے مزدلفہ میں پڑھی ہے، اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں عصر اپنے وقت جواز سے قبل ظہر کے وقت میں پڑھی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر کیوں نہیں فرمایا؟ شارحین نے اس کی دو وجہیں لکھی ہیں۔

(۱)...... یہ بات حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مزدلفہ میں بیان فرمائی اور مزدلفہ میں صرف دو نمازوں میں تقدیم وتاخیر ہوتی ہے، اس لئے صرف ان دو کا ذکر کیا۔

(۲)...... **جمع بین الظھر والعصر بتقدیم العصر فی وقت الظھر:** دن کے وقت عام لوگوں کے سامنے تھی، اس میں کسی قسم کے اشتباہ کا اندیشہ نہیں تھا، اس لئے اس کو بیان نہیں فرمایا۔ اور جمع بین المغرب والعشاء اور تقدیم الفجر رات کے اندھیرے کے وقت تھی اس میں اندیشہ تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کا علم مخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہو، عام لوگوں کو نہ ہو، اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان دو نمازوں کی تقدیم وتاخیر کو بیان فرمادیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث سے جس طرح مزدلفہ میں مغرب کی تاخیر اور فجر کی تقدیم کا مسئلہ معلوم ہوا (جو کہ اتفاقی ہے) اسی طرح یہ حدیث اور دو اختلافی مسئلوں میں حنفیہ کی دلیل ہے۔ (فتح الملہم: ۳/۲۸۷)

مسئلہ: ۱/

عرفات اور مزدلفہ کے علاوہ باقی مقامات پر جمع بین الصلوتین جائز ہے یا نہیں؟ باقی ائمہ کے

نزدیک جائز ہے اور حنفیہ کے نزدیک جمع بین الصلوتین حقیقتاً جائز نہیں ۔یعنی ایک نماز کے وقت میں دو فرض نمازوں کو پڑھنا جائز نہیں ،اور جمع صورۃً جائز ہے ،یعنی ظہر یا مغرب کو آخری وقت پڑھا جائے اور عصر یا عشاء کو اول وقت پڑھ لیا جائے ،اس سے نمازیں اپنے اپنے وقت میں رہیں گی اور صورۃً جمع ہو جائیں گی ،مذکورہ حدیث شریف اس مسئلہ میں حنفیوں کی دلیل ہے ،اس حدیث شریف میں حج کے موقع پر جمع بین الصلوتین کا اثبات اور باقی مواقع سے نفی ہے ،اور جو حدیث حج کے علاوہ جمع بین الصلوتین کی مثبت ہیں وہ جمع صوری پر محمول ہیں ،یہی وجہ ہے کہ جمع بین الصلوتین ان نمازوں میں ثابت ہے جہاں جمع صوری ممکن ہے ۔**والتفصیل فی کتاب الصلوۃ۔**

مسئلہ: ۲ /

مزدلفہ کے علاوہ باقی مواقع پر فجر کی نماز میں حنفیہ کے نزدیک اسفار افضل ہے ،اور شافعیہ کے نزدیک تغلیس افضل ہے ،یہ حدیث شریف حنفیہ کی تائید کرتی ہے ،کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مزدلفہ میں فجر کو اول وقت پڑھنا حضور اقدس ﷺ کی عام عادت کے خلاف تھا ۔تفصیل کے لئے دیکھیں ،اشرف التوضیح: ۲/۳۲۳ ۔

مسئلہ: ۳ /

پہلی حدیث سے معلوم ہو چکا کہ مزدلفہ کے اندر جمع ہوگا ،لیکن اگر کسی شخص نے راستہ میں مغرب پڑھی تو اس کا کیا حکم ہے؟ امام صاحب اور امام محمد کے نزدیک اعادہ ضروری ہے ،امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دابہ کے اندر اگر عذر ہے ،یا کسی اور عذر کی وجہ سے نماز مغرب راستہ کے اندر پڑھ لی تو جائز ہے ،مدونۃ الکبریٰ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت عدم جواز کی ہے اور اعادہ ضروری ہے ۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اعادہ نہیں ہے ۔امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کا یہی مذہب ہے ۔

عذر کی وجہ سے مزدلفہ سے پہلے جانا

{۲۴۹۲} **وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ أَنَا مِمَّنْ**

قَدَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ فِيْ ضَعَفَةِ اَهْلِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۲۷، باب من قدم ضعفۃ اھلہ لیلاً لخ، حدیث نمبر: ۱۶۷۹، مسلم شریف: ۱/۴۱۸، باب استحباب تقدیم الضعفۃ من النساء الخ، حدیث نمبر: ۱۲۹۳۔

حل لغات: قدم: قَدَّمَ (تفعیل) آگے بڑھانا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہیں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمزوروں کی وجہ سے مزدلفہ کی رات میں پہلے ہی بھیج دیا تھا۔

تشریح: مزدلفہ کے تین نام ہیں: (۱) مزدلفہ۔ (۲) جمع۔ (۳) مشعر حرام۔

مزدلفہ کو جمع اس لئے کہتے ہیں کہ نزول من السماء کے بعد حضرت آدم وحواء علیہما السلام ایک دوسرے سے اسی جگہ ملے تھے، یا اس کو مزدلفہ اس لئے کہتے ہیں کہ ازدلاف کے معنی قرب کے ہیں، کہ حجاج وہاں وقوف کرکے اور رات گذار کر اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتے ہیں، اور یا اس لئے کہ وہاں پہنچ کر حاجی لوگ منی کے قریب ہوجاتے ہیں، بخلاف عرفات کے کہ جب وہاں تھے تو منی سے بعید تھے۔

عرفات سے غروب شمس کے بعد روانگی ہوگی اور پھر مزدلفہ میں آکر جمع بین الصلوتین المغرب والعشاء جمع تاخیر کیا جائے گا۔ اور طلوع شمس سے پہلے مزدلفہ سے منی کی طرف روانگی ہوگی، جب کہ اہل جاہلیت قبیل غروب الشمس عرفات سے روانہ ہوا کرتے تھے، اور پھر مزدلفہ سے بعد طلوع الشمس روانہ ہوتے تھے، جیسا کہ محمد بن قیس بن مخرمۃ کی روایت سے (جو فصل ثانی میں ہے) معلوم ہوتا ہے۔ اسی روایت کے اخیر میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"ھدینا مخالف لھدی عبدۃ الاوثان والشرک"** [بتوں اور شرک کے بندوں کے طریقہ کے خلاف ہم کو ہدایت کی گئی۔]

وقوف مزدلفہ کے مسنون طریقہ میں سب ائمہ کا اتفاق ہے کہ لیلۃ النحر (ذوالحجہ کی دسویں رات) کو مزدلفہ میں رہے، اور فجر کی نماز مزلفہ میں فجر کا وقت ہونے کے بعد جلدی پڑھ کر مزدلفہ میں وقوف کرے اور طلوع شمس سے پہلے مزدلفہ سے منی کی طرف جائے، جمہور کے نزدیک اسفار ہونے کے بعد جانا چاہئے اور مالکیہ کے نزدیک اسفار سے پہلے منی کی طرف جانا چاہئے۔ (المغنی لابن قدامۃ: ۴۲۳/۳)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ النحر کی رات کو طلوع فجر سے پہلے بعض ازواج مطہرات کو اور ضعفاء کو

منیٰ بھیج دیا تھا، تاکہ حجاج کے اژدحام کی وجہ سے ان کو تکلیف نہ ہو۔ اس حدیث شریف کے پیش نظر سب ائمہ کا اتفاق ہے کہ ضعفاء کو طلوع فجر سے پہلے منیٰ جانا جائز ہے اور ان پر کوئی دم نہیں ہے۔

جب ضعفاء طلوع فجر سے پہلے منیٰ جائیں گے تو ان کا وقوف مزدلفہ ادا ہوگیا یا نہیں؟ ضعفاء کو طلوع فجر سے پہلے رات کے کس حصہ میں جانا جائز ہے؟ رات کا کتنا حصہ مزدلفہ میں رہنا ان کے لئے ضروری ہے؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، اور یہ اختلاف وقت وقوف اور مقدار وقوف کے اختلاف سے ناشی ہے، اس لئے پہلے وقوف مزدلفہ کے وقت اور مقدار اور حکم میں جو اختلاف ہے اسے نقل کیا جاتا ہے۔

وقوف مزدلفہ کا حکم

حنفیہ اور جمہور ائمہ کے نزدیک وقوف مزدلفہ واجب ہے، ائمہ اربعہ کے سوا بعض سلف فرضیت وقوف مزدلفہ کے قائل ہوئے ہیں اور بعض نے سنت بھی کہا ہے۔

وقوف کا وقت

حنفیہ کے نزدیک وقوف کا وقت طلوع فجر سے طلوع شمس تک ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک لیلۃ النحر کے نصف اول کے بعد سے طلوع شمس تک ہے۔

وقوف کی مقدار

واجب ادا کرنے کے لئے وقت وقوف میں سے ایک ساعت کا وقوف بھی کافی ہے، جمہور کے نزدیک اگر وقت وقوف میں مزدلفہ سے حاجی گذر گیا تو واجب ادا ہو جائے گا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مزدلفہ سے مرور کافی نہیں بلکہ نزول ضروری ہے، اگر صرف مرور کیا ہے تو واجب ادا نہ ہونے کی وجہ سے دم لازم ہوگا، اور اگر ایک ساعت نزول کرلیا تو واجب ادا ہو جائے گا، دم لازم نہیں ہوگا۔ (شامی: ۱۹۳/ ۲)

مذکورہ سطور سے معلوم ہو چکا ہے کہ ضعفاء کو طلوع فجر سے پہلے بالاتفاق مزدلفہ سے منیٰ جانا جائز ہے،

حنفیہ کے نزدیک وقوف مزدلفہ کا وقت طلوع فجر کے بعد ہے، اس لئے جو ضعفاء فجر سے پہلے منیٰ چلے جائیں گے ان کا وقوف نہیں ہوگا، عذر کی وجہ سے ان سے وجوب ساقط ہوجائے گا اور دم بھی لازم نہیں ہوگا۔ (المغنی: ۴۲۲/۳)

حنفیہ کے نزدیک رات کے کسی حصہ میں بھی ضعفاء کو منیٰ جانا جائز ہے، نصف اخیر کا لحاظ کرنا ضروری نہیں۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وقوف کا وقت لیلۃ النحر کے نصف اوّل کے بعد شروع ہوجاتا ہے، اور ایک ساعت کا وقوف بھی کافی ہے، اس لئے اگر ضعفاء طلوع فجر سے پہلے رات کے نصف اخیر میں جائیں گے تو ان کا وقوف صحیح ہوگا، اور واجب اداء ہوجائے گا، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وقوف مزدلفہ عذر کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگا، اس لے کہ ان کے نزدیک ضعفاء کے لئے ضروری ہے کہ رات کے نصف اول کے بعد نصف اخیر میں جائیں، اگر نصف شب سے پہلے جائیں گے تو ترک واجب کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔ (ایضاً)

باقی ائمہ کے نزدیک ضعفاء کی رخصت رات کے نصف اخیر کے ساتھ مقید ہے، حنفیہ کے نزدیک رات کے کسی حصہ کے ساتھ مقید نہیں۔ تقدیم ضعفاء کی جو صحیح احادیث ہیں ان میں نصف اخیر کی کوئی قید نہیں ہے۔ اسلئے حنفیہ کا موقف احادیث کے ظاہر کے زیادہ قریب ہے۔ (اشرف التوضیح: ۳۲۵/۲، اعلاء السنن: ۱۳۷/۱۰)

کنکریاں کہاں سے لے

{۲۴۹۳} **وَعَنْهُ** عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَكَانَ رَدِيْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ فِيْ عَشِيَّةِ عَرَفَةَ وَغَدَاةِ جَمْعٍ لِلنَّاسِ حِيْنَ دَفَعُوْا: عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ وَهُوَ كَافٌّ نَاقَتَهُ حَتّٰى دَخَلَ مُحَسِّرًا وَهُوَ مِنْ مِنًى قَالَ: عَلَيْكُمْ بِحَصَى الْخَذْفِ الَّذِيْ يُرْمٰى بِهِ الْجَمْرَةُ. وَقَالَ لَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلَبِّيْ حَتّٰى رَمَى الْجَمْرَةَ. (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۴۱۵/۱، باب استحباب ادامة الحاج التلبية الخ، حدیث نمبر: ۱۲۸۲۔

حل لغات: **کاف:** روکنے والا، **کف (ن) کفا،** روکنا، **الخذف:** لوبیا کے برابر کی چیز کو خذف

کہا جاتا ہے۔ **خذف (ض) خذفا الحصاة**، انگلیوں سے پھینکنا، **الجمرة**: کنکری، جمع: **الجمر**۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کی شام اور مزدلفہ کی صبح کو لوگوں سے چلنے کے دوران فرمایا: آپ لوگوں پر اطمینان ضروری ہے، اس وقت آپ بھی اپنی اونٹنی کو روکے ہوئے تھے، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منی یعنی وادئ محسر میں پہنچ گئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آپ لوگ خذف کے مانند جمرہ میں ماری جانے والی کنکریاں اٹھالیں، نیز فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمی جمرہ تک برابر تلبیہ پڑھتے رہے۔

تشریح: وهو من منى: وادئ محسر منی کا حصہ ہے یا مزدلفہ کا؟ مذکورہ روایت میں ہے کہ منی کا حصہ ہے، ایک قول یہ ہے کہ مزدلفہ کا حصہ ہے، صحیح یہ ہے کہ وادی محسر مزدلفہ اور منی کے درمیان فاصلہ اور برزخ ہے، اس کے کنارے منی اور مزدلفہ دونوں سے لگتے ہیں، اس لئے اسے منی سے بھی شمار کرلیتے ہیں اور مزدلفہ میں سے بھی۔

عليكم حصى الخذف: "**خذف**" اصل میں تو چھوٹی کنکری یا کھجور کی گٹھلی کو شہادت کی انگلی کے ذریعہ پھینکنے کو کہتے ہیں۔ (شرح طیبی: ۲۹۰/ ۵)

اور "**حصى الخذف**" سے مراد چھوٹی چھوٹی کنکریاں ہیں، جو چنے کے برابر ہوتی ہیں، کہ ان کو یہاں سے اٹھالو جو رمی جمار کے کام آئیں گی، رمی جمار کے واسطے کنکریاں مزدلفہ ہی سے یا راستہ میں سے اور یا جہاں سے جی چاہے لے لی جائیں، البتہ جمرہ کے پاس سے وہ کنکریاں جو جمرہ پر ماری جاچکی ہیں نہ لی جائیں، کیونکہ یہ مکروہ ہے، لیکن اگر کسی نے جمرہ ہی کے پاس سے رمی شدہ کنکریاں اٹھا کر رمی کی تو یہ جائز تو ہو جائے گا مگر مکروہ اور خلاف اولیٰ ہوگا۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ کنکریاں کتنی اٹھائی جائیں؟ آیا صرف اسی دن رمی جمرہ عقبہ کے لئے سات کنکریاں اٹھائی جائیں یا ستر کنکریاں اٹھائی جائیں، جن میں سے سات تو اسی دن رمی جمرہ عقبہ کے کام آئیں گی اور تریسٹھ بعد کے تینوں جمرات کی رمی کے لئے۔ دونوں قول ہیں، اختلاف صرف افضلیت میں ہے جائز دونوں صورتیں ہیں۔ (التعلیق: ۲۲۸/ ۳)

تلبیہ کب ختم کیا جائے؟

اس میں اختلاف ہے کہ حاجی تلبیہ کب ختم کرے، چنانچہ امام مالک، سعید بن المسیب اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ حاجی جب عرفات کے لئے روانہ ہو تو تلبیہ ختم کرے۔

زہری، سائب بن یزید اور سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ جب وقوفِ عرفہ کرے تب تلبیہ ختم کرے۔

جب کہ جمہور یعنی امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد، اسحق اور ابوثور رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم فرماتے ہیں کہ یوم النحر کو جمرہ عقبہ کی رمی تک تلبیہ جاری رکھے، رمی کے وقت ختم کرے۔ (مذاہب کی تفصیل نیز اس بحث سے متعلق مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: عمدۃ القاری: ۹/۱۶۵)

پہلے دو فریق نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے: **"انه قال: کنت ردف رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عشیة عرفة فکان لا یزید علی التکبیر والتھلیل وکان اذا وجد فجوة نص"** (شرح معانی الآثار: ۱/۳۸۴)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ میں تکبیر وتہلیل سے زائد کچھ نہ کہتے تھے تو معلوم ہوا کہ تلبیہ کو ختم فرما چکے تھے۔

اس کا جواب علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ یہ حدیث نفی تلبیہ اور تلبیہ کے خروج پر دلالت نہیں کرتی، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ تکبیر وتہلیل پر زیادتی من جنسہما نہیں فرماتے تھے، یعنی تسبیح وتحمید کی زیادتی نہیں فرماتے تھے۔

جمہور کا استدلال حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کی اسی روایت سے ہے، جس میں ہے **"لم یزل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یلبی حتی رمی الجمرة"** [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمرہ کی رمی کرنے تک برابر تلبیہ پڑھتے رہے۔]

پھر جمہور کے مابین اس میں اختلاف ہے کہ آیا اول رمی کے ساتھ تلبیہ کو ختم کیا جائے یا آخر رمی کے وقت ختم کرے، چنانچہ امام احمد اور اسحق رحمۃ اللہ علیہما کا مسلک یہ ہے کہ جمرہ عقبہ کی رمی مکمل کرنے تک

تلبیہ کو جاری رکھا جائے گا، اوران حضرات کا استدلال حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کی اسی روایت کے ظاہری مفہوم سے ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، سفیان ثوری اور ابوثور رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اول رمی کے ساتھ تلبیہ کو ختم کرے، اوران کا استدلال بیہقی کی ایک روایت سے ہے، جس میں قطع تلبیہ کے متعلق اول رمی کی تصریح موجود ہے۔ چنانچہ وہ روایت اسی طرح ہے: **"عن ابی وائل عن عبداللہ قال: رمقت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم یزل یلبی حتی رمی جمرۃ العقبۃ باول حصاۃ"** (سنن کبری: ۵/۱۳۷، نفحات التنقیح: ۳/۳۴۴) [میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ برابر تلبیہ پڑھتے رہے، یہاں تک کہ جمرۂ عقبہ کی پہلی کنکری کے ساتھ رمی فرمائی۔]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے وصال کی اطلاع دینا

{۲۴۹۴} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَفَاضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جَمْعٍ وَعَلَيْهِ السَّكِيْنَةُ وَاَمَرَهُمْ بِالسَّكِيْنَةِ وَاَوْضَعَ فِيْ وَادِيْ مُحَسِّرٍ وَاَمَرَهُمْ اَنْ يَّرْمُوْا بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ، وَقَالَ: لَعَلِّيْ لَا اَرَاكُمْ بَعْدَ عَامِيْ هٰذَا لَمْ اَجِدْ هٰذَا الْحَدِيْثَ فِي الصَّحِيْحَيْنِ اِلَّا فِيْ جَامِعِ التِّرْمِذِيِّ مَعَ تَقْدِيْمٍ وَتَاْخِيْرٍ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۷۸، باب ماجاء فی الافاضة من عرفات، حدیث نمبر: ۸۸۶۔

حل لغات: وادی: پہاڑ کے درمیان کشادہ راستہ، جمع: اودیہ، حصی: کنکری، جمع: حصاۃ۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ سے چلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چال میں اطمینان تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجاج کو اطمینان سے چلنے کا حکم بھی دیا تھا، البتہ وادی محسر میں تیز چلتے ہوئے حجاج سے فرمایا: آپ لوگ خذف کے مانند جمرہ میں ماری جانے والی کنکریاں اٹھالیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت سے فرمایا: کہ اس سال کے بعد شاید میں تمہیں نہیں پاؤں گا۔

تشریح: واوضع فی وادی محسر: مراد یہ ہے کہ مزدلفہ سے آنحضرت ﷺ خود آہستہ چلے، اور حجاج کو بھی آہستہ چلنے کا حکم دیا، البتہ وادی محسر میں آنحضرت ﷺ کی رفتار تیز تھی۔

وقال لعلی لاراکم بعد عامی ھذا الم اجد: مراد یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے امت کو یہ بتادیا تھا کہ میرے وصال کا وقت قریب ہے، اس لئے حج کے احکام اور دینی امور مجھ سے زیادہ سے زیادہ سیکھ لئے جائیں، تاکہ بعد میں فائدہ ہو۔

اشکال مع جواب

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ وادیٔ محسر سے بہت جلدی گذرے اور اس سے پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے اندر گذرا وادیٔ محسر کے متعلق **"وھو کاف ناقته الخ"** کہ آنحضرت ﷺ نے وہاں سے جلدی گذر نہیں فرمایا، دونوں حدیثوں کے اندر تعارض ہے۔ لہٰذا جواب یہ ہے کہ پہلی حدیث شریف کے اندر عرفہ سے لوٹتے وقت کا ذکر ہے اور اس حدیث شریف کے اندر جاتے وقت کا ذکر ہے۔ لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

﴿الفصل الثانی﴾

عرفات سے واپسی اور مزدلفہ سے روانگی کا وقت

{۲۴۹۵} وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اِنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَدْفَعُوْنَ مِنْ عَرَفَةَ حِيْنَ تَكُوْنَ الشَّمْسُ كَاَنَّهَا عَمَائِمُ الرِّجَالِ فِيْ وُجُوْهِهِمْ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ وَمِنَ الْمُزْدَلِفَةِ بَعْدَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ حِيْنَ تَكُوْنُ كَاَنَّهَا عَمَائِمُ الرِّجَالِ فِيْ وُجُوْهِهِمْ وَاِنَّا لَا نَدْفَعُ مِنْ عَرَفَةَ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ

وَنَدْفَعُ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ هَدْيُنَا مُخَالِفٌ لِهَدْيِ عَبَدَةِ الْاَوْثَانِ وَالشِّرْكِ۔ (رواه البیهقی فی شعب الایمان) وَقَالَ: خَطَبَنَا وَسَاقَهُ نَحْوَهُ۔

حواله: یہ حدیث "السنن الکبریٰ" میں ہے۔ "شعب الایمان" کی طرف نسبت غلط ہے۔

طیبی: ۳۲۶/۶، السنن الکبری: ۲۰۳/۵، باب الدفع من المزدلفة، حدیث نمبر: ۹۵۲۱۔

حل لغات: یدفعون: دفع (ن) دفعا: چلنا۔ **وجوه:** جمع ہے **وجه** کی بمعنی چہرہ۔ **الاوثان:** جمع **وثن** کی، بمعنی بت۔

ترجمه: حضرت محمد بن قیس بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ جاہلیت میں لوگ عرفات سے اس وقت واپس ہوتے تھے جب سورج غروب ہونے سے پہلے مردوں کے چہروں پہ پگڑیوں کی طرح نظر آتا تھا، اور مزدلفہ سے طلوع آفتاب کے بعد اس وقت روانہ ہوتے تھے جب سورج مردوں کے چہروں پر پگڑیوں کی طرح نظر آتا تھا، مگر ہم عرفہ سے سورج غروب ہونے سے پہلے نہیں جائیں گے اور مزدلفہ سے سورج نکلنے سے پہلے جائیں گے، اس لئے کہ ہمارا طریقہ بت پرستوں اور مشرکین سے الگ ہے۔

تشریح: مشرکین حج کے موقع پر عرفات سے غروب شمس سے کچھ پہلے لوٹتے تھے، جب کہ سورج غروب کے قریب ہوتا تھا، اس بات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تشبیہ کے ساتھ سمجھایا ہے۔ **"حین تکون الشمس کانها عمائم الرجال فی وجوههم" فی وجوههم، تکون** کے متعلق ہے اور **قبل ان تغرب 'یدفعو** کی ظرف ہے، یا **حین** کا بدل ہے۔ **"کانها عمائم الرجال"** جملہ معترضہ ہے۔

اس جملہ معترضہ میں سورج کی ان شعاؤں کو جو سورج کے افق پر ہونے کے وقت ہوتی ہیں اور چہرے پر پڑ رہی ہوتی ہیں، تشبیہ دی گئی ہے، عمامہ کے ساتھ، آسان وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جب سورج نصف غروب ہو جاتا ہے تو اگر مغرب کی جانب پہاڑ ہوں تو بقیہ نصف سورج ایسے لگتا ہے جیسے پہاڑ کے سر پر پگڑی ہو کیونکہ پگڑی نصف کرہ ہوتی ہے، اور سورج بھی آدھا غروب ہو کر یا آدھا طلوع ہو کر پگڑی کی طرح نصف کرہ ہوتا ہے۔

مشرکین سے مراد اہل مکہ کے علاوہ دوسرے مشرکین ہیں، کیونکہ مشرکین مکہ مشعر حرام تک آتے

تھے، عرفات میں نہیں آتے تھے۔

کانھاعمائم الرجال فی وجوھھم فرمایا، **علی رؤ سھم** نہیں فرمایا، وجہ یہ ہے کہ جب سورج غروب کے قریب یا طلوع کے بعد افق پر ہوتا ہے تو اس وقت سورج کے پست ہونے کی وجہ سے اس کی کرنیں چہرہ پر پڑتی ہیں۔

عمائم کی اضافت رجال کی طرف یا تو مزید توضیح کے لئے ہے (احتراز کے لئے نہیں، کیونکہ عمائم عموماً رجال کے ہی ہوتے ہیں) یا اضافت سے اعراب کی عورتوں سے احتراز مقصود ہے، کیونکہ اعراب کی بعض عورتیں عمامہ کی طرح سر پر کپڑا باندھ لیا کرتی تھیں۔

مسئلہ

اس حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ نے مشرکین کی مخالفت کرنے کے لئے عرفات سے غروب آفتاب کے بعد اور مزدلفہ سے طلوع آفتاب سے قبل جانے کا حکم فرمایا ہے، اس لئے باتفاق فقہائے امت حاجی کے لئے صحیح طریقہ وہی ہے جو حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے، اس کے خلاف کرنے سے گناہ ہوگا لیکن اس طریقہ کی مخالفت کرنے سے دم لازم آئے گا یا نہیں؟ اس میں تفصیل ہے۔

عرفات سے اگر غروب شمس سے پہلے چلا گیا اور حدود عرفات سے تجاوز کر گیا پھر دوبارہ عرفات میں نہیں آیا، یا غروب کے بعد دوبارہ عرفات میں آیا تو دم لازم ہوگا، اور اگر عرفات سے غروب سے پہلے نکلا اور غروب سے پہلے واپس آ گیا تو دم لازم نہیں ہوگا، اس پر مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے، اور رات کو دیر تک عرفات میں رہنا خلاف سنت ہے، اور مزدلفہ سے طلوع شمس کے بعد جانا برا ہے، اور خلاف سنت ہے، لیکن دم لازم نہیں ہوگا۔ (المغنی: ۴۱۵/ ۳، شامی: ۱۹۴/ ۲، اشرف التوضیح: ۳۲۸/ ۲)

رات میں رمی کرنا

{۲۴۹۶} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ قَدَّمَنَا رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْلَۃَ الْمُزْدَلِفَۃِ اُغَیْلِمَۃَ بَنِیْ عَبْدِ

الْمُطَّلِبِ عَلٰى حُمُرَاتٍ فَجَعَلَ يَلْطَحُ أَفْخَاذَنَا، وَيَقُوْلُ: أُبَيْنِيَّ لَا تَرْمُوْا الْجَمْرَةَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ۔ (رواہ النسائی وابن ماجة)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/۲۶۸، باب التعجیل من جمع، حدیث نمبر: ۱۹۴۰، نسائی شریف: ۲/۴۰، باب النهی عن رمی الجمرة العقبة الخ، حدیث نمبر: ۳۰۶۶، ابن ماجه شریف: ۲۱۷، باب من تقدم من جمع لرمی الخ، حدیث نمبر: ۳۰۲۵۔

حل لغات: حمرات: جمع ہے **حمار** کی بمعنی گدھا، **یلطح: لطح (ف) لطحًا،** تھپکی دینا۔ **افخاذ:** جمع ہے **فخذ** کی، بمعنی ران۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مزدلفہ کی رات گدھے پر سوار کر کے خاندان عبد المطلب کے بچوں کے ساتھ روانہ کرتے ہوئے، ہماری رانوں کو تھپکی دیتے ہوئے فرمایا، اے میرے چھوٹے بچو! جب تک سورج نہ نکل آئے تم سب رمی جمار نہ کرنا۔

تشریح: اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ سے بچوں کو رات کے وقت ہی منی میں بھیج دیا تھا، اور بھیجتے وقت ان کو ہدایت فرمائی کہ طلوع شمس سے قبل رمی نہ کرنا اور اس ہدایت کو ذہن نشین کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت فرمانے کے ساتھ ساتھ نرمی اور پیار سے ان کی رانوں پر ہاتھ مارتے جاتے تھے۔

مسئلہ

اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلوع شمس سے پہلے رمی سے منع فرمایا ہے، اس نہی کی حیثیت کیا ہے؟ اس کے خلاف کرنے سے رمی صرف خلاف سنت ہوگی یا بالکل غیر معتبر ہوگی؟ اس کو جاننے کے لئے رمی کا وقت اور اس میں ائمہ کا مذہب جاننا ضروری ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے:

رمی کا وقت

رمی کے وقت کی دو قسمیں ہیں: (۱)......وقت مستحب۔ اور (۲)......وقت جواز۔

یوم النحر کی رمی کے وقت مستحب میں تقریباً اتفاق ہے کہ یوم النحر کی رمی طلوع شمس سے غروب شمس تک مستحب ہے۔

یوم النحر کی رمی کے وقت جواز میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک طلوع فجر کے بعد رمی جائز ہے، اور اس سے پہلے جائز نہیں، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لیلۃ النحر کے نصف کے بعد رمی جائز ہے۔ (المغنی: ۴۲۹/۳، شرح المسلم للنووی: ۴۲۰/۱)

تو گویا طلوع شمس سے پہلے ائمہ اربعہ کے نزدیک رمی جائز ہے اور ائمہ اربعہ دوسری احادیث کی وجہ سے طلوع شمس سے پہلے رمی کے جواز کے قائل ہوئے ہیں، ائمہ اربعہ کے مذہب کے مطابق یہ حدیث بیان استحباب پر محمول ہوگی۔

لاترموا الجمرة حتی تطلع الشمس: کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلے رمی جائز نہیں، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلوع سے قبل رمی سے اس لئے منع فرمایا ہے کہ طلوع سے قبل رمی غیر مستحب ہے۔ (اشرف التوضیح: ۳۲۹/۲)

رات میں رمی کرنا جائز ہے

{۲۴۹۷} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ أَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأُمِّ سَلَمَةَ لَيْلَةَ النَّحْرِ فَرَمَتِ الْجَمْرَةَ قَبْلَ الْفَجْرِ ثُمَّ مَضَتْ، فَأَفَاضَتْ وَكَانَ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْيَوْمَ الَّذِيْ يَكُوْنُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا۔ (رواه ابوداؤد)

حواله: ابو داؤد شریف: ۲۶۸/۱، باب التعجیل من جمع، حدیث نمبر: ۱۹۴۲۔

حل لغات: ارسل: ارسل (افعال) بھیجنا۔

ترجمه: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بقرعید کی رات بھیج دیا تھا، چنانچہ انہوں نے فجر سے پہلے رمی کی، پھر وہاں سے چل کر طواف افاضہ کیا، یہ وہ دن تھا جس دن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تھے۔

تشریح: پچھلی حدیث شریف کی تشریح کے ضمن میں معلوم ہو چکا ہے کہ جمہور کے نزدیک طلوع فجر سے قبل رمی جائز نہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نصف لیل کے بعد جائز ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل اس حدیث شریف کا ظاہر ہے، اس حدیث شریف کا ظاہر ائمہ ثلاثہ کے خلاف ہے، اس لئے انہوں نے اس کی چند توجیہات کی ہیں:

(۱)......قبل الفجر کے دو معنی ہو سکتے ہیں: (۱) قبل طلوع الفجر۔ (۲) قبل صلوۃ الفجر پہلے معنی کے مطابق امام شافعی کا استدلال صحیح ہے اور دوسرے معنی کے مطابق استدلال صحیح نہیں۔ جب دوسرے معنی کا بھی احتمال ہے تو استدلال ختم ہوگیا۔

(۲)......قبل الفجر رمی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت تھی جو کہ حقیقت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے، اس خصوصیت کی طرف اس حدیث شریف میں ہی اشارہ ہے کہ ان دنوں میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رات کے وقت ہی منیٰ بھیج دیا تاکہ طلوع فجر سے پہلے رمی کر کے فجر کے بعد عام لوگوں سے پہلے طواف افاضہ کر کے حلال ہو جائیں، بعد میں ہجوم کی وجہ سے طواف میں تاخیر سے حلال ہونے میں دیر نہ ہو۔

(۳)......حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں صرف اتنا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فجر سے قبل رمی کی اور اس بات کی تصریح نہیں کہ قبل الفجر رمی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت شامل تھی یا نہیں۔ اور استدلال اس وقت صحیح ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اذن سے طلوع فجر سے قبل رمی کی ہو۔ (مرقاۃ: ۵/۳۴۱، اشرف التوضیح: ۲/۳۲۹)

عمرہ میں تلبیہ موقوف کب کرے؟

{۲۴۹۸} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ يُلَبِّي الْمُقِيمُ اَوِ الْمُعْتَمِرُ حَتّٰى يَسْتَلِمَ الْحَجَرَ۔ (رواه ابوداؤد) وَقَالَ: وَرُوِيَ مَوْقُوْفًا عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۵۲، باب متی یقطع المعتمر التلبیة، حدیث نمبر: ۱۸۱۷۔

حل لغات: یلبی: لب (تفعیل) تلبیہ کہنا، **الحجر:** پتھر، جمع: **احجار۔**

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مقیم اور معتمر حجر اسود کے استلام تک تلبیہ کہتے رہیں۔

تشریح: وروی موقوفا علی ابن عباس: اس حدیث شریف کے نقل کرنے میں صاحب مشکوۃ سے تسامح ہوا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے یہ حدیث موقوفاً نقل کی ہے اور پھر امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً مروی ہے، جس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے، مرفوع نہیں ہے، حالانکہ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے اس روایت کو مرفوعاً نقل کیا ہے اور پھر ایک اور سند ذکر کر کے اس کے متعلق فرمایا: کہ اس سند سے یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے، اس لئے صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث شریف دو سندوں کے ساتھ مروی ہے، ایک سند کے اعتبار سے مرفوع ہے اور دوسری سند کے اعتبار سے ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے۔

حدیث میں **"المقیم"** سے مراد عمرہ کرنے والا وہ شخص ہے جو مکہ مکرمہ کا رہنے والا ہو اور **"المعتمر"** سے غیر مکی مراد ہے، جو عمرہ کرنے خارج مکہ سے آیا ہو، اس صورت میں **کلمہ "او"** تنویع کے لئے ہوگا، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مقیم اور معتمر دونوں سے مطلقاً عمرہ کرنے والا مراد ہے، خواہ مکی ہو یا غیر مکی، اس صورت میں **کلمہ "او"** شک راوی کے لئے ہوگا۔

عمرہ میں تلبیہ کب موقوف کیا جائے؟

پھر اس میں اختلاف ہے کہ عمرہ کرنے والا تلبیہ کب ختم کرے گا؟

چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عمرہ کرنے والا جب حجرہ اسود کا استلام کرے تو اس وقت تلبیہ ختم کرے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب طواف شروع کرے تب تلبیہ ختم کرے۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر میقات سے احرام باندھا ہے تو حرم میں داخل ہوتے وقت تلبیہ ختم کرے گا، اور اگر جعرانہ یا تنعیم سے احرام باندھا ہے تو پھر جب بیوتِ مکہ میں داخل ہو جائے یا

مسجد حرام میں داخل ہو جائے تب تلبیہ کو ختم کرے۔(تفصیل کے لئے دیکھئے: عمدۃ القاری: ۲۲/۱۰)
حدیث مذکور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مستدل ہے،(مرقاۃ: ۳۴۲/۵ نفحات التنقیح: ۳۴۵)

مناسبۃ الحدیث بالباب

سوال: اس حدیث شریف میں معتمر کے تلبیہ کا بیان ہے، اور باب ہے الدفع من عمرۃ والمزدلفۃ تو حدیث اور باب میں کیا مناسبت ہے؟

جواب: اس باب میں ضمناً حاجی کے تلبیہ منقطع کرنے کا مسئلہ آ گیا تھا، تو مصنف نے مناسب سمجھا کہ جب حاجی کے تلبیہ منقطع کرنے کا مسئلہ ضمناً آ گیا تو استطراداً معتمر کے تلبیہ کے حکم والی حدیث بھی لکھدی جائے۔

الفصل الثالث

عرفات سے واپسی کا طریقہ

{۲۴۹۹} وَعَنْ يَعْقُوبَ بْنِ عَاصِمِ بْنِ عُرْوَةَ أَنَّهُ سَمِعَ الشَّرِيْدَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ أَفَضْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا مَسَّتْ قَدَمَاهُ الْأَرْضَ حَتّٰى أَتٰى جَمْعًا۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: لم اجد فی ابوداؤد، مسند احمد: ۳۸۹/۴۔

ترجمہ: حضرت یعقوب بن عاصم بن عروہ سے روایت ہے کہ انہوں نے شرید رضی اللہ عنہ سے کہتے ہوئے سنا کہ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم زمین پر نہیں گئے، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ پہنچ گئے۔

تشریح: اس روایت کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات سے مزدلفہ تک

کا راستہ سواری پر طے کیا، پیدل نہیں چلے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے پورے راستہ میں زمین پر قدم ہی نہیں رکھے، کیونکہ صحیح بخاری شریف میں منقول ہے کہ عرفات سے واپسی کے موقع پر راستہ میں آنحضرت ﷺ سواری سے اتر کر پہاڑ کے ایک درہ کی طرف تشریف لے گئے، اور وہاں پیشاب کیا اور پھر وضو فرمایا، یہ دیکھ کر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا نماز کا وقت آ گیا؟ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: نماز تو آگے آ رہی ہے، یعنی نماز مزدلفہ پہنچ کر پڑھیں گے۔ (مرقاۃ: ۲۲۷/۷/۳)

عرفات میں جمع بین الصلوٰتین

{۲۵۰۰} وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ سَالِمٌ أَنَّ الْحَجَّاجَ بْنَ يُوْسُفَ عَامَ نَزَلَ بِابْنِ الزُّبَيْرِ سَأَلَ عَبْدَ اللهِ كَيْفَ نَصْنَعُ فِي الْمَوْقِفِ يَوْمَ عَرَفَةَ؟ فَقَالَ سَالِمٌ إِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ السُّنَّةَ فَهَجِّرْ بِالصَّلٰوةِ يَوْمَ عَرَفَةَ فَقَالَ عَبْدُاللهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا: صَدَقَ إِنَّهُمْ كَانُوْا يَجْمَعُوْنَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فِي السُّنَّةِ. فَقُلْتُ لِسَالِمٍ: أَفَعَلَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَالِمٌ: وَهَلْ يَتَّبِعُوْنَ ذَالِكَ إِلَّا سُنَّتَهُ. (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۲۲۵/۱، باب الجمع بین الصلوتین بعرفة، حدیث نمبر: ۱۶۳۳۔

حل لغات: ترید: اراد (افعال) ارادہ کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن شہاب سے روایت ہے کہ حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بتایا: کہ جس سال حجاج بن یوسف نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو قتل کیا، اسی سال حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا ہم لوگ عرفہ کے دن وقوف کے دوران کیا کریں؟ تو حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر سنت پر عمل کرنا چاہتے ہیں تو عرفہ کے دن نماز جلد پڑھئے، تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: انہوں نے صحیح کہا؛ اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنت پر عمل کرنے کے لئے ظہر اور عصر کی نماز جمع کرتے تھے، میں نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا حضرت رسول اکرم ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا؟ تو حضرت سالم رضی اللہ عنہ

نے کہا: ہم اس معاملہ میں صرف آنحضرت ﷺ کے طریقہ ہی کی پیروی کرتے ہیں۔

تشریح: عرفہ میں ظہر اور عصر کی نمازوں کو ایک ساتھ پڑھے۔

عن ابن شھاب: مراد ابن شہاب زہری ہیں۔

عام نزل بابن زبیر: مراد وہ سال ہے، جس میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف فوج کشی کر کے ان کو شہید کر دیا گیا تھا۔

سأل عبدالله الخ: عبداللہ سے مراد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ واقعہ یہ ہوا کہ حجاج کے ہاتھوں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا شہید ہو جانا عبدالملک بن مروان کے لئے ایک بہت بڑی کامیابی سمجھی گئی، اسی حسن کارکردگی سے خوش ہو کر عبدالملک بن مروان نے حجاج کو امیر الحجاج بنا کر بھیجا، اور یہ تاکید کی کہ حج کے احکام حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھ پوچھ کر ادا کئے جائیں۔ چنانچہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ ہے۔

انھم کانوا یجمعون بین الظھر والعصر الخ: اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہے کہ اس دن کون شخص جمع کرسکتا ہے؟ امام مالک، امام شافعی، امام احمد، صاحبین، اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ ہر شخص جمع کریگا۔

امام صاحب، سفیان ثوری، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اگر امام ہے تو سب جمع کریں گے، اور اگر منفرد ہے تو جمع نہ کرے، کیونکہ قرآن پاک کے اندر ہے: **"ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتاً الخ"** [بے شک مسلمانوں کے ذمہ ایک ایسا فریضہ ہے جو وقت کا پابند ہے۔] لہٰذا یہ جمع خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے اپنے مورد پر محمول ہوگی۔

دوسرا اختلاف اس بات کے اندر ہے کہ یہ جمع کرنا کس علت کی بنا پر ہے؟

جمہور کے نزدیک سفر کی وجہ سے۔ امام مالک، امام اوزاعی اور ایک روایت شافعیہ کی ہے کہ یہ جمع نسک حج میں سے ہے، یہی حنفیہ کے مسلک کا مقتضیٰ ہے اور اختلاف کا ثمرہ یہ مرتب ہوگا کہ جمہور کے نزدیک مکی کے لئے جمع جائز نہیں، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک جائز ہے۔

باب رمی الجمار

رمی جمار کا بیان

رقم الحدیث: ٢٥٠١ر تا ٢٥٠٩ر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب رمی الجمار

رمی جمار کا بیان

جمار کے معنی

جمار، جمرۃ، کی جمع ہے، جمرہ لغت میں سنگریزے کو کہتے ہیں اور تجمر باب تفعل کا مصدر ہو تو اس کا معنی ہے جمع ہونا، جب کوئی قبیلہ جمع ہو تو عربی کہتے ہیں: **"تجمر بنو فلان"** جمار کا اطلاق منی کے ان مخصوص مقامات پر بھی ہوتا ہے، جہاں حاجی رمی کرتے ہیں، اس جگہ تین ستون بنے ہوئے ہیں۔ ایک کا نام جمرۂ اولیٰ ہے، جو مسجد خیف کی جانب اور اس کے قریب ہے۔ دوسرے کا نام جمرۂ وسطیٰ ہے جو دونوں جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ عقبہ کے بیچ میں ہے۔ تیسرے کا نام جمرۂ عقبہ ہے، جو مکہ مکرمہ کی جانب ہے اور اس کو جمرۂ کبریٰ، جمرۂ اخریٰ اور جمرۂ قصویٰ بھی کہتے ہیں۔

جمرات نام رکھنے کی وجہ

ان کا نام جمرہ رکھنے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں:

(۱)......جمرہ سنگریزوں کو کہتے ہیں اور ان جگہ پر بھی سنگریزے جمع ہوتے ہیں۔

(۲)......ان کے قریب لوگ جمع ہوتے ہیں۔

رمی جمار کا حکم

جمہور ائمہ کے نزدیک رمی جمار واجب ہے، اگر رمی جمار کو ترک کر دیا تو دم لازم ہوگا۔ اور امام مالک کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے، ترک پر جبر نقصان ضروری ہے۔ یہ اختلاف لفظی ہے۔

رمی کے دن

حاجی کے لئے ذوالحجہ کی دسویں، گیارہویں، بارہویں تاریخ کو رمی واجب ہے، اگر اس نے بارہویں تاریخ کو رمی کی اور تیرہویں تاریخ کے طلوع فجر سے پہلے ہی منیٰ سے چلا گیا تو اس پر تیرہویں تاریخ کی رمی واجب نہیں ہوگی، لیکن اگر وہ تیرہویں تاریخ کے طلوع فجر تک منیٰ میں رہا تو اس دن کی رمی بھی اس پر واجب ہوگی، اب بغیر رمی کے نہیں جاسکتا، اس لئے کہ رمی کا وقت داخل ہو چکا ہے۔

پہلے دن یعنی دسویں تاریخ کو صرف جمرۂ عقبہ کی رمی ہوگی، اور باقی دنوں میں تینوں جمرات کی رمی واجب ہے۔

وقت رمی

جمرۂ عقبہ کی رمی کا وقت مسنون یوم النحر میں طلوعِ شمس کے بعد سے زوال شمس تک ہے۔ اور یوم النحر کے بعد کے ایام کی رمی بالاتفاق ائمہ زوالِ شمس کے بعد ہے، البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تیرہویں تاریخ کی رمی قبل الزوال استحساناً جائز ہے۔ (عمدۃ القاری: ۸۶/ ۱)

رمی ماشیاً افضل ہے یا راکباً؟

اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ رمی خواہ ماشیاً ہو یا راکباً دونوں طرح جائز ہے، البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔

چنانچہ امام احمد اور اسحٰق رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک رمی ماشیاً افضل ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یوم النحر کے بعد ایام تشریق میں رمی ماشیاً افضل ہے، البتہ یوم النحر میں جمرہ عقبہ کی رمی جس حالت میں ہو اسی حالت میں رمی کرے، اگر بحالت رکوب جمرہ عقبہ تک پہنچا تو اترنے کی ضرورت نہیں، بلکہ راکباً رمی کرے اور اگر ماشیاً پہنچا ہے تو رکوب کی ضرورت نہیں ہے، ماشیاً رمی کرے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ نقل کیا ہے کہ اگر یوم النحر میں راکباً پہنچا تو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ راکباً کرے اور اگر ماشیاً پہنچا ہے تو پھر ماشیاً رمی کرنا مستحب ہے۔ ایام التشریق کے پہلے دو دن میں سنت یہ ہے کہ جمراتِ ثلاثہ کی رمی ماشیاً کرے اور تیسرے دن راکباً رمی کرے۔

اور حنفیہ کے اس بارے میں تین اقوال ہیں:

(۱)......فتاویٰ قاضی خان میں امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کا مسلک یہ نقل کیا ہے کہ تمام رمی راکباً افضل ہے۔

(۲)......ظہیریہ میں یہ مذکور ہے کہ رمی مطلقاً ماشیاً افضل ہے۔

(۳)......امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ رمی جس کے بعد رمی ہے اس میں رمی ماشیاً افضل ہے، جیسا جمرۂ اولیٰ کے بعد جمرہ وسطیٰ کی رمی ہے اور جمرہ وسطیٰ کے بعد جمرہ عقبہ کی رمی ہے، تو یہ پہلی دو رمی ماشیاً افضل ہیں، اور وہ رمی جس کے بعد دوسری کوئی رمی نہیں ہے، جیسا کہ جمرہ عقبہ کی رمی، تو اس میں راکباً افضل ہے۔

حنفیہ میں سے زیادہ تر فقہاء نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے، اور وجہ ترجیح یہ ہے کہ چونکہ پہلی دو رمی میں رمی کے بعد وقوف اور دعا سنت ہے اور دعا کے اندر تضرع ماشیاً کی صورت میں زیادہ بہتر طریقہ سے ہوتا ہے، اس لئے یہ رمی ماشیاً افضل ہوگی، اور جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد چونکہ وقوف اور دعا نہیں ہے، بلکہ لوٹنا ہوتا ہے، اس لئے یہ رمی راکباً افضل ہوگی تاکہ جانے میں سہولت ہو۔

اور جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رمی کا تعلق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمی راکباً فرمائی، تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کو اسی پر محمول کیا ہے کہ

لوگوں پر آنحضرت ﷺ کا فعل ظاہر ہو جائے اور سب لوگ آنحضرت ﷺ کو دیکھ سکیں اور آنحضرت ﷺ کی اقتدا کریں اور مسئلہ معلوم کرنے میں سہولت ہو، جس طرح آنحضرت ﷺ کے طواف علی البعیر کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں، اوجز: ۴۹، ۵۰/ ۸، نووی: ۴۱۹/ ۱، فتح القدیر: ۳۵۵/ ۲، نفحات التنقیح: ۳۴۶/ ۳)

حکایت

ابراہیم بن جراح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مرض الوفات میں ان کے پاس گیا، امام صاحب نے آنکھیں کھولیں اور سوال کیا کہ رمی ماشیاً افضل ہے یا راکباً؟ میں نے کہا: کہ ماشیاً افضل ہے۔ فرمایا: غلط ہے۔ پھر میں نے کہا: کہ راکباً افضل ہے تو فرمایا: کہ غلط ہے، پھر فرمایا: کہ جس رمی کے بعد وقوف ہے وہاں ماشیاً افضل ہے اور جس کے بعد وقوف نہیں وہ راکباً افضل ہے۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ میں امام صاحب کے پاس سے اٹھ کر چلا گیا ابھی گھر کے دروازہ تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ میں نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی موت کی اطلاع سنی، مجھے اس حالت میں حرص علی العلم سے بڑی حیرانی ہوئی۔ (التعلیق: ۲۳۱/ ۳، اشرف التوضیح: ۳۳۳/ ۲)

﴿الفصل الاوّل﴾

سواری سے رمی کرنا

{۲۵۰۱} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِيْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ يَوْمَ النَّحْرِ وَيَقُوْلُ: لِتَاخُذُوْا مَنَاسِكَكُمْ فَإِنِّيْ لَا أَدْرِيْ لَعَلِّيْ لَا أَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِيْ هٰذِهٖ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۴۱۹/ ۱، باب استحباب رمی جمرۃ العقبۃ راکبا الخ، حدیث نمبر: ۱۲۹۷۔

حل لغات: یرمی: رمی (ض) رمیا: پھینکنا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قربانی کے دن سواری پر سے رمی کرتے دیکھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمار ہے تھے: آپ لوگ افعال حج سیکھ لیجئے، شاید میں اپنے اس حج کے بعد حج نہ کرسکوں۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر کی رمی اپنی سواری پر سوار ہو کر فرمائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کے تین محمل ہو سکتے ہیں:

(۱)......رمی راکباً افضل ہے، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری پر سوار ہو کر رمی فرمائی۔

(۲)......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو کر مزدلفہ سے منیٰ تشریف لائے تھے، اس لئے رمی کے وقت اترنے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی، بلکہ اپنی حالت پر رہتے ہوئے راکباً رمی فرمائی۔

(۳)......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راکباً اس لئے رمی فرمائی تاکہ لوگ دیکھ لیں اور رمی کا طریقہ اچھی طرح جان لیں، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف راکباً فرمایا تھا تاکہ لوگوں کو طواف کا طریقہ معلوم ہو جائے۔

حدیث کے محمل میں مذکورہ تینوں احتمال ہیں، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے تیسرے احتمال کو اختیار فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کیلئے رمی راکباً فرمائی۔ (مرقاۃ: ۳۴۴/۵، اشرف التوضیح: ۳۳۴/۲)

شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تینوں احتمال برابر درجہ کے ہیں، اس لئے ہم کسی احتمال کو متعین نہیں کرسکتے، ایک محمل کی تعیین کے بجائے آنحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے عمل کو دیکھتے ہوئے یوں کہیں کہ یوم النحر کی رمی راکباً افضل ہے، اور باقی ایام کی ماشیاً، اس لئے اعلاء السنن میں آپ نے باب کا عنوان یہ رکھا ہے: **"باب یرمی جمرۃ العقبۃ یوم النحر راکباً وفی سائر الایام یرمی کلہا ماشیا وھو الافضل۔"** (اعلاء السنن: ۱۸۶/۱۰؛ حاشیہ اشرف التوضیح: ۳۳۴/۲)

کنکریوں کا سائز

{۲۵۰۲} وَعَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ رَمَى الْجَمْرَةَ بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۲۰، باب استحباب کون حصی الجمار بقدر حصی الخذف، حدیث نمبر: ۱۲۹۹۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خذف کی کنکریوں کی طرح کنکریوں سے رمی کرتے دیکھا۔

تشریح: **حصی حصاۃ** کی جمع ہے، بمعنی سنگریزے، خذف رمی کی ایک نوع ہے، انگلیوں کے ساتھ کنکری مارنے کو خذف کہتے ہیں، حصی الخذف کا معنی ہے انگلیوں کے ساتھ ماری جانے والی کنکریاں، یعنی چھوٹے چھوٹے سنگریزے اس کی مقدار شارحین نے باقلاء اور کھجور کی گٹھلیوں سے مقرر کی ہے۔ اس حدیث شریف میں ان حصی کی مقدار بیان کرنی مقصود ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرہ پر ماری ہیں۔

کنکریوں کی مقدار

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کنکریاں ماری تھیں وہ باقلاء یا کھجور کی گھٹلیوں کی مقدار کی تھیں، اس لئے ایسی کنکریاں مارنا سنت ہے، اور اس سے چھوٹی کنکریاں اور اس سے بڑے پتھر مارنا مکروہ ہے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ **"بامثال ھؤلاء فارموا وایاکم والغلو فی الدین"** یعنی اس قسم کی کنکریاں مارو اور غلو فی الدین سے بچو۔ (مرقاۃ: ۳/۲۲۸)

کیفیت رمی

اوپر کنکریوں کی مقدار معلوم ہو چکی ہے، کنکریاں مارنے کی کیفیت کیا ہو اس کے تین طریقے منقول ہیں:

(۱)...... دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے سرے کو سبابہ کے وسط پر رکھے اور انگوٹھے کے اوپر کنکری رکھ کر مارے۔

(۲)...... دائیں ہاتھ کی سبابہ کا حلقہ اس طرح بنائے کہ سبابہ کا سرا انگوٹھے کے جوڑ پر آ جائے اور انگوٹھے پر کنکری رکھ کر مارے۔

(۳)...... سبابہ اور ابہام کے سروں کے ساتھ پکڑ کر مارے یہ طریقہ اصح ہے، اس لئے کہ آسان ہے۔ (مرقاۃ:۸/۲۲۸/۳)

رمی جمرہ کا وقت

{۲۵۰۳} وَعَنْهُ قَالَ رَمٰی رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ ضُحًى وَاَمَّا بَعْدَ ذٰلِكَ فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲۳۵/۱، مسلم شریف: ۴۲۰/۱، باب بیان استحباب وقت الرمی، حدیث نمبر: ۱۲۹۹۔

حل لغات: الجمرة: کنکری، جمع: جمر۔ الشمس: سورج، جمع: شموس۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن چاشت کے وقت کنکریاں پھینکیں، اور اس کے بعد کے دنوں میں زوال کے بعد۔

تشریح: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر کی رمی چاشت کے وقت فرمائی اور باقی ایام کی رمی زوال کے بعد۔ ضحیٰ کا معنی ہے ضحوہ کا وقت، اور ضحوہ کہتے ہیں طلوع شمس سے زوال تک کے وقت کو۔ (مرقاۃ:۲۲۹/۳)

آخری تین ایام کی رمی کا وقت

یوم النحر کی رمی کا وقت مستحب و وقت جواز کی تفصیل پچھلے باب کی فصل ثانی کی احادیث کی تشریح کے ضمن میں آچکی ہے۔ یوم النحر کے بعد تین دنوں کی رمی کا وقت کیا ہے؟ گیارہ اور بارہ تاریخ کی رمی کے بارے میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ ان دو دنوں کی رمی کا وقت زوال کے بعد ہے، زوال سے پہلے جائز نہیں، تیرہویں تاریخ کی رمی میں اختلاف ہے، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تیرہویں

ذوالحجہ کی رمی زوال سے پہلے جائز ہے اور صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک آخری دن کی رمی بھی زوال سے پہلے جائز نہیں ہے۔

حنفیہ کے نزدیک وقت رمی کی تفصیل یہ ہے کہ گیارہ اور بارہ تاریخ کی رمی کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے اور اگلے دن کی فجر طلوع ہونے تک ہے، زوال سے غروب تک وقت مستحب ہے، اور غروب سے طلوع فجر تک کا وقت غیر معذور کے لئے مکروہ ہے، لیکن اس وقت رمی کرنے سے جزاء لازم نہیں ہوتی، تیرہ تاریخ کی رمی کا وقت امام صاحب کے نزدیک طلوع فجر سے غروب شمس تک ہے اور صاحبین کے نزدیک زوال سے غروب شمس تک ہے۔ (اوجز: ۸/۵۷)

فائدہ: دس گیارہ اور بارہ ذوالحجہ کے بعد کی راتیں پچھلے دنوں کے تابع ہیں، یعنی اگر دس ذوالحجہ کی رمی رہ جائے تو دسویں تاریخ کے بعد وہ رات ہے اس میں ادا کر سکتے ہیں، یہی حکم گیارہ اور بارہ کی رمی کا ہے، تیرہ تاریخ کے بعد جو رات ہے وہ تیرہ تاریخ کے تابع نہیں، اگر تیرہ تاریخ کی رمی غروب تک نہ کی تو رات کو رمی جائز نہیں۔ (اوجز المسالک: ۸/۵۸، شامی: ۲/۲۰۱)

جمہور کی دلیل: یہ حدیث شریف جمہور کی دلیل ہے، کیونکہ اس میں بتایا گیا ہے کہ یوم النحر کے بعد باقی تمام دنوں میں آنحضرت ﷺ زوال کے بعد رمی فرماتے تھے، مذکورہ حدیث شریف میں اگرچہ ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے، اس میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے معلوم ہو کہ زوال سے پہلے رمی جائز نہیں، یا زوال کے بعد رمی کرنا واجب ہے، لیکن دوسری کتب حدیث میں روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زوال سے قبل آخری تین ایام کی رمی جائز نہیں۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی نے سوال کیا: کہ میں جمرات کی رمی کب کروں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ جب تیرا امام رمی کرے، اس وقت تو بھی کرلے، اس نے پھر سوال کا اعادہ کیا، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: **"کنا نتحین فاذا زالت الشمس رمینا"** کہ ہم وقت کا انتظار کرتے تھے، جب سورج ڈھل جاتا تو ہم رمی کر لیتے۔ (بخاری شریف: ۱/۲۳۵)

نتحین کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ زوال سے پہلے رمی جائز نہیں، ورنہ زوال کے وقت کے انتظار کی ضرورت نہ ہوتی۔

مؤطا امام مالک میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے: **"لا ترمی الجمار فی الایام الثلاثة حتی تزول الشمس"** (مؤطا امام مالک: ۴۳۵) یعنی (یوم النحر کے بعد) تین دنوں میں زوالِ شمس سے پہلے رمی نہ کرے۔

امام صاحب کی دلیل: بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد نقل کیا ہے: **"اذا انتفخ النهار من يوم النفر فقد حل الرمي والصدر"** (نصب الرایہ: ۳/۸۵) کہ جب یوم النفر کی صبح ہو جائے تو رمی اور طواف صدر جائز ہے۔ (اشرف التوضیح: ۲/۳۳۵)

رمی کے وقت تکبیر

{۲۵۰۴} **وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّهُ اِنْتَهٰى اِلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرٰى، فَجَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَّسَارِهِ وَمِنٰى عَنْ يَّمِيْنِهِ وَرَمٰى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ، ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَمٰى الَّذِيْ اُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)**

حواله: بخاری شریف: ۱/۲۳۵، باب من رمی الجمرة العقبة، حدیث نمبر: ۱۷۴۶، مسلم شریف: ۱/۴۱۹، باب الرمی جمرة العقبة بطن الوادی الخ، حدیث نمبر: ۱۳۰۵۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ جمرۂ عقبہ پہ پہنچے، تو انہوں نے خانۂ کعبہ کو بائیں اور منیٰ کو دائیں طرف کر کے سات کنکریاں پھینکیں اور ہر کنکری پر تکبیر کہی، پھر انہوں نے کہا: کہ اس ذات نے اسی طرح سے کنکری پھینکیں ہیں، جس ذات پر سورۂ بقرہ نازل ہوئی ہے۔

رمی کس جانب سے کی جائے؟

تشریح: اس پر سب کا اتفاق ہے کہ تمام جمرات کی رمی جس جانب سے کی جائے جائز ہے، اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ جمرۂ اولیٰ اور جمرہ وسطیٰ کی رمی کے وقت استقبالِ قبلہ مستحب ہے، البتہ جمرۂ عقبہ کی رمی کے سلسلہ میں بعض شافعیہ کا یہ قول ہے کہ جمرہ عقبہ کی جانب استقبال اور کعبہ کی جانب استدبار کیا جائے گا۔

اور بعض شافعیہ کے نزدیک جمرۂ عقبہ کی رمی کے وقت استقبال قبلہ کر کے اس طرح کھڑا ہو جائے کہ جمرہ عقبہ دائیں جانب ہو۔

اور ان کا استدلال ترمذی شریف کی روایت سے ہے: **عن عبدالرحمن بن یزید قال: لما اتی عبدالله جمرة العقبة استبطن الوادی واستقبل القبلة وجعل یرمی الجمرة علی حاجبه الایمن۔** [جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جمرۂ عقبہ پر پہنچے، وادی کے درمیان ہو کر اور قبلہ رو ہو کر جمرہ کی رمی دائیں آنکھ کے بالمقابل فرمائی۔]

لیکن جمور کے نزدیک جمرۂ عقبہ کی رمی کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ جمرہ عقبہ کا استقبال کرتے ہوئے اس طرح کھڑا ہو کہ بیت اللہ شریف بائیں جانب ہو اور منیٰ دائیں جانب ہو، جمہور کا استدلال صحیحین کی اسی حدیث مذکور سے ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، اور ترمذی کی روایت کے متعلق فرمایا: **"وهذا شاذ فی اسناده المسعودی وقد اختلط" (فتح الباری: ۳/۵۸۲)**

سوال مع جواب

یکبر مع کل حصاة: یہاں سوال ہوتا ہے کہ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر رمی کے ساتھ تکبیر کہتے تھے، اور بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ انہوں نے سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری کے بعد تکبیر کہتے تھے، روایت کے الفاظ یہ ہیں: **یکبر اثر کل حصاة"** [ہر کنکری کے بعد **"الله اکبر"** کہتے تھے۔] ساری رمی کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ **"هکذا رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم"** [میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔] (بخاری شریف: ۳/۲۳۶) دونوں روایتوں میں تعارض ہے۔

جواب: یہ ہے کہ تعقیب اور معیت میں منافات نہیں، اگر تکبیر رمی حصاۃ کے بعد بھی ہو تو اس پر مع کا لفظ بولنا صحیح ہے، مع کا لفظ بولنے کے لئے ضروری نہیں کہ تکبیر رمی کے ساتھ ابتداءً وانتہاءً متصل ہو، جیسا کہ قرآن پاک میں ملکہ بلقیس کا قول نقل کیا گیا ہے: **"اسلمت مع سلیمان"** میں سلیمان کے ساتھ ایمان لائی، اس نے مع سلیمان کا لفظ بولا، حالانکہ اس کا ایمان لانا سلیمان علیہ السلام

کے ایمان لانے کے ساتھ متصل نہیں تھا۔

هکذا رمی الذی انزلت علیه البقرة: الذی انزلت علیه البقرة [اس ذات گرامی نے اسی طرح رمی فرمائی جس پر سورۂ بقرہ نازل ہوئی۔] سے مراد حضور اقدس ﷺ ہیں، آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی ذکر کرنے کے بجائے آنحضرت ﷺ کا ذکر موصول صلہ کے ساتھ کیا، آنحضرت ﷺ کے مذکورہ طریقے سے رمی کی اہمیت بیان کرنے کے لئے رمی کا یہ طریقہ اتنا احسن اور اہم ہے کہ اس طریقے سے اس ذات نے رمی فرمائی ہے جس پر سورت بقرہ نازل ہوئی۔ سورۂ بقرہ کا ذکر یا تو اس وجہ سے ہے کہ اس میں حج کے بہت سے احکام ہیں، یا اس وجہ سے ہے کہ سورۂ بقرہ تمام سورتوں سے بڑی سورت ہے۔
(مرقاۃ: ۵/۳۵۶، اشرف التوضیح: ۲/۳۳۷، نفحات التنقیح: ۳/۳۴۸)

ثم قال هکذا رمی الذی انزلت علیه سورة البقرة: یوں تو پورا قرآن شریف رسول اللہ ﷺ نازل ہوا ہے، لیکن اس موقعہ پر سورۂ بقرہ کی تخصیص اس لئے ہے کہ اس میں حج کے مسائل زیادہ مذکور ہیں۔

سات کا حکم

{۲۵۰۵} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِسْتِجْمَارُ تَوٌّ، وَرَمْيُ الْجِمَارِ تَوٌّ، وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ تَوٌّ، وَالطَّوَافُ تَوٌّ، وَاِذَا اسْتَجْمَرَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَجْمِرْ بِتَوٍّ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۱/۴۲۰، باب بیان ان حصی الجمار سبع سبع، حدیث نمبر: ۱۳۰۰۔

حل لغات: تو: طاق۔ جمع اتواء، **فلیستجمر: استجمر (استفعال)** دھونی دینا۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: استنجاء طاق ہے، کنکری پھینکنا طاق ہے، صفا مروہ کے درمیان سعی طاق ہے، طواف طاق ہے، اور تم میں سے کوئی دھونی دے وہ بھی طاق ہے۔

تشریح: الاستجمار کے لغت میں تین معنی ہیں: (۱) الاستنجاء بالاحجار، احجار سے استنجاء کرنا۔

(۲) دھونی دینا۔ (۳) رمی جمار کرنا۔

حدیث شریف میں پہلے استجمار سے مراد بالاتفاق استنجاء بالاحجار ہے، اور **"اذا استجمر احدکم"** میں استجمار کے بعد شارحین حدیث نے استنجاء بالاحجار کے معنی مراد لئے ہیں اور بعض نے تجمر (دھونی) کے معنی مراد لئے ہیں، دوسرا معنی مراد لینا بہتر ہے، کیونکہ اس صورت میں حدیث شریف میں تکرار نہیں رہتا۔

تَوٌّ: تا کا فتحہ اور واؤ مشدد، اس کا معنی ہے طاق عدد جیسے تین، پانچ، سات۔

مطلب یہ ہے کہ طاق عدد پسندیدہ چیز ہے، اس لئے استنجاء بالاحجار، رمی، سعی بین الصفا والمروۃ، طواف اور تجمر میں طاق عدد کی رعایت کی جائے۔ استنجاء بالاحجار میں طاق ہونا تین کے عدد کے ساتھ سنت ہے، اور باقی تمام کاموں میں طاق ہونا سات کے عدد کے ساتھ ہے، رمی میں سات کنکریاں مارنا اور سعی بین الصفا والمرہ میں سات چکر لگانا واجب ہے، اور طواف کے سات چکر جمہور کے نزدیک فرض ہیں اور حنفیہ کے نزدیک چار چکر فرض اور باقی تین واجب ہیں۔ (مرقاۃ: ۳۴۷/۵، اشرف التوضیح: ۳۳۸/۲)

الفصل الثانی

سواری سے رمی کرنا

{۲۵۰۶} وَعَنْ قُدَامَةَ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمَّارٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ عَلٰى نَاقَةٍ صَهْبَاءَ لَيْسَ ضَرْبٌ وَلَا طَرْدٌ وَلَيْسَ قِيْلَ إِلَيْكَ إِلَيْكَ۔ (رواہ الشافعی والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والدارمی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/ ۱۸۰، باب ماجاء فی کراهیة طرد الناس الخ، حدیث نمبر: ۹۰۳، نسائی شریف: ۲/ ۴۰، باب الرکوب الی الجمار الخ، حدیث نمبر: ۳۰۶۳، ابن ماجہ شریف: ۲۱۸، باب رمی الجمار راکبا، دارمی: ۲/ ۲۷، باب فی رمی الجمار یرمیها راکبا، حدیث نمبر: ۱۹۰۱۔

حل لغات: صهباء: سرخی مائل سفیدی، **صهب (س) صهباً، الشعر:** بالوں کا سرخ یا سفید ہونا۔

ترجمہ: حضرت قدامہ بن عبداللہ بن عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے قربانی کے دن حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صہباء اونٹنی پر سوار ہو کر رمی کرتے دیکھا ہے، نہ وہاں مارنا تھا نہ ہانکنا اور نہ ہٹو بچو کی آوازیں تھیں۔

تشریح: صهباء: اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کی رنگت کی سفیدی سرخی آمیز ہو، بایں طور کہ اس کے بالوں کی نوکیں اوپر سے سرخ ہوں اور نیچے کی طرف سفید ہوں۔

حدیث شریف کے آخری جز کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح امراء وسلاطین اور سربراہ مملکت کی سواری کے آگے آگے نقیب و چوبدار راستہ کا انتظام واہتمام کرتے ہوئے چلتے ہیں، سرور کائنات اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے آگے اس طرح کا کوئی انتظام واہتمام نہیں ہوتا تھا۔ باقی سواری پر

سے رمی کرنا کیسا ہے؟ اس کی تفصیل اوپر گذر چکی۔

رمی اور سعی ذکراللہ کے ذرائع

{۲۵۰۷} **وَعَنْ** عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّمَا جُعِلَ رَمْيُ الْجِمَارِ وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِإِقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (رواه الترمذی والدارمی) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

حواله: ترمذی شریف: ١/١٨٠، باب کیف ترمی الجمار حدیث: ۹۰۲، دارمی: ٢/٧١، باب الذکر فی الطواف الخ، حدیث نمبر: ١٨٥٣۔

حل لغات: ذکر: ذَكَرَ (ن) ذِكْرًا، یاد کرنا۔

ترجمه: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ رمی جماراور سعی بین الصفا والمروہ اللہ کی یاد کو قائم کرنے کے لئے ہیں۔

تشریح: رمی اور سعی بھی درحقیقت ذکراللہ ہی ہیں۔

یہ دونوں ذکراللہ اس طور پر ہیں کہ ان دونوں امور کو انجام دیتے وقت اللہ کا ذکر اور دعائیں کی جانے کے ساتھ ساتھ ان مقامات میں پیش آمدہ واقعات کی یاد تازہ ہو جاتی ہیں اور مناظر قدرت آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں۔ (مرقاۃ: ٣/٢٣٠)

منیٰ میں ٹھہرنے کی جگہ متعین کرنا

{۲۵۰۸} **وَعَنْهَا** قَالَتْ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَلَا نَبْنِيْ لَكَ بِنَاءً يُظِلُّكَ بِمِنًى قَالَ لَا مِنًى مُنَاخُ مَنْ سَبَقَ۔ (رواه الترمذی وابن ماجة والدارمی)

حواله: ترمذی شریف: ١/١٧٧، باب ماجاء ان منی مناخ من سبق، حدیث نمبر: ٨٨١، ابن ماجه شریف: ٢١٦، باب النزول بمنی، حدیث: ٣٠٠٦، دارمی: ٢/١٠٠، باب کراهية البنيان بمنی، حدیث: ١٩٣٧۔

حل لغات: **بناء:** عمارت، جمع: **ابنیۃ، ظل:** سایہ، جمع: **ظلال، مناخ:** اونٹ بٹھانے کی جگہ۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم نے کہا: یارسول اللہ! آپ کے لئے منیٰ میں کوئی عمارت نہ بنوادیں؟ جو آپ کے لئے سایہ کا کام دے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں! منیٰ اس شخص کے اونٹ بٹھانے کی جگہ ہے جو پہلے پہنچے۔

تشریح: **قال لامنی مناخ من سبق:** **لا** پر وقف کر کے پڑھا جائے، **لا** کے بعد **تبنو** فعل محذوف ہے۔ **مناخ الاناخۃ** سے مشتق ہے، اناخہ کا معنی ہے اونٹ بٹھلانا اور مناخ کا لغوی معنی ہے اونٹ بٹھانے کی جگہ اور یہاں مطلق ٹھہرنے کی جگہ مراد ہے۔

مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کہ یارسول اللہ! آپ کے لئے منیٰ میں عمارت بنادیں، جس سے آپ کو سایہ حاصل ہو، کیونکہ خیمہ وغیرہ سے ایسا سایہ نہیں ہوتا، جس سے گرمی سے بچا جائے، عمارت کے سائے سے گرمی سے حفاظت ہوسکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا، اور وجہ یہ بیان کی کہ منیٰ میں عمارت بنانے سے جگہ مخصوص ہوجاتی ہے جبکہ منیٰ عام جگہ ہے، جس جگہ جو آدمی ٹھہر جائے گا وہ جگہ اس کا حق ہے۔

عمارت بنانے سے منع فرمانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر عمارت بنانے کی اجازت دے دی گئی تو اور لوگ بھی عمارت بنائیں گے، جس سے منی کی جگہ لوگوں کے لئے تنگ ہوجائے گی۔ یہی حکم شوارع اور اسواق اور ان جگہوں کا ہے جس سے عوام الناس کا حق متعلق ہے، ایسی جگہ کسی خاص آدمی کے لئے عمارت وغیرہ بنا کر اپنے لئے خاص کرنے کا حق نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ۵/۳۴۷، اشرف التوضیح: ۲/۳۳۸)

حنفیہ تو حدود حرم کو وقف کہتے ہیں، لہٰذا اس میں یہ تخصیص کا تصرف وقف ہونے کی وجہ سے بھی درست نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ایضاً)

﴿الفصل الثالث﴾

جمرات کے پاس وقوف

{۲۵۰۹} وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا كَانَ يَقِفُ عِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ وُقُوْفًا طَوِيْلًا يُكَبِّرُ اللهَ وَيُسَبِّحُهُ وَيَحْمِدُهُ وَيَدْعُوْا اللهَ وَلَا يَقِفُ عِنْدَ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ۔ (رواه مالك)

حوالہ: موطا امام مالک: ۱۵۸، باب رمی الجمار۔

حل لغات: یقف: وَقَفَ (ض) وقوفاً: ٹھہرنا۔

ترجمہ: حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پہلے دو جمروں کے پاس دیر تک ٹھہرتے تھے، اللہ تعالیٰ کی بڑائی، اس کی تسبیح، اور تحمید بیان کرتے ہوئے دعا فرماتے تھے، اور جمرۂ عقبہ کے پاس نہیں ٹھہرتے تھے۔

تشریح: کان یقف عند الجمرتین الاولین الخ: مراد یہ ہے کہ جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ میں رمی کے بعد کچھ دیر تک ٹھہر کر ذکر او ردعا وغیرہ کرے، جس کی مقدار سورۂ بقرہ پڑھنے کے برابر ہے۔ **"قیل قدر قراءة سورة البقرة کما رواه البیهقی من فعل ابن عمر"** (مرقاة: ۵/۳۴۸)

ولا یقف عند جمرة العقبة: جمرۂ عقبہ کے پاس اس لئے نہیں کھڑے ہوتے تھے کہ یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔ (مشکوۃ: ۲۳۴)

ہر وہ جمرہ جس کے بعد رمی نہیں وہاں وقوف نہ کرے۔

ویدعوا اللہ الخ: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ دعاء بغیر رفع یدین کے ہے، ائمہ ثلٰثہ کے نزدیک رفع یدین کے ساتھ۔

مسائل منیٰ

منی کی وجہ تسمیہ

''منیٰ'' کو منیٰ کہنے کی بہت سی وجوہات منقول ہیں، لیکن ان میں سب سے مشہور بات یہ ہے کہ یہاں چونکہ ہدی کے جانور ذبح کئے جاتے تھے اور ان کا خون بہایا جاتا تھا، اس لئے اس مقام کا نام ''منیٰ'' پڑ گیا۔ (اس لئے کہ عربی زبان میں **"امنی"** اور **"منیٰ"** کا لفظ کسی چیز کے بہانے کے معنیٰ میں آتا ہے۔) **"و سمیت بذالک لما یمنی فیھا من الدماء ای یراق و یصب من "امنی النطفة ومناھا" اراقھا، ھذا ھو المشھور الذی قالہ الجماھیر من اھل اللغة وغیرھم"** (البحر العمیق:۱۴۱۸، اوجز المسالک بیروت:۱۹۴/۷) **" سمیت بذلک لما یمنی بھا من الدماء یعنی یراق"** (الموسوعة الفقیھة: ۶۷/۳۹)

ہدایت: لیکن آج کل جانوروں کو ذبح کرنے کی جگہیں **"المعیصیم"** میں منتقل کر دی گئی ہیں، جو منیٰ کے شمالی جانب واقع ہے، اب منیٰ کی حدود میں کوئی منحر (سلاٹر ہاؤس) نہیں رہا۔

منیٰ کے شرعی حدود

منیٰ مکہ معظمہ کی شرقی جانب پہاڑوں کے درمیان ایک لمبی وادی ہے، جس کی لمبائی میں ''جمرۂ عقبہ'' سے ''وادیٔ محسر'' تک ہے، اور ''وادیٔ محسر'' بالاتفاق منیٰ سے خارج ہے، جب کہ ''جمرۂ عقبہ'' کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ احناف وغیرہ کے نزدیک ''جمرۂ عقبہ'' منیٰ کی حد سے خارج ہے، اور چوڑائی میں دوطرفہ پہاڑوں کا اندرونی حصہ ''منیٰ'' میں ہے۔ اور دوسری جانب کا حصہ ''منیٰ'' سے خارج ہے۔ [آج کل منیٰ کی شرعی حدود کی نشانی کے طور پر حکومت نے بڑے بڑے نیلے بورڈ لگا رکھے ہیں، ان سے بہ آسانی منیٰ کی حدود کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔] **"وحدھا ما بین وادی محسر و جمرة العقبة**

وهی شعب طوله نحو میلین وعرضه یسیر والجبال محیطة به ما اقبل منها علیه فهو من منیٰ، وما ادبر منها فلیس من منی ویری الحنفیة والشافعیة والحنابلة ان وادی محسر وجمرة العقبة لیسا من منیٰ الخ" (الموسوعة الفقهیة: ۵۷/۳۹، غنیة الناسک: ۱۶۹، مناسک ملاعلی قاری ﷫: ۲۲۳، البحر العمیق: ۱۴۱۳/۳)

منیٰ کا کل رقبہ

نئی تحقیق کے مطابق منیٰ کا میدانی حصہ تقریباً ۴۰؍لاکھ مربع میٹر پر مشتمل ہے، جب کہ پہاڑی رقبہ کا اندازہ ۲۰؍لاکھ مربع میٹر سے لگایا گیا ہے، اس اعتبار سے پورے منیٰ کا مجموعی رقبہ تقریباً ۶۰؍لاکھ مربع میٹر بیٹھتا ہے۔ (البحر العمیق: ۱۴۱۷/۳)

جس کے قابل استعمال حصوں پر فائر پروف مستقل خیمے، سڑکیں اور ضروری عمارات تعمیر کر دی گئی ہیں، اور جمرات کی ۵؍منزلہ عظیم الشان عمارت نے بھی ایک بڑے رقبہ کا احاطہ کر رکھا ہے۔

وادیٔ محسر

منیٰ کے ختم اور مزدلفہ کی ابتداء کے درمیان ایک وادی حائل ہے، جو نہ تو حدود منیٰ میں شامل ہے اور نہ ہی حدود مزدلفہ، اس میں ٹھہرنا درست نہیں ہے، بلکہ وہاں سے تیز گذرنے کا حکم ہے۔ مشہور ہے کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں ابرہہ کے لشکر کو ہلاک کیا گیا تھا۔ **"وفی منسک الطرابلسی: ولیس وادیٔ محسر من مزدلفة ولا من منی انما هو جبل بینهما"** (البحر العمیق: ۱۴۱۵/۳، شامی زکریا: ۴۷۰/۳، انوار مناسک: ۱۳۴)

ہدایت: آج کل "وادیٔ محسر" میں حکومت کی طرف سے حاجیوں کے ٹھہرنے کے لئے مستقل خیمے تو نصب نہیں ہیں، لیکن حج کے موقع پر وہاں پولیس، فوج اور سرکاری کارندوں کے قیام کے لئے عارضی خیمے نصب کر دیئے جاتے ہیں، اور انہی کی دیکھا دیکھی بہت سے حجاج بھی فولڈر خیمے لگا کر وہاں قیام کرتے ہیں، پس حجاج کو وہاں قیام نہیں کرنا چاہئے، اس کا خاص خیال رکھا جائے۔

مشاعر مقدسہ میں سفر و اقامت کے احکام

مشاعر مقدسہ (منیٰ، مزدلفہ وغیرہ) میں سفر و اقامت اور نمازوں میں قصر و اتمام کا مسئلہ اس وقت بہت اہمیت اختیار کر چکا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء کے زمانہ میں بلکہ آج سے کچھ عرصہ پہلے تک مکہ معظمہ کی آبادی محدود تھی، اور منیٰ و مزدلفہ اور عرفات کے درمیان بڑے بڑے پہاڑ اور وادیاں حائل تھیں، اور ان مقامات کے ایک آبادی میں شمار کئے جانے کا کوئی تصور نہ تھا لیکن گذشتہ سالوں میں دیکھتے ہی دیکھتے مکہ معظمہ ہر چہار جانب تیزی سے وسیع ہوتا گیا اور شہری آبادی منیٰ و مزدلفہ بلکہ عرفات کے قریب تک پہنچ گئی۔ اب یہ بات تو اپنی جگہ طے شدہ ہے کہ تمام مشاعر کی شرعی حدود بالکل متعین اور ناقبل ترمیم ہیں، اور جو عبادات ان میں سے جس جگہ ادا کرنے کا حکم ہے اس کے حدود میں ادا کئے بغیر اس عبادت کا ثواب نہیں مل سکتا، مثلاً منیٰ میں رات گذارنے کا جو ثواب ہے وہ حدود مکہ میں رات گذارنے سے حاصل نہیں ہوسکتا، اسی طرح وقوفِ مزدلفہ کا حکم وقوفِ منیٰ سے پورا نہیں ہوسکتا وغیرہ۔ لہٰذا مناسک کی ادائیگی کے اعتبار سے مشاعر مقدسہ کی حدود میں ترمیم و تبدیلی کسی کے اختیار میں نہیں ہے، یہ اچھی طرح ذہن نشین رکھنا چاہئے۔

البتہ بحث یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک نمازوں میں قصر و اتمام کا تعلق مناسک حج سے نہیں ہے، بلکہ اس کا مدار ان عام اصولوں پر ہے جن کو دنیا کی ہر آبادی کے لئے قصر و اتمام کی بنیاد بنایا گیا ہے، لہٰذا جس طرح دنیا کے دیگر شہروں اور آبادیوں پر وہ اصول جاری ہوتے ہیں، اسی طرح مکہ معظمہ اور اس سے ملحق جگہوں پر بھی جاری ہوں گے۔ مثلاً ایک شہر اور اس سے متصل فناءِ شہر یا حکومتی اور عرفی اعتبار سے جن جگہوں پر ایک آبادی کا اطلاق ہوتا ہو وہ سب ایک شہر کے حکم میں سمجھے جاتے ہیں، اور وہاں پر پندرہ دن یا اس سے زائد قیام کی نیت سے ٹھہرنے والا اس وقت تک مقیم ہی کہلائے گا جب تک کہ اس شہر اور اس سے ملحق جگہ سے سفر شرعی کے ارادہ سے باہر نہ چلا جائے۔

اس اصول کی روشنی میں جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اگرچہ ماضی قریب تک مکہ معظمہ، منیٰ، مزدلفہ بالکل الگ الگ مقامات تھے، لیکن اب منیٰ تین جانب سے آبادی کے بیچ میں آ گیا ہے، جنوبی جانب ''محلہ عزیزیہ''، شمال میں ''شرائع معیصیم اور عدل'' اور مغرب کی طرف ''شیشہ

محلہ" آباد ہے، نیز منیٰ کے پہاڑوں کے درمیان بڑی بڑی وسیع سرنگیں نکال کر منیٰ کا رابطہ مکہ معظمہ سے بہت قوی کر دیا گیا ہے، اور یہ راستے سال بھر محلوں کے درمیان گذرگاہ کے طور پر استعمال ہوتے رہتے ہیں اور جنوبی پہاڑوں کے بہت بڑے رقبہ پر شاہی محل بھی تعمیر شدہ ہے، اور شمالی پہاڑوں کے دامن میں جمرات کے قریب حجاج ومعتمرین کے لئے بڑی وسیع عمارتیں بھی تعمیر کر دی گئی ہیں اور مزید تعمیرات کا منصوبہ ہے، اور ایک بڑا اسپتال اور رابطہ عالم اسلامی کا دفتر بھی یہاں واقع ہے، جس میں سال بھر سرگرمیاں جاری رہتی ہیں۔ اسی طرح "عزیزیہ جنوبیہ" سے "مزدلفہ" کی حد بھی مل گئی ہے، اور وقفہ وقفہ سے آبادی کا تسلسل "جامعہ ام القریٰ" کے نئے احاطہ تک پہنچ گیا ہے، جو عرفات کے بالکل قریب واقع ہے، اس لئے ہندوپاک کے معتبر علماء ومفتیان نے عینی مشاہدہ کے بعد یہ احتیاطی رائے قائم کی ہے کہ اقامت ومسافرت کے مسئلہ میں اب منیٰ اور مزدلفہ کا حکم مکہ معظمہ کے مانند ہے، یعنی جو شخص حج سے قبل مکہ معظمہ آئے اور اس کا ارادہ بشمول ایام حج پندرہ روز قیام کا ہو تو وہ مقیم شمار ہوگا۔ اور اس سے تین ضمنی مسئلے متعلق ہوں گے:

(۱)……اگر مقیم شخص ہے تو اسے ان جگہوں پر نماز پوری پڑھنی ہوگی۔

(۲)……منیٰ میں جمعہ ادا کیا جائے گا۔ (البتہ عرفات اس سے مستثنیٰ ہے)

(۳)……مقیم ذی استطاعت حاجی پر (حج کی قربانی کے علاوہ) مالی قربانی حسب دستور واجب ہوگی۔ (اب وہ چاہے حرم میں قربانی کرے یا اپنے وطن میں قربانی کرائے)

"المستفاد: وقال اکثر اهل العلم منهم عطاء والزهری والثوری والکوفیون وابو حنیفه واصحابه لا یقصر الصلوة اهل مکة بمنی وعرفات لانتفاء مسافة القصر" (اوجز المسالک: ۷/۲۰۵)

منی کے مکہ معظمہ کے حکم میں ہونے کے متعلق درج ذیل اشارات یاد رکھنے کے قابل ہیں:

"امیر نائف" وزیر داخلہ سعودی عرب کی رائے

(۱)……سعودی عرب کے وزیر داخلہ اور اعلیٰ اختیاراتی حج کمیٹی کے چیئرمین امیر نائف ابن عبد العزیز نے صراحت کی ہے کہ تمام مشاعر مقدسہ اب مکہ شہر کے بیچوں بیچ آ گئے ہیں، ان کے الفاظ یہ

ہیں: ”نشاهد ان مكة شرفها الله تعالى تعدى توسعها في جهة الجنوب عرفة، و من جهة الشمال الغربي و صلت الى الشرائع فأصبحت المشاعر في وسط مدينة مكة“ (اخبار الجزيرة: ۷/ذی الحجة ۱۴۲۹ھ، دسمبر: ۲۰۰۸ء، بحوالہ حج میں قصر واتمام کی تحقیق: ۱۳۹، مؤلفہ: مفتی محمد رضوان صاحب راول پنڈی پاکستان)

اب غور فرمائیے کہ جب سعودی وزیر داخلہ خود مشاعر مقدسہ کو شہر مکہ کے وسط میں ہونے کا اعلان کر رہے ہیں، تو اس کے بعد کسی کے نہ ماننے کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟

شیخ عثیمینؒ کا فتویٰ

(۲)......سعودی عرب کے ایک بڑے معتبر عالم شیخ محمد صالح بن محمد العثیمینؒ (متوفی: ۱۴۲۱ھ) فرماتے ہیں: ”وفي يومنا هذا اذا تأمل المتأمل يجد ان منى حي من احياء مكة، وحينئذ يقوى القول بانهم لا يقصرون في منى الخ“

(الشرح الممتع علی زاد المستقنع: ۷/۷۷، بحوالہ: حج میں قصر واتمام کی تحقیق: ۱۳۵)

ترجمہ: اور ہمارے آج کے اس دور میں اگر کوئی گہرائی سے جائزہ لے گا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ ”منیٰ“ مکہ کے محلوں میں سے ایک محلہ ہے، اور اسی سے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ حجاج منیٰ میں قصر نہیں کریں گے۔

شیخ سبیّل کا مکتوب

(۳)......سابق امام حرم شیخ محمد ابن عبد اللہ السبیّل جو اپنے زمانہ میں حرمین شریفین کی اعلیٰ اختیاراتی نگراں کمیٹی کے رئیس رہے ہیں، انہوں نے مشہور عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی پاکستان کے ایک سوال کے جواب میں واضح طور پر تحریر کیا تھا کہ: ”مکہ شہر کی آبادی منیٰ کے علاوہ حدودِ عرفات تک پہنچ گئی ہے، اور حکومت بھی ان جگہوں کو ایک آبادی شمار کرتی ہے“ شیخ کے الفاظ یہ ہیں: ”الذي يظهر لنا أن منى اصبحت اليوم

جزءامن مدینۃ مکۃ بعدان اکتنفھا بنیان مکۃ وتجاوز ھا الی حدود عرفۃ، وبناءا علی ھذا فانھا قد اصبحت الیوم من احیاء مدینۃ مکۃ، فلا یعد الذاھب الیھا من مکۃ مسافرا الخ" اور آگے لکھتے ہیں: **"ان حکومۃ المملکۃ العربیۃ السعودیۃ تعد منی من مکۃ علی اعتبار انھا حی من احیاءھا"** (بحوالہ: رسالہ حج میں قصر واتمام کی تحقیق: ۱۳۳)(شیخ موصوف کی پوری تحریر ملاحظہ کریں: انوار مناسک: ۶۸۱، مؤلفہ مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی)

ایک عالم محقق کی تحقیق

(۴)……عرب کے ایک محقق عالم ڈاکٹر عبد اللہ نذیر عبد الرحمن جو جدہ کے "ملک عبد العزیز یونیورسٹی" کے معاون استاذ ہیں، اور جنہوں نے علامہ ابن الضیاء المکی الحنفی المتوفی ۸۵۴ھ کی جامع ترین کتاب **"البحر العمیق فی مناسک المعتمر والحاج الی بیت اللہ العتیق"** کی ۵ر جلدوں میں تعلیق وتحقیق اور اشاعت کا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے، وہ اس موضوع پر اپنی رائے اس طرح ظاہر کرتے ہیں: **"فان منیٰ الاٰن اصبحت من ضمن مکۃ المکرمۃ، لتوسع البناء والعمران، وامتدادھا الیھا، ومن ثم اختلف الحکم باختلاف العلۃ، اذا الحکم یدور مع العلۃ حیث ما دار سلبا وایجابا، وحصل الخلاف فی المسئلۃ بین العلماء باعتبار ما کان المنی علیھا، اما الاٰن فقد تغیر الوضع فاصبحت منی من مکۃ المکرمۃ ولیس ذلک فی زمن موسم الحج بل علی مدار السنۃ لاستدامتہ اقامۃ الناس بھا"** (حاشیۃ البحر العمیق: ۳/۱۴۹۳)

ترجمہ: منیٰ اب مکہ معظمہ کے اندر آچکا ہے، کیونکہ آبادی کی وسعت منیٰ تک پہنچ گئی ہے، اس بناء پر علت کے بدلنے سے حکم بھی بدلے گا، کیونکہ حکم علت کے ساتھ دائر رہتا ہے، جہاں بھی دائر ہو، مثبت یا منفی طور پر، اور پہلے زمانہ میں منیٰ کی جوصورتِ حال تھی اسی اعتبار سے (منیٰ میں اقامت جمعہ کے سلسلہ میں) فقہاء میں اختلاف ہوا تھا، لیکن اب صورتِ حال بدل چکی ہے، اور منیٰ مکہ معظمہ میں شامل ہو چکا ہے، اور یہ صرف موسم حج ہی کے لئے نہیں ہے؛ بلکہ سال بھر کے

لئے یہی حکم ہے، کیونکہ برابر وہاں لوگوں کی آمدورفت جاری رہتی ہے۔

مفتی مدینہ حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی مہاجر مدنی ؒ کا فتویٰ

(۵)......مدینہ منورہ کے متبحر عالم مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلندشہری مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہٗ (المتوفی: ۱۴۲۲ھ) نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا: ’’اگر حکومت سعودی منیٰ کو مکہ معظمہ کا محلہ تسلیم کرلے تو صرف قصر و اتمام کے مسئلہ میں فرق آسکتا ہے، جو امورِ منیٰ سے متعلق ہیں وہ بہر حال منیٰ ہی سے متعلق رہیں گے، یعنی منیٰ اگرچہ مکہ معظمہ کا محلہ بن جائے پھر بھی وہاں یوم الترویہ گذارنا، پانچ نمازیں منیٰ میں پڑھنا، نویں کو منیٰ سے روانہ ہونا سنت رہے گا۔‘‘

نیز فرمایا: ’’اگر منیٰ کو مکہ معظمہ کا حصہ مان لیا جائے تو مکہ معظمہ میں پندرہ دن رہنے سے مقیم ہوجائے گا اور شک کو مٹانے کے لئے دو رکعت کی جگہ چار رکعت پڑھ لے تب بھی نماز ہوجائے گی۔‘‘ (یادگارِ صالحین: ۸۳۲، مؤلفہ: مفتی عبدالرحمن کوثر مدنی مدظلہ) (کتاب المسائل: ج ۳)

یوم الترویہ (۸/ ذی الحجہ) میں منیٰ کی مصروفیات

آج کے دن حجاج کے لئے تین باتیں مسنون ہیں:

(۱)......مکہ معظمہ سے منیٰ جانا۔

(۲)......منیٰ میں پانچ نمازیں: ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور نویں ذی الحجہ کی فجر ادا کرنا۔

(۳)......رات کا اکثر حصہ منیٰ میں گذارنا۔ **’’فکل من الخروج یوم التروية الی منی واداء الصلوة الخمس بها، والمبيت بها اكثر الليلة سنة‘‘** (غنية الناسک: ۱۲۶، ومثله فی الدر المختار مع الشامی زکریا: ۳/۵۱۷، تاتارخانیة زکریا: ۳/۵۰۵، مناسک ملاعلی قاری ﷺ: ۵۸۷)

مکہ معظمہ سے زوال کے بعد روانگی

اگر ۸/ تاریخ کو مکہ معظمہ سے زوال کے بعد روانہ ہوا لیکن ظہر منیٰ میں جاکر پڑھی تو اس میں کوئی

حرج نہیں ہے۔ **"ولو خرج من مکة بعد الزوال فلا بأس به اذا صلی الظهر بمنیٰ"** (غنیة الناسک: ۱۴۶، اوجز المسالک: ۱۹۹/۷)

۸/ذی الحجہ کو قیامِ منیٰ کی حکمت

۸/ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام کی حکمت یہ ہے کہ حاجی صاحبان عرفات جانے کے لئے مستعد اور تیار ہو جائیں۔ **(البحر العمیق: ۱۴۱۲/۳، فتح القدیر: ۴۶۶/۲)**

اور ایک مقصد یہ بھی ہے کہ یکسوئی کے ساتھ جمع ہو کر مسائل ومناسک حج کا مذاکرہ وتکرار کرلیں۔ (اس لئے حجاج کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ منیٰ جا کر پوری دل جمعی سے حج کی تیاریوں میں مشغول رہیں اور فضول مٹرگشتی اور اعزاء ومتعلقین کی ملاقاتوں کی فکر کرکے اوقات کو ضائع نہ کریں۔)

منیٰ میں قیام کی مستحب جگہ

منیٰ میں مسجد خیف (جو منیٰ میں جنوبی جانب جمرات کے قریب واقع ہے، اس کا مسجد حرام سے فاصلہ ۹/کلو میٹر ہے) کے قریب قیام کرنا مستحب ہے۔ (لیکن آج کل منیٰ کا قیام اپنے اختیار میں نہیں رہا؛ بلکہ معلم کے خیمے جہاں نصب ہوتے ہیں وہیں قیام کرنا پڑتا ہے۔) **"ویستحب ان ینزل بالقرب من المسجد الخیف"** (غنیة الناسک: ۱۴۶، البحر الرائق کوئٹہ: ۳۳۵/۲، فتح القدیر: ۴۶۷/۲، البحر العمیق: ۱۴۱۲/۳، مجمع الانهر: ۴۰۶/۱، بنایة: ۲۱۲/۴، طحطاوی اشرفیه: ۷۳۵)

مسجد خیف میں نماز باجماعت

بعض معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ آج کل مسجد خیف میں حکومت سعودیہ کی طرف سے مقررہ امام مقیم ہونے کے باوجود ۴/رکعت والی نمازیں قصر پڑھاتے ہیں، اس لئے کہ ان کے مسلک میں قصر کا حکم حج کے تابع ہے۔ جب کہ احناف کے نزدیک حج کی وجہ سے قصر کا حکم نہیں ہوتا؛ بلکہ سفر کی وجہ سے ہوتا ہے، لہٰذا حنفی حجاج کو مسجد خیف میں چار رکعت والی فرض نمازیں امام کی اقتداء میں نہیں پڑھنی

چاہئیں؛ البتہ مغرب اور فجر کی نمازیں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ **"فالحق ما علیه الجمهور ان القصر بمنی وعرفات کان للسفر لا لکونه من مناسک الحج"** (اعلاء السنن کراچی: ۱۰/۴۱۱)

تنبیہ: تاہم نوافل وغیرہ کسی غیر مکروہ وقت میں وہاں جا کر پڑھ لینا مناسب ہے، اس لئے کہ اس مسجد میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کا نماز پڑھنا ثابت ہے۔ بعض آثار میں ہے کہ یہاں ۷۰ ر انبیاء علیہم السلام نے نماز پڑھی ہے۔ (رسول اللہ کا طریقہ حج: ۳۰۹، مؤلفہ مولانا مفتی محمد ارشاد القاسمی)

منیٰ میں جمعہ قائم کرنا

آج کل چونکہ راجح رائے کے مطابق منیٰ مکہ معظمہ سے متصل فناء کی شکل اختیار کر چکا ہے، لہٰذا وہاں جمعہ کا قیام اسی طرح ضروری ہے جیسے مکہ معظمہ میں، اس لئے ایام منیٰ میں اگر جمعہ پڑ رہا ہو تو وہاں جمعہ پڑھنا بلا شبہ درست ہے۔ **"ویجوز اقامة الجمعة بمنی ولم یجز بعرفات، لوجهین: احدهما لان منی من فناء مکة فانها من الحرم۔ والوجه الثانی: ان منی تتحصر فی ایام الموسم لاجتماع شرائط المصر فیها"** (البحر العمیق: ۳/۱۴۹۲)

بریں بنا حجاج کو اپنے اپنے خیموں میں جمع ہو کر جمعہ قائم کرنا ہوگا۔

مزدلفہ کی حدود میں قیام

آج کل سعودی حکومت نے حجاج کے فائر پروف خیمے منیٰ کی حدود سے آگے بڑھا کر مزدلفہ کی حدود میں تقریباً ایک تہائی حصہ تک نصب کر دیئے ہیں، اور حجاج کو چاروناچار ایام منیٰ میں ان خیموں میں قیام کرنا پڑتا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ مزدلفہ کے حدود میں واقع خیموں میں قیام کرنے سے قیام منیٰ کی سنت ادا ہوگی یا نہیں؟ تو اس بارے میں اگرچہ بعض عرب علماء نے مسجد کی جماعت کی صفوں پر قیاس کرتے ہوئے سنت قیام منیٰ کی ادائیگی کا قول کیا ہے، لیکن راجح یہی ہے کہ حدودِ مزدلفہ کے قیام سے قیام منیٰ کی سنت ادا نہ ہوگی، البتہ جو حجاج مجبوراً حدودِ مزدلفہ میں ٹھہریں گے، امید ہے کہ وہ ترکِ قیامِ منیٰ کے گنہگار نہ ہوں گے۔ **"ولو بات فی غیرها متعمداً لا یلزمه شیء عندنا"** (هدایة: ۱/۲۷۵، انوار مناسک: ۵۰۱)

منیٰ کی حدود میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے حدودِ مکہ میں قیام کرنا

اگر کسی شخص کو حکومتی نظام کی مجبوری کی وجہ سے حدودِ منیٰ میں قیام کی جگہ نہ ملے، تو اس کے لئے منیٰ کے علاوہ کہیں بھی قیام کرنا جائز ہے، خواہ وہ حدودِ مکہ میں اپنی قیام گاہ ہی میں کیوں نہ ہو۔ **(انوار مناسک: ۴۹۹)** تاہم بعض حضرات نے ایسی صورت میں منیٰ سے ملحق خیموں ہی میں قیام کو ترجیح دی ہے۔ (رسول اللہ ﷺ کا طریقۂ حج)

آٹھویں تاریخ کو منیٰ کا قیام ترک کر دینا

اگر کوئی شخص ۸ رذی الحجہ کو بلاکسی عذر کے منیٰ میں قیام نہ کرے، تو ایسا کرنا ترکِ سنت کی وجہ سے گو کہ مکروہ ہے، لیکن اس کی وجہ سے کوئی دم وغیرہ لازم نہ ہوگا۔ **"ولو بات بمكة تلك الليلة او بعرفة اجزأه۔۔۔، ولكن اساء لتركه سننا كثيرة"**

(غنیۃ الناسک: ۱۴۶، ہندیۃ: ۲۲۷ / ۱، تاتارخانیۃ: ۵۰۵ / ۳، فتح القدیر: ۴۶۷ / ۲، تبیین الحقائق زکریا: ۸۴ / ۲)

"ولو بات فی غیرها متعمدا لا یلزمه شیء عندنا"

(هدایه: ۱/۲۷۵، اوجز المسالک: ۳/۶۴۵، انوار مناسک: ۴۹۸) (کتاب المسائل: ج۳)

باب الھدی

ہدی کا بیان

رقم الحدیث: ۲۵۱۰ر تا ۲۵۲۷ر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب الھدی

ہدی کا بیان

ہدی اس جانور کو کہتے ہیں جسے رضاء باری تعالیٰ کے لئے حرم پاک میں ذبح کیا جائے، ہدی کبھی واجب ہوتی ہے اور کبھی سنت۔ واجب ہدایا یہ ہیں: (۱) دم تمتع۔ (۲) دم قران۔ (۳) دم جنایت۔ (۴) دم نذر۔ (۵) دم احصار۔ ان کے علاوہ باقی مسنون ہیں۔

ہدی اور اضحیہ میں فرق

اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے جو جانور ذبح کئے جائیں ان کی دو قسمیں ہیں:

(۱)...... ہدی۔ (۲)...... اضحیہ۔

ہدی کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے کہ وہ جانور جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مکان مخصوص (حرم) میں ذبح کیا جائے اور اضحیہ اس جانور کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے زمان مخصوص (۱۰/ ۱۱/ ۱۲/ ذوالحجہ) میں ذبح کیا جائے، ہدی مکان کے ساتھ مخصوص ہے، زمان کے ساتھ مخصوص نہیں، ہر زمانے میں ہدی حرم میں ذبح کی جا سکتی ہے، اور اضحیہ زمانہ کے ساتھ مخصوص ہے، مکان کے ساتھ مخصوص نہیں۔ دس گیارہ اور بارہ ذوالحجہ کو ہر جگہ اضحیہ کا جانور ذبح کیا جا سکتا ہے۔ ہدی اور اضحیہ میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ ایام قربانی میں قربانی کی نیت سے حرم میں جانور ذبح کیا جائے تو وہ ہدی بھی ہے اور اضحیہ بھی، اور اگر ایام نحر میں غیر حرم میں ذبح کرے تو اضحیہ ہے ہدی نہیں اور غیر ایام نحر میں حدود حرم میں تقرب کی نیت سے جانور ذبح کیا جائے تو ہدی ہے اضحیہ نہیں ہے۔ (اشرف التوضیح: ۳۳۹/ ۲)

﴿الفصل الاول﴾

اشعار وتقلید

{۲۵۱۰} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ بِذِی الْحُلَیْفَةِ، ثُمَّ دَعَا بِنَاقَتِهٖ فَأَشْعَرَهَا فِیْ صَفْحَةِ سَنَامِهَا الْاَیْمَنِ وَسَلَتَ الدَّمَ عَنْهَا وَقَلَّدَهَا نَعْلَیْنِ، ثُمَّ رَکِبَ رَاحِلَتَهٗ فَلَمَّا اسْتَوَتْ بِهٖ عَلَی الْبَیْدَاءِ اَهَلَّ بِالْحَجِّ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۰۷، باب اشعار البدن الخ، حدیث نمبر: ۱۲۴۳۔

حل لغات: **اشعرھا: اشعر (افعال)** اپنے لئے خاص علامت مقرر کرنا۔ **صفحة:** جانب۔ جمع: **صفحات، سنام:** کوہان، جمع: **اَسْنِمَة، قلدھا: قَلَّدَ (تفعیل)** ہار ڈالنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں ظہر کی نماز پڑھی، پھر اپنی اونٹنی منگوا کر اس کے کوہان کے دائیں پہلو کو زخمی کیا، اس کا خون پونچھا اور دو جوتیوں کا ہار ڈالا، پھر اپنی سواری پر سوار ہوئے، جب آپ کی اونٹنی مقام بیداء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر کھڑی ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے لئے تلبیہ پڑھا۔

ہدی کی قسمیں

تشریح: ''ہدی'' ہاء کے فتحہ اور دال کے سکون کے ساتھ ہے، اور یہ اس جانور کو کہتے ہیں جس کو رضائے الٰہی کی خاطر حرم میں ذبح کیا جائے، خواہ بکری ہو یا گائے ہو یا اونٹ ہو، پھر ہدی کی دو قسمیں ہیں:

(۱)……واجب۔ (۲)……سنت۔

ہدی واجب یہ ہیں: ہدی قران، ہدی تمتع، ہدی جنایات، ہدی نذر اور ہدی حصار ان کے علاوہ باقی ہدایا مسنون ہیں۔

اشعار کے لغوی اور اصطلاحی معنی

"اشعار" لغت میں کہتے ہیں اعلام کو اور اصطلاحِ شرع میں اشعار کہتے ہیں اونٹ کے کوہان کی داہنی جانب نیزے سے ایک زخم لگا دینا تاکہ اس سے خون نکلے اور یہ ہدی ہونے کی علامت ہو کر دوسرے سے ممتاز ہو جائے۔(معارف السنن: ۶/۲۵۱)

اشعار کی حکمت

زمانہ جاہلیت میں اشعار کا دستور تھا لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ عام طور پر لوٹ کھسوٹ کے عادی تھے، مگر بایں ہمہ وہ بیت اللہ کی تعظیم کیا کرتے تھے، اس لئے ہدایا کو اشعار کے ذریعہ سے عام جانوروں سے ممتاز کر دیا جاتا تھا، تاکہ ان کے ساتھ کوئی تعرض نہ کرے اور وہ محفوظ رہیں، اسلام نے بھی اس طریقہ کو باقی رکھا لیکن اسلام کا نقطۂ نظر اہل جاہلیت سے مختلف تھا، اشعار یا تقلید اسلام نے اس لئے مشروع قرار دی کہ اس کے ذریعہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ جانور تقرب الی اللہ کے لئے نامزد کیا جا چکا ہے، اس لئے اگر وہ بھاگ جائے تو کوئی اس پر سواری نہ کرے، اس کا دودھ نہ نکالے، اس کے ساتھ لقطے جیسا معاملہ نہ کرے، بلکہ اس کو حرم میں پہنچا دے اور اگر وہ ہلاک ہونے لگے تو پھر اس کے گوشت میں اسی طرح تصرف کیا جائے جو ہدایا میں مشروع ہے۔

ہدایا میں اشعار اور تقلید کا حکم

غنم میں بالاتفاق اشعار مسنون نہیں ہے، البتہ تقلید غنم میں اختلاف ہے، چنانچہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تقلید غنم مسنون ہے، جب کہ حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں تقلید غنم مسنون نہیں ہے۔

اشعار ابل اور بقر جمہور کے نزدیک مسنون ہے، البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر

بقر کے لئے کوہان ہو تو اشعار مسنون ہے ورنہ نہیں۔ (المغنی: ۳/۲۹۳)

لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ انہوں نے اشعار کو مکروہ کہا ہے، اس وجہ سے بعض لوگوں نے بڑی شدت کے ساتھ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر نکیر کی کہ انہوں نے ایسی چیز کو مکروہ کہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

امام صاحب پر طعن کا جواب

لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر یہ نکیر کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس باب کی احادیث ذکر کر کے فرماتے ہیں: **"وبھذا ناخذ التقلید افضل من الا شعار والا شعار حسن"** امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اشعار کو حسن فرمایا ہے، اور اس میں امام صاحب کا کوئی اختلاف نقل نہیں فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کے نزدیک اشعار حسن ہے، اگر امام صاحب کے نزدیک مطلقاً اشعار مکروہ تھا تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ امام صاحب کا اختلاف نقل کرتے۔ کیونکہ اختلافی مسائل میں اختلاف نقل کرنا ان کی عادت ہے۔ (اعلاء السنن: ۱۰/۲۳۸)

نیز امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ جو اعلم الناس بمذھب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، فرماتے ہیں: کہ امام صاحب نے نہ نفس اشعار کو مکروہ کہا ہے، اور نہ اس کے سنت ہونے کا انکار کیا ہے، بلکہ انہوں نے یہ انکار اپنے اہل زمانہ کے مقابلہ میں کیا ہے، جو مبالغہ فی الاشعار کرتے تھے، اور بجائے اشعار کے اس کو مثلہ بنا دیتے تھے، زخم لگانے میں حد سے تجاوز کر کے کھال کے ساتھ گوشت بھی کاٹ ڈالتے تھے، جس سے جانور کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو جاتا تھا، اس لئے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سد اًللباب کے لئے اشعار سے منع فرمایا، ورنہ نفس اشعار کے وہ مخالف نہیں تھے۔ (عمدۃ القاری: ۱۰/۳۵)

اور یہ کہا جائے گا کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اشعار کے مقابلہ میں تقلید کو ترجیح دی ہے اور اسے افضل قرار دیا ہے، لیکن اگر یہ بھی ہو کہ وہ نفس اشعار کے مخالف ہیں تب بھی کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے، حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سو اونٹ تھے، کچھ تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ لائے تھے، اور باقی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ یمن سے لے کر آئے تھے، اتنی بڑی تعداد

میں صرف ایک ناقہ کا اشعار مذکور ہے، اور پھر اتنے بڑے مجمع میں جو ایک لاکھ کے قریب پہنچتا ہے، چند آدمی اس اشعار کو روایت کرتے ہیں، ادھر اشعار میں حیوان کے لئے اذیت کا ہونا اور اشعار کے مقصود کا تقلید سے حاصل ہو جانا بھی پیش نظر ہے، تو ایسی حالت میں اگر مجتہد اشعار کی روایت کو قبول نہیں کرتا، جب کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک کا اشعار کیا اور باقی کو بغیر اشعار چھوڑ دیا، خصوصاً جب کہ یہ ترک **"آخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"** ہے، تو پھر نکیر کی کیا وجہ رہ جاتی ہے اور اس قسم کے اجتہادات ہر مجتہد کے یہاں ملتے ہیں، لہٰذا اس وجہ سے امام صاحب پر طعن کسی طرح درست نہیں ہے۔

نیز صاحب ہدایہ نے فرمایا: کہ امام صاحب نے مطلق اشعار کو مکروہ نہیں فرمایا، بلکہ اشعار کو تقلید پر ترجیح دینے اور اشعار کو تقلید سے اہم سمجھنے کو مکروہ فرمایا ہے، اور یہ صحیح ہے کیونکہ دلائل کے اعتبار سے تقلید اشعار سے افضل ہے، کیونکہ قرآن پاک میں تقلید کا ذکر ہے، اشعار کا ذکر نہیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: **"لا تحلو شعائر اللہ ولا الشھر الحرام ولا الھدی ولا القلائد"** [اے ایمان والو! نہ اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی کرو، نہ حرمت والے مہینے کی، نہ ان جانوروں کی جو قربانی کے لئے حرم میں لے جائے جائیں، نہ ان پٹوں کی جو ان کے گلے میں پڑے ہوں۔] اور ارشاد ربانی ہے: **"جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاما للناس والشھر الحرام والھدی والقلائد"** [اللہ پاک نے کعبے کو جو بڑی حرمت والا گھر ہے لوگوں کے لئے قیام امن کا ذریعہ بنادیا ہے، نیز حرمت والے مہینے، نذرانے کے جانوروں کو اور ان کے گلے میں پڑے ہوئے پٹوں کو بھی۔ (امن کا ذریعہ بنایا ہے۔)

اور احادیث پاک سے بھی آنحضرت ﷺ سے اشعار کا حکم ثابت نہیں، صرف آنحضرت ﷺ کا عمل ثابت ہے اور عمل میں کئی احتمال ہو سکتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اشعار اس لئے فرمایا ہو تا کہ ہدی مشرکین کے تعرض سے محفوظ رہے، کیونکہ مشرکین اس ہدی سے تعرض نہیں کرتے تھے جس کا اشعار کیا گیا ہو اور مشرکین سے بچنے کی حجۃ الوداع کے موقع پر بھی ضرورت تھی، کیونکہ حجۃ الوداع کے موقع پر اگرچہ مکہ مکرمہ مشرکین سے خالی ہو گیا تھا لیکن جزیرہ عرب ابھی مشرکین اور کفار سے پاک نہیں ہوا تھا۔ (اعلاء السنن: ۲۳۸/۱۰)

تسلیمی جواب

اگر تسلیم کرلیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مطلق اشعار کو مکروہ فرمایا ہے تو پھر جواب یہ ہے کہ اشعار کرنا مثلہ کرنا ہے، اور مثلہ کرنا ممنوع ہے اور اشعار کے سنت اور مثلہ ہونے میں تعارض ہوگیا تو ترجیح محرم کو ہوگی اس لئے مثلہ ہونے کی بنا پر اسے مکروہ کہا جائے گا۔

(اعلاء السنن:۲۳۹/۱۰،نفحات التنقیح:۳۵۱/۵،اشرف التوضیح:۳۴۰/۲)

اور یہ تو اس وقت ہے جب کہ یہ تسلیم کرلیا جائے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تک اشعار کی روایت پہنچی ہے، اور اگر فرض کرلیا جائے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ تک اشعار کی روایت نہیں پہنچی ہے تو پھر یہ نکیر کیونکر درست ہوسکتی ہے۔

اشعار کے بارے میں مزید اختلاف

اشعار کے بارے میں دو مسئلے اور قابل ذکر ہیں:

(۱)......ایک یہ کہ اشعار ابل کے ساتھ خاص ہے یا غیر ابل کا بھی ہوگا؟

(۲)......دوسرا یہ کہ محل اشعار سنام کی جانب ایمن ہے یا جانب ایسر؟

امام شافعی و احمد رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں: اشعار ابل اور بقر دونوں میں ہوگا مطلقاً، اور امام مالک کے ابل میں دو قول ہیں، راجح یہ ہے کہ ابل میں تو مطلقاً ہے، اور بقر میں ان کی تین روایت ہیں، مطلقاً اثبات، مطلقاً نفی، جو بقر ذات سنام ہو اس کا ہوگا، اور جو نہ ہو اس کا نہیں۔ (ہامش الکوکب)

اور مسئلہ ثانیہ میں بھی اختلاف ہے، وہ یہ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جانب ایمن میں اولیٰ ہے، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جانب ایسر اولیٰ ہے، اور یہی حنفیہ کے یہاں ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں روایتیں ہیں۔ (ہامش الکوکب:۲۹۰)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں الایمن مذکور ہے، اسی طرح مسلم شریف میں ہے لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل جیسا کہ موطا امام مالک میں ہے جانب ایسر میں تھا، اور بیہقی کی روایت میں یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما

اشعار جانب ایسر میں کرتے تھے، اور اگر کسی وجہ سے اس میں دشواری ہوتو پھر ایمن میں کرتے تھے۔ (فتح الباری)

ثم سلت عنها الدم: سلت کے معنی پونچھنے اور صاف کرنے کے ہیں، مگر یہاں اس سے مراد ملنا ہے، تاکہ سارا کوہان رنگین ہو جائے، ورنہ پونچھنے اور صاف کرنے سے تو مقصد ہی حاصل نہ ہوگا۔ (کوکب)

واستوت به علی البیداء اهل بالحج: سواری پر سوار ہونے کے بعد جب آنحضرت ﷺ بیداء پہاڑی پر پہنچے تو حج کا احرام باندھا، احرام کا تحقق تلبیہ سے ہوتا ہے، اس میں روایات حدیثیہ بھی مختلف ہیں، اور ائمہ فقہ بھی کہ احرام کس وقت باندھنا چاہئے۔ اس کی تفصیل ما قبل میں گذر چکی۔ (الدر المنضود: ۳/۱۷۶)

حرم میں ہدی بھیجنا

{۲۵۱۱} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ أَهْدَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً إِلَى الْبَيْتِ غَنَمًا فَقَلَّدَهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حواله: بخاری شریف: ۱/۲۳۰، باب تقلید الغنم، حدیث شریف: ۱۶۷۰، مسلم شریف: ۱/۴۲۵، باب استحباب بعث الهدی الی الحرم، حدیث نمبر: ۱۳۲۱۔

حل لغات: غنماً: بکری، جمع ہے شاة کی۔

ترجمه: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ حرم بکری کی ہدی بھیجی تو آنحضرت ﷺ نے صرف ہار ڈالا۔

تقلید غنم میں اختلاف ائمہ

تشریح: اس حدیث شریف میں تقلید غنم کا مسئلہ ہے، تقلید اشعار ہی کی لائن کی چیز ہے، دونوں کی غرض ایک ہی ہے، (ہدی ہونے کی علامت لگانا) تقلید نعلین کی بھی ہوتی ہے، اور صوف کی بھی، اون کا ہار بنا کر اس کے گلے میں ڈال دینا۔

تقلید غنم کا مسئلہ فقہاء کے مابین اختلافی ہے، حضرت امام شافعی و امام احمد رحمۃ اللہ علیہما اس کے قائل

ہیں، امام اعظم اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما قائل نہیں ہیں، حالانکہ صحیحین بلکہ صحاح ستہ میں تقلید غنم کی روایت موجود ہے، علامہ سندھی نے بھی حاشیہ نسائی میں اشکال کیا ہے کہ جب تقلید غنم صریح وصحیح حدیث شریف سے ثابت ہے تو اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ میں کہتا ہوں بعض محدثین کو جس میں ابن عبدالبر جلیل القدر محدث بھی ہیں، اس کے بارے میں انشراح نہیں ہے، بلکہ وہ تو یوں کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اہداء غنم ہی ثابت نہیں۔ (چہ جائے کہ اس کی تقلید) علامہ سرخسی کہتے ہیں: اثر اسود (جس میں تقلید غنم مذکور ہے) شاذ ہے، اسود اس کے ساتھ متفرد ہیں۔ حافظ نے فتح الباری میں اس سلسلے میں جو اعتراضات کئے ہیں، علامہ عینی نے ان کے جوابات دئے ہیں، بذل المجہود میں سب مذکور ہیں۔ (الدر المنضود: ۳/۱۷۷)

دوسرے کی طرف سے ہدی کرنا

{۲۵۱۲} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ قَالَ ذَبَحَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهَا بَقَرَةً يَوْمَ النَّحْرِ۔

(رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۲۴، باب جواز الاشتراک فی الھدی الخ، حدیث نمبر: ۱۳۱۹۔

حل لغات: بقرۃ: گائے، جمع: بقرات۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قربانی کے دن حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔

تشریح: ذبح رسول اللہ الخ: مراد یہ ہے کہ آدمی دوسری کی طرف سے بھی قربانی کرے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بقرہ کا ذبح فرمایا اور اس کے بعد والی حدیث سے معلوم ہوا کہ نحر فرمایا۔ علماء نے بیان فرمایا ہے کہ جائز دونوں ہیں، اولیٰ ذبح بقرہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیویوں کی طرف سے قربانی کرنا

{۲۵۱۳} وَعَنْهُ قَالَ نَحَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ

نِسَائِهٖ بَقَرَةً فِيْ حَجَّتِهٖ. (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۲۴، باب جواز الاشتراک فی الھدی الخ، حدیث نمبر: ۱۳۱۹۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر اپنی بیویوں کی طرف سے ایک گائے ذبح فرمائی۔

تشریح: نحر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ: اس حدیث شریف میں ہے: **"عن نسائه"** اور اس سے پہلی والی حدیث شریف میں ہے: **"عن عائشة"** ممکن ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پوری گائے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے قربانی کی ہو اور دوسری گائے تمام ازواج کی جانب سے: **"ويحتمل انه ذبح عن عائشة وحدها بقرة وجعل البقرة عن الكل"** (مرقاۃ: ۵/۳۴۹)

ازواجِ تسعہ کی طرف سے بقرہ واحدہ کی قربانی کیسے ہوگئی؟

حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جملہ ازواج مطہرات تھیں، اور سب متمتعات تھیں، سب پر ہدی متعہ واجب تھی، لیکن ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو مکہ مکرمہ پہنچنے سے ذرا قبل مقام سرف میں حیض آنا شروع ہوگیا، جس کی وجہ سے وہ عمرہ نہیں کرسکی تھیں، بہر حال دم ان کا بھی دینا تھا فسخ عمرہ کی وجہ سے، لہٰذا ایک بقرہ تو سب کی طرف سے کافی نہیں ہوسکتی؟ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں صرف لفظ البقر وارد ہے (بغیر تاء کے) اور واحدہ کی قید بھی نہیں ہے اور ابوداؤد شریف میں بقرۃ واحدۃ کی تصریح ہے، اسی طرح نسائی میں بھی۔ اسی لئے اشکال ہوگا کہ بقرہ واحدہ ازواج تسعہ کی طرف سے کیسے کافی ہوسکتی ہے؟ یہ تو صرف ابن حزم کا مذہب ہے کہ جس طرح بدنہ دس کی طرف سے کافی ہے (عند البعض) بقرہ بھی کافی ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے مسلک کی تائید اس حدیث شریف سے کی ہے۔ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہما کے کلام میں تو میں نے اس اشکال و جواب کو تلاش کیا لیکن ملا نہیں، دراصل بخاری شریف میں اس سلسلے کی زیادہ روایات ہیں بھی نہیں، ویسے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا میلان وحدۃ بقرہ کی طرف ہے، حالانکہ اس میں اشکال ہے، لیکن

اس کے باوجود حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف التفات نہیں کیا، ہاں علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر خوب لکھا ہے (کمافی الاوجز) ہمارے شیخ نے بھی اس پر اپنی تصانیف (اوجز، جزءالحج، لامع) میں خوب دلچسپی سے کلام فرمایا ہے، لیکن نسائی اور مسلم کی روایات سے یہ اشکال دور ہو جاتا ہے، اس لئے کہ مسلم کی ایک روایت میں من حدیث جابر یہ ہے **"ذبح رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم عن عائشة بقرة"** [حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ایک گائے ذبح فرمائی۔] جیسا کہ اوپر گذری۔ اس سے اشکال حل ہو گیا وہ اس طرح کہ اب کم از کم دو بقرہ ہو گئیں، سات کی طرف سے تو ایک ہو گئی اور دوسری جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لئے تھی اس میں اصل تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہوں گی باقی ایک اور کو بھی شامل کر لیا ہو گا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ غالباً سودہ رضی اللہ عنہا کو شریک کر لیا ہو، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک خصوصیت تھی کیونکہ انہوں نے ان کو اپنی باری دیدی تھی (جیسا کہ روایات میں مشہور ہے) اور نسائی شریف کی تو ایک روایت میں اس طرح ہے:
"عن عائشة قالت ذبح رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم عنا یوم حججنا بقرة بقرة" [ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف سے جس دن ہم نے حج کیا ایک ایک گائے ذبح فرمائی۔] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جملہ ازواج کی طرف سے مستقل ایک ایک بقرہ کی تھی، اگرچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو شاذ لکھا ہے، مگر علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر رد کیا ہے، اور علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری شریف کی روایت میں تو بقرۃ (تائے وحدت کے ساتھ) ہے ہی نہیں اور نہ واحدہ کی اس میں تصریح ہے اور جن روایات میں واحدہ کی تصریح ہے، اس سے مراد یہ نہیں کہ جملہ ازواج کی طرف سے ایک ہی بقرہ کی بلکہ تعدد کی طرف اشارہ ہے کہ ایک گائے چند کی طرف سے کی۔ (الدرالمنضود:۳/۱۷۶)

ہدی بھیجنے والے کیلئے حکم

{۲۵۱۴} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ فَتَلْتُ قَلَائِدَ بُدْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيَّ ثُمَّ قَلَّدَهَا وَاَشْعَرَهَا وَاَهْدَاهَا.

فَمَا حَرُمَ عَلَيْهِ شَيْءٌ كَانَ أُحِلَّ لَهُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۳۰، باب من اشعر وقلد بذی الحلیف الخ، حدیث نمبر: ۱۶۹۵،

مسلم شریف: ۱/۴۲۵، باب استحباب بعث الھدی، حدیث نمبر: ۱۳۲۱۔

حل لغات: بدن: جمع ہے بدنۃ کی، وہ گائے یا اونٹ جس کی قربانی حج کے موسم میں مکے میں کی جائے۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم ﷺ کے اونٹوں کے لئے اپنے ہاتھ سے پٹے بنائے، پھر آنحضرت ﷺ نے گلے میں ڈالا، زخمی کیا اور آنحضرت ﷺ نے روانہ کیا، اس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ پر کوئی چیز حرام نہیں ہوئی، جو آنحضرت ﷺ کے لئے حلال تھی۔

تشریح: یعنی جو شخص خود حج کو نہ جارہا ہو بلکہ دوسرے جانے والوں کے ساتھ اپنی طرف سے ہدی بھیجے تاکہ وہ اس کی طرف سے حرم میں ذبح کردی جائے، ایسا کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں، بلکہ مستحب ہے، بہت ثواب کا کام ہے، آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے، آنحضرت ﷺ کبھی کبھی ایسا کرتے تھے۔ یہ تو صرف ایک فضیلت کی بات ہوئی۔

ہدی بھیجنے والا محرم کے حکم میں ہوگا یا نہیں؟

دوسری بات یہاں فقہی مسئلہ کی ہے وہ یہ کہ یہ بھیجنے والا اس بھیجنے کی وجہ سے محرم کے حکم میں تو نہیں ہوجائے گا؟ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ فرماتے ہیں نہیں ہوگا، جیسا کہ حدیث الباب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمارہی ہیں اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک بھیجنے والا محرم کے حکم میں ہوجائے گا اور محظورات احرام سے اس کو بچنا واجب ہوگا، اور جب تک وہ ہدی وہاں پہنچ کر ذبح نہ ہوجائے گی یہ شخص حلال نہ ہوگا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حدیث الباب میں اسی پر رد فرمارہی ہیں: **"فما حرم علیہ شیء کان احل لہ"** [جو چیز آپ کیلئے حلال تھی اس میں سے کوئی چیز آپ کے لئے حرام نہیں ہوئی۔] (مرقاۃ: ۳/۲۳۲)

ایک اور اختلافی مسئلہ

یہ مسئلہ تو اس شخص کے متعلق ہوا جو خود حج یا عمرہ کے لئے نہ جا رہا ہو، یہاں ایک مسئلہ اور ہے وہ یہ کہ جس شخص کا نسک (حج یا عمرہ) کا ارادہ ہے اور اپنی ساتھ ہدی لے جانے کا بھی ہے، چنانچہ اس نے اپنی ہدی کی تقلید کر لی لیکن ابھی تک اس نے نہ تو تلبیہ پڑھا، جو احرام کے لئے پڑھتے ہیں اور نہ ابھی تک اس ہدی کو لے کر چلا تو اس صورت میں اکثر علماء و منہم الائمۃ الثلاثۃ (ابو حنیفہ مالک شافعی) کے نزدیک صرف تقلید ہدی کی وجہ سے محرم نہ ہوگا، جب تک نسک کے ارادہ سے تلبیہ نہ پڑھے، یا جب تک نسک کے ارادہ کے ساتھ تقلید اور سوق ہدی نہ کرے، اور امام احمد و اسحق بن راہویہ کے نزدیک حج کو جانے والا شخص صرف تقلید ہدی سے محرم ہو جاتا ہے، یہ دونوں مسئلے علیحدہ علیحدہ سمجھنے کے ہیں۔

تنبیہ: حدیث الباب کا تعلق مسئلہ اولیٰ سے ہے، جس میں ائمہ اربعہ کا کوئی اختلاف نہیں، صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے، جس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رد کر رہی ہیں، حضرت اقدس سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بذل المجہود میں شرح حدیث کے ذیل میں تو یہی تحریر فرمایا ہے کہ سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مقصود ابن عباس رضی اللہ عنہما پر رد کرنا ہے، لیکن پھر بعد میں ہدایہ کی جو عبارت نقل فرمائی ہے اس کا تعلق مسئلہ ثانیہ سے ہے جس میں ائمہ ثلاثہ تو ایک طرف ہیں اور امام احمد و اسحق بن راہویہ ایک طرف۔ واللہ اعلم (الدر المنضود: ۳/۱۷۸)

دوسرے کے ذریعہ سے ہدی بھیجنا

{۲۵۱۵} وَعَنْهَا قَالَتْ فَتَلْتُ قَلَائِدَهَا مِنْ عِهْنٍ كَانَ عِنْدِي ثُمَّ بَعَثَ بِهَا مَعَ أَبِي۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۳۰، باب القلائد من العهن، حدیث نمبر: ۱۶۷۴، مسلم شریف: ۱/۴۲۵، باب استحباب بعث الھدی الی الحرم، حدیث نمبر: ۱۳۲۱۔

حل لغات: فتلت: فتل (ض) فتلا الحبل رسی بٹنا۔ عهن: اون، جمع: عهون۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے اپنے پاس موجود اون کے ہدی کے لئے سپٹے بنائے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو میرے والد کے ساتھ بھیجا۔

تشریح: دوسرے کی جانب سے ہدی بھیجی جاسکتی ہے۔

فتلت قلائدها: مراد ہدی کے گلے میں ڈالی جانے والی رسی ہے۔

ثم بعث بهامع ابی: مراد یہ ہے کہ ۹ رہجری میں جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے لئے بھیجا تو ان کے ساتھ ہدی کے جانور بھیجے تھے۔ (مرقاۃ:۳/۲۳۳)

ہدی کی سواری

{۲۵۱۶} وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی رَجُلًا يَسُوْقُ بَدَنَةً فَقَالَ ارْكَبْهَا فَقَالَ اِنَّهَا بَدَنَةٌ قَالَ ارْكَبْهَا فَقَالَ اِنَّهَا بَدَنَةٌ قَالَ ارْكَبْهَا فَقَالَ اِنَّهَا بَدَنَةٌ قَالَ ارْكَبْهَا وَيْلَكَ فِی الثَّانِيَةِ اَوِ الثَّالِثَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۲۹، باب رکوب البدن الخ، حدیث نمبر: ۱۶۵۹، مسلم شریف: ۱/۴۲۵، باب جواز رکوب البدنة، حدیث نمبر: ۱۳۲۲۔

حل لغات: **یسوق:** ساق (ن) سوق: ہانکنا، **بدنة:** وہ گائے یا اونٹ جس کی قربانی حج کے موسم میں مکہ میں کی جائے۔ جمع: بدن۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ ہدی ہانک رہا ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس پر سوار ہو جاؤ، اس شخص نے کہا: یہ ہدی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سوار ہو جاؤ، تو اس نے کہا: یہ ہدی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس پر سوار ہو جاؤ، افسوس ہے تم پر! یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری یا تیسری دفعہ میں کہی۔

تشریح: بدنہ بعض کے نزدیک ابل کے ساتھ خاص ہے، اور بعض کہتے ہیں اصل تو اس میں ابل ہی ہے، لیکن اس کا اطلاق بقرہ پر بھی ہوتا ہے نیز زیادہ تر اس کا استعمال ہدی کے جانور پر ہوتا ہے۔

رکوب علی الہدی

امام ابوحنیفہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب اور امام مالک و امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کی ایک روایت یہ ہے کہ بلا ضرورت ہدی پر سوار ہونا جائز نہیں اور بضرورت (کہ بہ آسانی چل نہیں سکتا اور سواری بھی نہیں ہے) جائز ہے، بعض لوگ اس بات کے بھی قائل ہوئے ہیں کہ ہدی پر سوار ہونا واجب ہے، کیونکہ حدیث شریف میں رکوب کا حکم ہے، لیکن ان کا یہ خیال صحیح نہیں، اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ خود ہدی پر سوار نہیں ہوئے۔

امام مالک، امام احمد اور امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہم کی ایک روایت یہ ہے کہ بلا ضرورت سوار ہونا بھی جائز ہے، حدیث بظاہر مطلقاً جواز رکوب کے قائلین کی دلیل ہے۔

جمہور کی دلیل: جمہور کی دلیل اس سے اگلی حدیث شریف ہے، جس میں حضور اقدس ﷺ نے تین شرطوں سے رکوب کی اجازت مرحمت فرمائی:

(۱)...... پہلی شرط **ارکبها بالمعروف** کہ معروف طریقے سے سوار ہو، یعنی ایسے طور پر سوار نہ ہو جس سے جانور کو ضرر ہو۔

(۲)...... دوسری شرط یہ لگائی کہ **"اذا الجئت الیها"** اس وقت سوار ہو سکتا ہے جب تو مجبور ہو۔

(۳)...... تیسری شرط یہ ہے کہ اس وقت تک سوار ہو سکتے ہو جب تک اور سواری نہ ملے، جب اور سواری مل جائے تو پھر ہدی پر سوار ہونے کی اجازت نہیں۔

آخری دو شرطیں بلا اضطرار جواز رکوب کی نفی کرتی ہیں۔

جواب: جو حضرات مطلقاً رکوب کے جواز کے قائل ہیں ان کی دلیل حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک واقعہ حال ہے، اس میں دونوں احتمال ہیں، ہو سکتا ہے کہ وہ آدمی محتاج ہو، احتیاج کے باوجود سوار نہ ہوتا ہو اور ہو سکتا ہے کہ وہ محتاج نہ ہو اگر ان دو احتمالوں میں سے ایک احتمال

کوترجیح دینے والی حدیث ہوتو اس احتمال کو ہم راجح سمجھیں گے، تو ہم نے غور کیا تو دوسری احادیث شریف میں جواز رکوب کے لئے اضطرار کی شرط ہے، ان احادیث کو دیکھتے ہوئے ہم کہیں گے کہ اس آدمی کو جو حضور اقدس ﷺ نے سوار ہونے کا حکم فرمایا وہ اس کے اضطرار کی وجہ سے تھا، وہ آدمی مجبور تھا، لیکن سمجھتا یہ تھا کہ ہدی پر بضرورت سوار ہونا بھی جائز نہیں، اس کے اس خیال کو دور کرنے کیلئے آنحضرت ﷺ نے زور دیکر سوار ہونے کا حکم فرمایا۔ (مرقاۃ: ۲۳۳/۳، اشرف التوضیح: ۳۴۲/۲)

ہدی پر سوار ہونے کیلئے ہدایت

{۲۵۱۷} وَعَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سُئِلَ عَنْ رُکُوْبِ الْھَدْیِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اِرْکَبْھَا بِالْمَعْرُوْفِ اِذَا اُلْجِئْتَ اِلَیْھَا حَتّٰی تَجِدَ ظَھْرًا۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۴۲۶/۱، باب جواز رکوب البدلۃ الخ، حدیث نمبر: ۱۳۲۴۔

حل لغات: الجئت: الجأ (افعال) مجبور ہونا، ظھر: پیٹھ، جمع: ظھور۔

ترجمہ: حضرت ابوزبیر سے روایت ہے کہ میں نے سنا، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہدی پر سوار ہونے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: میں نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو کہتے ہوئے سنا: اس پر دستور کے مطابق سوار ہو، جب تم مجبور ہو، یہاں تک کہ دوسری سواری مل جائے۔

تشریح: ارکبھا بالمعروف: مراد یہ ہے کہ سوار ہونے کا جو طریقہ ہے اس کے مطابق ہی سوار ہونا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ ہدی کو نقصان پہنچ جائے۔

اذا الجئت الیھا الخ: مراد یہ ہے کہ مجبور ہو اور دوسری سواری کا انتظام نہ ہو تو ہدی پر ہی سوار ہو جائے؛ البتہ جب دوسری سواری کا نظم ہو جائے تو ہدی پر سوار ہونا مناسب نہیں۔

قریب المرگ ہدی کا حکم

{۲۵۱۸} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ بَعَثَ

رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ عَشَرَ بَدَنَةً مَعَ رَجُلٍ وَاَمَّرَهٗ فِيْهَا فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! كَيْفَ اَصْنَعُ بِمَا اُبْدِعَ عَلَيَّ مِنْهَا؟ قَالَ اِنْحَرْهَا. ثُمَّ اصْبَغْ نَعْلَيْهَا فِيْ دَمِهَا. ثُمَّ اِجْعَلْهَا عَلٰى صَفْحَتِهَا وَلَا تَأْكُلْ مِنْهَا اَنْتَ وَلَا اَحَدٌ مِنْ اَهْلِ رُفْقَتِكَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۲۷، باب ما یفعل بالهدی اذا عطب الخ، حدیث نمبر: ۱۳۲۵۔

حل لغات: اصبغ: صبغ (ن ف) صبغاً: رنگنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو محافظ بنا کر اس کے ساتھ سولہ اونٹ مکہ مکرمہ بھیجے تو اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ! ان میں سے جو چل نہ سکے میں اس کو کیا کروں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا: اس کو ذبح کر کے دونوں جوتیاں رنگ کر اس کے کوہان کے کنارے پھیر دینا، اور اس کا گوشت تم اور قافلے والے میں کوئی نہ کھائے۔

تشریح: **رجل** کا نام ناجیہ بن جندب اسلمی بتلایا گیا ہے۔ (مرقاۃ: ۲۳۳/۳)

امرہ فیہا: میم کی تشدید کے ساتھ اس کو ان ہدایا میں امیر بنا دیا یعنی مکہ مکرمہ لے جانے اور مکہ مکرمہ میں ان کو ذبح کرنے کا ذمہ دار بنا دیا۔

کیف اصنع بما ابدع علی منہا الخ: ابدع مجہول کے صیغہ کے ساتھ (ترجمہ) کیا کروں میں اس ہدی کو جو روک دی جائے، مجھ پر ان ہدایا میں سے عربی میں **"ابدعت الراحلة"** (بصیغہ معروف) اس وقت بولا جاتا ہے جب آدمی کی سواری تھکاوٹ اور کمزوری کی وجہ سے رک جائے، **اُبْدِعَ** کا صلہ عام طور پر ب آتی ہے، لیکن یہاں پر **اُبْدِعَ** کو جس کے معنی میں متضمن کر کے علی صلہ لایا گیا ہے، کیونکہ ب کا صلہ لانا اس وقت صحیح ہے جب آدمی اس پر سوار ہو یہاں اس نے ہدی کو چلانا تھا سوار نہیں ہونا تھا، اس لئے ب کی بجائے علی صلہ لائے۔ (مرقاۃ: ۳۵۲/۵)

ثم اصبغ نعلیہا فی دمہا ثم اجعلہا: اصبغ کی باء پر ضمہ فتحہ کسرہ تینوں جائز ہیں، باء پر ضمہ پڑھنے کی صورت میں ہمزہ وصلی پر بھی ضمہ پڑھیں گے اور باء پر فتحہ اور کسرہ کی صورت میں ہمزہ وصلی پر کسرہ پڑھیں گے۔ جیسے: اُصْبُغْ، اِصْبَغْ، اِصْبِغْ.

نعلیھا: نعلین سے مراد وہ جوتے ہیں جو بطور قلادہ کے گلے میں ڈالے گئے ہیں۔

ثم اجعلھا: ھا ضمیر مفعول نعلین کی طرف راجع ہے، نعلین اگرچہ تثنیہ ہے، لیکن اس کو "**کل واحدۃ منھا**" کی تاویل میں کر کے واحد مؤنث کی ضمیر لوٹا دی گئی۔ (مرقاۃ: ۳/۲۳۳)

مطلب اس جملہ کا یہ ہے کہ جو ہدی مکہ جانے سے عاجز آجائے تو اسے راستہ میں ہی ذبح کر دیا جائے اور خود ہدی والا نہ کھائے بلکہ اس کے قلادہ کو خون سے تر کر کے کوہان کی طرف لگا دے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ ہدی کا جانور ہے، جو حرم میں پہنچنے سے پہلے ذبح ہو گیا ہے اس کو اغنیاء نہ کھائیں اور فقراء کھالیں۔ (اشرف التوضیح: ۲/۳۴۳)

ہدی کا گوشت کھانے کا حکم

اس حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ نے سائق الہدی کو اس ہدی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے، جو حرم تک نہ پہنچ سکے، یہاں دو مسئلے قابل غور ہیں، ایک یہ کہ راستہ میں ذبح شدہ ہر ہدی کا گوشت کھانا منع ہے یا اس کی تفصیل ہے؟ دوسرے یہ کہ نہی کن کن لوگوں کو ہے اور کن کن کو اجازت ہے، اگلی سطور میں انہی دو مسئلوں کی وضاحت کی جاتی ہے۔

ہدی کی دو قسمیں ہیں:

(۱)......وہ ہدی جو حرم تک پہنچ گئی۔

(۲)......وہ ہدی جو حرم تک نہیں پہنچی بلکہ راستہ میں عاجز ہونے کی وجہ سے ذبح کرنی پڑی۔

پہلی قسم کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ ہدی تطوع یا ہدی تمتع یا ہدی قران ہے تو صاحب ہدی کا اس سے کھانا مستحب ہے، اور باقی ہدایا سے صاحب ہدی کو کھانا یا غنی کو کھلانا جائز نہیں۔ (الدر المختار علی الشامی: ۲/۲۷) یہ ہدی محض کا حکم ہے کہ ہدی محض کی تین قسموں سے گوشت کھانا صحیح ہے، ان کے علاوہ ہدی جو بطور اضحیہ کے ذبح کی جائے اس کا گوشت بھی کھانا جائز ہے۔

اور دوسری قسم (جو حرم تک پہنچنے سے قبل ذبح ہو جائے) کا حکم حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر وہ ہدی واجب ہے، یا ہدی تطوع ہے، لیکن اس کا بدلہ دینے کا ارادہ ہے تو اس ذبح شدہ ہدی کے ساتھ

جو چاہے تصرف کرسکتا ہے، خود بھی کھا سکتا ہے، اغنیاء اور فقراء کو بھی کھلا سکتا ہے، اور اس کا گوشت فروخت بھی کرسکتا ہے، اور اگر ہدی تطوع ہے اور اس کا بدل دینے کا ارادہ نہیں ہے تو پھر خود اس کو اور دوسرے اغنیاء کو کھانا جائز نہیں، اس لئے اس کا گوشت فقراء کو تقسیم کردے، اگر وہاں فقراء نہ ہوں تو حدیث شریف میں مذکور طریقے سے اس پر نشان کردے تاکہ اس نشان کو دیکھ کر فقراء کھالیں اور اغنیاء نہ کھائیں۔(اعلاء السنن: ۱۰/۴۷۷)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر وہ ہدی تطوع ہے تو صاحب ہدی کو اس میں ہر قسم کے تصرف کی اجازت ہے اور اگر ہدی منذور ہے تو اس کا ذبح کرنا واجب ہے، اگر ذبح نہ کی تو ضمان لازم ہوگی، اور ذبح کرنے کے بعد اس کے قلادہ کو خون میں ڈبو کر کوہان کی ایک طرف لگادے، اس سے خود صاحب ہدی کو اور اس کے رفقاء کو اور دیگر اغنیاء کو کھانا جائز نہیں اور ان فقراء کو کھانا جائز ہے جو اس کے ہمراہ نہیں۔(اعلاء السنن: ۱۰/۴۷۷)

اکل ہدی سے نہی کو حنفیہ نے ہدی تطوع پر محمول کیا ہے، اور شافعیہ نے ہدی غیر تطوع پر محمول کیا ہے، حنفیہ اور شافعیہ نے جو اس مسئلہ کی تفصیل کی ہے اس سے حدیث مذکور ساکت ہے، البتہ دوسری احادیث سے حنفیہ کے مذہب کی وضاحت ہوتی ہے، چنانچہ بیہقی نے سنن کبریٰ میں ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو آدمی ہدی تطوع لے جائے اور وہ ہدی عاجز آجائے تو اس کو نہ کھائے، اس لئے کہ اگر اس کو کھائے گا تو اس کا بدل دینا اس پر ضروری ہوگا لیکن اس کو نحر کرکے اس کی نعل کو خون میں ڈبو کر اس کے پہلو پر لگادے اور اگر ہدی واجب ہے تو اس سے اگر چاہے تو کھالے **''فانه لابد من قضائه''** اس لئے اس کی قضاء ضروری ہے۔(السنن الکبریٰ: ۵/۲۴۴)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ہدی واجب کا کھانا مالک کیلئے جائز ہے، اور ہدی تطوع کا کھانا جائز نہیں۔ اور ہدی تطوع کے کھانے کی ممانعت کی وجہ حدیث مذکور کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہدی تطوع کا بدل واجب نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی ہدی کے ذبح ہونے پر اس کا بدل اپنے اوپر لازم کرے تو ہدی تطوع کا کھانا بھی جائز ہوگا، بیہقی کی مذکورہ حدیث سے حنفیہ کا مذہب بتمامہ واضح ہوگیا۔(اعلاء السنن: ۱۰/۴۷۷)

ہدی کا گوشت کھانے کی ممانعت کس کیلئے ہے؟

حنفیہ کے نزدیک حرم سے پہلے ذبح شدہ ہدی کا گوشت خود مالک کو اور دیگر اغنیاء کو کھانا ناجائز ہے، مالک کے علاوہ باقی فقراء کے لئے جائز ہے، اور شافعیہ کے نزدیک یہ ممانعت چار قسم کے لوگوں کے لئے ہے:

(۱)......مالک ہدی۔ (۲)......سائق ہدی۔

(۳)......رفقاء سائق ہدی۔ (۴)......اغنیاء۔ (شامی: ۲/۲۷۲)

شافعیہ کے نزدیک سائق ہدی غیر مالک اور سائق ہدی کے رفقاء کے لئے اس ہدی کا گوشت کھانا ناجائز ہے اور حنفیہ کے نزدیک اگر یہ اغنیاء ہوں تو ان کے لئے گوشت کھانا ناجائز ہے اور اگر فقراء ہوں تو ان کے لئے اس ہدی کا گوشت جائز ہے۔

مشکوۃ شریف کی زیر بحث حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ نے سائق ہدی غیر مالک کو اور اس کے رفقاء کو راستہ میں ذبح ہونے والی ہدی کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا ہے، اور اس کی وجہ بیان نہیں کی گئی، حنفیہ نے اس نہی کو ان کے غناء پر محمول کیا ہے وہ حضرات غنی تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کو اس قسم کی ہدی کا گوشت کھانے کی ممانعت کردی۔ (اعلاء السنن: ۱۰/۴۷۷، معارف السنن: ۶/۲۶۸، اشرف التوضیح: ۲/۴۴۴)

اس حدیث شریف سے ۱۶/ ہدی بھیجنا ثابت ہوا اور ایک روایت کے اندر اٹھارہ ہیں، امام نووی نے دونوں حدیثوں کو تعدد پر محمول کیا ہے، لیکن ایک واقعہ ہونے میں بھی اشکال نہیں، کیونکہ مفہوم مخالف ہمارے یہاں غیر معتبر ہے۔

ہدی میں حصے

{۲۵۱۹} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ نَحَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَیْبِیَّۃِ الْبَدَنَۃَ عَنْ سَبْعَۃٍ وَالْبَقَرَۃَ عَنْ

سَبْعَةٍ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۲۴، کتاب الحج، باب جواز الاشتراک فی الھدی الخ، حدیث نمبر: ۱۳۱۸۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ حدیبیہ کے سال سات سات آدمیوں کی طرف سے اونٹ اور گائے ذبح کئے۔

تشریح: جس طرح بڑے جانور کی قربانی میں کئی آدمی کی شرکت کی گنجائش ہے، ایسے ہی ہدی میں بھی کئی آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة: اس حدیث شریف میں بقر کو بدنہ سے الگ بیان کیا گیا ہے، جس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ بدنہ میں بقر شامل نہیں ہے، لیکن غالب استعمال یہی ہے کہ بدنہ میں بقر بھی شامل ہے، اس حدیث شریف میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ بڑے جانور کی ہدی میں زیادہ سے زیادہ سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، جبکہ ساتوں کی نیت قرب اور ثواب کی ہو۔ یہی جمہور کا مسلک ہے: **"وفیه دلیل لمذهبنا كاكثر اهل العلم انه يجوز اشتراك السبعة فى البدنة او البقرة اذا كان كلهم متقربين"** (مرقاۃ: ۵/۳۵۳)

بکری بھیڑ میں متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک شرکت جائز نہیں ہے۔

نحر کا طریقہ

{۲۵۲۰} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا اَنَّهُ اَتَى عَلَى رَجُلٍ قَدْ اَنَاخَ بَدَنَتَهُ يَنْحَرُهَا. قَالَ اِبْعَثْهَا قِيَامًا مُقَيَّدَةً سُنَّةُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۳۱، باب نحر الابل المقیدة، حدیث نمبر: ۱۶۸۲۔ مسلم شریف: ۱/۴۲۴، باب استحباب نحر الابل قیاما معقولة، حدیث نمبر: ۱۳۲۰۔

حل لغات: اناخ: اناخ (افعال) البعیر: اونٹ کو بٹھانا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جو

اونٹ کو نحر کے لئے بٹھائے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: اس کا بایاں پاؤں باندھ کر کھڑا چھوڑ دو، یہی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔

تشریح: ابعثھا قیاما مقیدۃ: ابعثھا یعنی **اقمھا** اور **قیاما** بمعنی **قائمۃً** حال مؤکدہ ہے، اور **مقیدۃً** یا تو حال ثانی ہے یا ماقبل کی صفت ہے، یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا گذر ایک شخص پر ہوا، جو اپنے اونٹ کا نحر بارکۃ (بٹھا کر) کر رہا تھا، اس پر انہوں نے فرمایا: کھڑا کر، اس کو اس حال میں کہ یہ مقید ہو، یعنی اس کا بایاں ہاتھ باندھا ہوا ہو، (جیسا کہ نحر کی صورت میں ہوا کرتا ہے۔ **سنۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سنۃ منصوب بنزع الخافض** ہے، **ای علی سنۃ یابتقدیر الضم**، مرفوع ہے، **ھی سنۃ محمدٍ**۔

نحر اور ذبح میں فرق

نحر کہتے ہیں لبّہ یعنی سینہ کے قریب کی عروق کے قطع کرنے کو نیزہ وغیرہ سے، اس طور پر کہ ایک ہی بار کام تمام ہو جائے اور ذبح کہتے ہیں تھوڑی کے نیچے سے قطع عروق کو، جس میں عادتاً مکرر سہ کر رہا تھ چلانا پڑتا ہے، الحاصل محل نحر اسفل عنق ہے، اور محل ذبح اعلی العنق۔ قال العینی: (۱۰/۴۷) **"والذبح ھو قطع العروق التی فی اعلی العنق تحت اللحیین والنحر یکون فی اللبۃ کما ان الذبح یکون فی الحلق"** پھر نحر کی دو صورتیں ہیں، ایک قائمۃ دوسرے بارکۃ یعنی اونٹنی کو کھڑے کھڑے نحر کرنا یا بیٹھا کر؟ افضل قائماً ہی ہے۔ جائز بارکۃً بھی ہے، لیکن قائمۃً میں خطرہ ہوتا ہے اس کے بدکنے اور بھاگنے کا۔

اونٹ میں مسنون نحر ہے اور غنم و بقر میں ذبح، لہٰذا ذبح کی جگہ نحر اور نحر کی جگہ ذبح مکروہ ہے، اور ذبح میں اصل طریقہ مضطجعاً ہے اور قائماً خلاف اولیٰ ہے، یہ تمام تفصیل جو لکھی گئی ائمہ اربعہ کا مسلک ہے، حنفیہ اور باقی ائمہ ثلاثہ کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن عام طور سے شراح حدیث نے یہ لکھا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک نحر میں اطلاق ہے، قائمۃً و بارکۃً دونوں برابر ہیں، حالانکہ ایسا نہیں، ہمارے یہاں بھی نحر میں اصل طریقہ وافضل قائمۃً ہی ہے، جیسا کہ کتب احناف میں مصرح ہے، شراح سے نقل مذہب میں چوک ہوگئی، جس کا منشا بظاہر وہ قصہ ہے جو امام صاحب سے منقول ہے، وہ یہ کہ امام صاحب فرماتے ہیں

میں ایک مرتبہ نحر کررہا تھا بدنہ کا قائمۃً لیکن میں اس پر قابو نہ پاسکا اور وہ اونٹ بھاگ پڑا، قریب تھا کہ بہت سے لوگ اس کی زد میں آکر ہلاک ہوجائیں، تو اس پر میں نے عزم کرلیا کہ آئندہ ہمیشہ اونٹ کا نحر بارکۃً ہی کرونگا، ہاں حسن بصری اور عطاء کا اس میں اختلاف ہے، علامہ باجی نے حسن کا اور ابن قدامہ نے عطاء کا مسلک یہ نقل کیا ہے کہ ان دونوں کے نزدیک نحر بارکۃً اولیٰ ہے۔ (بذل، اوجز)

وفی الاوجز (۳/۵۹۴) قال الحافظ ونحر البقرة جائز عند الجمہور والمستحب الذبح لقولہ تعالیٰ: "اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً" وفیہ خلاف الحسن بن صالح۔ دراصل اس میں اسہل کو دیکھا گیا ہے کہ جس حیوان کے حق میں جوصورت اسہل تھی اس کو اختیار کیا ہے، اونٹ کے حق میں اسہل نحر ہے اس لئے اس میں نحر اولیٰ ہے اور غنم وبقر میں اسہل ذبح ہے، اسی لئے وہاں ذبح اولیٰ ہے۔ (الدرالمنضود: ۳/۱۸۳)

ذبح والے جانور کا نحر اور نحر والے جانور کو ذبح کرنا کیسا ہے؟

یہاں ایک مسئلہ اور ہے، نحر کی جگہ ذبح کو اور ذبح کی جگہ نحر کو اختیار کرنا کیسا ہے؟

جواب: یہ ہے کہ ایسا کرنا داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرام ہے، اور اگر کیا تو اس کا کھانا بھی حلال نہیں اور جمہور علماء وائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایسا کرنا صرف مکروہ ہے، ائمہ میں سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے، ان کے نزدیک ابل میں نحر اور غنم میں ذبح واجب ہے، اور اگر اس کے خلاف کیا گیا تو پھر اس کا کھانا حلال نہیں ہے، لیکن یہ مسئلہ ان کے یہاں حالت اختیار میں ہے اور اگر مجبوراً ایسا کیا گیا تو کچھ مضائقہ نہیں، اور بقر میں ان کے نزدیک ذبح اولیٰ ہے، واجب نہیں، لہٰذا اگر اس کا نحر کیا گیا تو جائز ہے۔ (اوجز: ۳/۵۹۴)

ہدی کے چمڑے، جھول وغیرہ کو صدقہ کرنا چاہئے

{۲۵۲۱} وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَقُوْمَ عَلٰى بُدْنِهٖ وَاَنْ اَتَصَدَّقَ بِلَحْمِهَا وَجُلُوْدِهَا

وَاَجِلَّتِهَا وَاَنْ لَّا اُعْطِیَ الْجَزَّارَ مِنْهَا، قَالَ: نَحْنُ نُعْطِیْهِ مِنْ عِنْدِنَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۳۲، باب یتصدق بجلود الهدی، حدیث نمبر: ۱۶۸۶، مسلم شریف: ۱/۴۲۳، باب الصدقة بلحوم الهدایا الخ، حدیث نمبر: ۱۳۱۷۔

حل لغات: جلود: جمع ہے جلد کی بمعنی کھال۔ اجلتها: جمع ہے جل کی بمعنی جھول۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ آپ کے اونٹوں کی خبر گیری کروں، ان کے گوشت، کھال، اور جھول صدقہ کروں اور یہ کہ ان میں سے قصائی کو کچھ نہ دوں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: قصائی کو ہم اپنے پاس سے دیتے ہیں۔

تشریح: ان اقوم علی بدنه الخ: ان کو نگراں اس لئے بنایا تھا تاکہ خرد برد نہ ہو کر، صحیح مصرف میں خرچ ہو۔

وان لا اعطی الجزاء: یعنی قصائی کو اجرت میں گوشت وغیرہ نہ دے؛ بلکہ الگ سے اجرت دے۔

قال نحن نعطیه من عندنا: قال کے فاعل حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ہو سکتے ہیں، اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ "**ای علی او النبی صلی اللہ علیه وسلم وهو الاظهر**" (مرقاۃ: ۵/۳۵۴)

معلوم ہوا کہ ہدی کے جانور کی کھال جھول اور مہار وغیرہ بھی صدقہ کر دینا چاہئے، ان چیزوں کو قصائی کو مزدوری میں دینا جائز نہیں ہے، اگر قصائی کو احساناً دیا جائے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ (مظاہر حق: ۲/۳۴۲)

ہدی کے گوشت کا حکم

{۲۵۲۲} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ کُنَّا لَا نَأْکُلُ مِنْ لُحُوْمِ بُدْنِنَا فَوْقَ ثَلَاثٍ فَرَخَّصَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: کُلُوْا وَتَزَوَّدُوْا فَاَکَلْنَا وَتَزَوَّدْنَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۳۲، باب واذ بوانا لابراهیم الخ، کتاب المناسک، مسلم

شریف: ۱۵۸/۲، کتاب الاضاحی باب بیان ما کان من النھی عن اکل لحوم الاضاحی بعد ثلاث الخ، حدیث نمبر: ۱۹۷۲۔

حل لغات: رخص: رخص (تفعیل) رخصت دینا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہیں کھاتے تھے، پھر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: کھاؤ اور جمع کرو، چنانچہ ہم نے کھانا اور جمع کرنا شروع کیا۔

تشریح: قربانی اور ہدی کا گوشت تین دن سے زیادہ تک کھا بھی سکتے ہیں اور جمع کر کے رکھ بھی سکتے ہیں۔

کنا لا ناکل من لحوم بدننا ثلاث: اسلام کے ابتدائی دور میں قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ تک نہ کھانے کی اجازت تھی اور نہ ہی جمع کر کے رکھنے کی گنجائش تھی، اس لئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تین دن کے اندر اندر ہی گوشت کو ختم کر دیا کرتے تھے۔

فرخص لنا الخ: مراد یہ ہے کہ اب قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ دنوں تک کھا بھی سکتے ہیں اور جمع کر کے رکھ بھی سکتے ہیں۔

فائدہ: ہدی کے یہ تین طرح کے جانور ہیں:

(۱)......**ھدی تطوع**، جب حرم پہنچ جائے۔

(۲)......**ھدی المتعۃ**۔

(۳)......**ھدی قران**۔

مہدی کے لئے ان کا گوشت کھانا اور مطلقاً دوسروں کو کھلانا درست ہے، باقی ان کے علاوہ ہدی کے جتنے جانور ہیں، ان کا گوشت خود مہدی نہیں کھا سکتا، بلکہ غریبوں میں تقسیم کر دے۔ (ردمحتار: ۳۹/۴)

الفصل الثانی

دشمنانِ خدا کو رنج پہنچانا

{۲۵۲۳} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَهْدٰى عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ فِيْ هَدَايَا رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَلًا كَانَ لِاَبِيْ جَهْلٍ فِيْ رَأْسِهٖ بُرَةٌ مِّنْ فِضَّةٍ، وَفِيْ رِوَايَةٍ مِّنْ ذَهَبٍ يَغِيْظُ بِذٰلِكَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤدشریف: ۱/۲۴۴، کتاب المناسک، باب فی الھدی، حدیث نمبر: ۱۷۴۹۔

حل لغات: **جمل:** اونٹ، جمع: **جمال**، **برة:** حلقہ، جمع: **بُرات، بُرًا(ن) بَرْوًا:** اونٹنی کی ناک میں حلقہ ڈالنا۔ **یغیظ: غاظ (ض) غیظاً:** غصہ دلانا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال اپنے ہدایا میں ابوجہل کا اونٹ بھیجا تھا، جس کے سر میں چاندی کا حلقہ تھا، اور ایک روایت میں ہے کہ سونے کا تھا، جس سے مشرکین کو غصہ دلانا تھا۔

تشریح: فی ھدایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم: وضع المظھر موضع المضمر کے قبیل سے ہے، قیاس کا تقاضہ یہ تھا **"فی ھدایاہ"** اس حدیث شریف کا تعلق عمرۃ الحدیبیہ سے ہے، جس میں احصار واقع ہوگیا تھا، جس کا قصہ مشہور ہے، اس سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو ہدی کے جانور تھے ان میں ابوجہل کا اونٹ بھی تھا۔

یغیظ بذلک المشرکین: یعنی اس اونٹ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قصداً اس لئے ذبح کیا تا کہ کفار کو اس سے تکلیف ہو اور وہ جلیں۔ **"کما فی قولہ تعالیٰ لیغیظ بھم الکفار"** [تا کہ اللہ تعالیٰ ان (کی اس ترقی) سے کافروں کا دل جلائے۔] ابوجہل کا اونٹ کیسا خوش قسمت تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

کے عمرہ مبارکہ میں کام آیا، ملا علی قاری نے بڑی لطیف بات فرمائی: **"خاتمة جمله اجمل منه"** کہ ابوجہل کے اونٹ کا خاتمہ خود ابوجہل کے خاتمہ سے بہت اچھا رہا۔

برة من فضة: ایک روایت میں یہ ہے کہ اس کی ناک میں چاندی کا حلقہ (نکیل) تھا، دوسری روایت میں یہ ہے کہ سونے کا تھا، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ممکن ہے ایک جانب میں سونے کا ہو دوسری جانب میں چاندی کا۔ (مرقاۃ: ۳/۲۳۶)

قریب المرگ ہدی

{۲۵۲۴} وَعَنْ نَاجِيَةَ الْخُزَاعِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ! كَيْفَ اَصْنَعُ بِمَا عَطِبَ مِنَ الْبُدْنِ؟ قَالَ: اِنْحَرْهَا ثُمَّ اغْمِسْ نَعْلَهَا فِيْ دَمِهَا، ثُمَّ خَلِّ بَيْنَ النَّاسِ وَبَيْنَهَا فَيَأْكُلُوْنَهَا۔ (روه مالك والترمذی وابن ماجة) وَرَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ نَاجِيَةَ الْاَسْلَمِيِّ۔

حوالہ: مؤطا امام مالک: ۱۴۸، باب العمل فی الھدی اذا عطب الخ، ترمذی شریف: ۱/۱۸۱، باب ماجاء اذا عطب الھدی الخ، حدیث نمبر: ۹۱۰، ابن ماجہ: ۲۲۴، باب فی الھدی اذا عطب، حدیث نمبر: ۳۱۰۶، ابوداؤد شریف: ۱/۲۴۵، باب فی الھدی اذا عطب الخ، حدیث نمبر: ۱۷۶۲، دارمی: ۲/۹۰، باب سنة البدنة اذا عطب، حدیث نمبر: ۱۹۰۹۔

حل لغات: عطب: عَطِبَ (س) عطباً: تھکنا۔

ترجمہ: حضرت ناجیہ خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ! جو ہدی تھک جائے میں اس کے ساتھ کیا کروں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو نحر کر کے اس کی جوتی کو اس کے خون میں رنگ دینا، پھر اس جانور کو لوگوں کے درمیان چھوڑ دینا تاکہ لوگ اس کو کھالیں۔

تشریح: ہدی کا جو جانور چلنے سے عاجز ہو جائے، اور مرنے کے قریب ہو جائے، اس کو ذبح کر کے غریبوں کو کھلا دیا جائے۔

کیف اصنع بما عطب من البدن: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ان صحابی کو

یہی ہدی کا نگراں بنا کر بھیجا تو انہوں نے حضرت نبی کریم ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ اگر کوئی اونٹ زیادہ تھک جائے اور وہ حرم تک جانے سے عاجز ہو جائے تو اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟

قال انحرھا الخ: آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: کہ ایسے جانور کو ذبح کر کے اس کی گردن میں پڑی جوتیوں کو رنگ دینا تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ ہدی کے جانور کا گوشت ہے اور اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کریں، یعنی اغنیاء اس کا گوشت کھانے سے پرہیز کریں۔

ثم خل بین الناس و بینھا فیأکلونھا: یعنی اس جانور کو ذبح کر کے عام لوگوں کے کھانے کے لئے چھوڑ دیا جائے، نہ خود کھائے اور نہ قافلے والے کو کھانے دے اور نہ ہی کوئی مالدار اس کے گوشت سے فائدہ اٹھائے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ”قریب المرگ ہدی کا حکم“

قربانی کے دن کی فضیلت

{۲۵۲۵} **وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ قُرْطٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَعْظَمَ الْاَيَّامِ عِنْدَ اللهِ يَوْمُ النَّحْرِ، ثُمَّ يَوْمُ الْقَرِّ قَالَ: ثَوْرٌ وَهُوَ الْيَوْمُ الثَّانِيْ، قَالَ: وَقُرِّبَ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَنَاتٌ خَمْسٌ اَوْسِتٌّ فَطَفِقْنَ يَزْدَلِفْنَ اِلَيْهِ بِاَيَّتِهِنَّ يَبْدَأُ قَالَ: فَلَمَّا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا، قَالَ: فَتَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ خَفِيَّةٍ لَمْ اَفْهَمْهَا، فَقُلْتُ: مَا قَالَ، قَالَ: قَالَ مَنْ شَاءَ اِقْتَطَعَ۔ (رواہ ابوداؤد) وَذُكِرَ حَدِيْثَا ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرٍ فِيْ بَابِ الْاُضْحِيَّةِ۔**

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۴۵، باب فی الھدی اذا عطب الخ، حدیث نمبر: ۱۷۶۵۔

حل لغات: القر: قر (ن ض) قرا: ٹھنڈا ہونا۔ **طفقن: طفق (س) طفقا:** شروع کرنا، **یزدلفن: زلف (س) زلفا، ازدلف (افتعال)** آگے ہونا، قریب ہونا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنوں میں سب سے بڑا دن قربانی کا دن ہے، پھر قر کا دن ہے، ثور کہتے

ہیں وہ قربانی کا دوسرا دن ہے، عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پانچ یا چھ اونٹ لائے گئے تو اونٹوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آنا شروع کر دیا، تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس سے چاہیں شروع کریں، عبد اللہ نے کہا: کہ جب اونٹ پہلو کے بل گر گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ سے کچھ فرمایا، جسے میں نہیں سمجھ سکا، تو میں نے کہا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ انہوں نے کہا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو چاہے گوشت کاٹ کر لے جائے۔

تشریح: ان اعظم الایام عند اللہ الخ: سے مراد یہ ہے کہ قربانی کا دن ان دنوں میں سے ایک دن ہے، جو افضل اور بزرگ ترین دن ہے، یہ مراد اس لئے لی گئی ہے کہ دوسری احادیث میں (ذی الحجہ کے) عشرہ کو تمام دنوں کے مقابلہ میں افضل کہا گیا ہے، لہٰذا اس اعتبار سے کہ عشرۂ ذی الحجہ افضل ہے، ذی الحجہ کی دسویں تاریخ (جو قربانی کا دن ہے) بھی افضل ہے؛ کیونکہ یہ دن بھی عشرۂ ذی الحجہ میں شامل ہے۔

اب رہی یہ بات کہ جس طرح احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام دنوں میں افضل ترین عشرہ ذی الحجہ ہے، اسی طرح یہ بات بھی احادیث ہی سے ثابت ہے کہ رمضان کا آخری عشرہ افضل ترین ہے، تو اس تضاد کو یوں رفع کیا جائے کہ ان احادیث کو کہ جن سے عشرۂ ذی الحجہ کا افضل ہونا ثابت ہوتا ہے اشہر حرم کے ساتھ مقید کیا جائے؛ یعنی یہ کہا جائے کہ اشہر حرم کے دنوں میں افضل ترین ایام عشرۂ ذی الحجہ ہے، لہٰذا حاصل یہ نکلے گا کہ عشرۂ ذی الحجہ حرام مہینوں میں افضل ہے، اور عشرۂ رمضان مطلق طور پر تمام دنوں میں افضل ہے، مذکورہ بالا تضاد کو دور کرنے کے لئے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ افضلیت باعتبار حیثیت کے مختلف ہے، یعنی چونکہ رمضان میں روزے رکھے جاتے ہیں، اس ماہ مقدس میں عبادت کا ثواب بہت زیادہ حاصل ہوتا ہے اور اس کے آخر عشرہ میں اعتکاف ہوتا ہے، اس اعتبار سے تو رمضان کا آخر عشرہ افضل ہے، اور چونکہ عشرۂ ذی الحجہ میں حج کے افعال ادا ہوتے ہیں اور قربانی کی جاتی ہے اس اعتبار سے افضل ہے۔

وقرب لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: جن ہدایا کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے نحر کیا تھا ان میں سے پانچ یا چھ ایسی تھیں جو از خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ رہی تھیں کہ

دیکھئے کس سے آنحضرت ﷺ ابتداء فرماتے ہیں، اللہ اکبر! کس قدر خوش قسمت تھیں یہ اونٹنیاں کہ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتی تھی کہ میں آنحضرت ﷺ کے ہاتھ سے پہلے ذبح ہوجاؤں، حضرت شیخ قدس سرہٗ اس حدیث شریف کو پڑھاتے ہوئے رو پڑتے تھے اور یہ شعر پڑھتے تھے:

ہمہ آہوانِ صحراء سر خود نہادہ برکف

بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

[جنگل کے تمام ہرن اپنے سروں کو اپنے ہاتھوں پر رکھے ہوئے ہیں، اس امید میں کہ آنحضرت ﷺ کسی روز شکار کے لئے تشریف لائیں گے۔]

وقال آخر نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت

سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

[کسی دشمن کا ایسا نصیبہ نہ ہو کہ آنحضرت ﷺ کی تلوار سے ہلاک ہوجائے، دوستوں کے سر آنحضرت ﷺ کی خنجر آزمائی کے لئے سلامت ہیں۔]

وایضاً داغ جاتے تو ہیں مقتل میں پر اول سب سے

دیکھئے وار کرے وہ ستم آرا کس پر (الدر المنضود: ۳/۱۸۲)

یہ حضرت نبی کریم ﷺ کا ایک معجزہ ہے۔ **"وھذا من معجزاتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام"** (مرقاۃ: ۵/۳۵۶)

فلما وجبت جنوبھا الخ: مراد یہ ہے کہ جب اونٹ ذبح ہوگئے تو آنحضرت ﷺ نے گوشت لے جانے کی عام اجازت دے دی۔

فقلت ما قال الخ: یہاں تین قال ہیں، پہلے اور تیسرے قال کے فاعل حضرت نبی کریم ﷺ کی ذات عالی مرتبت ہے، اور بیچ والے قال کے فاعل وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جن سے عبد اللہ بن قرط رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا تھا: کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے آہستہ سے کیا فرمایا؟

﴿الفصل الثالث﴾

ہدی کا گوشت

{۲۵۲۶} وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ضَحّٰى مِنْكُمْ فَلَا يُصْبِحَنَّ بَعْدَ ثَالِثَةٍ وَفِيْ بَيْتِهٖ مِنْهُ شَيْءٌ، فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! نَفْعَلُ كَمَا فَعَلْنَا الْعَامَ الْمَاضِيْ؟ قَالَ: كُلُوْا وَاَطْعِمُوْا وَادَّخِرُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ الْعَامَ كَانَ بِالنَّاسِ جُهْدٌ فَاَرَدْتُ اَنْ تُعِيْنُوْا فِيْهِمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۸۳۵/۲، کتاب الاضاحی باب مایؤ کل من لحوم الاضاحی الخ، حدیث نمبر: ۵۳۵۴۔ مسلم شریف: ۱۵۹/۲، کتاب الاضاحی، باب بیان ما کان من النھی عن اکل لحوم الاضاحی بعد ثلاث الخ، حدیث نمبر: ۱۹۷۴۔

حل لغات: ضحی: ضحی (تفعیل) ذبح کرنا، قربانی کرنا۔ جهد (ف) جهداً: بہت کوشش کرنا۔ تعینوا: اعان (افعال) مدد کرنا۔

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جو قربانی کرے، تو تیسرے دن کے بعد اس حال میں صبح نہ کرے کہ اس کے گھر میں قربانی کا کچھ گوشت موجود ہو، جب اگلا سال آیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم اس سال ویسا ہی کریں جیسا پچھلے سال کیا تھا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کھاؤ کھلاؤ اور جمع کرو، اس لئے کہ لوگ پچھلے سال محنت ومشقت اور محتاجگی میں مبتلا تھے، میں نے چاہا کہ تم لوگ ان کی مدد کرو۔

تشریح: من ضحی منکم: مراد قربانی کرنا ہے۔

فلا یصبحن الخ: مراد یہ ہے کہ تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت نہ رکھے، نہ استعمال کرے،

اس سال کا واقعہ ہے کہ جس سال بہت سخت قحط پڑا تھا، اور مدینہ منورہ اہل بادیہ سے بھر گیا تھا، اس لئے حضرت نبی کریم ﷺ نے قربانی کا گوشت زیادہ دنوں تک کھانے اور رکھنے سے منع کر دیا تھا؛ تاکہ باہر سے آئے ہوئے جو لوگ مدینے میں ہیں ان کو بھی گوشت مل جائے۔ **"لاجل القحط الشديد الذي وقع فيه حتى امتلأت المدينة من اهل البادية"** (مرقاۃ: ۳/۲۳۸)

فلما كان العام المقبل الخ: یعنی جب آئندہ سال آیا تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اس (سال کیا حکم ہے؟ کیا پچھلے سال کی طرح اس سال بھی تین دن کے اندر اندر گوشت تقسیم کر کے ختم کر دیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ نہیں! کھاؤ کھلاؤ اور چاہو تو جمع بھی کرلو، اب وہ حالات نہیں رہے؛ اس لئے تین دن کے اندر اندر قربانی کا گوشت ختم کرنا ضروری نہیں ہے۔

قربانی کا گوشت تقسیم کرنا

{۲۵۲۷} وَعَنْ نُبَيْشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا كُنَّا نَهَيْنَاكُمْ عَنْ لُحُوْمِهَا اَنْ تَأْكُلُوْهَا فَوْقَ ثَلَاثٍ لِكَيْ تَسَعَكُمْ جَاءَ اللهُ بِالسَّعَةِ فَكُلُوْا وَادَّخِرُوْا وَأْتَجِرُوْا اَلَا وَاِنَّ هٰذِهِ الْاَيَّامَ اَيَّامُ اَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللهِ۔ (رواه ابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شریف: ۲/۳۸۸، کتاب الضحايا، باب حبس لحوم الاضاحی۔ حدیث نمبر: ۲۸۱۳۔

ترجمہ: حضرت نبیشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ ہم نے تمہیں تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع کیا تھا، تاکہ وسعت ہو (سب کو کافی ہو) اب اللہ تعالیٰ نے وسعت دی، اس لئے کھاؤ، جمع کرو اور اجر کماؤ، غور سے سنو! یہ ایام کھانے پینے اور ذکر اللہ کے دن ہیں۔

تشریح: انا كنا نهيناكم عن لحومها الخ: مراد یہ ہے کہ کسی وقتی ضرورت پر ایک مرتبہ تین دن سے زیادہ رکھ کر کھانے سے منع کر دیا تھا، اب وہ ضرورت باقی نہیں رہی، اس لئے قربانی کے گوشت کو

تین دن سے زیادہ رکھ کر کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مصلحت یہ تھی کہ ابتداء میں غربت کا زمانہ تھا، سب لوگو قربانی نہیں کرسکتے تھے، اگر تین دن سے زائد قربانی کا گوشت ذخیرہ بنا کر رکھنے کی اجازت دیجاتی تو قربانی کے دنوں میں بھی بہت سے غرباء وفقراء کو گوشت کھانے کو نہ ملتا، اس لئے تین دن سے زائد ذخیرہ بنانے سے منع کر دیا گیا تھا، تاکہ مساکین کو فراخی کے ساتھ گوشت میسر آسکے۔ مگر بعد میں فراخی پیدا ہونے سے اکثر و بیشتر لوگ قربانی کرنے لگے، جس کی وجہ سے وہ ضرورت ختم ہوگئی، اس لئے ذخیرہ بنانے کی اجازت دیدی گئی، اب اگر کوئی شخص کتنی ہی مدت کے لئے ذخیرہ بنا کر قربانی کا گوشت رکھنا چاہے رکھ سکتا ہے۔

وأتجروا: مراد یہ ہے کہ دوسروں کو دیکر نیکی کمائی جائے، تجارت مراد نہیں ہے۔ **"ای اطلبوا الاجر بالتصدق ولیس من التجارة"** (مرقاۃ:۸ ۲۳/۳)

وان هذه الایام ایام اکل وشرب الخ: مراد یہ ہے کہ منیٰ کے یہ چار دن جنہیں ایام تشریق کہا جاتا ہے، ان ایام میں روزہ رکھنا حرام ہے، اس لئے روزہ نہ رکھے، بلکہ کھائے پیئے اور ذکر اللہ میں مشغول رہے۔

باب الحلق

سر منڈانے کا بیان

رقم الحدیث: ۲۵۲۸ر تا ۲۵۳۶ر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب الحلق

سر منڈانے کا بیان

اس باب میں حلق اور قصر دونوں کے بارہ میں احادیث ذکر کی جائیں گی، لیکن ترجمۃ الباب میں صرف حلق کا ذکر کیا، کیونکہ ''حلق'' قصر سے افضل ہے، اس وجہ سے افضل کے ذکر پر اکتفاء فرمایا۔

دسویں تاریخ کو چار فعل کئے جاتے ہیں: رمی، ذبح، حلق، طواف۔

حج میں حلق راس کا حکم

حلق یا تقصیر شافعیہ کے نزدیک ارکان حج میں سے ہے، ان کی کتب میں لکھا ہے کہ جب تک محرم حلق نہیں کریگا احرام کے حکم سے خارج نہ ہوگا، ہمیشہ محرم ہی رہے گا اور باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واجبات میں سے ہے۔

حلق مناسک میں سے ہے یا استباحۃ محظور؟

یہاں ایک مسئلہ اختلافی یہ ہے کہ حلق مناسک میں سے ہے یا استباحۃ محظور ہے، یعنی حلق کو ایک عبادت اور کار ثواب ہونے کی حیثیت سے کیا جاتا ہے یا یہ کہ ایک مباح کام کو کرنا ہے، جو احرام کی وجہ سے محظور و ممنوع ہوگیا تھا۔ (اظہار تحلل) امام بخاری نے باب قائم کیا ہے: **"باب الحلق والتقصیر عند الاحلال"**۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ فرمایا کہ حلق نسک ہے

محض تحلل کا نام نہیں ہے، اسی لئے **عند الاحلال** فرمایا۔

نیز حلق افضل ہے تقصیر سے، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے محلقین کے لئے بار بار دعاء مغفرت فرمائی اور مقصرین کے لئے ایک بار وہ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی درخواست پر، اور عورت کے حق میں تو تقصیر متعین ہے، حلق اس کے لئے حرام اور مثلہ ہے۔

حلق رأس کی مقدار

ایک مسئلہ یہاں پر یہ ہے کہ حلق رأس کی کتنی مقدار واجب ہے، اس میں مذاہب ائمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جو مذاہب وضوء میں مسح رأس کے اندر ہیں وہی یہاں ہیں، یعنی حنفیہ کے نزدیک ربع رأس کے حلق سے واجب ادا ہو جائے گا، اگر چہ ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ یہ قزع ہے، جو ممنوع ہے، جیسا کہ کتاب اللباس میں آرہا ہے، اور شافعیہ کے نزدیک تین بال کاٹنے سے واجب اداء ہو جائے گا، اور امام مالک واحمد کے نزدیک استیعاب رأس ضروری ہے، لیکن اس مسئلہ میں ملا علی قاری نے حنفیہ کے مسلک پر بحث اور نقد کیا ہے اور مالکیہ وحنابلہ کے مسلک کو ترجیح دی ہے، اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ اور آنحضرت ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم سے حلق بعض پر اکتفاء کرنا ثابت نہیں ہے، جب کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **"خذوا عني مناسككم" وهو مختار الشيخ ابن الهمام، واجاب عنه الشيخ في البذل فارجع اليه لو شئت۔** (الدر المنضود: ۲۸۴،۲۸۵/۳)

﴿الفصل الاول﴾

سر منڈانا افضل ہے

{۲۵۲۸} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَلَقَ رَأْسَهٗ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَاُنَاسٌ مِنْ أَصْحَابِهٖ وَقَصَّرَ بَعْضُهُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۶۳۳/۲، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع، حدیث نمبر: ۴۲۳۳، مسلم شریف: ۴۲۰/۱، کتاب الحج، باب تفضیل الحلق الخ، حدیث نمبر: ۱۳۰۱۔

حل لغات: حلق: حلق (ض) الرأس: منڈانا،

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حجۃ الوداع کے موقع پر سر منڈائے اور کچھ ہی نے قصر کرایا۔

تشریح: حلق رأسه فی حجة الوداع الخ: مراد یہ ہے کہ سر منڈانا افضل ہے، یہی وجہ ہے کہ بشمول حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سر منڈایا تھا۔ **"وحلقه افضل، ای هو مسنون"** (ردمختار: ۵۳۵/۳)

وقصر بعضهم: مراد یہ ہے کہ کوئی حلق کے بجائے قصر کرانا چاہے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

بعض مواقع کے اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حلق ثابت ہے اور بعض کے اندر ثابت نہیں، اس لئے علماء کے اندر اختلاف ہوگیا کہ حلق سنت ہے یا بال رکھنا، بعض کے نزدیک حلق سنت ہے اور بعض کے نزدیک بال رکھنا سنت ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصل سنت بال رکھنا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قصر کرانا

{۲۵۲۹} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ لِيْ

مُعَاوِيَةُ إِنِّيْ قَصَّرْتُ مِنْ رَّأْسِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الْمَرْوَةِ بِمِشْقَصٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۳۳، باب الحلق والتقصیر عند الاحلال، حدیث نمبر: ۱۶۹۹۔

مسلم شریف: ۱/۴۰۸، باب جواز تقصیر المعتمر، حدیث نمبر: ۱۲۴۶۔

حل لغات: **قصرت: قصر (ن) قصورا:** ناقص ہونا، **قصر (تفعیل) الشی** چھوٹا کرنا۔

مشقص: چوڑے پھل کی تیز قینچی۔ جمع: **مشاقص**۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: کہ میں نے قینچی سے مروہ کے پاس حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال چھوٹے کئے تھے۔

تشریح: یہ حدیث علماء اور محدثین کی نظر میں نہایت معرکۃ الآ راء ہے، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد ایک حج اور چار عمرے فرمائے ہیں، لہٰذا یہ حدث شریف دو حال سے خالی نہیں، یا تو عمرہ پر محمول ہے، یا حج پر، لیکن حج اس کا محمل اس وجہ سے نہیں کہ مسلم کے اندر اس حدیث شریف میں اتنی زیادتی وارد ہوئی ہے کہ عند المروۃ اور حلق اور تقصیر حج کے بعد منی میں ہوتی ہے، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے اندر قصر نہیں کیا بلکہ حلق فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالق معمر بن عبد اللہ العدوی ہیں، اب رہ گئے آپ کے چار عمرے، ان میں سے ایک عمرہ تو اسی حجۃ الوداع کے اندر آ گیا ہے، لہٰذا یہ محمل نہیں ہوسکتا جیسا کہ تفصیل ابھی گذری، اب باقی رہ گئے تین عمرے ان میں سے کوئی ایک محمل ضرور ہوگا، ان میں سے ایک عمرہ حدیبیہ ہے یہ اس کا محمل نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس وقت تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمان نہیں ہوئے تھے، نیز وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کرایا تھا، جیسا کہ روایات سے معلوم ہوا، اب تیسرا عمرہ جعرانہ ہے، اور چوتھا عمرۃ القضاء ہے، ان دونوں میں سے ایک ہے، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عمرۃ القضاء اس کا محمل نہیں بلکہ جعرانہ ہے، کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے اندر مسلمان ہوئے، عمرۃ القضاء کے اندر مسلمان نہیں تھے، لیکن حافظ ابن قیم، ابن کثیر، محب طبری رحمۃ اللہ علیہم نے راجح قرار دیا ہے کہ عمرۂ جعرانہ کے اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قصر فرمایا، حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ جعرانہ کے اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کیا ہے اور اس حدیث شریف کا محمل عمرۃ القضاء ہے،

اب یہ کہ وہ مسلمان فتح مکہ کے اندر ہوئے اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ چپکے سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے ہوں اور کسی وجہ سے اسلام کو چھپا رکھا ہو اور پھر فتح مکہ کے اندر ظاہر کیا ہو اور چونکہ مکہ مکرمہ خالی ہو گیا تھا عمرۃ القضاء کے اندر اس لئے بلا خوف وخطر آنحضرت ﷺ کا قصر انہوں نے کر دیا ہو گا۔ (تقریر حضرت شیخ زکریا، التعلیق: ۳/۲۴۰)

سر منڈانے والے کیلئے دعا

{۲۵۳۰} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ: اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِیْنَ، قَالُوْا: وَالْمُقَصِّرِیْنَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! قَالَ: اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِیْنَ، قَالُوْا: وَالْمُقَصِّرِیْنَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ: وَالْمُقَصِّرِیْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۳۳، باب الحلق والتقصیر عند الاحلال، کتاب المناسک، حدیث نمبر: ۱۶۹۶، مسلم شریف: ۱/۴۲۰، باب تفضیل الحلق علی التقصیر الخ، حدیث نمبر: ۱۳۰۱۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے حج الوداع کے موقع پر دعا کی: "اے اللہ! تو سر منڈانے والوں پر رحم فرما" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اور کتروانے والوں کے لئے؟ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اے اللہ! تو سر منڈانے والوں پر رحم فرما" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اور کتروانے والوں کے لئے؟ تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اور کتروانے والوں پر۔"

تشریح: اللهم ارحم المحلقین الخ: سر منڈانے والوں نے چونکہ افضل پر عمل کیا؛ اس لئے حضرت نبی کریم ﷺ نے ان حضرات کے لئے دعائے رحمت کی۔ **"حیث عملوا بالافضل"** (مرقاۃ: ۵/۳۵۹)

قال والمقصرین: یعنی حضرت نبی کریم ﷺ نے توجہ دلانے پر تیسری مرتبہ بال ترشوانے والوں کے لئے دعا کی۔

قصر سے حلق افضل ہے

{۲۵۳۱} وَعَنْ يَحْيَى بْنِ الْحُصَيْنِ عَنْ جَدَّتِهِ أَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ دَعَا لِلْمُحَلِّقِيْنَ ثَلَاثًا وَلِلْمُقَصِّرِيْنَ مَرَّةً وَاحِدَةً۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۴۲۱، باب تفضیل الحلق علی التقصیر الخ، حدیث نمبر: ۱۳۰۳۔

ترجمہ: حضرت یحییٰ بن حصین اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حجۃ الوداع میں محلقین کے لئے تین مرتبہ دعا کرتے ہوئے حضرت رسول اکرم ﷺ سے سنا، اور کتروانے والے کے لئے ایک مرتبہ۔

تشریح: دعا للمحلقین ثلاثا: اس حدیث شریف میں ہے کہ سر منڈانے والوں کے لئے حضرت نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ دعا کی، اور اس سے پہلے والی روایت میں ہے کہ دو مرتبہ، اس بارے میں شراح حدیث یہ لکھتے ہیں کہ جس راوی نے جیسا سنا ویسا ہی نقل کر دیا ہے۔ **"یحتمل کلام کل راو علی ما سمع به"** (مرقاۃ: ۵/ ۳۶۰)

سر منڈانے کا طریقہ

{۲۵۳۲} وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى مِنًى، فَأَتَى الْجَمْرَةَ فَرَمَاهَا، ثُمَّ أَتَى مَنْزِلَهُ بِمِنًى وَنَحَرَ نُسُكَهُ، ثُمَّ دَعَا بِالْحَلَّاقِ وَنَاوَلَ الْحَالِقَ شِقَّهُ الْأَيْمَنَ، فَحَلَقَهُ، ثُمَّ دَعَا أَبَا طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيَّ، فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ، ثُمَّ نَاوَلَ الشِّقَّ الْأَيْسَرَ، فَقَالَ: اِحْلِقْ، فَحَلَقَهُ فَأَعْطَاهُ أَبَا طَلْحَةَ، فَقَالَ: اَقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: لم اجد فی البخاری، مسلم شریف: ۱/ ۴۲۱، باب بیان ان السنة یوم النحر ان یرمی الخ، حدیث نمبر: ۱۳۰۵۔

حل لغات: نسکہ: سین پر زبر اور پیش دونوں پڑھے جاتے ہیں، جمع ہے: **نسکۃ** کی بمعنی ذبیحہ۔ **شقہ:** جانب، کنارہ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں آنے کے بعد جمرۂ عقبہ کے پاس تشریف لے جا کر کنکریاں ماریں، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں اپنی قیام گاہ تشریف لائے اور ہدی کے جانوروں کو ذبح کیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلاق کو بلا کر اپنے سر کا دایاں حصہ اس کے سامنے کر دیا، چنانچہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مونڈا، پھر ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان کو وہ بال مبارک عنایت فرمائے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا بایاں حصہ اس کے سامنے کر کے فرمایا: مونڈو، چنانچہ اس نے مونڈے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بال ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو دے کر فرمایا: یہ بال لوگوں میں تقسیم کر دو۔

تشریح: اتی منی فاتی الجمرۃ الخ: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ آ کر جمرۂ عقبہ پر رمی کی۔

واتی منزلہ بمنی الخ: رمی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی۔

ثم دعا بالحلاق الخ: اسمہ معمر بن عبد اللہ العدوی وقیل خراش بن امیہ. لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے قول اول کو صحیح قرار دیا ہے، اور خراش کے بارے میں کہا کہ وہ حدیبیہ میں حالق تھے، آگے روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کی ایک جانب کے موئے مبارک حاضرین میں تقسیم فرما دیئے، اور دوسری جانب کے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں بجائے اس کے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے، پس ہو سکتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو دریافت فرمایا تو وہ اس وقت وہاں حاضر نہ ہوں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلیم کو دیدیئے کہ وہ ان کو اپنے شوہر ابوطلحہ کو پہنچا دیں، نیز صحیحین کی روایات اس بارے میں بھی مختلف ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس جانب کے بال تقسیم فرمائے تھے؟ اور کس جانب کے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائے تھے؟ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ شق ایمن کے بال تو تقسیم کئے گئے، جس میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بھی حصہ تھا اور شق

ایسر کے بال خالص حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائے۔ واللہ اعلم

تقسیم شعر کی مصلحت

تقسیم شعر کے بارے میں حضرت شیخ نے علامہ زرقانی سے نقل فرمایا ہے **"انما قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعرہ فی اصحابہ لیکون برکۃ باقیۃ بینھم و تذکرۃ لھم و کانہ اشار بذلک الی اقتراب الاجل و خص اباطلحۃ بالقسمۃ التفاتا الی ھذا المعنی لانہ ھو الذی حفر قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم و لحد لہ و بنی فیہ اللبن"** یعنی موئے مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے تقسیم فرمائے تاکہ ایک بابرکت چیز صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس باقی رہے، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک یادگار ان کے پاس رہے، پس اس میں قرب وفات کی طرف بھی اشارہ ہوا، اس لئے کہ یادگار کا مسئلہ تو موت کے بعد ہی کے لئے ہوتا ہے، زندگی میں تو اصل شیٔ سامنے ہوتی ہے اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی خصوصیت کہ ایک جانب کے سارے تنہا ان ہی کو دیئے گئے، اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق آخری خدمت انہوں نے ہی انجام دی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لحد شریف انہوں نے ہی بنائی تھی، پس ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ امر کسی درجہ میں پہلے ہی منکشف ہوگیا ہو۔ (الدر المنضود: ۳/۲۸۵)

حلق کے بعد خوشبو لگانا

{۲۵۳۳} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ يُّحْرِمَ وَيَوْمَ النَّحْرِ قَبْلَ اَنْ يَّطُوْفَ بِالْبَيْتِ بِطِيْبٍ فِيْهِ مِسْكٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۳۶، باب الطیب بعد رمی الجمار، حدیث: ۱۷۲۱، مسلم شریف: ۱/۳۷۸، باب استحباب الطیب عند الاحرام الخ، حدیث نمبر: ۱۱۹۱۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کو احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگاتی تھی، اور قربانی کے دن خانہ کعبہ کا طواف کرنے سے پہلے ایسی خوشبو جس میں کستوری تھی۔

تشریح: آدمی سر منڈا کر خوشبو بھی لگا لے، یہ آنحضرت ﷺ کا طریقہ اور سنت ہے۔

قبل ان یحرم: احرام سے مراد حج و عمرہ دونوں کا احرام ہے، یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حج وعمرہ یا دونوں کا احرام باندھنے سے پہلے آنحضرت ﷺ کو خوشبو لگاتی تھیں۔

ویوم النحر الخ: یعنی حضرت نبی کریم ﷺ قربانی اور حلق سے فارغ ہو کر غسل فرماتے، اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کو خوشبو لگاتی تھیں۔

بطیب فیہ مسک: مراد یہ ہے کہ وہ خوشبو بڑی اچھی اور شاندار ہوا کرتی تھی۔

اس حدیث شریف میں مزید وارد ہوا کہ آپ قبل الطواف خوشبو استعمال فرماتے تھے، اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ حلق وغیرہ کے بعد طواف سے پہلے محرم کے لئے خوشبو حلال ہے یا نہیں؟ جمہور ائمہ کے نزدیک بعد الحلق عورت کے علاوہ سب چیزیں حلال ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورتوں کے ساتھ ساتھ خوشبو کی بھی ممانعت ہے۔

نحر کے دن ظہر کی نماز کہاں پڑھے؟

{۲۵۳۴} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَاضَ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ رَجَعَ فَصَلَّى الظُّهْرَ بِمِنًى۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۲۲، باب استحباب طواف الافاضۃ یوم النحر، حدیث نمبر: ۱۳۰۸۔

حل لغات: افاض: افاض (افعال) القوم، منتشر ہونا، جانا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ قربانی کے دن مکہ مکرمہ تشریف لائے اور لوٹ کر آنحضرت ﷺ نے منیٰ میں ظہر کی نماز پڑھی۔

تشریح: اس حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یوم النحر کو ظہر کی نماز منیٰ میں پڑھی، مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے آنحضرت ﷺ کے حج کے متعلق ایک

طویل حدیث منقول ہے، اس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ظہر کی نماز مکہ مکرمہ میں پڑھی ہے، دونوں حدیثیں بظاہر متعارض ہیں۔

اب علماء کے اندر بھی اختلاف ہوگیا، ابن حزم ظاہری فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت راجح ہے، کیونکہ وہاں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی وہی حدیث وارد ہے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اہل بیت میں سے ہیں، وہ زیادہ واقف ہیں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا سیاق بھی حج کا سیاق ہے، لہٰذا جب دونوں متحد ہیں اور وجہ ترجیح بھی موجود ہے تو وہی راجح ہوگی۔ اس کے برخلاف ابوبکر بیہقی نے اس حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کو راجح قرار دیا ہے، ابن قیم کا رجحان بھی اسی طرف ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث راجح اس وجہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی عادۃ طیبہ سے یہ محال ہے کہ آنحضرت ﷺ خود مکہ مکرمہ کے اندر نماز پڑھیں، اور باقی تمام لوگ آنحضرت ﷺ کے بغیر منی کے اندر پڑھ لیں، نیز صحیحین کی روایت بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے منی کے اندر نماز پڑھی ہے، لہٰذا وہ راجح ہوگی، غیر صحیحین کی روایت پر۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں حدیثوں کے اندر تطبیق اس طرح ہے کہ مکہ مکرمہ کے اندر آنحضرت ﷺ نے تحیۃ الطواف پڑھی ہوگی، لوگوں نے اس کو فریضہ سمجھا، علامہ نووی نے اپنے مذہب کے مطابق یہ تطبیق دیدی کہ آنحضرت ﷺ نے نماز فریضہ مکہ مکرمہ کے اندر پڑھی اور پھر لوگوں کو منی کے اندر پڑھائی، کیونکہ اقتداء المفترض بالمتنفل جائز ہے۔ ابوالفتح ابن سید الناس یعمری نے فرمایا: کہ دونوں حدیثوں میں سے ایک وہم ہے، لیکن ہم متعین نہیں کرسکتے۔ (تقریر حضرت شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ)

اس حدیث شریف سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے ظہر سے قبل یوم النحر کو طواف کرلیا تھا، ترمذی شریف کی ایک حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رات کو طواف فرمایا، دونوں میں بظاہر تعارض ہے، حل اس کا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ظہر سے قبل طواف فرمایا اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے رات کو طواف فرمایا، ان کے ساتھ بھی آنحضرت ﷺ نے طواف فرمایا، اس لئے دونوں طوافوں کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف صحیح ہے۔

مناسبت الحدیث بالباب

اس حدیث شریف میں طواف افاضہ کا ذکر ہے اور باب حلق کے متعلق ہے، باب اور حدیث شریف میں بظاہر مناسبت نہیں ہے، لیکن اگر بنظر عمیق حدیث شریف کو دیکھا جائے تو مناسبت ظاہر ہو جاتی ہے، وہ اس طرح کہ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے طواف افاضہ ظہر سے پہلے کیا تھا، تو ظاہر بات ہے حلق بھی آنحضرت ﷺ نے ظہر سے پہلے کیا ہوگا، کیونکہ یوم النحر کو جو کام کرنے ہیں ان کی ترتیب میں رمی اور حلق پہلے ہیں اور طواف بعد میں، جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ طواف ظہر سے پہلے تھا تو اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حلق ظہر سے پہلے تھا، تو یہ حدیث شریف حلق اور رمی کے وقت پر دلالت کرتی ہے۔ (اشرف التوضیح: ۲/۳۴۶)

الفصل الثانی

عورت کا سر منڈانا

{۲۵۳۵} **وَعَنْ عَلِيٍّ وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَا: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَحْلِقَ الْمَرْأَةُ رَأْسَهَا۔ (رواہ الترمذی)**

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۸۲، باب ماجاء فی کراهیة الحلق للنساء، حدیث نمبر: ۱۵-۹۱۴۔

ترجمہ: حضرت علی اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے عورت کو سر منڈانے سے منع فرمایا۔

تشریح: نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم الخ: عورت اپنا سر نہ منڈائے؛ اس لئے کہ عورتوں کے لئے سر منڈانا مکروہ تحریمی ہے۔ **"ویکره للمرأة لانه مثلة فی حقها"** (ردمحتار: ۳/۵۳۵)

عورت بال کتروائے

{۲۵۳۶} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ عَلَی النِّسَاءِ الْحَلْقُ، اِنَّمَا عَلَی النِّسَاءِ التَّقْصِیْرُ۔ (رواہ ابوداؤد والدارمی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۷۲، باب الحلق والتقصیر، حدیث نمبر: ۱۹۸۴، دارمی: ۲/۸۹، باب من قال لیس علی النساء حلق، حدیث نمبر: ۱۹۰۵۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عورتوں کے لئے سر منڈانا نہیں ہے؛ بلکہ ان کے لئے کتروانا ہے۔

تشریح: لیس علی النساء الحلق: مردوں کی طرح حلال ہونے کے لئے عورتوں کو سر منڈانا واجب نہیں ہے، بلکہ ان کے لئے ممنوع ہونے کی بنیاد پر مکروہ ہے۔

انما علی النساء التقصیر: مراد یہ ہے کہ عورت حلال ہونے کے لئے اپنے تھوڑے سے بال ایک انگلی کے بقدر کتروالے۔ **"وعندنا التقصیر ھو ان یأخذ من رأس شعر رأس مقدار الانملة رجلا کان او امرأة"** (مرقاۃ: ۵/۳۶۲)

بابٌ

رقم الحدیث: ۲۵۳۷ر تا ۲۵۴۰ر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بابٌ

یہ باب بلا ترجمہ ہے، اس پر تنوین اور سکون دونوں جائز ہیں، تنوین کی صورت میں مبتداء محذوف کی خبر ہے ''ھذا باب'' اور سکون کی صورت میں یہ ترکیب میں واقع نہیں ہوگا۔

مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں **"باب جواز التقدیم والتاخیر فی بعض امور الحج"** ہے۔

﴿الفصل الاوّل﴾

افعال حج میں تقدیم وتاخیر

{۲۵۳۷} وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَفَ فِیْ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ بِمِنٰی لِلنَّاسِ یَسْأَلُوْنَہٗ، فَجَاءَہٗ رَجُلٌ، فَقَالَ: لَمْ اَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَذْبَحَ. فَقَالَ: اِذْبَحْ وَلَا حَرَجَ فَجَاءَ اٰخَرُ. فَقَالَ: لَمْ اَشْعُرْ، فَنَحَرْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِیَ. فَقَالَ: اِرْمِ وَلَا حَرَجَ فَمَا سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ شَیْءٍ قُدِّمَ وَلَا اُخِّرَ اِلَّا قَالَ اِفْعَلْ وَلَا حَرَجَ. (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِمُسْلِمٍ: اَتَاہُ رَجُلٌ، فَقَالَ: حَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِیَ، قَالَ: اِرْمِ وَلَا حَرَجَ اَتَاہُ اٰخَرُ، فَقَالَ: اَفَضْتُ اِلَی الْبَیْتِ قَبْلَ اَنْ

أَرْمِيَ، قَالَ: اِرْمِ وَلَا حَرَجَ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۸، کتاب العلم، باب الفتیا و ھو واقف علی ظھر الدابۃ، حدیث نمبر:۸۴، مسلم شریف: ۱/۴۲۱، کتاب المناسک، باب جواز تقدیم الذبح علی الرمی، حدیث نمبر:۱۳۰۶۔

حل لغات: حرج: گناہ، حرج (س) حرجا الرجل: گنہگار ہونا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں ٹھہرے تاکہ لوگ مسائل دریافت کریں، چنانچہ ایک آدمی نے آ کر کہا: کہ میں نے ناسمجھی میں قربانی سے پہلے حلق کرالیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اب ذبح کرکہ کوئی حرج نہیں ہے، دوسرے نے آ کر کہا: میں نے ناسمجھی میں رمی سے پہلے قربانی کرلی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اب رمی کرلو کوئی حرج نہیں، یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کی تقدیم و تاخیر کے بارے میں پوچھا گیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے کنکری مارنے سے پہلے سر منڈالیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی حرج نہیں ہے، ایک دوسرا شخص آیا اور کہنے لگا کہ میں نے خانۂ کعبہ کا فرض طواف کنکری مارنے سے پہلے کرلیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رمی کرو اور کوئی حرج نہیں ہے۔

یوم النحر میں کئے جانے والے افعال میں ترتیب کا حکم

تشریح: یوم النحر میں جو افعال اربعہ کئے جاتے ہیں ان میں ترتیب یہ ہے۔ رمی، پھر ذبح، پھر حلق، پھر طواف۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ترتیب سے یہ افعال اداء فرمائے ہیں، اس میں اختلاف ہے کہ یہ ترتیب صرف سنت ہے یا واجب ہے؟

شافعیہ وحنابلہ اور صاحبین کے نزدیک سنت ہے، لہٰذا اس کے خلاف کرنے سے فدیہ وغیرہ کچھ واجب نہ ہوگا۔

امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک ان میں سے بعض امور میں ترتیب سنت ہے اور بعض میں واجب ہے، امام صاحب کے نزدیک طواف میں ترتیب واجب نہیں، اس کو جس طرح چاہے مقدم مؤخر کرسکتے ہیں، باقی تین امور کا حکم یہ ہے کہ حاجی اگر قارن یا متمتع ہے تب تو تینوں میں واجب ہے اور اگر مفرد ہے تو چونکہ مفرد پر ہدی واجب نہیں ہے اس لئے اس کے لئے باقی دو (رمی وحلق) میں ترتیب واجب ہے، خلاف ترتیب کرنے سے دم واجب ہوگا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف تقدیم الرمی علی الاخیرین یعنی حلق وطواف واجب ہے، اس کے خلاف کرنے سے دم واجب ہوگا، ذبح میں ان کے ہاں کوئی ترتیب نہیں ہے، جب چاہے کرے، اسی طرح حلق وطواف میں کوئی ترتیب نہیں، ایک کو دوسرے پر مقدم ومؤخر کرسکتے ہیں۔

احادیث الباب سے بظاہر شافعیہ وحنابلہ کی تائید ہورہی ہے۔

حنفیہ کی دلیل: حنفیہ کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر ہے، جسے طحاوی اور ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے۔ **"من قدم شیئا من حجه او اخره فليهرق لذلک دما"** کہ جس نے اپنے حج میں کسی چیز کو مقدم یا مؤخر کیا اسے ایک قربانی کرنا چاہئے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جو **"لاحرج"** والی حدیث نقل کرنے والے ہیں، جیسا کہ اسی فصل کی دوسری حدیث شریف میں ہے، اس کے باوجود فتویٰ یہ دیتے ہیں کہ تقدیم وتاخیر سے دم واجب ہے، اس سے معلوم ہوا کہ **"لاحرج"** والی حدیث میں نفی دم مقصود نہیں۔

جوابات "لاحرج"

(۱)...... **"لاحرج"** میں گناہ کی نفی مقصود ہے، دم کی نفی مقصود نہیں، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چونکہ لاعلمی کی وجہ سے تقدیم وتاخیر کی تھی، اس لئے ان پر گناہ نہیں۔

(۲)......حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: کہ **"لاحرج"** میں دم کی بھی نفی مقصود تھی، یعنی تم پر دم بھی نہیں، لیکن یہ صرف صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مخصوص ہے کہ ان سے دم بھی ساقط کردیا گیا، اب یہ مسئلہ نہیں ہے، وجہ فرق یہ ہے کہ وہ حج کا پہلا سال تھا، ابھی احکام حج کا تقرر نہیں ہوا تھا، تقرر

احکام سے پہلے جہالت کو عذر سمجھا جاتا ہے، اور اب احکام کا تقرر ہوگیا ہے، اب جہالت عذر نہیں، اب اگر کوئی ناواقفی کی وجہ سے ایسا کرے گا جہالت کے بعد تقرر الاحکام کے عذر نہ ہونے کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔

اسی باب کی فصل ثالث میں اسامہ بن شریک کی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ **"لاحرج"** سے نفی اثم مقصود ہے، کیونکہ حضرت نبی کریم ﷺ نے تقدیم وتاخیر مناسک کے مقابلہ میں گناہ کبیرہ کا تذکرہ کیا ہے، جب لوگوں نے آکر عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے فلاں کام مقدم کردیا، فلاں کام مؤخر کردیا۔ تو آنحضرت ﷺ نے جواباً فرمایا: **"لاحرج الا علی رجل افترض عرض مسلم وھو ظالم فذلک الذی حرج وھلک"** یعنی اس میں کوئی حرج نہیں، حرج تو اس آدمی پر ہے جس نے کسی مسلمان کی عزت ظالم بن کر کاٹی یہ آدمی حرج میں واقع ہوگیا اور ہلاک ہوگیا۔

ہم نے **"لاحرج"** کے جملہ میں جو تاویل کی ہے یہ اپنی رائے کے خلاف ہونے کی وجہ سے نہیں کی، بلکہ ہم نے یہ تاویلات راوی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ اور اسامہ بن شریک کی مفصل حدیث شریف کے پیش نظر کی ہیں۔ (اشرف التوضیح: ۲/۳۴۸)

حج میں چھوٹی موٹی غلطیوں کا حکم

{۲۵۳۸} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْئَلُ يَوْمَ النَّحْرِ بِمِنًى فَيَقُوْلُ: لَا حَرَجَ فَسَأَلَهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: رَمَيْتُ بَعْدَمَا اَمْسَيْتُ، فَقَالَ: لَا حَرَجَ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۳۴، کتاب المناسک، باب اذا رمی بعد ما امسی، حدیث نمبر: ۱۷۰۴۔

حل لغات: امسیت: امسیٰ (افعال) شام میں داخل ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قربانی کے دن منیٰ میں حضرت رسول اکرم ﷺ سے مسائل پوچھے جارہے تھے، تو آنحضرت ﷺ ارشاد فرمارہے تھے: کہ کوئی حرج نہیں ہے، چنانچہ ایک آدمی نے دریافت کیا: میں نے شام کے بعد

رمی کی ہے تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ کوئی حرج نہیں ہے۔

تشریح: حج میں چھوٹی موٹی غلطیاں ہو جائیں تو کوئی گناہ نہیں ہے۔

دوسرے ائمہ کا مسلک تو یہ ہے کہ کوئی شخص قربانی کے دن کنکریاں مارنے میں اتنی تاخیر کرے کہ آفتاب غروب ہو جائے تو اس پر دم واجب ہوگا، چنانچہ ان کے نزدیک حدیث شریف میں شام کے بعد سے مراد بعد عصر ہے۔ حنفیہ کے ہاں اس بارے میں تفصیل ہے، اور وہ یہ کہ دسویں ذی الحجہ کو طلوعِ فجر کے بعد (اور طلوع آفتاب سے پہلے) کا وقت کنکریاں مارنے کے لئے وقت جواز ہے، مگر اساءۃ کے ساتھ، یعنی اگر کوئی شخص طلوع فجر کے بعد ہی کنکریاں مارے تو یہ جائز ہو جائے گا، مگر یہ اچھا نہیں ہوگا، طلوع آفتاب کے بعد سے زوال آفتاب تک کا وقت وقت مسنون ہے، زوالِ آفتاب کے بعد سے غروب آفتاب تک کا وقت، وقت جواز ہے، مگر بغیر اساءۃ کے، یعنی اگر کوئی شخص زوالِ آفتاب کے بعد سے غروب آفتاب تک کے کسی حصہ میں کنکریاں مارے تو یہ جائز بھی ہوگا اور اس کے بارے میں یہ بھی نہیں کہیں گے کہ اس نے اچھا نہیں کیا، البتہ ''وقت مسنون'' کی سعادت اسے حاصل نہیں ہوگی، اور غروب آفتاب کے بعد یعنی رات کا وقت وقت جواز ہے، مگر کراہت کے ساتھ، مگر اتنی بات ذہن میں رہے کہ کراہت اس صورت میں ہے جب کہ کوئی شخص بلا عذر اتنی تاخیر کرے کہ آفتاب بھی غروب ہو جائے اور پھر وہ رات میں کنکریاں مارے، چنانچہ اگر چرواہے یا ان کے مانند وہ لوگ جو کسی عذر کی بناء پر رات ہی میں کنکریاں مار سکتے ہوں تو ان کے حق میں کراہت نہیں ہے، لہٰذا اس حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا کہ ''کوئی حرج نہیں ہے'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سائل کوئی چرواہا ہوگا، جس نے ''شام کے بعد'' یعنی رات میں کنکریاں ماریں، اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا: کہ تم چونکہ دن میں کنکریاں مارنے سے معذور تھے، اس لئے رات میں کنکریاں مارنے کی وجہ سے تم پر کوئی گناہ نہیں۔ تفصیل ماقبل میں گذر چکی۔ (مرقاۃ: ۳/۲۴۳)

الفصل الثانی

ایضاً

{۲۵۳۹} **وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَتَاهُ رَجُلٌ، فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنِّيْ اَفَضْتُ قَبْلَ اَنْ اَحْلِقَ قَالَ اِحْلِقْ اَوْ قَصِّرْ وَلَا حَرَجَ وَجَاءَ اٰخَرُ، فَقَالَ: ذَبَحْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِيَ، قَالَ: اِرْمِ وَلَا حَرَجَ۔ (رواه الترمذی)**

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۴۲، باب ماجاء فی من حلق قبل ان یذبح الخ، حدیث نمبر: ۹۱۶۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے آکر عرض کیا یارسول اللہ! میں نے حلق سے پہلے طوافِ افاضہ کرلیاہے؟ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اب حلق یا قصر کرلوکوئی حرج نہیں ہے، دوسرے نے آکر عرض کیا: میں نے رمی سے پہلے قربانی کرلی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: اب رمی کرلوکوئی حرج نہیں ہے۔

تشریح: انی افضت قبل ان احلق الخ: طوافِ زیارت میں ترتیب واجب نہیں ہے، اس لئے اگرکسی نے منی میں ادا کئے جانے والے امور سے پہلے ہی طوافِ زیارت کرلیا تو کوئی حرج نہیں ہے، نہ گناہ ہے اور نہ ہی دم ہے۔ **"والحاصل ان الطواف لایجب ترتیبه علی شیءمن الثلاثة"** (ردمحتار: ۵/۴۷۳)

ذبحت قبل ان ارمی الخ: ممکن ہے کہ یہ سائل مفرد ہوں، جن پر قربانی ہے ہی نہیں، جب قربانی ان پر واجب ہے ہی نہیں تو ترتیب بھی باقی نہ رہی، اس لئے ان کا رمی سے پہلے قربانی کرلینا کوئی حرج کی بات نہ ہوئی۔ **"ای لاانم ولافدیة علی المفرد"** (مرقاۃ: ۵/۳۶۴) [یعنی مفرد پر نہ کوئی گناہ ہے اور نہ کوئی فدیہ۔]

الفصل الثالث

ایک اہم گناہ کا وبال

{۲۵۴۰} وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجًّا فَكَانَ النَّاسُ يَأْتُوْنَهُ فَمِنْ قَائِلٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! سَعَيْتُ قَبْلَ اَنْ اَطُوْفَ اَوْ اَخَّرْتُ شَيْئًا اَوْ قَدَّمْتُ شَيْئًا، فَكَانَ يَقُوْلُ: لَا حَرَجَ اِلَّا عَلٰى رَجُلٍ اِقْتَرَضَ عِرْضَ مُسْلِمٍ وَهُوَ ظَالِمٌ فَذٰلِكَ الَّذِيْ حَرَجَ وَهَلَكَ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۷۶، باب فی من قدم شیئا الخ، حدیث نمبر: ۲۰۱۵۔

حل لغات: اقترض: (افتعال) عرضہ غیبت کرنا، عرض: اچھی عادت۔ جمع: اعراض۔

ترجمہ: حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے ارادے سے نکلا، تو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے، کوئی یہ کہتا یا رسول اللہ! میں نے طواف سے پہلے سعی کر لی ہے، یا میں نے کوئی چیز مؤخر کر دی ہے، یا میں نے کوئی چیز مقدم کر دی ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے: کہ کوئی حرج نہیں ہے؛ الا اس شخص کے جو کسی مسلمان کی عزت سے کھیلے، یہ ظالم ہے اور یہ وہ شخص ہے جو گنہگار اور ہلاک ہونے والا ہے۔

تشریح: فکان الناس یأتونه الخ: مراد یہ ہے کہ کئی لوگوں نے آکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی سوالات کئے، ان کا جواب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ سعی قبل الطواف جائز ہے۔ یہی مذہب ہے امام احمد اور عطاء کا، جمہور کے نزدیک جائز نہیں ہے، اور اس حدیث شریف کا جواب یہ ہے کہ اس نے طواف قدوم کی

سعی کی ہوگی جو اس کے ذمہ پہلے سے باقی ہوگی، مع طواف قدوم کے اور پھر طواف زیارت کیا ہوگا، اور دونوں کو ملا کر سوال کرلیا ہوگا، بعض نے کہا: کہ اس حدیث شریف کے اندر ایک راوی متفرد ہے، جس کا نام جریر ہے، لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے، ابن قیم کی یہی رائے ہے۔

الا علی رجل اقترض عرض مسلم الخ: حدیث شریف کے ان کلمات سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ **"لا حرج"** سے مراد گناہ ہی ہے، نہ کہ فدیہ۔

باب خطبة یوم النحر ورمی ایام التشریق والتودیع

(قربانی کے دن خطبہ ایام تشریق میں رمی اور طواف رخصت کا بیان)

رقم الحدیث: ۲۵۴۱ / تا ۲۵۵۸ /

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب خطبة يوم النحر ورمی ایام التشریق والتودیع

(قربانی کے دن خطبہ ایام تشریق میں رمی اور طواف رخصت کا بیان)

الفصل الاول

قربانی کے دن خطبہ

{۲۵۴۱} وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ النَّحْرِ قَالَ: اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ کَھَیْئَتِہٖ یَوْمَ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ، اَلسَّنَةُ اِثْنَا عَشَرَ شَھْرًا: مِنْھَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثٌ مُتَوَالِیَاتٌ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُوالْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِیْ بَیْنَ جُمَادٰی وَشَعْبَانَ، وَقَالَ: اَیُّ شَھْرٍ ھٰذَا؟ قُلْنَا: اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ، فَسَکَتَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ سَیُسَمِّیْہِ بِغَیْرِ اسْمِہٖ، فَقَالَ: اَلَیْسَ ذَاالْحِجَّةِ؟ قُلْنَا: بَلٰی، قَالَ: اَیُّ بَلَدٍ ھٰذَا؟ قُلْنَا: اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ، فَسَکَتَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ سَیُسَمِّیْہِ بِغَیْرِ اسْمِہٖ،

قَالَ: اَلَيْسَ الْبَلْدَةَ؟ قُلْنَا: بَلٰى، قَالَ: فَأَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟ قُلْنَا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ، فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهٖ، قَالَ: اَلَيْسَ يَوْمُ النَّحْرِ؟ قُلْنَا بَلٰى، قَالَ: فَاِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ، فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ اَعْمَالِكُمْ، اَلَا! فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ ضُلَّالًا، يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ، اَلَا! هَلْ بَلَّغْتُ قَالُوْا، نَعَمْ! قَالَ: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۸۳۳، کتاب الاضاحی، باب من قال الاضحیٰ یوم النحر، حدیث نمبر: ۵۳۳۵، مسلم شریف: ۲/۶۰، کتاب القسامۃ، باب تغلیظ تحریم الدماء الخ، حدیث نمبر: ۱۶۷۹۔

حل لغات: ہیئۃ: حالت، جمع: ہیئات، یسمیہ: سمی (تفعیل) نام رکھنا۔ البلد: شہر، جمع: بلاد، ضال: گمراہی، ضل (ض) ضلالا، گمراہ ہونا، اوعیٰ: وعیٰ (ض) وعیا: الحدیث قبول کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا: کہ زمانہ گھوم کر اس حال پر آ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا تھا، سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے، جن میں چار مہینے حرام ہیں، تین لگاتار ہیں، ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور مضر کا، رجب جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہے، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ کونسا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، یہاں تک کہ ہم سوچنے لگے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے علاوہ دوسرا نام رکھیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ ”ذی الحجہ“ نہیں ہے؟ ہم نے کہا: جی ہاں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کونسا شہر ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، یہاں تک کہ ہم سوچنے لگے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے علاوہ دوسرا نام رکھیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا یہ ”بلدہ“ نہیں ہے؟ ہم نے کہا: جی ہاں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: یہ کونسا دن ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، تو آنحضرت ﷺ خاموش رہے، یہاں تک کہ ہم سوچنے لگے کہ آنحضرت ﷺ اس کے علاوہ دوسرا نام رکھیں گے، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کیا یہ یوم النحر نہیں ہے؟ ہم نے کہا: جی ہاں! آنحضرت ﷺ نے فرمایا: یقیناً تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری آبرو تم پر اسی طرح حرام ہیں، جس طرح کہ تمہارے اس دن میں، تمہارے اس شہر میں، اور تمہارے اس مہینے میں۔ اور عنقریب تم لوگ اپنے پروردگار سے ملو گے، وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا، اس لئے تم لوگ میرے بعد گمراہی کی طرف نہ لوٹ جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو، کیا میں نے پہنچا نہیں دیا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: ہاں! آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے اللہ! تو گواہ رہ، حاضرین کو چاہئے کہ غائبین کو پہنچائیں، اس لئے کہ بعض پہنچائے گئے سامع سے زیادہ سمجھ دار ہوتے ہیں۔

تشریح: خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم النحر: اس حدیث شریف کے پیش نظر حضرات شافعیہ کہتے ہیں کہ ایام النحر کے پہلے دن یعنی دس ذی الحجہ کو خطبہ پڑھنا مستحب ہے، جب کہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک دوسرے دن یعنی گیارہویں ذی الحجہ کو خطبہ پڑھنا مستحب ہے، چنانچہ وہ تمام روایات صحیحہ جن میں دوسرے دن میں رسول ﷺ کے خطبہ کا ذکر ہے وہ مسلک حنفیہ کی مؤید ہیں، لہٰذا اس حدیث شریف کے بارے میں کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ کا یہ خطبہ وعظ ونصیحت کا تھا، اصل خطبہ جو معروف ہے آنحضرت ﷺ نے دوسرے دن ہی ارشاد فرمایا تھا۔ (مرقاۃ: ۵/۳۶۵)

ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السموات والارض: مطلب یہ ہے کہ جو زمانہ سالوں کی طرف اور سال جو مہینوں کی طرف منقسم ہے یہ انقسام اپنے اس اصلی حساب کی طرف لوٹ آیا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی پیدائش کے وقت مقرر فرمایا تھا، اس اصلی حساب کے اعتبار سے تو ہر سال بارہ مہینے اور ہر مہینہ انتیس یا تیس دن کے حساب سے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا تھا، مگر زمانہ جاہلیت میں کفار اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق مہینوں کو مقدم ومؤخر کر دیا کرتے تھے اور کبھی بارہ کے بجائے تیرہ مہینے کا سال بنالیا کرتے تھے، مثلاً اشہر حرم کا یہ لوگ احترام کرتے تھے، تو محرم کے اختتام پر مثلاً یہ فیصلہ کیا گیا کہ صفر میں قتال نہ کیا جائے تو صفر پر محرم کا حکم لگا دیا جاتا تھا، اور محرم کے گذرے ہوئے مہینے کو کالعدم اور غیر

معتبر قرار دیا جاتا تھا، اس طرح گویا سال میں ایک مہینے کا اضافہ بھی ہو جاتا تھا، اور ترتیب بھی بدل جاتی تھی، جب صفر کو محرم قرار دیا جاتا تو ربیع الاول کو صفر قرار دیا جاتا تھا، **"وھکذا الی الاخر"** چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس احمقانہ طرز عمل کو باطل قرار دیتے ہوئے اور سال کے ہر مہینے کو اس کی اصل پر برقرار رکھتے ہوئے فرمایا: **"اِنَّمَا النَّسِیئُ زِیَادَۃٌ فِی الکُفرِ"** [اور یہ نسیٔ (یعنی مہینوں کو آگے پیچھے کر دینا) تو کفر میں ایک مزید اضافہ ہے۔] اور جس سال آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کیا تھا یہ وہ سال ہے کہ جس میں ذی الحجہ کا مہینہ اپنی جگہ پر پہنچ گیا تھا، اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: **"ان الزمان قد استدار کھیئتہ"** یعنی زمانہ گھوم کر اسی ہیئت اور ترتیب پر آ گیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی ہے، لہٰذا تم اس کی حفاظت کرو اور حج ہمیشہ اسی وقت میں کرتے رہو اور اہل جاہلیت کی طرح ایک مہینہ کو دوسرے مہینہ سے تبدیل مت کرنا۔

لیکن اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ زمانہ اسی سال اپنے اصلی ترتیب پر آیا ہے، بلکہ اس سے پہلے ۸ھ میں عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کا امیر اور ۹ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر رسول اللہ ﷺ نے روانہ کیا تھا، تو اس وقت بھی یہی صحیح ترتیب مانی جائے گی، ورنہ تو ان سالوں میں جتنے مسلمانوں نے حج کئے تھے اس کا غیر معتبر ہونا لازم آئے گا، اس لئے کہ حج صرف ذی الحجہ میں معتبر ہے۔ (مرقاۃ: ۵/۳۶۵)

السنۃ اثناعشرۃ شھرا: یہ جملہ متانفہ ہے، جو ماقبل جملہ کا بیان اور اس کی وضاحت ہے۔ (طیبی: ۵/۳۱۶)

منھا اربعۃ حرم: اشہر حرام چار ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ان کی وضاحت مذکور ہے، ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب۔ اور ان میں قتل وقتال کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ **لقولہ تعالیٰ:** **"فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ"** [لہٰذا ان مہینوں کے معاملہ میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔] چنانچہ حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کے نزدیک اب بھی ان مہینوں میں قتال حرام ہے، لیکن جمہور کے نزدیک ان مہینوں میں حرمت قتال منسوخ ہے، اور ان کے نزدیک مذکورہ بالا آیت میں ظلم سے مراد ارتکاب معاصی ہے، یعنی جس طرح حرم میں اور حالت احرام میں گناہ کرنا بہت ہی برا ہے، اسی طرح ان

مہینوں میں بھی ارتکاب معاصی اقبح اور اشنع ہے اور جمہور کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے: **"انہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصر الطائف و غزا ہوازن بحنین فی شوال و ذی القعدۃ"** یعنی آنحضرت ﷺ نے شوال اور ذی قعدہ کے مہینوں میں طائف کا محاصرہ کیا اور قبیلہ ہوازن کے ساتھ غزوہ کیا، یہ بھی اشہر حرام میں حرمت قتال کے نسخ پر دلالت کرتا ہے۔

(تفسیر بیضاوی مع حاشیہ شیخ زادہ: ۲/۳۳۲)

رجب مضر: "مضر" عمر کے وزن پر غیر منصرف ہے اور یہ عرب کے ایک بڑے قبیلہ کا نام ہے، چونکہ اس قبیلہ کے لوگ بنسبت عرب کے دوسرے قبائل کے رجب کی بہت زیادہ تعظیم اور احترام کرتے تھے، نیز رجب کے استحلال کے سلسلے میں کبھی انہوں نے دوسرے قبائل کے ساتھ موافقت نہیں کی، اس لئے رجب کی اضافت اس قبیلہ کی طرف کی جاتی ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۳۶۶، نفحات التنقیح: ۳/۳۶۱)

رمی کے اوقات

{۲۵۴۲} وَعَنْ وَبَرَةَ قَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا مَتٰى أَرْمِيَ الْجِمَارَ، قَالَ: إِذَا رَمٰى إِمَامُكَ فَارْمِهْ فَأَعَدْتُّ عَلَيْهِ الْمَسْأَلَةَ. فَقَالَ كُنَّا نَتَحَيَّنُ فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ رَمَيْنَا. (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۳۵، باب رمی الجمار، حدیث نمبر: ۱۷۱۳۔

حل لغات: امامک: پیشوا، مقتدیٰ، جمع: ائمہ، **نتحین: تحین (تفعل)** انتظار کرنا۔

ترجمہ: حضرت وبرہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کہ میں رمی جمار کس وقت کروں؟ تو انہوں نے کہا: کہ جب تمہارا امام رمی کرے تو تم بھی رمی کرلو، میں نے مسئلے کا اعادہ کیا تو انہوں نے فرمایا: ہم انتظار کرتے تھے، جب زوالِ شمس ہوتا تو ہم رمی کرتے۔

تشریح: متی ارمی الجمار: یعنی حضرت وبرہ تابعی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ قربانی کے دوسرے اور تیسرے دن رمی کا وقت کیا ہے؟

قال اذا رمی امامک فارمہ: یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو بہت آسان طریقہ بتایا کہ

جب تمہارا امام رمی کرے تو تم بھی رمی کرلیا کرو۔

فاعدت علیه المسئلة الخ: یعنی مزید تحقیق کے لئے انہوں نے سوال دہرایا تو انہوں نے فرمایا: کہ رمی کا وقت زوال کے بعد ہے۔

رمی جمرات کی ترتیب

{۲۵۴۳} **وَعَنْ** سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّهُ كَانَ يَرْمِيْ جَمْرَةَ الدُّنْيَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عَلٰى اِثْرِ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ حَتّٰى يُسْهِلَ، فَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ طَوِيْلًا وَيَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ ثُمَّ يَرْمِي الْوُسْطٰى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ كُلَّمَا رَمٰى بِحَصَاةٍ، ثُمَّ يَأْخُذُ بِذَاتِ الشِّمَالِ فَيُسْهِلُ وَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ، ثُمَّ يَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ وَيَقُوْمُ طَوِيْلًا، ثُمَّ يَرْمِيْ جَمْرَةَ ذَاتِ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عِنْدَ كُلِّ حَصَاةٍ وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا، ثُمَّ يَنْصَرِفُ، فَيَقُوْلُ هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ۔ (رواه البخاری)

حواله: بخاری شریف: ۱/۲۳۶، باب اذا رمی الجمرتین یقوم مستقبل القبلة الخ، حدیث نمبر: ۱۷۵۱۔

ترجمه: حضرت سالم سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما قریب کے جمرے میں سات کنکریاں مارتے تھے، ہر کنکری پر تکبیر کہتے، پھر آگے بڑھتے، یہاں تک کہ جب نرم زمین پر پہنچ جاتے، تو قبلہ رو دیر تک کھڑے رہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے، پھر جمرۂ وسطیٰ پر سات کنکریاں مارتے، جب کنکری مارتے تو تکبیر کہتے، پھر بائیں جانب بڑھ کر نرم زمین پر پہنچ جاتے اور قبلہ رو کھڑے ہوتے، پھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دیر تک کھڑے ہو کر دعا کرتے، پھر جمرۂ عقبہ پر بطن وادی سے سات کنکریاں مارتے، ہر کنکری پر تکبیر کہتے، اور وہاں کھڑے نہیں ہوتے، پھر وہاں سے واپس ہوتے ہوئے کہتے میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔

تشریح: یرمی جمرة الدنیا: جمرۂ دنیا سے مراد جمرۂ اولیٰ ہے، یہ جمرہ اور مناخ نبی اور مسجد خیف سے قریب ہے، اسی بنیاد پر اسے جمرۂ دنیا یعنی قریب کا جمرہ کہا جاتا ہے۔

ثم یتقدم حتی یسھل الخ: نرم زمین سے مراد وہیں قریب کی کوئی جگہ ہے اور شاید بھیڑ قدرے کم ہونے کی وجہ سے اس کو نرم جگہ کہہ دی گئی ہے، وہاں کھڑے ہو کر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دیر تک دعا فرمائی۔

ثم یرمی الوسطی بسبع حصیات الخ: یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جمرۂ اولیٰ کی طرح جمرۂ وسطی پر کنکری ماری، ہر کنکری پر تکبیر کہی اور وہاں سے بائیں جانب ذرا ہٹ کر دیر تک ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

ثم یرمی جمرة ذات العقبة الخ: یعنی جمرۂ عقبہ پہ پہلے دونوں جمرے کی طرح کنکری ماری، لیکن یہاں پہ کھڑے ہو کر انہوں نے دعا نہیں کی۔

فیقول ھکذا رأیت النبی الخ: یعنی انہوں نے اپنی بات مؤکد کرنے کے لئے یہ فرمایا: کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ تفصیل ما قبل میں گذر چکی۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر ہر چیز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل اتباع فرماتے تھے۔

منیٰ میں شب گذاری

{۲۵۴۴} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ اِسْتَأْذَنَ الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یَبِیْتَ بِمَکَّةَ لَیَالِیَ مِنًی مِنْ اَجَلِ سِقَایَتِهٖ فَاَذِنَ لَهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۲۲۱، باب سقایۃ الحاج، حدیث نمبر: ۱۶۰۷، مسلم شریف: ۱/ ۴۲۳، وجوب المبیت بمنی الخ، حدیث نمبر: ۱۳۱۵۔

حل لغات: یبیت: بات (ض) بیتاً، رات گذارنا، سقایۃ: پانی پلانے کی جگہ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے پانی پلانے کی وجہ سے منیٰ کی راتیں مکہ مکرمہ میں گذارنے کی اجازت چاہی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت مرحمت فرمادی۔

تشریح: دس ذوالحجہ کے بعد کی تین راتوں کو لیالی منی کہتے ہیں، ان راتوں میں حاجی رات کو منی میں ہی رہتے ہیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے قائد تھے، جن کے ذمہ سقایہ کی خدمت تھی، اور لوگوں کو زمزم کا پانی پلاتے تھے، خدمت سقایہ کی وجہ سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لیالی منی مکہ مکرمہ میں گذارنے کی اجازت طلب کی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت مرحمت فرمائی۔

منی میں رات گذارنا

جو راتیں منی میں گذاری جاتی ہیں یعنی گیارہویں بارہویں اور تیرہویں تاریخوں کی راتیں، ان راتوں کو منیٰ کے اندر گذارنے کے متعلق اختلاف ہے، چنانچہ جمہور کے نزدیک مبیت منی (منی میں رات گذارنا) واجب ہے، جب کہ حنفیہ کے یہاں مبیت منیٰ مسنون ہے، امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کا بھی ایک قول اسی کے مطابق ہے۔ (التعلیق: ۳/۲۴۶)

حدیث مذکور کو فریقین میں سے ہر ایک نے اپنے لئے مستدل قرار دیا ہے۔

جمہور کے یہاں وجہ استدلال اس طرح ہے کہ اگر مبیت منیٰ واجب نہ ہوتی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں رات گذارنے کے متعلق حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب نہ کرتے، جب انہوں نے اجازت طلب کی تو معلوم ہوا کہ مبیت منیٰ واجب ہے، ورنہ ترک سنت کے لئے طلب اذن کی ضرورت نہیں ہے۔

اور حنفیہ کی وجہ استدلال اس حدیث سے یوں ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں رات گذارنے کی اجازت دینا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مبیت منیٰ

واجب نہیں ہے، کیونکہ اگر مبیت منیٰ واجب ہوتی تو آنحضرت ﷺ ہرگز اجازت نہ دیتے، جب اجازت دے دی تو معلوم ہوا کہ مبیت منیٰ مسنون ہے، واجب نہیں ہے۔

اور جہاں تک تعلق ہے جمہور کے استدلال کا تو اس کا جواب یہ ہے کہ طلب اذن وجوب کی دلیل نہیں ہے، اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک مخالفت سنت ایک خطرناک امر تھا، خصوصاً اس جیسے مقام میں جہاں پر ترکِ سنت کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی صحبت سے محروم ہونا پڑے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ترکِ سنت میں اساءت ہے، تو یہاں پر طلب اذن اس اساءت کے اسقاط کے لئے تھی۔ لہٰذا اس سے مبیت منیٰ کے وجوب پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ مبیت منیٰ مناسکِ حج اور حج کے افعالِ مقصودہ میں سے نہیں ہے، بلکہ رمی کی سہولت کے پیش نظر اسے اختیار کیا جاتا ہے، چنانچہ اگر کسی نے منی کے علاوہ کسی اور جگہ رات گذاری اور پھر رمی کے لئے حاضر ہوا تو اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا، لیکن منیٰ کے علاوہ کہیں اور رات گذارنا مکروہ ضرور ہے، اس لئے کہ اس سے آنحضرت ﷺ کے فعل کی متابعت کا ترک لازم آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مبیتِ منیٰ کے ترک پر لوگوں کو سزا دیتے تھے۔ (ہدایہ مع فتح القدیر: ۳۹۵/ ۲، نفحات التنقیح: ۳۶۳/ ۳)

آنحضرت ﷺ سبیل زمزم پر

{۲۵۴۵} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ إِلَى السِّقَايَةِ فَاسْتَسْقٰى، فَقَالَ الْعَبَّاسُ: يَا فَضْلُ! اِذْهَبْ اِلٰى اُمِّكَ، فَأْتِ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرَابٍ مِّنْ عِنْدِهَا، فَقَالَ: اِسْقِنِيْ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! اِنَّهُمْ يَجْعَلُوْنَ اَيْدِيَهُمْ فِيْهِ، قَالَ: اِسْقِنِيْ، فَشَرِبَ مِنْهُ، ثُمَّ اَتٰى زَمْزَمَ وَهُمْ يَسْقُوْنَ وَيَعْمَلُوْنَ فِيْهَا، فَقَالَ: اِعْمَلُوْا فَاِنَّكُمْ عَلٰى عَمَلٍ صَالِحٍ، ثُمَّ قَالَ: لَوْلَا اَنْ تُغْلَبُوْا لَنَزَلْتُ حَتّٰى اَضَعَ الْحَبْلَ عَلٰى هٰذِهٖ وَاَشَارَ اِلٰى عَاتِقِهٖ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۲۱، باب سقایۃ الحاج، حدیث نمبر: ۱۶۰۸،

حل لغات: شراب: پینے کی چیز۔ جمع: اشربۃ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سبیل زمزم پر آ کر پانی طلب فرمایا، تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے فضل! اپنی ماں کے پاس جا کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان کے پاس سے پانی لے کر آ و، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے (اسی میں سے) پلاؤ، تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! لوگ اس میں ہاتھ ڈال دیتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے (اسی میں سے) پلاؤ، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سے نوش فرمایا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بئر زمزم پر تشریف لائے، جہاں وہ لوگ پانی پلانے میں مصروف تھے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ اپنا کام کئے جاؤ، اس لئے کہ تم لوگ ایک نیک کام میں ہو، پھر فرمایا: اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ تم پر غلبہ پالیں گے تو میں اترتا یہاں تک کہ رسی اس پر رکھتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کندھے کی طرف اشارہ فرمایا۔

تشریح: جاء الی السقایۃ: سقایہ سے مراد وہ حوض ہیں جن میں پہلے سے ہی حجاج کو پلانے کے لئے بھر کر پانی رکھ لیا جاتا تھا، تاکہ بروقت بھیڑ کی بنیاد پر زیادہ دشواری کا سامنا نہ ہو۔

فقال العباس یا فضل اذھب الی امک الخ: حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ گھر میں پانی صاف ستھرا اور ٹھنڈا موجود ہے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جائے۔

قال اسقنی فشرب منہ: یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی پانی جس کو سب پی رہے تھے طلب فرمایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی پانی پیش کر دیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی پانی نوش فرما لیا۔

فائدہ: حدیث پاک سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال شفقت علی الامۃ اور کمال تواضع وعبدیت کا علم ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طواف وداع

{۲۵۴۶} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ ثُمَّ رَقَدَ رَقْدَةً بِالْمُحَصَّبِ ثُمَّ رَكِبَ إِلَى الْبَيْتِ فَطَافَ بِهِ۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۳۷، باب من صلی العصر یوم النفر بالابطح، حدیث نمبر: ۱۷۳۰۔

حل لغات: رقد: رقد (ن) رقداً، سونا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی، پھر تھوڑی دیر محصب میں آرام فرمایا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے لئے سوار ہوئے اور وہاں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف فرمایا۔

تشریح: المحصب: محصب، ابطح، بطحاء اور خیف بنی کنانہ یہ سب ایک جگہ کے نام ہیں۔ (اشعۃ اللمعات: ۲/۳۶۵)

یہ جگہ جنت المعلیٰ کے قریب واقع ہے، لغۃً محصب اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں حصباء یعنی سنگریزے زیادہ ہوں، اور ابطح اس چوڑی نالی کو کہتے ہیں جس میں کنکریاں بچھی ہوئی ہوں۔

تیرہویں کی رمی کر کے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محصب تشریف لے آئے، ظہر مغرب اور عشاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں اداء فرمائی پھر کچھ آرام فرمایا، پھر یہاں سے جا کر طواف کیا، پھر محصب تشریف لے آئے، یہاں سے پھر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

محصب میں ٹھہرنے کا حکم

پھر نزول بالمحصب کے بارے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ محصب میں ٹھہرنا مسنون ہے اور یہ افعال حج کا تتمہ ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے، ان کا استدلال حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **"انا نازلون غدا ان شاء اللہ بخیف بنی کنانة"** [ہم کل ان شاء اللہ خیف بنی کنانہ میں قیام کریں گے۔] اس کا سبب یہ تھا کہ قریش نے اسی جگہ خیف بنی کنانہ میں باہم عہد کیا تھا اور یہ قسم کھائی تھی کہ ہم بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب سے مکمل مقاطعہ کریں گے، یعنی ان سے میل جول، نکاح، خرید و فروخت

اس وقت تک چھوڑے رہیں گے جب تک یہ لوگ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حوالہ نہ کریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ اسی جگہ شعائر اسلام کا اظہار کیا جائے، جہاں پر مشرکین مکہ نے اس سے قبل شعائر کفر کا اظہار کیا تھا، تاکہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ کا شکرادا کریں۔

نیز طبرانی نے اوسط میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اثر نقل کیا ہے: **عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال: "من السنة النزول فی الابطح"** [ابطح میں قیام کرنا سنت ہے۔] صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اصح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابطح میں اس مقصد کے لئے نزول فرمایا تھا تاکہ مشرکین کو یہ دکھائیں کہ جس جگہ انہوں نے مقاطعہ کر کے اپنی برتری کا اظہار کیا تھا، آج وہی جگہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تسلط ہے، لہٰذا اس جگہ ٹھہرنا مسنون ہے اور اس کا مسنون ہونا اسی طرح ہے جیسے طواف میں رمل کرنا سنت ہے۔

اس کے برخلاف بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ نزول المحصب سنت نہیں ہے، کیونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں نزول استراحت کے لئے اور محض اتفاقی طور پر ہوا تھا، جس کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابورافع رضی اللہ عنہ نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان کے محافظ تھے، اپنی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ وہاں نصب کیا تھا، اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم نہیں تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: **"التحصیب لیس بشی انما ھو منزل نزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"** [محصب میں قیام کرنا کوئی چیز نہیں ہے، بس وہ ایک منزل ہے، جس میں حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا۔]

نیز ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول بھی اسی کے موافق ہے، چنانچہ صحیحین کی یہ روایت ہے: **عن عائشة رضی اللہ عنھا قالت: "نزول الابطح لیس بسنة انما انزله رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لانه کان اسمح لخروجه اذا خرج"** [ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے: ابطح کا قیام سنت نہیں، پس رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں قیام فرمایا تاکہ وہاں سے نکلنے کے وقت نکلنے میں سہولت ہو۔]

لیکن اس بارے میں راجح اور افضل یہ ہے کہ کہا جائے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ سے نزول المحصب ثابت ہے، اگرچہ وہ علی سبیل النسک و التعبد نہ ہو لیکن اتباعاً بفعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ نزول احسن اور افضل ہوگا، چنانچہ آپ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا بھی اس پر عمل رہا ہے۔

اور جہاں تک تعلق ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نزول بالمحصب کے ترک سے دم وغیرہ لازم نہیں آئے گا۔

چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ اثر نقل کیا ہے: **عن ابن عمر رضی اللہ عنہما "انه كان يصلي الظهر والعصر والمغرب والعشاء بالمحصب ثم يدخل من الليل فيطوف بالبيت"، قال: محمد هذا احسن من ترك النزول بالمحصب فلا شيء عليه، وهو قول ابي حنيفة رحمه الله" (نفحات التنقیح: ۳/۳۶۴، التعلیق: ۳/۲۴۷)**

[حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ ظہر، عصر، مغرب، عشاء محصب میں پڑھتے تھے، پھر رات میں داخل ہوتے اور بیت اللہ شریف کا طواف کرتے تھے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ محصب میں ترک نزول سے یہ احسن ہے، پس اس پر کوئی چیز نہیں، یہی قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔]

محصب میں ٹھہرنے کی حکمت

حضور اقدس ﷺ محصب میں کیوں ٹھہرے؟ اس کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں۔

(۱)...... یہاں ٹھہرنے میں سہولت تھی، کیونکہ محصب ایسی جگہ ہے کہ اگر منیٰ سے مکہ مکرمہ جائیں تو راستہ میں یہ جگہ آتی ہے اور مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جائیں تو محصب سے ہو کر گذرتے ہیں، تو آنحضرت ﷺ منیٰ سے جو سامان لائے تھے وہ محصب میں رکھ دیا اور یہاں آرام فرمایا، پھر یہاں سے طواف کرنے چلے گئے، پھر محصب میں واپس آکر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

(۲)...... مکی زندگی میں کفار نے یہاں بیٹھ کر باطل پر مسلمانوں کے خلاف معاہدہ کیا تھا، آج کافر موجود نہیں اور مسلمان آزادانہ مکہ و منیٰ میں پھرتے ہیں تو بطور شکر کے نعمت حق کے استحضار کے لئے آنحضرت ﷺ یہاں ٹھہرے۔

یوم ترویہ کو آنحضرت ﷺ نے ظہر کی نماز کہاں پڑھی؟

{٢۵۴٧} وَعَنْ عَبْدِالْعَزِيْزِ بْنِ رُفَيْعٍ قَالَ: سَأَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قُلْتُ: اَخْبِرْنِيْ بِشَيْءٍ عَقَلْتَهٗ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْنَ صَلَّى الظُّهْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ؟ قَالَ: بِمِنٰى، قَالَ: فَاَيْنَ صَلَّى الْعَصْرَ يَوْمَ النَّفْرِ؟ قَالَ: بِالْاَبْطَحِ، ثُمَّ قَالَ: اِفْعَلْ كَمَا يَفْعَلُ اُمَرَاؤُكَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ١/٢٣٧، باب من صلی العصر یوم النفر بالابطح، حدیث نمبر: ١٧٦٩، مسلم شریف: ١/۴٢٢، باب استحباب نزول المحصب، حدیث نمبر: ١٣٠٩۔

حل لغات: عقلته: عقل (ض) عقلاً الشیئ، سمجھنا۔ امراؤک: جمع ہے امیر کی بمعنی سردار۔

ترجمہ: حضرت عبدالعزیز بن رفیع سے روایت ہے کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: کہ آپ حضرت رسول اکرم ﷺ کے متعلق اس بارے میں جو کچھ جانتے ہیں مجھے بتائیے کہ آنحضرت ﷺ نے ترویہ کے دن ظہر کی نماز کہاں پڑھی تھی؟ انہوں نے فرمایا: منی میں، میں نے کہا: کوچ کے دن عصر کی نماز کہاں پڑھی؟ انہوں نے فرمایا: ابطح میں، پھر انہوں نے فرمایا: تم ویسا ہی کرو جیسا کہ تمہارے سردار کرتے ہیں۔

تشریح: قلت اخبرنی بشیء عقلته الخ: حضرت عبدالعزیز تابعی تھے، انہوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کو دیکھا نہیں تھا، اس لئے انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے حج کے بعض مسائل دریافت کئے۔

این صلی الظهر یوم التروية قال بمنی: یوم الترویہ سے مراد ذی الحجہ کی آٹھوی تاریخ ہے۔

یوم النفر: یوم النفر سے مراد ذی الحجہ کی تیرہویں تاریخ ہے۔

ثم قال افعل کما یفعل امراؤک: یعنی مسئلہ بتانے کے بعد اس بات کی تاکید کی کہ اس بارے میں تمہارے امراء اور سردار جیسے کرتے ہیں ویسا ہی کرو۔ تاکہ ان کی مخالفت کرنے کی وجہ سے کوئی فتنہ کھڑا نہ ہو۔

ابطح میں قیام

{۲۵۴۸} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ نُزُوْلُ الْاَبْطَحِ لَيْسَ بِسُنَّةٍ اِنَّمَا نَزَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّهٗ كَانَ اَسْمَحَ لِخُرُوْجِهٖ اِذَا خَرَجَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۳۷، باب المحصب، حدیث نمبر: ۱۷۳۱، مسلم شریف: ۱/۴۲۲، باب استحباب نزول المحصب، حدیث نمبر: ۱۳۱۱۔

حل لغات: اسمح: سمح (ف) سمحاً، نرم ہونا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: کہ ابطح میں اترنا سنت نہیں ہے؛ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں صرف اس لئے اترے تھے تاکہ نکلنے میں آسانی ہو۔

تشریح: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت **"انما نزله رسول الله صلی الله علیه وسلم المحصب الخ"** یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں راستہ میں سفر کی سہولت کے پیش نظر ٹھیرے تھے تاکہ منیٰ سے نکل کر پہلے تمام حجاج و رفقاء سفر ایک جگہ جمع ہو جائیں اور پھر سب وہاں سے ایک ساتھ روانہ ہوں، اگر کوئی سوال کرے کہ کیا منیٰ ہی سے سب رفقاء ایک ساتھ روانہ نہ ہو سکتے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ مجمع میں ایسا ہونا ذرا مشکل ہے، بہت بڑا مجمع ہے، سب کے ساتھ تمام ضروریات کا سامان بھی ہے، کوئی جوان ہے کوئی ضعیف اور بوڑھا ہے، بچے اور عورتیں بھی ہیں، کسی کی سواری تیز رفتار ہے، کسی کی بطیٔ السیر ہے، اور نزول محصب کی صورت میں یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں روانگی کا اعلان کرا دیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ سے نکل کر محصب میں پہنچ کر آرام فرمانے لگے، اتنے آہستہ آہستہ تمام لوگ وہاں پہنچ گئے، پھر اخیر شب میں پورا قافلہ وہاں سے مکہ مکرمہ آ گیا، وہاں آ کر سب نے طواف وداع کیا، صبح کی نماز پڑھی، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل مدینہ، مدینہ کی طرف اور دوسرے لوگ اپنے اپنے وطن کی طرف روانہ ہو گئے۔ (الدر المنضود: ۳/۲۹۸)

نزول الابطح لیس بسنة: مراد یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لئے روانگی کے وقت

ابطح میں ٹھہرنا سنت نہیں ہے۔

انما نزله رسول الله الخ: حدیث شریف کے ان کلمات سے ایک سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ تو ابطح میں ٹھہرے تھے، اسی کا جواب ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کسی مصلحت سے ٹھہرے تھے، آنحضرت ﷺ کا ٹھہرنا کوئی شرعی حکم کے پیش نظر نہ تھا۔ تفصیل اوپر گذر چکی۔

طواف وداع کے بعد روانگی

{۲۵۴۹} **وَعَنْهَا** قَالَتْ اَحْرَمْتُ مِنَ التَّنْعِيْمِ بِعُمْرَةٍ فَدَخَلْتُ فَقَضَيْتُ عُمْرَتِيْ وَانْتَظَرَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْاَبْطَحِ حَتّٰى فَرَغْتُ فَاَمَرَ النَّاسَ بِالرَّحِيْلِ فَخَرَجَ فَمَرَّ بِالْبَيْتِ فَطَافَ بِهٖ قَبْلَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ. هٰذَا الْحَدِيْثُ مَاوَجَدْتُهٗ بِرِوَايَةِ الشَّيْخَيْنِ بَلْ بِرِوَايَةِ اَبِيْ دَاؤُدَ مَعَ اخْتِلَافٍ يَسِيْرٍ فِيْ اٰخِرِهٖ.

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/ ۲۷۴، باب طواف الوداع، حدیث نمبر: ۲۰۰۵-۶۔

حل لغات: قضیت: قضی (ض) قضاءً، بعد میں ادا کرنا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ میں نے تنعیم سے عمرے کا احرام باندھا، مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر اپنا عمرہ ادا کیا اور حضرت رسول اکرم ﷺ ابطح میں میرا انتظار کر رہے تھے؛ یہاں تک کہ میں فارغ ہوگئی، تو آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو روانگی کا حکم دیا، چنانچہ آنحضرت ﷺ بھی روانہ ہو کر خانۂ کعبہ تشریف لے آئے، نماز فجر سے پہلے آنحضرت ﷺ نے طواف کیا، پھر آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ کے لئے رانہ ہوئے۔ صاحب مشکوۃ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ شیخین کی روایت میں نہیں بلکہ ابو داؤد کی روایت میں ملی آخر میں قدرے اختلاف کے ساتھ۔

تشریح: قالت احرمت من التنعیم بعمرة الخ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی حج قران کا احرام باندھا تھا، اس بنیاد پر ان کو عمرہ کرنا تھا لیکن مکہ مکرمہ پہنچنے سے پہلے ہی حائضہ ہوگئیں، جس کی

وجہ سے طواف نہ کرسکیں، اور عمرہ ان کے ذمہ رہ گیا اور ادھر حج کے ایام شروع ہوگئے، حج کی مصروفیت کی وجہ سے ان کو عمرہ کرنے کا موقع نہ مل سکا، اس لئے حضرت نبی کریم ﷺ نے ان کو حج کے بعد تنعیم سے احرام باندھ کر عمرے کی قضا کرنے کا حکم دیا، وہی عمرہ انہوں نے بعد میں ادا کیا۔

هذا الحديث ما وجدته الخ: مؤلف مشکوۃ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ میرے علم کے مطابق اس روایت کو نہ تو بخاری نے نقل کیا ہے اور نہ مسلم نے، بلکہ اس روایت کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے، مزید کہ ابوداؤد کی روایت اور صاحب مصابیح کی نقل کردہ اس روایت کے آخری جز میں کچھ اختلاف بھی ہے، گویا اس جملہ کے ذریعہ مؤلف مشکوۃ نے صاحب مصابیح پر ایک اعتراض تو یہ کیا ہے کہ انہوں نے اس روایت کو فصل اول میں نقل کیا ہے، جبکہ فصل اول میں صرف بخاری ومسلم ہی کی روایت نقل کی جاتی ہے، دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ نقل حدیث میں راوی یعنی ابوداؤد کی مخالفت کی بایں طور کہ حدیث شریف کا آخری جز بعینہ وہ نقل نہیں کیا جو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

فائدہ: لیکن یہ اعتراض کمال ادب کے ساتھ کیا، یہ نہیں فرمایا کہ صاحب مصابیح سے کوئی کوتاہی ہوئی، بلکہ کوتاہی کی نسبت اپنی طرف کی کہ مجھ کو نہیں ملی۔

طوافِ وداع

{۲۵۵۰} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّاسُ يَنْصَرِفُوْنَ فِيْ كُلِّ وَجْهٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْفِرَنَّ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ اٰخِرُ عَهْدِهٖ بِالْبَيْتِ اِلَّا اَنَّهٗ خُفِّفَ عَنِ الْحَائِضِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۳۶، باب طواف الوداع، حدیث نمبر: ۱۷۲۲، مسلم شریف: ۱/۴۲۷، باب وجوب طواف الوداع الخ، حدیث نمبر: ۱۳۲۷۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لوگ ہر طرف سے لوٹ رہے تھے، تو حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی نہ جائے، یہاں تک کہ آخری مرحلہ بیت اللہ کو قرار نہ دے لے؛ مگر یہ حائضہ کے لئے معاف ہے۔

طوافِ وداع کا حکم

تشریح: افعالِ حج سے فراغت کے بعد اور مکہ مکرمہ سے روانہ ہوتے وقت جو طواف کیا جاتا ہے اسے طوافِ وداع اور طوافِ صدر کہتے ہیں، اگرچہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس طواف کے بعد جتنے دن چاہے مکہ مکرمہ میں رہے، لیکن افضل یہی ہے کہ یہ طواف اس وقت کیا جائے جب مکہ مکرمہ سے نکلنے کا ارادہ کرے، چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے دن کے کسی حصہ میں طواف صدر کرلیا اور پھر عشاء تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہا تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ دوسرا طواف کرے تا کہ اس کی روانگی اور طواف میں کوئی حائل باقی نہ رہے۔ (مرقاۃ: ۵/۳۷۱)

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اور شافعیہ کے قول صحیح میں طواف صدر واجب ہے، جبکہ مالکیہ کے ہاں مسنون ہے، فرضیت کا کوئی قائل نہیں ہے۔ (اشعۃ اللمعات: ۲/۶۷)

طوافِ صدر کے وجوب کے سلسلے میں یہ روایت ائمہ ثلاثہ کی دلیل ہے۔

البتہ حائضہ بالاتفاق مستثنیٰ ہے، لیکن یہ طواف صرف آفاقی پر واجب ہے، اہل مکہ پر یہ طواف واجب نہیں ہے، نہ اس شخص پر واجب ہے جو میقات کے اندر رہتا ہو، اور نہ اس شخص پر واجب ہے جو مکہ مکرمہ میں آ کر رہنے لگا ہو اور پھر چلے جانے کا ارادہ رکھتا ہو، اسی طرح وہ شخص جس کا حج فوت ہوگیا ہو اس پر بھی یہ طواف واجب نہیں ہے، اور نہ ہی عمرہ کرنے والے پر یہ طواف واجب ہے۔ نیز اس طواف میں نہ تو رمل ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے بعد سعی ہے۔ (مرقاۃ: ۵/۳۷۲، التعلیق: ۳/۲۴۸، نفحات التنقیح: ۳/۳۶۵)

عذر میں طوافِ وداع

{۲۵۵۱} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ حَاضَتْ صَفِيَّةُ لَيْلَةَ النَّفْرِ، فَقَالَتْ: مَا أُرَانِي إِلَّا حَابِسَتَكُمْ. قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقْرَىٰ حَلْقَىٰ أَطَافَتْ يَوْمَ النَّحْرِ؟ قِيْلَ: نَعَمْ! قَالَ: فَانْفِرِيْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۳۸، باب الادلاج من المحصب، حدیث: ۱۷۳۷، مسلم شریف: ۱/۴۲۷، باب

وجوب طواف الوداع الخ، حدیث نمبر: ۱۳۱۱۔

حل لغات: النفر: نفر (ض) نفراً القوم، متفرق ہونا، کوچ کرنا۔

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ صفیہ کوچ کے دن حائضہ ہوگئیں، تو انہوں نے کہا: کہ میرا گمان ہے کہ میں آپ لوگوں کو روکے رکھوں گی، تو حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہلاک ہوئی اور زخمی ہوئی، کیا اس نے نحر کے دن طواف نہیں کیا ہے؟ کہا گیا: ہاں! تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو وہ چلے۔

تشریح: حضور اقدس ﷺ کے مکہ مکرمہ سے واپسی کے دنوں میں حضرت صفیہ ام المؤمنین کو وہ دن آ گئے جن میں نماز و طواف جائز نہیں ہوتا، انہوں نے اس سے پہلے طواف افاضہ کرلیا تھا، طواف وداع نہیں کیا تھا، ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا خیال تھا کہ طواف افاضہ کی طرح طواف وداع کا ترک بھی عذر کی وجہ سے جائز نہیں، اس خیال کے پیش نظر انہوں نے کہا: **"ما ارانی الا حابستکم"** کہ میرا خیال یہ ہے کہ میں تم کو روکنے والی ہوں یعنی میری وجہ سے تم کو سفر سے رکنا پڑے گا، میں جب پاک ہو کر طواف کرلوں گی تو تم جاسکو گے۔

حضور اقدس ﷺ نے جب حضرت صفیہ کی یہ بات سنی تو آنحضرت ﷺ نے یہ سمجھا کہ انہوں نے طواف افاضہ نہیں کیا ہوگا۔ اس لئے یہ بات کہی ہے، اس پر حضور اقدس ﷺ نے تلطف کے طور پر ارشاد فرمایا، **عقریٰ حلقی** پھر آنحضرت ﷺ نے یہ تحقیق فرمائی کہ انہوں نے طواف افاضہ کرلیا ہے، یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ کرلیا ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمائی: **"فانفری"** پھر تو بھی چل، یعنی طواف وداع کا بعذر ترک کرنا جائز ہے۔

عقریٰ حلقی: عقریٰ اصل میں **عقراً** مصدر تھا، **حلقی** اصل میں **حلقاً** مصدر تھا، جس کلمہ کے آخر میں تنوین اور فتحہ ہو تو وصل کی حالت میں تنوین ہی پڑھتے ہیں اور وقف کی حالت میں تنوین پڑھنے کے بجائے الف پڑھتے ہیں، **عقراً و حلقاً** میں بھی قیاس کے مطابق وصل کی حالت میں تنوین پڑھنی چاہئے اور وقف کی حالت میں الف پڑھنا چاہئے لیکن حالت وصل کو حالت وقف کے قائم مقام کرکے خلاف قیاس وصل کی حالت میں بھی عقراًاور حلقاً کے آخر میں تنوین کے بجائے الف پڑھ لیتے ہیں۔

اور بعض نے کہا: کہ عقریٰ اور حلقیٰ اصل میں ہی فعلیٰ کے وزن پر ہے، عقریٰ مصدر ہے، جرح وقتل کے معنی میں، مفعول مطلق ہونے کی بناء پر نصب ہے، فعل محذوف ہے۔ **"ای عقرها الله عقرا۔"**

حلقیٰ کا معنی ہے گلے میں درد ہونا، گلے پر مارنا، سر کے بال مونڈنا یہ بھی مفعول مطلق ہے، فعل محذوف ہے۔ **"ای حلقها الله حلقا"** یہ دونوں کلمے لغوی معنی کے اعتبار سے بد دعاء کے کلمے ہیں، لیکن عادت عرب یہ ہے کہ جب یہ الفاظ بولے جاتے ہیں تو لغوی معنی مراد نہیں ہوتے، بلکہ بطور تنبیہ کے یہ کلمے بولتے ہیں، یا خبر کی تہویل پر دلالت کرنے کے لئے یہ الفاظ بول دیتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے بھی محاورہ کے طور پر تہویل خبر کی وجہ سے بطور تنبیہ کے یہ کلمات ارشاد فرمائے۔ جیسے: **تربت یداہ ثکلته امه** کے جملے بولتے رہتے ہیں، لیکن ان کے لغوی معنی کے وقوع کی دعاء کا قصد نہیں ہوتا۔

(مرقاۃ: ۵/۳۷۲، اشرف التوضیح: ۲/۳۵۱)

﴿الفصل الثانی﴾

حج اکبر کا دن

{۲۵۵۲} وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْاَحْوَصِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ: اَیُّ یَوْمٍ هٰذَا؟ قَالُوْا: یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ. قَالَ: فَاِنَّ دِمَائَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ بَیْنَکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ هٰذَا اَلَا لَا یَجْنِیْ جَانٍ عَلٰی نَفْسِهٖ اَلَا لَا یَجْنِیْ جَانٍ عَلٰی وَلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٍ عَلٰی وَالِدِهٖ اَلَا وَاِنَّ الشَّیْطَانَ قَدْ اَیِسَ اَنْ یُّعْبَدَ فِیْ بَلَدِکُمْ هٰذَا اَبَدًا وَلٰکِنْ سَتَکُوْنُ لَهٗ طَاعَةٌ فِیْمَا تَحْتَقِرُوْنَ مِنْ اَعْمَالِکُمْ فَسَیَرْضٰی بِهٖ۔ (رواہ ابن ماجة والترمذی) وَصَحَّحَهٗ۔

حوالہ: ابن ماجہ شریف: ۲۱۹، کتاب الحج، باب الخطبۃ یوم النحر، حدیث نمبر: ۳۰۵۵، ترمذی شریف: ۳۹/۲، ابواب الفتن، باب ما جاء فی تحریم الدماء الخ، حدیث نمبر: ۲۱۵۹۔

حل لغات: دمای: جمع ہے "دمٌ" کی، بمعنی خون،

ترجمہ: حضرت عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع کے موقع پر فرماتے ہوئے سنا: یہ کونسا دن ہے؟ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: حج اکبر کا دن، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یقیناً تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبرو تمہارے درمیان اسی طرح حرام ہیں، جس طرح تمہارے اس دن میں، تمہارے اس شہر میں۔ خبردار! ظلم کرنے والا صرف اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، خبردار! کوئی ظالم اپنی اولاد پر ظلم نہیں کرتا اور نہ کوئی اولاد اپنے جننے والے پر اور یقیناً شیطان ناامید ہوگیا ہے کہ اس شہر میں کبھی بھی اس کی پرستش نہیں کی جائے گی، لیکن تمہارے ان اعمال میں شیطان کی فرماں برداری ہوگی، جنہیں تم

حقیر سمجھو گے، جن سے وہ خوش ہوگا۔

تشریح: یقول فی حجۃ الوداع ای یوم ھذا الخ: ایک تقریر تو قربانی کے دوسرے دن ہوتی ہے، جو بہت اہم ہے، اس لئے کہ اس تقریر میں امورِ حج بتائے جاتے ہیں اور وہ تقریر سنت بھی ہے، لیکن اس حدیث شریف میں مذکور تقریر وہ تقریر نہیں ہے، بلکہ یہ قربانی کے دن عام نصیحت کی جانے والی تقریر ہے۔

قال فان دمائکم الخ: یعنی جان و مال اور عزت و آبرو صرف آج ہی حرام نہیں ہے، بلکہ جس طرح سے آج حرام ہے، اسی طریقے سے قیامت تک حرام ہے، شرعی اجازت کے بغیر کسی کی جان، دولت اور عزت کو نقصان پہنچانا قیامت تک حرام ہے۔

الا لا یجنی جان علی نفسہ: مراد یہ ہے کہ کوئی کسی پر ظلم کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر ہے۔

وان الشیطان قد أیس ان تعبد فی بلدکم ھذا ا بدا ا لخ: کا مطلب یہ ہے کہ شیطان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس بات سے ناامید ہوگیا ہے کہ اس شہر (مکہ مکرمہ) میں غیر اللہ کی عبادت کے ذریعہ اس کی فرمانبرداری ہو، لہٰذا یہاں اب کبھی بھی کوئی شخص شیطان کے فریب میں آ کر غیر اللہ کی عبادت و پرستش کھلم کھلا نہیں کرے گا، اس سے گویا اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ یہ مقدس شہر ہمیشہ کے لئے کفر وشرک کی غلاظت سے پاک کر دیا گیا ہے، اور اب کبھی بھی اس پاک سرزمین پر کسی غیر مسلم کو قدم رکھنے کی اجازت نہ ہوگی، ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی غیر مسلم چوری چھپے اس شہر میں آ جائے اور وہ خفیہ طور پر غیر اللہ کی عبادت کرنے لگے۔

"ہاں تمہارے ان اعمال میں شیطان کی فرمانبرداری ہوگی" اعمال سے مراد گناہ کے اعمال ہیں، جیسے ناحق قتل کرنا، کسی کا مال لوٹنا، یا اسی قسم کے دوسرے اعمالِ بد اور صغیرہ گناہوں کو اہمیت نہ دینا، اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ان اعمال بد میں مبتلا ہونے والا جب ان کو حقیر سمجھتا ہے اور جس کے نتیجے میں وہ ان اعمال سے اجتناب نہیں کرتا تو گویا وہ شیطان کو اطاعت کرتا ہے، کیونکہ شیطان ان باتوں سے خوش ہوتا ہے اور پھر وہی اعمال بڑے فتنہ وفساد کا باعث بن جاتے ہیں۔

حج اکبر کیا ہے؟

بندہ کے خیال میں یہاں دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ **"الحج الاکبر"** دوسری **"یوم الحج الاکبر"**

اگر چہ شراح نے اس کی تصریح نہیں کی بلکہ دونوں کو خلط کر دیا، یوم الحج الاکبر میں تین قول ہیں، یوم النحر، یوم عرفہ، یوم حج ابی بکر، یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جس دن حج کیا ۹ھ میں، اس لئے کہ اس دن مسلمین، مشرکین اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ سب نے حج کیا تھا، اس کے بعد پھر کبھی اس طرح تمام طوائف و اہل ملل جمع نہیں ہوئے، بلکہ مشرکین کے حج کرنے کی بندش کا اعلان کر دیا گیا تھا، **الا لا یحجن بعد العام مشرک**۔ [خبر دار! اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے۔]

اور الحج الاکبر میں بھی تین قول ہیں، **قیل هو القران والحج الاصغر الافراد۔ وقیل الحج الاکبر هو الحج والحج الاصغر هو العمرة وقیل الاحج الاکبر هو وقفة الجمعة** یعنی جس حج میں وقوف عرفہ جمعہ کے دن کا ہو جس کی فضیلت زیادہ ہے، چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر مستقل ایک تصنیف فرمائی ہے، **الحظ الاوفر فی الحج الاکبر** جس کا ذکر انہوں نے شرح لباب میں کیا ہے۔ (الدر المنضود: ۳/۲۷۲)

منیٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ

{۲۵۵۳} وَعَنْ رَافِعِ ابْنِ عَمْرٍو الْمُزَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ بِمِنًى حِيْنَ ارْتَفَعَ الضُّحٰى عَلٰى بَغْلَةٍ شَهْبَاءَ وَعَلِيٌّ يُعَبِّرُ عَنْهُ وَالنَّاسُ بَيْنَ قَائِمٍ وَقَاعِدٍ۔

(رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۷۰، باب ای وقت یخطب یوم النحر، حدیث نمبر: ۱۹۵۶۔

حل لغات: الضحی: چاشت کا وقت، بغلة: خچر، جمع: بغال، شهباء: شهب (س) شهبا،

سیاہی ملی ہوئی سفید رنگ والا ہونا۔

ترجمہ: حضرت رافع بن عمرو مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منیٰ میں چاشت کے وقت ایسے خچر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا، جس کا رنگ سیاہ اور سفید تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کو دہراتے اور لوگ کھڑے بیٹھے سن رہے تھے۔

تشریح: یخطب الناس بمنیٰ الخ: مراد وہ تقریر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن بطور نصیحت کے کی تھی۔

علی بغلة: یعنی اس خچر کے کچھ بال سفید تھے اور کچھ سیاہ، یعنی وہ چت کبرا تھا۔

وعلی یعبر عنه: یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کو دہراتے تھے، تاکہ دور والے بھی سن لے۔

طواف زیارت کا وقت

{۲۵۵۴} **وَعَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَّرَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ يَوْمَ النَّحْرِ اِلَى اللَّيْلِ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد وابن ماجة)**

حواله: ترمذی شریف: ۱/۱۸۵، باب ماجاء فی طواف الزیارة الی اللیل، حدیث نمبر: ۹۲۰، ابوداؤد شریف: ۱/۲۷۴، باب الافاضة فی الحج، حدیث نمبر: ۲۰۰۰، ابن ماجه: ۲۱۹، باب زیارة البیت، حدیث نمبر: ۳۰۵۹۔

حل لغات: اخر: اخر (تفعیل) مؤخر کرنا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن طواف زیارت کو رات تک مؤخر کیا۔

تشریح: اس روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت رات میں کیا، (کیونکہ یوم النحر میں جو طواف ہوتا ہے وہ تو طواف زیارت ہی ہے) حافظ ابن قیم نے اس حدیث شریف کی

شدت سے تغلیط کی ہے کہ یہ سب روایات کے خلاف ہے۔ اس کے غلط ہونے میں کوئی عالم شک نہیں کرسکتا ہے، اسی طرح ابن القطان نے بھی اس کو غیر صحیح کہا ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے طواف افاضہ بالاتفاق دن میں کیا نہ کہ رات میں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر کو حضرت امام بخاری نے بھی صحیح بخاری میں تعلیقاً ذکر فرمایا ہے، لیکن اس کے لفظ دوسرے ہیں۔ **اخر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الزیارۃ الی اللیل** اس صورت میں اشکال بہت ہلکا ہو جاتا ہے، یعنی طواف زیارت مراد نہیں ہے بلکہ نفس زیارت بیت کیونکہ زیارت بیت بھی عبادت ہے، یا نفلی طواف نہ کہ طواف زیارت، بعض علماء نے فرمایا: کہ شاید تسمیہ طواف میں غلطی ہوگئی، رات میں آنحضرت ﷺ نے جو طواف کیا تھا یعنی اخیر شب میں وہ طواف وداع ہے، نہ کہ طواف زیارت، ایک توجیہ یہ کی گئی ہے **(کما فی الکوکب)** مراد عملاً تاخیر نہیں ہے، بلکہ تجویز تاخیر (تاخیر کو جائز قرار دینا) اور اس سے اشارہ طواف النساء کی طرف ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج کو تاخیر طواف کی اجازت دی۔ چنانچہ انہوں نے طواف زیارت یوم النحر کے بعد آنے والی شب میں کیا، ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ ممکن ہے لیل سے مراد بعد الغروب نہ ہو، بلکہ وقت العشی یعنی بعد الزوال جس کو مجازاً لیل سے تعبیر کر دیا۔

جاننا چاہئے کہ طواف زیارت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایام النحر کے ساتھ موقت ہے، اس کے بعد اگر کیا تو دم واجب ہوگا، امام شافعی وصاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک موقت نہیں ہے، بلکہ تاخیر عن ایام النحر جائز ہے۔ پس معلوم ہوا یوم النحر کے بعد والی شب میں بالاتفاق جائز ہے۔

نیز اس حدیث شریف میں سنداً کمزوری یہ ہے کہ ابو الزبیر اس کو حضرت عائشہ وابن عباس رضی اللہ عنہم سے بلفظ عن روایۃ کر رہے ہیں، ابو الزبیر مدلس ہیں، نیز ان کا سماع گو ابن عباس سے ثابت ہے، **لکن فی سماعہ عن عائشۃ نظر کما قال الامام البخاری وحکاہ عنہ الترمذی فی کتاب العلل (ملخص من جزء الحج)** امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے تعجب ہے انہوں نے تو اس حدیث شریف پر مستقل **ترجمۃ الباب باب ما جاء فی طواف الزیارۃ الی اللیل** قائم کیا اور حدیث شریف کے بارے میں

فرمایا: **هذا حديث حسن۔** حالانکہ اس حدیث شریف کے بارے میں اکثر محدثین کو کلام ہے، یا کم از کم مؤول ہے۔ (الدر المنضود: ۲۹۱/۳)

طواف زیارت میں رمل

{۲۵۵۵} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَرْمُلْ فِي السَّبْعِ الَّذِيْ أَفَاضَ فِيْهِ۔

(رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲۷۴/۱، باب الافاضة فى الحج، حدیث نمبر: ۲۰۰۱، ابن ماجہ شریف: ۲۱۹، باب زيارة البيت، حدیث نمبر: ۳۰۶۰۔

حل لغات: یرمل: رمل (ن) رملا، کندھا ہلا کر چلنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت کے سات چکروں میں رمل نہیں کیا۔

تشریح: لم یرمل فی السبع الذی افاض فیه: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ طواف قدوم میں رمل کرلیا تھا، اس لئے اب طواف زیارت میں رمل کرنے کی ضرورت نہیں رہی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمل نہیں کیا۔ تفصیل ما قبل میں گذر چکی۔

محرم کے لئے حلال ہونے کا وقت

{۲۵۵۶} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا رَمَى أَحَدُكُمْ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ فَقَدْ حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ۔ (رواہ فی شرح السنة) وَقَالَ إِسْنَادُهُ ضَعِيْفٌ وَفِيْ رِوَايَةِ أَحْمَدَ وَالنَّسَائِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: إِذَا رَمَى الْجَمْرَةَ فَقَدْ حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ۔

حوالہ: شرح السنہ: ۳۵۳/۴، باب الحلق والتقصیر۔

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی جمرۂ عقبہ کی رمی کرلے تو اس کے لئے عورت کے علاوہ ہر چیز حلال ہوگئی۔ اس کو شرح السنۃ میں نقل کیا ہے، اور کہا: اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ اور اس کو احمد ونسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس نے جمرۂ عقبہ کی رمی کرلی اس کے لئے عورت کے علاوہ ہر چیز حلال ہو جاتی ہے۔

تشریح: اذا رمی احدکم جمرة العقبة الخ: یہ تین جمروں میں سے ایک ہے، منیٰ پہنچ کر سب سے پہلے اسی پہ رمی کی جاتی ہے، اس پر رمی کرنے کے بعد حجاج حلال ہو جاتے ہیں، ان کے لئے اب احرام کی وجہ سے ممنوع چیزیں حلال ہوگئیں، اب وہ ایک عام آدمی کی طرح ان اشیاء سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں، صرف اب عورت حرام ہے۔

حج میں دو تحلّل ہوتے ہیں، تحلّل اصغر واکبر

حج میں دو تحلل ہوتے ہیں، اصغر اور اکبر، اصغر میں بعض محظوراتِ احرام حلال ہوتے ہیں اور اکبر میں تمام محظورات۔ تحلل اصغر کس چیز سے حاصل ہوتا ہے؟ اس میں اختلاف ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف رمی جمرۂ عقبہ سے۔ **کما فی ھذا الحدیث۔**

لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ **کما قال المصنف۔**

اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک **بای اثنین من الامور الثلاثة الرمی والحلق والطواف،** یعنی ان تین میں سے صرف دو کے ذریعہ سے حاصل ہو جاتا ہے، خواہ کوئی سے دو ہوں اور جب تیسرا امر کریگا تو اس سے تحلل اکبر حاصل ہو جائے گا۔ (ان دونوں اماموں کے نزدیک نحر کو تحلل میں کوئی دخل نہیں ہے، یہ ساری تفصیل ہم نے ان ائمہ کی کتب فروع سے دیکھ کر نقل کی ہے۔ **(کتاب الکافی لابن عبد البر، وروضة المحتاجین ونیل المارب)** اور حنفیہ کے نزدیک تحلل اصغر مفرد کے حق میں رمی اور حلق سے حاصل ہوتا ہے اور متمتع وقارن کے حق میں رمی، ذبح، حلق تین سے۔ اب یہ کہ تحلل اصغر میں

حلال ہونے سے کیا چیز باقی رہ جاتی ہے، حنفیہ کے نزدیک صرف نساء یعنی وطی اور دواعی وطی اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک وطی اور دواعی وطی اور عقد نکاح بھی۔ اور مالکیہ کے نزدیک **الا النساء والطیب والصید** (لیکن طیب صرف مکروہ ہے، اس میں فدیہ نہیں اور صید میں فدیہ ہے۔) **کذافی الکافی لابن عبدالبر۔ (الدر المنضود: ۳/۲۸۴)**

حنفیہ کی طرف سے جواب

تحلل اصغر کے بارے میں حدیث الباب مالکیہ کے موافق ہے اور حنفیہ بلکہ جمہور کے خلاف ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مسند احمد اور بیہقی میں بھی ہے، اس میں حلق بھی مذکور ہے۔ **اذا رمیتم وحلقتم فقد حل لکم کل شیء الا النساء فزال الاشکال بحمد اللہ تعالیٰ۔**

(الدر المنضود: ۳/۲۸۴، مرقاۃ: ۳/۲۵۱)

آنحضرت ﷺ کی رمی کرنے کی کیفیت

{۲۵۵۷} **وَعَنْهَا** قَالَتْ اَفَاضَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ آخِرِ يَوْمِهٖ حِيْنَ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى مِنًى فَمَكَثَ بِهَا لَيَالِيَ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ يَرْمِي الْجَمْرَةَ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ كُلَّ جَمْرَةٍ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ وَيَقِفُ عِنْدَ الْاُوْلٰى وَالثَّانِيَةِ فَيُطِيْلُ الْقِيَامَ وَيَتَضَرَّعُ وَيَرْمِي الثَّالِثَةَ فَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۷۱، باب فی رمی الجمار، حدیث نمبر: ۱۹۷۵-۷۶۔

حل لغات: فمکث: مکث (ن) مکثاً، ٹھہرنا۔

ترجمہ: ان سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے قربانی کے دن آخری حصے میں اس وقت طواف زیارت کیا جب آنحضرت ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی، پھر منیٰ واپس آکر ایام تشریق کی راتیں وہیں گذاریں، آنحضرت ﷺ جمروں پر اس وقت کنکری مارتے، جب

دوپہر ڈھل جاتی، ہر جمرے پہ سات کنکری مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے، اور پہلے و دوسرے جمرے کے پاس کھڑے ہو کر دیر تک دعائیں کرتے اور تیسرے جمرے پہ کنکری مار کر وہاں کھڑے نہیں ہوتے تھے۔

تشریح: حین صلی الظھر الخ: حدیث شریف کے ان کلمات سے اس بات کی نفی ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ظہر کی نماز قربانی کے پہلے دن منیٰ میں پڑھی تھی، اس حدیث شریف کی بنیاد پر یہی کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ نے ظہر کی نماز مکہ مکرمہ ہی میں پڑھی تھی اور منیٰ میں پڑھی جانے والی ظہر کی نماز دوسرے دن کی تھی۔ **"فیه دلالة علی انه صلی الظھر بمنی ثم افاض وھو خلاف ما ثبت فی الاحادیث لاتفاقھا علی انه صلی الظھر بعد الطواف"** (مرقاۃ: ۵/۳۷۵)

عذر کے سبب جمرات میں تقدیم وتاخیر

{۲۵۵۸} وَعَنْ اَبِی الْبَدَّاحِ بْنِ عَاصِمِ بْنِ عَدِیٍّ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ: رَخَّصَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِرِعَاءِ الْاِبِلِ فِی الْبَیْتُوْتَةِ اَنْ یَّرْمُوْا یَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ یَجْمَعُوا رَمْیَ یَوْمَیْنِ بَعْدَ یَوْمِ النَّحْرِ فَیَرْمُوْهُ فِیْ اَحَدِهِمَا۔ (رواه مالك والترمذی والنسائی) وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ۔

حوالہ: مؤطا امام مالک: ۱۵۹، باب الرخصة فی رمی الجمار، ترمذی شریف: ۱/۱۹۰، باب ماجاء فی الرخصة للرعاة الخ، حدیث نمبر: ۹۵۵، نسائی شریف: ۲/۴۰، باب رمی الرعاء، حدیث نمبر: ۳۰۷۰۔

ترجمہ: حضرت ابو البداح بن عاصم بن عدی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے اونٹ کے چرواہوں کو منیٰ میں شب باشی نہ کرنے کی اجازت دی، نیز وہ لوگ قربانی کے دن رمی کر کے یوم النحر کے بعد دو دن کی رمی اکٹھے کریں، چنانچہ وہ لوگ ایک دن میں ان دونوں کی رمی کرتے تھے۔

تشریح: حضرت رسول کریم ﷺ نے چرواہوں کو یہ اجازت عطاء فرمائی تھی کہ وہ ایام تشریق کی راتوں میں منیٰ میں رہیں، کیونکہ وہ اپنے جانوروں کی حفاظت اور ان کے چرانے میں مشغول رہتے ہیں، یہ اجازت دینا بھی اس امر پر دال ہے کہ منیٰ میں رات گذارنا سنت ہے واجب نہیں۔

حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کے یہاں یوم حادی عشر کی رمی یوم ثانی عشر کے لئے مؤخر کی جاسکتی ہے، لیکن یوم ثانی عشر کی رمی یوم حادی عشر پر مقدم نہیں کی جائے گی، عذر کی وجہ سے تاخیر کی اجازت ہے، تقدیم کی نہیں۔

باب ما یجتنبہ المحرم

(جن چیزوں سے محرم کو بچنا چاہئے ان کا بیان)

رقم الحدیث: ۲۵۵۹/ تا ۲۵۷۶/

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب ما یجتنبہ المحرم

(جن چیزوں سے محرم کو بچنا چاہئے ان کا بیان)

خوشبو لگانے سے متعلق مسائل

قواعدِ کلیہ

احرام میں خوشبو لگانے سے متعلق چند اصولی باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں، واضح ہو کہ جو چیزیں بدن پر لگائی جاتی ہیں وہ تین قسموں پر ہیں:

(۱)......خالص خوشبو، جیسے مشک وعنبر، گلاب، زعفران وغیرہ ان کا استعمال ہر طرح موجب جزاء ہے، حتی کہ اگر ان چیزوں کو بطور دوا استعمال کیا تب بھی جزا لازم ہوگی۔

(بدائع الصنائع زکریا: ۲/۴۱۷، ھندیۃ: ۱/۲۴۰)

(۲)......وہ اشیاء جو نہ تو خود خوشبو ہیں اور نہ ہی ان سے خوشبو بنائی جاتی ہے، جیسے چربی اور چکنائی وغیرہ، تو ان کے استعمال میں کوئی جزا لازم نہیں۔ **(بدائع الصنائع زکریا: ۲/۴۱۷، ھندیۃ: ۱/۲۴۰)**

(۳)......وہ اشیاء جو خود خوشبو تو نہیں لیکن ان سے خوشبو بنائی جاتی ہے، جیسے زیتون اور تل کا تیل وغیرہ، تو ان میں نیت کا اعتبار رہے، اگر خوشبو کی نیت سے انہیں استعمال کیا ہے تو

جزا لازم ہوگی، اور اگر محض غذا یا دوا کے طور پر استعمال کیا ہے تو جزا لازم نہ ہوگی۔

(بدائع الصنائع زکریا: ۲/ ۴۱۷، زبدۃ المناسک: ۳۴۷)

ان اصولی باتوں کے بعد مزید مسائل درج ذیل ہیں:

کامل بڑے عضو پر خوشبو لگالی

اگر محرم نے ایک کامل برے عجو (جیسے سر، چہرہ، داڑھی، پنڈلی اور ران وغیرہ) پر خوشبو لگائی، تو اس پر ایک دم واجب ہوگا، چاہے لگا کر فوراً دھو ڈالے۔ **(غنیۃ الناسک: ۲۴۳، ومثلہ فی الفتاوی السراجیۃ: ۱۸۶، بدائع الصنائع زکریا: ۲/ ۴۱۵، خانیۃ: ۱/ ۲۸۸، ھدایۃ: ۱/ ۲۶۵، اللباب: ۱/ ۱۸۱)**

بدن کے بعض حصہ پر خوشبو لگانا

اگر محرم نے ایک برے عضو کے بعض حصہ پر یا کسی چھوٹے عضو (مثلاً ناک، کان، آنکھ، انگلی اور مونچ) پر تھوڑی سی خوشبو لگائی تو اس پر صدقہ واجب ہے۔ **(غنیۃ الناسک: ۲۴۴، ومثلہ فی البدائع الصنائع زکریا: ۲/ ۴۱۵، خانیۃ: ۱/ ۲۸۸، ھدایۃ: ۱/ ۲۶۶)**

بدن کی متفرق جگہوں پر خوشبو لگالی

اگر محرم نے بدن کے متفرق اعضاء پر خوشبو لگائی ہے تو سب کو جمع کر کے دیکھا جائے گا، اگر سب مل کر ایک بڑے عضو کی مقدار کے برابر ہو جاتی ہے تو اس پر دم واجب ہوگا اور اگر ایک عضو کامل کی مقدار کے برابر نہ ہو تو صرف صدقہ واجب ہوگا۔ (غنیۃ الناسک: ۲۴۴، تاتارخانیۃ: ۵۸۹/ ۳، ہندیۃ: ۲۴۱/ ۱، البحر الرائق کراچی: ۴/ ۳، بدائع الصنائع زکریا: ۴۱۵/ ۲، مناسک ملاعلی قاریؒ: ۳۱۳)

پورے بدن پر ایک مجلس میں خوشبو لگائی

اگر محرم نے ایک ہی مجلس میں اپنے تمام اعضاء پر خوشبو لگالی تو اس کو ایک ہی کفارہ کافی ہوگا۔

(غنیۃ الناسک: ۲۴۴، مجمع الانہر جدید: ۱/ ۴۳۱، ہندیۃ: ۱/ ۲۴۱، بدائع الصنائع زکریا: ۲/ ۴۱۶، مناسک ملاعلی قاریؒ: ۳۱۳، البحر الرائق کراچی: ۳/ ۴)

الگ الگ مجلسوں میں خوشبو لگائی

اگر کسی محرم نے الگ الگ مجلسوں میں اپنے اعضاء پر خوشبو لگائی ہے تو اس پر ہر مرتبہ کی وجہ سے الگ الگ کفارہ واجب ہوگا، اگر یہ خوشبو ایک بڑے عضو کامل پر لگائی گئی ہے تو دم واجب ہوگا ورنہ صدقہ واجب ہوگا۔ (غنیۃ الناسک: ۲۴۴، ومثلہ فی البدائع الصنائع زکریا: ۲/ ۴۱۶، تاتارخانیۃ زکریا: ۳/ ۵۸۹، البحر الرائق کراچی: ۳/ ۴، مناسک ملاعلی قاریؒ: ۳۱۳)

تھوڑی جگہ میں زیادہ خوشبو لگائی

اگر محرم نے ایک انگلی میں خوشبو لگائی، مگر اس میں اتنی خوشبو لگ گئی کہ جو ایک بڑے عضو کامل میں لگنے کی مقدار کے برابر تھی تو بھی دم واجب ہوگا۔ (غنیۃ الناسک: ۲۴۴، ہندیۃ: ۱/ ۲۴۱، ومثلہ فی التاتارخانیۃ زکریا: ۳/ ۵۸۹، فتح القدیر بیروت: ۳/ ۲۵)

صدقہ کا اندازہ کیسے؟

اور خوشبو کے معاملہ میں صدقہ کا اندازہ اس طرح لگایا جائے گا کہ اگر آدھے عضو پر خوشبو لگی ہے تو بکرے کی آدھی قیمت واجب ہوگی، اور چوتھائی پر لگی ہے تو چوتھائی قیمت واجب ہوگی، مثلاً اگر بکرے کی قیمت ۴۰۰ ر ریال ہے اور آدھے عضو پر خوشبو لگی ہے تو ۲۰۰ ر ریال کا صدقہ کیا جائے گا اور اگر چوتھائی عضو پر خوشبو لگی ہے تو ۱۰۰ ر ریال کا صدقہ واجب ہوگا۔ الی آخرہ۔ (بدائع الصنائع زکریا: ۲/ ۴۱۵، شامی زکریا: ۳/ ۵۷۴، انوار مناسک: ۲۲۶)

احرام سے پہلے کی خوشبو بعد میں دوسرے عضو پر لگ گئی

محرم نے احرام باندھنے سے قبل خوشبو لگائی تھی، لیکن احرام باندھنے کے بعد وہ خوشبو اپنی جگہ سے

ہٹ کر دوسری جگہ پر لگ گئی تو اس صورت میں اس پر کوئی جزاء لازم نہیں ہوتی ہے۔ (غنیة الناسک:۲۴۵، طحطاوی:۴۴۲، شامی زکریا:۵۷۳/۳، ومثلہ فی الھندیة:۲۴۲/۱، البحر الرائق کراچی:۳/۳، فتح القدیر بیروت:۲۴/۳)

خوشبودار سرمہ کا حکم

خوشبودار سرمہ ایک دو بار لگانے سے ایک صدقہ واجب ہے، البتہ اگر چند بار لگایا تو دم واجب ہو جائے گا۔ (اور اگر سرمہ خوشبودار نہ ہو تو اس کے لگانے سے کچھ واجب نہیں)۔

(غنیة الناسک:۲۴۴، ومثلہ فی التاتارخانیة زکریا:۵۸۸/۳، الولوالجیة:۲۷۶/۱، بدائع الصنائع زکریا:۴۱۸/۲، خانیة:۲۸۶/۱، ھندیة:۲۴۱/۱، البحر الرائق کراچی:۴/۳)

احرام میں دھونی دیا ہوا کپڑا استعمال کرنا

کپڑے میں عود وغیرہ کی دھونی دی گئی جس سے کپڑا خوشبودار ہو گیا، لیکن خوشبو کپڑے میں نہیں لگی تو ایسا کپڑا احرام میں استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(غنیة الناسک:۸۸، شامی زکریا:۴۹۶/۳، خانیة:۲۸۷/۱)

حالت احرام میں خوشبودار تیل یا کریم لگانا

احرام کی حالت میں خوشبودار تیل یا کریم بدن پر لگانا جائز نہیں ہے، اگر یہ کریم یا تیل ایک بڑے کامل عضو پر لگا لیا تو دم واجب ہوگا، اور اگر پورے عضو پر نہیں لگا تو صدقہ ہوگا۔ (غنیة الناسک:۲۴۸)

حالت احرام میں بغیر خوشبو والا تیل لگانا

اگر بحالت احرام خوشبو کے بطور ایسا تیل لگایا جس میں بظاہر خوشبو نہیں ہوتی، مگر اس میں خوشبو بسائی جاتی ہے (مثلاً زیتون اور تل کا تیل) تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کو لگانے سے بھی

حسب ضابطہ جزا لازم ہوگی، البتہ اگر اس طرح کا تیل خوشبو کے طور پر استعمال نہیں کیا، بلکہ کسی اور ضرورت سے استعمال کیا ہے (مثلاً زیتون کا تیل کھانے میں استعمال کیا یا زخم پر بطور دوا لگایا) تو بالاتفاق کوئی جزاء لازم نہ ہوگی۔ **(غنیۃ الناسک:۲۴۸، شامی زکریا:۳/۵۷۶، زبدۃ المناسک:۳۴۸)**

حالت احرام میں واسلین وغیرہ لگانا

اگر محرم نے خشکی دور کرنے کی غرض سے واسلین جیسی کوئی کریم لگائی، جس میں خوبو نہیں ہوتی، تو اس سے کوئی جزاء لازم نہ ہوگی۔ (اور اگر خوشبو والی واسلین لگائی تو حسب قاعدہ جزاء واجب ہوگی)۔ **(غنیۃ الناسک:۲۴۸، فتح القدیر:۳/۲۷، تبیین الحقائق:۲/۳۵۶، درمختار:۳/۵۷۶)**

خوشبودار صابن کا حکم

خوشبودار صابن سے ایک دو بار سر یا ہاتھ دھویا، تو صرف صدقہ واجب ہوگا، اور اگر بار بار دھویا تو دم واجب ہوگا۔ **(غنیۃ الناسک:۲۴۹، تاتارخانیۃ زکریا:۳/۵۹۲، ہندیۃ:۱/۲۴۱، فتح القدیر بیروت:۳/۲۸، خانیۃ:۱/۲۸۹، مناسک ملاعلی قاری ﷫:۳۲۳، شامی زکریا:۳/۵۷۷)**

بغیر خوشبو کے صابن کا استعمال

احرام کی حالت میں بغیر خوشبو کے صابن کے استعمال سے کوئی جزاء لازم نہیں ہوتی۔ **(مناسک ملاعلی قاری ﷫:۳۲۳)**

احرام میں خوشبودار شیمپو کا استعمال

بالوں کی صفائی کا شیمپو عموماً خوشبودار ہوتا ہے، لہٰذا اس کو لگا کر سر دھونے سے دم واجب ہوگا۔ **(غنیۃ الناسک:۲۴۹، بدائع الصنائع زکریا:۲/۴۱۶، ہندیۃ:۱/۲۴۱، تاتارخانیۃ:۳/۵۹۲، مناسک ملاعلی قاری ﷫:۳۲۳)**

بال منڈاتے وقت خوشبودار کریم کا استعمال

بالوں کو نرم کرنے کے لئے حلق کرتے وقت جو کریم لگائی جاتی ہے اگر اس میں کوشبو غالب ہو تو اس کو پورے سر پر لگانے کی صورت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک محرم پر دم واجب ہوگا۔ **(غنیة الناسک: ۲۴۹، تاتارخانیة زکریا: ۵۹۲/۳، الولوالجیة: ۲۷۶/۱، بدائع الصنائع زکریا: ۴۱۹/۲، فتح القدیر بیروت: ۲۸/۳، ھندیة: ۲۴۱/۱)**

بیری کے پتوں سے سر کی دھلائی

اگر کسی محرم نے بیری کے پتوں سے سر وغیرہ دھویا اور صفائی حاصل کی تو اس پر کوئی جزاء واجب نہیں ہے؛ تاہم احرام کی حالت میں ایسی صفائی پسندیدہ نہیں ہے۔ **(غنیة الناسک: ۲۴۹، مناسک ملا علی قاری ؒ: ۳۲۳، فتح القدیر بیروت: ۲۶/۳)**

ہتھیلی میں مہندی لگائی

مہندی خوشبو میں شامل ہے، لہٰذا اگر محرم عورت یا مرد نے اپنی ہتھیلی میں مہندی لگائی تو اس کی وجہ سے دم واجب ہوگا۔ **(غنیة الناسک: ۲۵۰، ومثله فی مناسک ملا علی قاری ؒ: ۳۲۲، ملتقی الابحر مع المجمع: ۴۳۱/۱، تاتارخانیة زکریا: ۵۹۱/۳، ھندیة: ۲۴۱/۱، بدائع الصنائع زکریا: ۴۱۹/۲)**

گاڑھی مہندی لیپنا

اگر کسی محرم مرد نے ایسی مہندی لگائی جو گاڑھی تھی، جس سے سر (یا اس کا چوتھائی حصہ) ۱۲ر گھنٹے یا اس سے زائد ڈھکا رہا، تو اس پر دو دم واجب ہوں گے، ایک سر ڈھانکنے کی وجہ سے اور دوسرا دم خوشبو استعمال کرنے کی وجہ سے، اور اگر ۱۲ر گھنٹے سے کم مہندی لپی رہی تو ایک دم واجب ہوگا، اور ایک صدقہ لازم ہوگا۔ (اور اگر محرم عورت نے یہ عمل کیا تو اس پر بہر حال صرف ایک دم

(خوشبو کے استعمال کی وجہ سے) واجب ہوگا، کیونکہ عورت کے لئے سر ڈھکنا جنایت نہیں ہے)۔ (غنیۃ الناسک: ۲۵۰، مناسک ملاعلی قاری ﷺ: ۳۲۲، ملتقی الابحر مع المجمع: ۱/۴۳۱، تاتارخانیۃ زکریا: ۳/۵۹۱، ھندیۃ: ۱/۲۴۱)

مصنوعی مہندی (خضاب) لگانا

بحالت احرام خضاب (کالی مہندی) لگانے سے کوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا، کیونکہ وہ خوشبو میں داخل نہیں ہے، لیکن اگر وہ خضاب ایسا گاڑھا ہو کہ اس کے لیپنے کی وجہ سے ۱۲ر گھنٹے یا اس سے زیادہ ڈھکا رہے تو مرد محرم پر ایک دم واجب ہوگا، ورنہ صدقہ ضروری ہوگا۔ (غنیۃ الناسک: ۲۵۰، مناسک ملاعلی قاری ﷺ: ۳۲۲، منحۃ الخالق کراچی: ۳/۵، تاتارخانیۃ زکریا: ۳/۵۹۰، ھندیۃ: ۱/۲۴۱، ھدایہ: ۱/۲۶۶)

تنبیہ: مردوں کے لئے کالا خضاب مکروہ ہے۔

خوشبودار کپڑے کا استعمال

اگر محرم نے کپڑوں میں خوشبو لگائی یا خوشبو لگا ہوا کپڑا اوڑھا اور خوشبو مقدار میں زیادہ تھی یا مقدار میں تو کم تھی؛ لیکن ایک بالشت مربع (یعنی طول وعرض میں ایک بالشت) سے زیادہ لگی ہوئی تھی، اور وہ کپڑا ایک دن یا ایک رات استعمال کرتا رہا تو دم واجب ہوگا، اور اگر ایک دن یا ایک رات سے کم پہنا تو صدقہ واجب ہوگا۔ (غنیۃ الناسک: ۲۴۵، ومثلہ فی الشامی زکریا: ۳/۵۷۵، معلم الحجاج: ۲۲۹)

خوشبو میں رنگے ہوئے کپڑے کا اوڑھنا

اگر محرم نے زعفران یا اس جیسی خوشبو سے رنگی ہوئی چادر وغیرہ ایک دن رات تک اوڑھے رکھی تو اس پر دم لازم ہے، اور اگر ایک دن رات سے کم اوڑھی تو صدقہ لازم ہوگا۔ (غنیۃ الناسک: ۲۴۵، مناسک ملاعلی قاری ﷺ: ۳۲۰، بدائع الصنائع زکریا: ۲/۴۱۵، معلم الحجاج: ۲۳۰)

پھول اور پھل سونگھنا

خوشبودار پھول اور پھل بحالت احرام بالقصد سونگھنا مکروہ ہے، لیکن اس کی وجہ سے کوئی جزاء لازم نہیں ہوتی۔ (تاتارخانیۃ زکریا: ۳/۵۹۰، ہندیۃ: ۱/۲۴۲، خانیۃ: ۱/۲۸۶، شامی زکریا: ۳/۵۷۳، معلم الحجاج: ۲۲۷)

کپڑے میں خوشبو باندھنا

اگر محرم نے اپنی چادر یا تہبند کے پلہ میں زیادہ مقدار میں مشک، زعفران، عنبر یا کوئی خوشبو ایک دن باندھے رکھی تو دم واجب ہوگا، اور اگر ایک دن سے کم باندھے رکھی تو صدقہ واجب ہوگا۔

(غنیۃ الناسک: ۲۴۵، مناسک ملا علی قاریؒ: ۳۲۱، ہندیۃ: ۱/۲۴۲، معلم الحجاج: ۲۲۹، شامی زکریا: ۳/۵۷۵)

عود کی لکڑی کپڑے میں باندھ کر رکھنا

اگر محرم نے عود کی لکڑی چادر میں باندھ لی اور چادر کو اوڑھے رکھا تو ایسا کرنا مکروہ ہے، لیکن اس پر کوئی جزا لازم نہیں، اگر چہ لکڑی سے خوشبو آتی ہے۔ (**غنیۃ الناسک: ۲۴۵، مناسک ملا علی قاریؒ: ۳۲۲، ہندیۃ: ۱/۲۴۲، معلم الحجاج: ۲۲۷**)

دھونی دیتے ہوئے خوشبو کپڑے میں چپک گئی

اگر کسی محرم نے اپنے کپڑوں کو دھونی دی اور کپڑوں میں خوشبو زیادہ لگ گئی اور کپڑا ایک دن پہنے رہا تو دم واجب ہوگا، اور تھوڑی لگی ہے تو صدقہ واجب ہوگا۔ (**غنیۃ الناسک: ۲۴۶، مناسک ملا علی قاریؒ: ۳۲۱، معلم الحجاج: ۲۳۰، ہندیۃ: ۱/۲۴۱**)

عود وغیرہ کی دھونی دئے ہوئے کپڑے کا استعمال

اور دھونی دینے کی وجہ سے کپڑے میں کچھ بھی نہ لگے، صرف خوشبو آتی رہے جیسا کہ عود کی

دھونی میں ہوتا ہے، تو کچھ بھی واجب نہں ہوگا۔ اسی طرح اگر احرام سے پہلے کپڑے کو دھونی دی تھی اور احرام کے بعد بھی اس میں خوشبو مہکتی رہے تو کوئی جزاء لازم نہیں، اگر چہ کپڑے میں خوشبو لگانا بہر حال محرم کے لئے مکروہ ہے۔ **(غنیۃ الناسک: ۲۴۶، مناسک ملا علی قاری ؒ: ۳۲۱، معلم الحجاج: ۱۱۴)**

خوشبو دار رنگ میں رنگے ہوئے تکیہ کا استعمال

محرم کو ایسا تکیہ استعمال کرنا مکروہ ہے، جس کو زعفران یا کسم وغیرہ جیسی خوشبو دار چیز میں رنگ دیا گیا ہو لیکن اس کے استعمال سے فدیہ لازم نہیں ہوتا۔

(غنیۃ الناسک: ۲۴۶، خانیۃ: ۱/۲۸۶، فتح القدیر بیروت: ۳/۲۴)

خوشبو دار فرش پر لیٹنا بیٹھنا

محرم کو زعفران یا کسم وغیرہ جیسی خوشبو دار چیز میں رنگا ہوا فرش استعمال کرنا مکروہ ہے، مگر اس کی وجہ سے جزا لازم نہیں ہوتی۔ (غنیۃ الناسک: ۲۴۶، ومثلہ فی الخانیۃ: ۱/۲۸۶، فتح القدیر بیروت: ۳/۲۴)

خالص خوشبو کھانے کا حکم

اگر محرم نے زیادہ مقدار میں خالص خوشبو (جیسے زعفران یا الائچی جو کسی اور کھانے کے ساتھ ملی ہوئی نہ ہو) کھائی ہے یعنی اتنی خوشبو کھائی جو منہ کے اکثر حصوں میں لگ گئی ہے تو دم واجب ہوگا اور اگر کم مقدار یعنی اتنی کہ جو منہ کے اکثر حصوں میں نہیں لگی ہے تناول کی تو صدقہ واجب ہوگا۔

(غنیۃ الناسک: ۲۴۶، تاتارخانیۃ زکریا: ۳/۵۹۱، ھندیۃ: ۱/۲۴۱، بدائع الصنائع زکریا: ۲/۴۱۷، البحر الرائق کراچی: ۳/۵، سراجیۃ: ۱۸۶)

پکے ہوئے کھانے میں ملی ہوئی خوشبو کا حکم

اگر محرم نے خوشبو کھانے میں ملا کر کھائی ہے تو اس طور پر کہ خوشبو کھانے میں پکا دی گئی ہے

تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، چاہے اس سے پکنے کے بعد بھی خوشبو کیوں نہ آتی ہو۔ (مثلاً زعفران چاول میں ملا دیا گیا۔) (غنیۃ الناسک:۲۴۶، تاتارخانیۃ زکریا:۵۹۱/۳، ہندیۃ:۲۴۱/۱، بدائع الصنائع زکریا:۴۱۷/۲، خانیۃ:۲۸۶/۱، البحر الرائق کراچی:۴/۳، درمختار مع الشامی زکریا:۵۷۶/۳)

بلا پکے ہوئے کھانے کی چیزوں میں خوشبو کی ملاوٹ

اگر کسی محرم نے ایسے کھانے میں خوشبو ملائی جو پکا ہوا نہیں تھا اور اس کی خوشبو بھی موجود تھی تو محرم کیلئے اس کو کھانا مکروہ ہے، اور اگر خوشبو مغلوب ہو تو کوئی جزاء واجب نہیں ہوگی، ہاں اگر خوشبو غالب ہو تو جزاء واجب ہوگی۔ (غنیۃ الناسک:۲۴۶، ومثلہ فی الہندیۃ:۲۴۱/۱، بدائع الصنائع زکریا:۴۱۷/۲، تاتارخانیۃ زکریا:۵۹۱/۳، خانیۃ:۲۸۶/۱، البحر الرائق کراچی:۴/۳، درمختار مع الشامی زکریا:۵۷۶/۳، مناسک ملا علی قاریؒ:۳۱۷)

پینے کی اشیاء میں خوشبو کی ملاوٹ

اگر کسی محرم نے مشروبات میں خوشبو ملائی ہے اور خوشبو غالب تھی پھر اس کو زیادہ مقدار پی گیا تو دم واجب ہوگا اور اگر خوشبو مغلوب تھی تو صدقہ واجب ہوگا، لیکن اگر مغلوب خوشبو والے مشروب کو ایک ہی مجلس میں چند بار پیا تو دم واجب ہوگا۔ (**غنیۃ الناسک:۲۴۷، ومثلہ فی الہندیۃ: ۲۴۱/۱، البحر الرائق:۵/۳، شامی زکریا:۵۷۶/۳، مفتح القدیر بیروت:۲۷/۳**)

"کول ڈرنک" کا استعمال

احرام کی حالت میں ٹھنڈے مشروبات (سیون اپ، اسپرائٹ وغیرہ) پینے سے کوئی جزاء لازم نہیں آتی۔ (معلم الحجاج:۲۳۱)

شربت روح افزاء وغیرہ پینے کا حکم

اگر "شربت روح افزاء" یا اور کوئی خوشبودار شربت اس طرح بنایا جائے کہ اس کی خوشبو مہک

رہی ہوتو اس کو پینے سے دم واجب ہوگا۔ (غنیۃ الناسک:۲۴۷، شامی زکریا:۳/۵۷۶، فتح القدیر بیروت:۳/۲۷، البحر الرائق کراچی:۳/۵)

لونگ اور الائچی کی خوشبو والی چائے پینا

اگر چائے بناتے وقت اس میں لونگ یا الائچی ڈالی جائے جس کی وجہ سے ان کی خوشبو مہکنے لگے تو اس چائے کو پینے سے محرم پر جزاء واجب ہوگی۔ (غنیۃ الناسک:۲۴۷، شامی زکریا:۳/۵۷۶، ھندیۃ:۱/۲۴۱، مناسک ملا علی قاری ؒ:۳۱۸)

خوشبودار دوا پینا

اگر رقیق دوا ایسی ہو جس میں خوشبو غالب ہو تو حالت احرام میں اسے پینے سے محرم کو اختیار ہے چاہے دم دے یا صدقہ ادا کرے یا روزہ رکھے۔ (غنیۃ الناسک:۲۴۷، البحر الرائق کراچی:۳/۴، ومثلہ فی فتح القدیر بیروت:۳/۲۷، بدائع الصنائع زکریا:۲/۴۱۷)

بطور دوا کے خوشبو کا استعمال

اگر کسی محرم نے اپنے بدن پر بطور دوا خالص خوشبو یا ایسی دوا لگ گئی جس میں خوشبو غالب تھی اور وہ پکی ہوئی نہیں تھی، تو دیکھا جائے گا کہ اس نے یہ خوشبو کامل بڑے عضو پر لگائی ہے یا عضو کے کسی حصہ پر لگائی ہے، اگر کامل پر لگائی ہے یا عضو کے کسی حصہ پر لگائی ہے تو دم ہے، ورنہ صدقہ واجب ہے۔ (غنیۃ الناسک:۲۴۸، ومثلہ فی مناسک ملا علی قاری ؒ:۳۱۹)

خوشبو ملا کر پکائی گئی دوا یا مرہم کا حکم

اگر کسی دوا میں خوشبو ملا کر اسے پکا لیا گیا ہو جیسا کہ بعض مرہم اور کریم وغیرہ میں ہوتا ہے تو اس کے لگانے سے بہرصورت کچھ واجب نہ ہوگا۔ (غنیۃ الناسک:۲۴۸، زبدۃ المناسک:۳۶۲)

چربی اور گھی وغیرہ کا استعمال

محرم کے لئے چربی، گھی اور کڑوا تیل وغیرہ جیسی چیزیں لگانا جائز ہے اور اس پر کوئی جزاء بھی لازم نہیں ہے۔ (غنیة الناسک: ۲۴۹، ومثله فی الدر المختار زکریا: ۳/۵۷۶، تاتارخانیة زکریا: ۳/۵۹۲، البحر الرائق کراچی: ۳/۵، بدائع الصنائع زکریا: ۲/۴۱۷، خانیة: ۱/۲۸۶، مجمع الانهر جدید: ۱/۴۳۱، مناسک ملاعلی قاری ؒ: ۳۲۴) (کتاب المسائل: ج۳)

احرام میں سلا ہوا کپڑا پہننے کے مسائل

کس طرح کے کپڑے کا استعمال موجب جنایت ہے؟

ہر وہ کپڑا جو بدن یا کسی عضو کے برابر اس طرح بنایا جائے کہ وہ پورے بدن یا کسی عضو کا احاطہ کرلے اور اس کپڑے کو معمولی عادت کے مطابق استعمال کیا جائے تو ایسا کپڑا محرم مرد کیلئے استعمال کرنا منع اور موجب جزاء ہے۔(جیسے کرتا، پائجامہ، انڈرویئر، نیکر، بنیائن وغیرہ)(غنیۃ الناسک:۲۵۰،ومثلہ فی الھندیۃ:۲۴۲/۱،شامی زکریا:۴۹۹/۳)

کتنی دیر پہننے میں کیا کفارہ ہے؟

اگر محرم مرد نے سلا ہوا کپڑا ایک دن یا ایک رات پہنا (یعنی ۱۲رگھنٹے) تو ایک دم واجب ہوگا اور اگر اس سے کم پہنا ہے تو صدقہ ادا کرے اور اگر ایک گھنٹہ سے بھی کم پہنا ہے تو ایک مٹھی گیہوں دے دے۔ **(غنیۃ الناسک:۲۵۰، خانیۃ:۸۸/۱، درمختار زکریا:۵۷۷/۳، معلم الحجاج:۲۲۶)**

بھول کر کپڑا پہن لینے کا حکم

اگر کسی محرم مرد نے حالت حرام میں سلا ہوا کپڑا بھول کر پہن لیا تب بھی اس پر حسب ضابطہ جزاء لازم ہے۔ **"ولو ناسیا او مکرھا"**(غنیۃ الناسک:۲۵۰،**ومثلہ فی الشامی** زکریا:۵۷۲/۳،ہندیۃ:۲۴۳/۱)

زبردستی کپڑا پہنادیا گیا

اگر کسی محرم مرد کو سلا ہوا کپڑا زبردستی پہنا دیا گیا تو بھی اس پر جزاء لازم ہے۔
(غنیۃ الناسک:۲۵۰، ھندیۃ:۲۴۳/۱، شامی زکریا:۵۷۷/۳)

کپڑے پہننے کی حالت میں احرام کی نیت کی

اگرکسی محرم مرد نے اس حالت میں احرام باندھا کہ وہ سلا ہوا کپڑ پہنے ہوئے تھا اور احرام کے بعد بھی پہنے رہا تو اس پر حسب شرط جزاء لازم ہوجائے گی۔ (غنیۃ الناسک: ۲۵۰، ومثلہ فی الھندیۃ: ۱/۲۴۲، شامی زکریا: ۳/۵۷۸، بدائع الصنائع زکریا: ۲/۴۱۴، خانیۃ: ۱/۲۸۹)

کپڑا اتار کر پھر پہن لیا

ایک محرم مرد سلا ہوا کپڑا ایک دن یا اس سے زائد پہنے رہا، پھر اتار کر دوبارہ پہن لیا تو اب وجوبِ جزاء میں یہ تفصیل ہے کہ اگر دوبارہ نہ پہننے کے ارادے سے پہلی مرتبہ اتارا تھا اور پھر پہن لیا تو دو دم واجب ہوں گے، اور اگر یہ ارادہ تھا کہ دوبارہ پہنے گا یا اس کو اتار کر دوسرا پہنے گا تو ان دونوں صورتوں میں دوسرا کفارہ لازم نہیں ہوگا، بلکہ صرف ایک ہی کفارہ لازم ہوگا۔ (غنیۃ الناسک: ۲۵۱، ھندیۃ: ۱/۲۴۲، بدائع الصنائع زکریا: ۲/۴۱۴، شامی زکریا: ۳/۵۷۸)

متعدد لباس ایک ساتھ پہنے رہنے میں تفصیل

اگر محرم مرد مختلف قسم کے لباس مثلاً کرتا، ٹوپی، شلوار، موزا، شیروانی اور عمامہ وغیرہ سب پہنے رہا اور اسی حالت میں ایک دن یا چند دن رہا تو سب کے عوض میں ایک جزاء لازم ہوگی، جبکہ سب لباس ایک ہی دن میں پہنے ہوں اور سب کو پہننے کا سبب ایک ہو، مثلاً سردی کی وجہ سے پہنا ہو، چاہے پہننے کی مجلسیں ایک ہوں یا نہ ہوں، اگر سبب الگ الگ ہے، مثلاً کوئی کپڑا بخار کی شدت کی وجہ سے پہنا اور دوسرا سردی کی وجہ سے پہنا وغیرہ، تو متفرق جزاء لازم ہوگی۔ (غنیۃ الناسک: ۲۵۲، شامی زکریا: ۳/۵۷۸، ومثلہ فی البدائع زکریا: ۳/۴۱۳، تاتار خانیۃ: ۳/۵۷۶، الولوالجیۃ: ۱/۲۷۴)

الگ الگ دنوں میں متعدد لباس پہننا

محرم مرد نے مختلف دنوں میں مختلف لباس پہنا بایں طور کہ ایک سلا ہوا کپڑا آج پہنا اور دوسرا سلا

ہوا کپڑا کل پہنا تو اس صورت میں متفرق جزاء لازم ہوں گی، چاہے ان کپڑوں کے پہننے کا سبب ایک ہی کیوں نہ ہو۔ (غنیة الناسک: ۲۵۲، شامی زکریا: ۵۷۸/۳)

ضرورت سے زائد لباس پہننا

ایک محرم مرد کو ایک سلا ہوا کپڑا پہننے کی ضرورت تھی، مگر اس نے ایک کے بجائے دو کپڑے پہن لئے تو وجوبِ جزاء کے متعلق یہ تفصیل ہے کہ:

(۱)......اگر دونوں کپڑے اسی عضو اور بدن کے اسی حصہ میں پہنے ہیں جہاں ضرورت تھی، مثلاً ایک کرتا پہننے کی ضرورت تھی اس نے دو کپڑے پہنے لئے یا ٹوپی لگانے کی ضرورت تھی مگر ٹوپی کے ساتھ عمامہ بھی لگا لیا تو صرف ایک کفارہ واجب ہوگا، مگر چونکہ دوسرا بھی استعمال کیا ہے اس لئے اس پر گناہ ہوگا۔ (غنیة الناسک: ۲۵۲، شامی زکریا: ۵۷۸/۳، بدائع الصنائع زکریا: ۴۱۳/۲)

(۲)......اگر ایک ہی ضرورت کی وجہ سے دو اعضاء پر ایک ہی مجلس میں کپڑے پہنے، مثلاً سردی کی وجہ سے ٹوپی لگائی، اور خفین بھی پہن لئے تو ایک ہی کفارہ کافی ہوگا۔ (شامی زکریا: ۵۷۸/۳، بدائع الصنائع زکریا: ۴۱۳/۲، هندية: ۲۴۲/۱)

(۳)......اگر دوسرا کپڑا بدن کے اس عضو میں پہنا ہے جہاں ضرورت نہیں تھی، مثلاً صرف ٹوپی لگانے کی ضرورت تھی مگر ساتھ ہی میں کرتا بھی پہن لیا، یا کرتا پہننے کی ضرورت تھی مگر ساتھ میں خفین کا استعمال بھی کرلیا تو اس صورت میں اس پر دو کفارے لازم ہوں گے۔ (غنیة الناسک: ۲۵۲، ومثله فی التاتارخانية: ۵۷۵/۳، هندية: ۲۴۲)

سلا ہوا کپڑا پہنے بغیر چادر کی طرح لپیٹ لیا

اگر کسی محرم مرد نے کرتے کو چادر کی طرح لپیٹ کر پہنا یا شلوار کو چادر کی طرح بدن پر لپیٹ لیا تو کچھ واجب نہیں ہوگا، اس لئے کہ سلا ہوا کپڑا پہننے پر جزاء اس وقت لازم ہوتی ہے جب کہ معتاد یعنی جس طرح

پہننے کا طریقہ ہے اسی طریقہ سے پہنے۔ (غنیۃ الناسک: ۲۵۳، ومثلہ فی البدائع زکریا: ۲/۴۰۶، شامی زکریا: ۳/۵۷۷، تاتارخانیۃ: ۳/۵۷۳)

احرام کی لنگی کو بیچ میں سے سلوانا

احرام کے کپڑوں میں بہتر یہی ہے کہ وہ بالکل سلے ہوئے نہ ہوں، لیکن اگر کسی نے لنگی کے ایک کونے کو دوسرے سے باندھ دیا یا سلوالیا تو اس پر کوئی جزا لازم نہیں ہوگی۔ (غنیۃ الناسک: ۷۱، شامی زکریا: ۳/۴۹۹، البحر الرائق زکریا: ۲/۵۶۸، معلم الحجاج: ۱۱۴)

احرام کی لنگی میں نیفہ لگا کر کمر بند ڈالنا

احرام کی لنگی میں نیفہ سلوا کر کمر بند ڈالنا مکروہ ہے، لیکن اس کی وجہ سے کوئی جزاء لازم نہیں ہوتی۔ (ہدایۃ السالک: ۲/۵۷۴، البحر العمیق: ۲/۷۹۴، معلم الحجاج: ۱۱۴)

احرام کی لنگی کو رسی یا بیلٹ کے ذریعہ باندھنا

اگر احرام کی لنگی کو رسی یا بیلٹ کے ذریعہ باندھا تو یہ مکروہ ہوگا، مگر اس کی وجہ سے کوئی جنایت لازم نہیں۔ (اور اگر لنگی باندھنے کے بعد اوپر سے بیلٹ وغیرہ باندھی ہے تو اس میں کوئی کراہت نہیں، کراہت اسی وقت ہے جب کہ بیلٹ کے ذریعہ سے لنگی کو باندھا گیا ہو)۔ (غنیۃ الناسک: ۹۲، معلم الحجاج: ۱۱۵)

عورت کے لئے سلا ہوا کپڑا پہننا منع نہیں

عورت حالت احرام میں سلا ہوا کپڑا اور خفین وغیرہ پہن سکتی ہے، اور اس پر سارا بدن چھپانا لازم ہے۔ (غنیۃ الناسک: ۲۵۴، بدائع الصنائع زکریا: ۲/۴۰۹، شامی زکریا: ۳/۴۹۹، خانیۃ: ۱/۲۸۶)

حالت احرام میں خفین پہننا مرد کے لئے ممنوع ہے

حالت احرام میں خفین پہننا منع ہے، لہٰذا اگر کوئی محرم حالت احرام میں ایک دن اس

طرح خفین پہنے رہا کہ اس کو قدم کی ابھری ہوئی ہڈی کے نیچے سے کاٹا نہیں تھا تو دم واجب ہوگا۔

(غنیۃ الناسک: ۲۵۴،شامی زکریا:۵۰۰/ ۳،تاتارخانیۃ: ۵۷۶/ ۳،بدائع الصنائع زکریا:۴۱۰/ ۲)

خفین کو کاٹ کر پہننا

اگر محرم نے حالت احرام میں خفین کو قدم کی ابھری ہوئی ہڈی کے نیچے کاٹ کر چپل نما بنا کر پہنا ہے تو اس پر کوئی جزاء واجب نہیں ہے۔ (**غنیۃ الناسک: ۲۵۴، خانیۃ: ۱/۲۸۵، بدائع الصنائع زکریا: ۲/۴۰۶، شامی زکریا: ۳/۵۰۰، تاتارخانیۃ: ۳/۵۷۴**)

محرم کا دوسرے محرم کو کپڑا پہنا دینا وغیرہ

اگر ایک محرم شخص نے دوسرے محرم یا غیر محرم شخص کو سلا ہوا کپڑا پہنایا، یا خوشبو لگائی یا اس کے سر اور چہرے کو ڈھانک دیا تو ڈھانکنے والے محرم پر کوئی جزاء واجب نہیں، البتہ جس کو کپڑا پہنایا ہے اور خوشبو لگائی ہے اس پر جزاء واجب ہوگی۔ (**غنیۃ الناسک: ۲۴۱، مناسک ملاعلی قاریؒ: ۳۳۴، منحۃ الخالق: ۳/۱۶، البحر الرائق زکریا: ۳/۷، ہندیۃ: ۱/۲۴۳**) (**کتاب المسائل: ج۳**)

﴿الفصل الاوّل﴾

محرم کن چیزوں سے بچے؟

{۲۵۵۹} وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ؟ فَقَالَ: لَا تَلْبَسُوْا الْقَمِيْصَ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا السَّرَاوِيْلَاتِ وَلَا الْبَرَانِسَ وَلَا الْخِفَافَ اِلَّا اَحَدٌ لَا يَجِدُ نَعْلَيْنِ فَيَلْبَسُ خُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَلَا تَلْبَسُوْا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئًا مَسَّهٗ زَعْفَرَانٌ وَلَا وَرْسٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَزَادَ الْبُخَارِيُّ فِيْ رِوَايَةٍ وَلَا تَنْتَقِبُ الْمَرْاَةُ الْمُحْرِمَةُ وَلَا تَلْبَسُ الْقُفَّازَيْنِ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۰۹، باب مالایلبس المحرم الخ، حدیث نمبر: ۱۵۱۹۔ مسلم شریف: ۱/۳۷۲، باب مایباح للمحرم لبسہ الخ، حدیث نمبر: ۱۱۷۷۔

حل لغات: الثیاب: جمع ہے "ثوب" کی، بمعنی کپڑا۔ **قمیص:** جمع، **قُمُص** بمعنی کرتا۔ **العمائم:** جمع ہے "عمامة" کی بمعنی پگڑی۔ **البرانس:** جمع ہے "برنس" کی، وہ چوغہ جس کی ٹوپی اس کے ساتھ سلی ہوئی ہوتی ہے۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: کہ محرم کیسے کپڑے پہنے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کرتا، پگڑی، پائجامہ، برنس اور موزے نہ پہنو؛ الا یہ کہ کوئی جوتا نہ پائے تو موزے اس طرح پہنے کہ دونوں ٹخنے کے نیچے سے کاٹ دے، اور زعفران اور ورس رنگ کے کپڑے نہ پہنو۔ (متفق علیہ) بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ محرم عورت نہ نقاب ڈالے اور نہ دستانہ پہنے۔

تشریح: رسول اللہ ﷺ سے **مایلبس** کے بارے میں سوال کیا گیا تھا لیکن آنحضرت ﷺ نے **مالایلبس** سے جواب دیا۔علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے علماء کا قول نقل کیا ہے کہ اس میں کلام کی جزالت اور عمدگی ہے،اس لئے کہ **مایلبس** جو جائز ہے اور اس کا شمار مشکل ہے اور **مالایلبس** کا شمار آسان ہے،اس لئے اس کو بیان فرمایا اور بیضاوی نے فرمایا: کہ سوال تو **مایلبس** کے متعلق کیا گیا لیکن جواب میں مفہوم مخالف کو ملحوظ رکھتے ہوئے دلالت التزامی کے ذریعہ مایجوز کو بتانے کے لئے **مالایلبس** کو اس لئے اختیار کیا گیا کہ اس میں اختصار بھی ہے اور احاطہ بھی۔(مرقاۃ: ۵/۳۷۷)

وہ چیزیں جن کا پہننا محرم کے لئے ممنوع ہے

محرم کے لئے سلے ہوئے کپڑے پہننے کی اجازت نہیں ہے،اسی لئے قمیص،سراویل اور برنس کا استعمال ممنوع ہے۔برنس اس کوٹ کو کہتے ہیں جس کی ٹوپی ساتھ ساتھ سلی ہوئی ہوتی ہے۔

لیکن یہ حکم رجال کے لئے ہے،نساء کو سلے ہوئے کپڑے پہننے کی اجازت ہے،پھر چونکہ احرام رجل فی الرأس ہوتا ہے،اس لئے اس کو کشف رأس کرنا ضروری ہے اور احرام مرأۃ فی الوجہ ہوتا ہے تو اس کو کشف وجہ کرنا ضروری ہے،نقاب کو عورت اس طرح استعمال کرے کہ وہ چہرے کے ساتھ متصل نہ ہو۔

اگر نعلین نہ ہوں تو حنابلہ کے یہاں خفین بلاقطع من اسفل الکعبین استعمال کئے جاسکتے ہیں،جب کہ حنفیہ اور شافعیہ کے یہاں قطع من اسفل الکعبین ضروری ہے۔(عمدۃ القاری: ۹/۱۶۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ روایت حنفیہ اور شافعیہ کی دلیل ہے۔

البتہ حنفیہ کے ہاں کعب سے وسط قدم مراد ہے۔اور یہی احوط ہے،جب کہ شافعیہ کے نزدیک کعب سے مراد وہ ہڈی ہے جو طرف قدم میں ابھری ہوئی ہوتی ہے جسے ٹخنہ کہتے ہیں۔

اور اگر ازار نہ ہو تو سراویل پہننا بالاتفاق جائز ہے،لیکن حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک سراویل کو پھاڑ کر اگر ازار کی طرح بنانا ممکن ہے تو پھر ازار کی طرح بنا کر پہنے،لیکن اگر شق نہیں کرسکتا یا شق کرسکتا ہے لیکن نہیں کیا تو عذر کی وجہ سے پہننا تو جائز ہے،لیکن خفین اور سراویل دونوں کے پہننے میں دم واجب ہوگا، جب کہ خفین کو قطع نہ کیا ہو اور سراویل کو ازار کی طرح نہ بنایا ہو۔

جب کہ شوافع اور حنابلہ کے یہاں بغیر شق کے پہننا جائز ہے اور اس کے پہننے سے دم بھی واجب نہیں ہوگا، یہ حضرات شق سراویل کو اضاعت مال کہتے ہیں۔

لیکن اس کو اضاعت مال کہنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ لبس خفین کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس جوتے نہ ہوں تو اس کے لئے خفین کا بعینہ پہننا جائز نہیں ہے بلکہ ان کو کعبین سے نیچے کاٹنا ضروری ہے، تو جس طرح قطع خفین اضاعت مال نہیں ہے اسی طرح شق سراویل بھی اضاعت مال نہیں۔ (عمدۃ القاری: ۱۶۲/ ۹ نفحات التنقیح: ۳۶۸/ ۳)

مجبوری میں محرم کا لباس

{۲۵۶۰} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ وَهُوَ يَقُوْلُ: إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمُحْرِمُ نَعْلَيْنِ لَبِسَ خُفَّيْنِ وَإِذَا لَمْ يَجِدْ إِزَارًا لَبِسَ سَرَاوِيْلَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حواله: بخاری شریف: ۱/ ۲۴۸، ابواب العمرة، باب لبس الخفین للمحرم الخ، حدیث: ۱۸۰۵۔ مسلم شریف: ۱/ ۳۷۳، باب مایباح للمحرم لبسه الخ، حدیث نمبر: ۱۱۷۸۔

حل لغات: نعلین: تثنیہ ہے "نعل" کا، بمعنی جوتا۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تقریر کرتے ہوئے سنا وہ کہہ رہے تھے، جب محرم جوتے نہ پائے تو موزے پہن لے، اور جب لنگی نہ پائے تو پائجامہ پہن لے۔

تشریح: اذا لم یجد المحرم نعلین لبس خفین الخ: حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے مجبوری میں اگر محرم پائجامہ پہن لے تو اس پر کفارہ نہیں ہے، دلیل حدیث باب ہے، لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا کہنا ہے کہ پائجامہ پہننے کی نوبت آجائے تو ممکن حد تک کوشش کرے کہ سلائی ادھیڑ کر پائجامہ پہنے تا کہ کفارہ لازم نہ آئے، لیکن اگر محرم نے سلا ہوا پائجامہ پہن لیا گو مجبوری میں سہی تو اس پر کفارہ واجب ہے، اس لئے کہ دوسرے مضبوط دلائل سے سلے ہوئے کپڑے چونکہ ممنوع

ہیں۔ "ولیس علیه فدیة وهو قول للشافعی وقال: ابوحنیفة ومالک رحمهم الله تعالی لبس السراویل، فقیل یشقه ویأتزر به ولو لبسه من غیر فتق فعلیه دم" (مرقاۃ:۳۷۸/۵)

محرم کو خوشبو لگانا منع ہے

{۲۵۶۱} وَعَنْ يَعْلَى ابْنِ اُمَيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجِعِرَّانَةِ اِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ اَعْرَابِيٌّ عَلَيْهِ جُبَّةٌ وَهُوَ مُتَضَمِّخٌ بِالْخَلُوْقِ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنِّيْ اَحْرَمْتُ بِالْعُمْرَةِ وَهٰذِهٖ عَلَيَّ، فَقَالَ: اَمَّا الطِّيْبُ الَّذِيْ بِكَ فَاغْسِلْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَاَمَّا الْجُبَّةُ فَانْزِعْهَا ثُمَّ اِصْنَعْ فِيْ عُمْرَتِكَ كَمَا تَصْنَعُ فِيْ حَجِّكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲۰۸/۱، باب غسل الخلوق ثلث مرات الخ، حدیث نمبر:۱۵۱۴۔ مسلم شریف: ۳۷۳/۱، باب مایباح للمحرم لبسه الخ، حدیث نمبر: ۱۱۸۰۔

حل لغات: جبة: جبہ، جمع: جبات، متضمخ: ضمخ (ن) ضمخاً، بدن میں خوشبو لگانا۔ تضمخ (تفعل) خوشبو سے لت پت ہونا۔

ترجمہ: حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جعرانہ میں تھے، اچانک ایک دیہاتی آدمی آیا، اس پر جبہ تھا، نیز وہ خوشبوئے خلوق سے لت پت تھا، اس نے کہا: یارسول اللہ! میں نے عمرے کا احرام باندھا ہے اور یہ جبہ مجھ پر ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہرحال وہ خوشبو جو تجھ پر لگی ہوئی ہے اس کو تین مرتبہ دھوڈالو، جبہ کو اتاردو اور عمرہ میں ایسا ہی کرو جیسا حج میں کیا تھا۔

تشریح: یہ یعلی بن امیہ کی روایت ہے، جن کو یعلی بن مُنیہ بھی کہتے ہیں، امیہ والد کا نام ہے اور منیہ والدہ کا کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ میں تھے (جہاں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا تھا ۸ھ میں) ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، بحالت احرام جن کا ارادہ عمرہ کرنے کا تھا لیکن حالت اس کی یہ تھی کہ بدن پر خلوق کا اثر بھی تھا، (جو طیب کی مشہور قسم ہے) اور اس نے جبہ بھی پہن رکھا تھا، ان دو میں

سے پہلی چیز مختلف فیہ ہے اور ثانی یعنی **لبس مخیط** یہ بالاتفاق احرام میں ممنوع ہے، اس نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ میں اب کیا کروں؟ آنحضرت ﷺ پر اس سلسلہ میں وحی کا نزول ہوا تب آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا: کہ جبہ کو فوراً اتار دو اور اثر خلوق کو اچھی طرح دھو ڈالو۔

مسئلہ طیب میں علماء کے مذاہب ماقبل میں گذر چکے ہیں، وہاں یہ حدیث یعلی امام محمد کی دلیل ہے۔

حدیث کس کے خلاف ہے؟

اس کے متعدد جواب دئے گئے ہیں:

(۱)...... یہ حدیث شریف منسوخ ہے کیونکہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا جو کہ دلیل جواز ہے اور ماقبل میں گذر چکی وہ بعد کا قصہ ہے، یعنی حجۃ الوداع کا اور حدیث یعلی عمرۂ جعرانہ ۸ھ کا واقعہ ہے۔

(۲)...... دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں طیب کپڑے پر تھی، **"وبہ نقول انہ لایجوز علی الثوب ویجوز بالبدن"**

(۳)...... تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں پر منع خلوق کی وجہ سے ہے جو کہ من طیب النساء ہے۔

ان میں سے جواب ثانی پر یہ اشکال ہے۔ **لو کان الغرض ازالۃ الطیب عن الثوب لحصل المقصود بخلع الجبۃ بل الظاہر من لفظ الحدیث ھو الازالۃ عن البدن لقولہ اغسل عنک الخ، ویؤید مسلک الشیخین بل الجمہور ما سیأتی فی الباب الآتی من حدیث عائشۃ فنضمد جباھنا بالسک المطیب عند الاحرام"**

جبہ کو کیسے اتارا جائے؟ عند الجمہور جس طرح چاہے۔

وعند النخعی والشعبی بالشق۔ یعنی اس کو چاک کر کے تاکہ تغطیۂ راس لازم نہ آئے۔

(الدر المنضود: ۲۱۰/ ۳، التعلیق: ۲۵۲/ ۳)

حالت احرام میں نکاح

{۲۵۶۲} **وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ**

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلاَ يُنْكِحُ وَلَا يَخْطُبُ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۵۳، کتاب النکاح، باب تحریم نکاح المحرم الخ، حدیث نمبر: ۱۴۰۹۔

حل لغات: ینکح: نکح (ض) نکاحاً، بیاہ کرنا۔

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ محرم نکاح نہ کرے، نہ نکاح کرائے اور نہ پیغام دے۔

تشریح: محرم حج جیسے اہم کام میں مشغول ہوتا ہے، اس لئے اس کے لئے مناسب نہیں ہے کہ نکاح کرے، البتہ اگر نکاح کرے تو نکاح ہو جائے گا کوئی خاص حرج نہیں ہے۔

لاینکح المحرم: حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک محرم کے لئے مطلقاً نکاح کرنا ممنوع ہے؛ البتہ احناف کے یہاں محرم کے لئے نکاح کرنا مناسب نہیں ہے، لیکن اگر نکاح کرلیا تو یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

ولاینکح ولایخطب: اسی طرح سے نکاح کرانا اور نکاح کا پیغام دینا شوافع کے نزدیک ممنوع ہے۔ اور احناف کے یہاں مکروہ تنزیہی ہے۔ (مرقاۃ: ۵/۳۷۹)

تفصیل اگلی حدیث شریف میں ملاحظہ فرمائیں۔

احرام کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح کرنا

{۲۵۶۳} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُوْنَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۴۸، ابواب العمرۃ، باب تزویج المحرم، حدیث نمبر: ۱۸۰۱۔

مسلم شریف: ۱/۴۵۴، کتاب النکاح، باب تحریم نکاح المحرم الخ، حدیث نمبر: ۱۴۱۰۔

حل لغات: تزوج: زوج (تفعیل) نکاح کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔

حالت احرام میں نکاح اور انکاح کا حکم

تشریح: محرم کے لئے جماع اور دواعی جماع بالاتفاق حرام ہیں اور خطبہ نکاح بالاتفاق حلال ہے، نکاح اور انکاح میں اختلاف ہے۔ چنانچہ ائمہ ثلاثہ ناجائز کہتے ہیں اور ان کے ہاں نکاح بحالت احرام باطل ہے۔

جب کہ حنفیہ کے نزدیک نکاح اور انکاح دونوں جائز ہیں۔ (مذاہب کی تفصیل کے لئے دیکھئے: عمدۃ القاری: ۱۹۵/۱۰)

حنفیہ کا استدلال حدیث باب سے ہے، **"عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم تزوج میمونۃ وھو محرم"** [حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح محرم ہونے کی حالت میں فرمایا۔]

ائمہ ثلاثہ کا استدلال ایک تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ماقبل کی روایت سے ہے: **"لاینکح المحرم ولاینکح"**

نیز انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مقابلہ میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت **"تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن حلالان بسرف"** (سنن ابوداود: ۲۵۵/۱)

[مجھ سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا سرف میں جبکہ ہم دونوں حلال تھے۔]

اور ابورافع کی روایت: **"تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میمونۃ وھو حلال وبنی بھا وھو حلال وکنت انا الرسول فیما بینھما"** (سنن ترمذی: ۱۷۲/۱) [حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے حلال ہونے کی حالت میں نکاح فرمایا اور رخصتی بھی حلال ہونے کی حالت میں فرمائی اور میں دونوں کے درمیان قاصد تھا۔]

اور حضرت یزید بن اصم کی روایت: **"تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میمونۃ و ھو حلال"** [حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح حلال ہونے کی حالت میں فرمایا۔] (ترمذی: ۱۷۳/۱) کو پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ذات سے یہ واقعہ متعلق

ہے، ابورافع جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے وہ درمیان میں قاصد تھے اور یزید بن اصم رضی اللہ عنہ حضرت میمونہ کے بھانجے ہیں، ان خصوصیات کی وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مقابلہ ان حضرات کی روایت کو ترجیح ہوگی، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنا حلال ہونے کی حالت میں مانا جائیگا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت **"لاینکح المحرم ولاینکح"** [محرم نہ نکاح کرے نہ اس کا نکاح کیا جائے۔] کے ساتھ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی تعارض نہ ہوگا، برخلاف ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے کہ اس سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعرض لازم آرہا ہے، اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو نہی ہے وہ برقرار رہے گی، چونکہ محرم کو مبیح پر ترجیح ہوتی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو یا تو مرجوح ہونے کی وجہ سے ترک کردیا جائے گا، یا پھر اس میں تاویل کی جائے گی، تاویل یہ ہے کہ **"تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میمونۃ وھو حلال وظھر امر تزویجھا وھو محرم"**

حضرات حنفیہ اپنے مذہب کی وجوہ ترجیح متعدد بیان کرتے ہیں:

(۱)...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بالاتفاق اصح ما فی الباب ہے، چنانچہ ائمہ ستہ نے اس کی تخریج کی ہے، بلکہ تمام محدثین اس کی تخریج اور تصحیح پر متفق ہیں۔ (معارف السنن: ۶/۱۱۶،۱۱۷)
جب کہ امام بخاری اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت میمونہ، ابورافع اور یزید بن اصم رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کی روایت کی بھی تخریج نہیں کی، اس لئے حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما راجح ہوگی، اور تزوج بحالت احرام جائز ہوگا۔

(۲)...... حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت **"تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو محرم وبی"** نقل کی ہے۔ (**شرح معانی الآثار: ۱/۴۶۵، کتاب مناسک الحج، باب نکاح المحرم**) یہاں بعض نساء سے مراد حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ہی ہوسکتی ہیں، چونکہ ان کے علاوہ کسی کے نکاح کا بحالت احرام ہونا منقول نہیں، لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ یہ تینوں صحابی رضی اللہ عنہم تفقہ میں ان تینوں سے ممتاز ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ممتاز ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

حضرت یزید بن اصم رضی اللہ عنہ سے ممتاز ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے ممتاز ہیں۔ اس لئے تفقہ رواۃ کی بناء پر حضرت عائشہ صدیقہ، ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کی روایات کو ترجیح دی جائے گی اور کہا جائے گا کہ تزوج فی حالت احرام جائز ہے۔

(۳)۔۔۔۔۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت مثبت زیادت ہے، چونکہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا اور ابو رافع رضی اللہ عنہ کی روایات سے حلال ہونے کی حالت میں تزوج معلوم ہوتا ہے اور سب کو معلوم ہے کہ جائز ہے، لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایات سے تزوج فی حالت الاحرام کا جواز معلوم ہوتا ہے اور احرام حالت طاریہ ہے، جس میں تزوج کا جواز ہر ایک کو معلوم نہیں، اس لئے یہ مثبت زیادت ہوگی، اور اسی کو ترجیح دی جائے گی۔

(۴)۔۔۔۔۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے قیاس بیان کیا ہے کہ محرم کے لئے خوشبو کا خریدنا جائز استعمال ناجائز، سراویل اور قمیص کا خریدنا جائز، استعمال ناجائز، جاریہ کا خریدنا جائز لیکن اس کے ساتھ جماع ناجائز، تو معلوم ہوا کہ عقود کا جواز احرام کی وجہ سے ختم نہیں ہو جاتا، لہٰذا عقد نکاح بھی جائز ہوگا، اور وطی ناجائز ہوگی، بالخصوص شافعیہ تو عقد نکاح کو عقد مالی کہتے ہیں، لہٰذا اس کو ضرور جائز ہونا چاہئے۔ (شرح معانی الآثار: ۱/ ۵۱۳)

حدیث عثمان رضی اللہ عنہ کا جواب یہ ہے کہ اس میں **"لاینکح ولا ینکح"** بیان حرمت کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد خلافِ اولیٰ ہونا ہے، جیسا کہ بالاتفاق اسی حدیث شریف کے تیسرے جزء **"ولا یخطب"** کے متعلق کہا گیا ہے۔ (معارف السنن: ۶/ ۱۱۸)

رہا یہ سوال کہ اس واقعہ کا تعلق حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ہے، حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ درمیان میں قاصد ہیں اور حضرت یزید بن اصم رضی اللہ عنہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں، تو ان کی روایت کو ترجیح ہونی چاہئے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہیں، اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ام الفضل کے شوہر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل مقرر کر دیا تھا، اس لئے عین ممکن ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پہلے سے سرف پہنچ کر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محرم ہونے کی حالت میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر دیا ہو، اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو بھی نکاح

کے وقت کا صحیح علم نہ ہوا ہو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جو مکہ مکرمہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر میں رہتے تھے، اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ معاملہ کو طے کرنے والے تھے، اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو صحیح صورت کا علم ہو گیا، اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو اس وقت علم ہوا ہو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور عمرہ سے فارغ ہو کر حلال ہوئے۔ (معارف السنن: ۱۲۱، ۱۲۲/ ۶)

رہے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ تو وہ ابتداءً تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد تھے اور پیغام نکاح انہوں نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا تک پہنچایا باقی وہ اخیر تک قاصد نہیں رہے، اور حضرت یزید بن اصم رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں، اسلئے ان کی روایت کیلئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مقابلہ میں ترجیح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، خصوصاً ضبط اور اتقان میں جو مقام حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حاصل ہے وہ حضرت یزید بن اصم رضی اللہ عنہ کو حاصل نہیں ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ائمہ ثلاثہ کی طرف سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات میں جو تاویل ذکر کی ہے **"تزوجها حلالا وظهر امر تزويجها وهو محرم"** (جامع ترمذی: ۱۷۲/۱) یہ اس لئے قابل قبول ہے کہ اہل سیر اور محدثین نے نقل کیا ہے: **"ان رسول الله صلى الله عليه وسلم تزوج ميمونة بسرف وبنى بها بسرف وتوفيت بسرف ودفنت بسرف"** [حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح سرف میں فرمایا اور سرف میں ہی رخصتی فرمائی اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی وفات بھی سرف میں ہوئی اور دفن بھی سرف میں ہوئیں۔] جب نکاح سرف میں ہے تو دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ مکہ مکرمہ جاتے وقت یہ نکاح ہوا تب تو یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محرم تھے، اس لئے کہ سرف داخل میقات ہے اور **تجاوز عن الميقات** بغیر احرام ناجائز ہے، تو اس صورت میں حنفیہ کی تائید ہوگی، اور **"تزوجها وهو حلال"** کے معنی **"تزوجها محرما وظهر امر تزويجها وهو حلال"** ہوں گے۔

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ سرف میں نکاح مکہ سے واپسی پر ہوا ہو، تو اس صورت میں محرم ہونے کا کوئی سوال نہیں، یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپسی میں سرف پہنچنے پر حلال تھے، لہٰذا **"تزوجها حلالا"** تو ٹھیک ہوگا، مگر **"ظهر امر تزويجها وهو محرم"** کسی طرح درست نہیں ہوسکتا، چونکہ سرف کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ آئے ہیں اور مدینہ آنے کے لئے احرام نہیں ہے تو **"ظهر امر تزويجها**

وھو محرم" کو درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس لئے **"تزوجھا وھو محرم فی طریقہ الی مکۃ بسفر وظھر امر تزویجھا بعد الفراغ عن المعمرۃ بمکۃ وھو حلال"** کے معنی ہیں، اور اس سے تمام روایات میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کا جواب دیتے ہوئے اس میں تاویل کی ہے کہ **"وھو محرم"** کے معنی داخل حرم کے ہیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جب حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرم کے اندر تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حلال تھے۔ اور اس پر انہوں نے بطور استدلال یہ شعر پیش کیا ہے:

قتلوا ابن عفان الخلیفۃ محرما

ودعا فلم ار مثلہ مخذولا

یہاں ظاہر ہے "محرما" کے معنی احرام حج سے کرنا صحیح نہیں ہے، چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت مدینہ طیبہ میں ہوئی ہے، اسلئے کہا جائے گا محرما کے معنی داخل حرم کے ہیں اور حرم سے مراد حرم مدینہ ہے۔

لیکن ان کی یہ تاویل صحیح نہیں ہے، ایک تو اس لئے کہ "محرما" کے یہ معنی (داخل حرم) اس مادہ میں اہل لغت سے ثابت نہیں ہیں، اور پھر محرم کے معنی کو صرف اس معنی میں منحصر کرنا بھی درست نہیں۔ کیونکہ محرم کے ایک معنی محقون الدم اور ذوحرمت کے بھی ہیں۔ اور مذکورہ بالا شعر میں "محرما" کے یہی محقون الدم اور ذوحرمت والے معنی مراد ہیں۔ چنانچہ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اصمعی اور کسائی رحمۃ اللہ علیہما کا اجتماع ہوا تو ہارون الرشید نے اصمعی سے اسی شعر **"قتلوا ابن عفان الخلیفۃ محرما"** میں محرما کا مطلب دریافت کیا تو اصمعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ یہاں محرما کے معنی نہ احرام حج کے ہیں، نہ شہر حرام میں داخل ہونے کے ہیں اور نہ ہی داخل حرم کے ہیں، اس پر کسائی نے بطور تعجب کے پوچھا: کہ جب ان معانی میں سے کوئی معنی مراد نہیں ہیں تو پھر یہاں کونسے معنی مراد ہیں؟ اصمعی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ آپ یہ بتائیے عدی بن زید کے اس شعر: **"قتلوا کسری بلیل محرما فتولی لم یمتع بالکفن"** میں **"محرما"** سے کیا مراد ہے؟ کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی جواب نہیں دیا، تو ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ نے اصمعی رحمۃ اللہ علیہ سے مخاطب ہو کر کہا: کہ آپ ہی بتائیے، پھر کون سے معنی مراد ہیں، تو اصمعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کہ محرما کے معنی محقون الدم اور

ذوحرمت کے ہیں۔

اصمعی جس طرح لغت کے امام ہیں، اسی طرح وہ حدیث شریف کے بھی امام ہیں، اس لئے ان کا قول اس مسئلہ میں حجت ہوگا۔

نیز جب روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مقام سرف میں ہوا ہے اور سرف حرم میں نہیں بلکہ حل کے حدود میں ہے تو پھر محرما کے معنی داخل حرم سے کرنا کیونکر صحیح ہوگا۔ (معارف السنن: ۶/۱۱۸، التعلیق: ۳/۲۵۳، نفحات التنقیح: ۳/۳۶۹)

حالت احرام میں ہم بستر ہونا ممنوع ہے

{۲۵۶۴} وَعَنْ يَزِيْدِ بْنِ الْاَصَمِّ ابْنِ اُخْتِ مَيْمُوْنَةَ عَنْ مَيْمُوْنَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهُوَ حَلَالٌ۔ (رواہ مسلم)

قَالَ الشَّيْخُ الْاِمَامُ مُحْيِ السُّنَّةِ وَالْاَكْثَرُوْنَ عَلٰى اَنَّهٗ تَزَوَّجَهَا حَلَالًا وَظَهَرَ اَمْرُ تَزْوِيْجِهَا وَهُوَ مُحْرِمٌ ثُمَّ بَنٰى بِهَا وَهُوَ حَلَالٌ بِسَرِفَ فِيْ طَرِيْقِ مَكَّةَ۔

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۵۴، کتاب النکاح، باب تحریم نکاح المحرم الخ، حدیث نمبر: ۱۴۱۱۔

ترجمہ: حضرت زید بن اصم یعنی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے حلال ہونے کی حالت میں نکاح کیا، اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ حضرت الشیخ امام محی السنہ اور اکثر لوگوں نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح حلال ہونے کی حالت میں کیا تھا؛ البتہ نکاح کا معاملہ حالت احرام میں ظاہر ہوگیا تھا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے کے راستے پر مقام سرف میں ان کے ساتھ حلال ہونے کی حالت میں شب زفاف منائی۔

تشریح: تفصیل اوپر گذر چکی۔

محرم کا سر دھونا

{۲۵۶۵} وَعَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَغْسِلُ رَأْسَہٗ وَھُوَ مُحْرِمٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۴۸، ابواب العمرۃ، باب الاغتسال للمحرم، حدیث نمبر: ۱۸۰۴۔

مسلم شریف: ۱/۳۸۳، باب جواز غسل المحرم بدنہ الخ، حدیث نمبر: ۱۲۰۵۔

ترجمہ: حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں اپنا سر دھوتے تھے۔

تشریح: کان یغسل رأسہ وھو محرم: مراد یہ ہے کہ خوشبودار چیز استعمال کئے بغیر محرم اپنے سر کو اس طور پر دھوئے کہ کوئی بال ٹوٹنے نہ پائے، خوشبودار چیز استعمال کرے گا تو اس پر دم واجب ہوگا۔

حالت احرام میں آدمی غسل تنظیف کرسکتا ہے یا نہیں؟

عند الجمھور و الائمۃ الثلاثۃ لا بأس بہ، اس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک مکروہ ہے، حدیث الباب میں غسل رأس کا ذکر ہے، جب غسل رأس جائز ہے تو باقی بدن بطریق اولیٰ جائز ہوگا، اس لئے کہ اندیشہ تو دراصل غسل رأس ہی کا ہے کہ اس میں بال ٹوٹنے کا احتمال ہے۔ (الدر المنضود: ۳/۲۱۵)

محرم کیلئے سینگی کھنچوانا

{۲۵۶۶} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ اِحْتَجَمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ مُحْرِمٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۴۸، ابواب العمرۃ، باب الحجامۃ للمحرم، حدیث نمبر: ۱۷۹۹،

مسلم شریف: ۱/۳۸۳، باب جواز الحجامۃ للمحرم، حدیث نمبر: ۱۲۰۲۔

حل لغات: احتجم: احتجم (افتعال) سینگی کھنچوانا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں سینگی کھنچوائی۔

تشریح: حالت احرام میں سینگی لگوانا ائمہ ثلثہ کے نزدیک جائز ہے، لیکن اس کے لئے قطع شعر

جائز نہیں ورنہ فدیہ دینا ہوگا اور امام مالک کے نزدیک حالت احرام میں احتجام جائز نہیں ہے، بدون تحقق ضرورت کے یعنی محض احتیاطاً حفظ صحت کی غرض سے جائز نہیں، ہاں اگر ضرورت پیش آجائے تو عذر کی بنا پر جائز ہے۔ (مرقاۃ: ۳۸۲/۵، الدر المنضود: ۲۱۴/۳)

محرم کیلئے سرمہ لگانا

{۲۵۶۷} وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ حَدَّثَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ إِذَا اشْتَكٰى عَيْنَيْهِ وَهُوَ مُحْرِمٌ ضَمَّدَهُمَا بِالصَّبِرِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۳۸۳/۱، باب جواز مداوۃ المحرم عینیہ، حدیث نمبر: ۱۲۰۴۔

حل لغات: اشتکی (افتعال) بیمار پڑنا، ضمد (تفعیل) لیپ کرنا، الصبر: ایلوا، جمع: صبور۔

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی کے بارے میں بیان کرتے ہیں: کہ جب اس کی آنکھیں حالت احرام میں دکھنے لگیں تو وہ اپنی آنکھوں پر ایلوے کا لیپ کرے۔

تشریح: محرم کے لئے اکتحال جائز ہے، بشرطیکہ وہ کحل غیر مطیب ہو، (خوشبو دار نہ ہو) اگرچہ وہ اکتحال بلا ضرورت ہی ہو، لیکن بدون ضرورت کے سرمہ لگانا خلاف اولیٰ ہے، شانِ محرم کے خلاف ہے۔ اور اگر مطیب ہو تو تین مرتبہ لگانے میں دم واجب ہوتا ہے اور صرف ایک یا دو بار میں صدقہ۔ (بذل)

مضمونِ حدیث یہ ہے کہ ابان بن عثمان جو کہ امیر الموسم تھے، یعنی امیر الحجاج موسم سے مراد موسم حج ہوا کرتا ہے، ان سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ فلاں شخص اس کی آنکھوں میں تکلیف ہے کیا کیا جائے؟ انہوں نے فرمایا: صَبر (ایلوا) کو پانی میں گھس کر آنکھوں پر اس کا لیپ کردو۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے جوازِ اکتحال کا مسئلہ مستنبط فرمایا ہے، جو قرین قیاس ہے۔ (الدر المنضود: ۲۱۴/۳)

محرم کے لئے چھتری کا استعمال

{۲۵۶۸} وَعَنْ أُمِّ الْحُصَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ رَأَيْتُ

أُسَامَةَ وَبِلَالًا وَاَحَدُهُمَا اٰخِذٌ بِخِطَامِ نَاقَةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاٰخَرُ رَافِعٌ ثَوْبَهٗ يَسْتُرُهٗ مِنَ الْحَرِّ حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعُقْبَةِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۴۱۹/۱، باب استحباب رمی جمرۃ العقبۃ یوم النحر راکباً، حدیث:۱۲۹۸۔

حل لغات: خطام: نکیل، جمع: خطم۔

ترجمہ: حضرت ام الحصین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضرت اسامہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما میں سے ایک کو دیکھا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی نکیل پکڑے ہوئے ہیں، اور دوسرے کپڑا اٹھا کر گرمی سے پردہ کئے ہوئے ہیں، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرۂ عقبہ کی رمی کی۔

تشریح: تظلیل محرم یعنی محرم کا اپنے اوپر کسی چیز کا سایہ کرنا دھوپ وغیرہ سے بچنے کے لئے، تظلیل میں چونکہ فی الجملہ تغطیۂ رأس ہو جاتا ہے اس لئے اس کے بیان کی ضرورت پیش آئی۔

تظلیل کی صورتیں مع مذاہب ائمہ

جاننا چاہئے کہ تظلیل کی تین قسمیں ہیں:

(۱)......**بالثوب المتصل**، مثلاً کوئی رومال وغیرہ سر پر ڈالنا۔

(۲)......**تظلیل بالسقف ونحوہ**، یعنی کسی چھت کے نیچے یا خیمہ کے اندر بیٹھ کر سایہ حاصل کرنا۔

(۳)......**تظلیل بالثوب المنفصل کالشمسیۃ والرحل والھودج**، یعنی چھتری اور پالان یا ہودج وغیرہ سے سایہ حاصل کرنا۔

ان اقسام میں قسم اول بالاتفاق ممنوع ہے۔ قسم ثالث بالاتفاق جائز ہے۔ درمیانی قسم مختلف فیہ ہے، **یجوز عندنا والشافعی ولا یجوز عند مالک واحمد۔**

فرأیت اسامۃ وبلالا واحدھما اخذ بخطام: حضرت اسامہ و بلال رضی اللہ عنہما سفر حج میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے ساتھ تھے، ان میں سے ایک نے (بلال) آپ کی سواری کی نکیل سنبھال رکھی تھی اور دوسرے (اسامہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے اوپر کپڑے سے سایہ کئے ہوئے تھے، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمرۂ عقبہ کی رمی سے فارغ ہوئے۔ **صلی اللہ علیہ وسلم شرف وکرم۔**

یہ حدیث مسئلۃ الباب میں حنفیہ وشوافع کی دلیل ہے، اور مالکیہ وحنابلہ کا استدلال بیہقی کی ایک روایت سے ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک محرم کو دیکھا جو اونٹ پر سوار تھا اور اس نے اپنے اوپر سایہ کر رکھا تھا، اس کو دیکھ کر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: **"اضح لمن احرمت له"** جس ذات کے لئے تو نے احرام باندھا ہے، یعنی حق تعالیٰ شانہ اسی کے لئے دھوپ میں ہو جا، یعنی سایہ مت کر، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو حدیث شریف موقوف ہے اور ہوسکتا ہے کہ انہوں نے بیانِ افضل کے لحاظ سے فرمایا ہو۔ (الدر المنضود: ۲۱۳/ ۳)

مجبوری میں سر منڈانا

{۲۵۶۹} وَعَنْ كَعْبِ ابْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِهٖ وَهُوَ بِالْحُدَيْبِيَةِ قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ مَكَّةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَهُوَ يُوْقِدُ تَحْتَ قِدْرٍ وَالْقُمَّلُ تَتَهَافَتُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَقَالَ اَيُؤْذِيْكَ هَوَامُّكَ، قَالَ: نَعَمْ! قَالَ: فَاحْلِقْ رَأْسَكَ وَاَطْعِمْ فَرَقًا بَيْنَ سِتَّةِ مَسَاكِيْنَ وَالْفَرَقُ ثَلَاثَةُ اٰصُعٍ اَوْصُمْ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ اَوْ اُنْسُكْ نَسِيْكَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۲۴۳، ابواب العمرۃ، باب قول اللہ تعالیٰ فمن کان منکم مریضاً الآیۃ، حدیث نمبر: ۱۸۱۴، مسلم شریف: ۱/ ۳۸۲، باب جواز حلق الرأس للمحرم، حدیث نمبر: ۱۲۰۱۔

حل لغات: یوقد: وقد (ض) وقداً، آگ جلنا۔ اوقد (افعال) آگ جلانا، قدر: ہانڈی، جمع: قدور، القمل: جمع ہے قملۃ کی، بمعنی جوں۔ تتھافت: تھافت (تفاعل) لگاتار گرنا۔

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے اس وقت گذرے جب وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے حدیبیہ میں حالت احرام میں تھے، وہ ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہے تھے، اور جوئیں ان کے منہ پر گر رہی تھیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا یہ جوئیں تمہیں تکلیف پہنچا رہی ہیں؟ انہوں نے کہا: جی! تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنا سر منڈا دو اور ایک فرق کھانا چھ مسکینوں کو کھلا دو اور ایک فرق تین صاع کا

ہوتا ہے، یا تین دن روزے رکھو یا ایک قربانی کرو۔

تشریح: ھَوامّ: جمع ہے **ھامّہ** کی، **ھوامّ** کا مقابل **سوامّ** ہے، ہوام اور سوام ہوتے تو ہیں دونوں ہی زہریلے لیکن فرق یہ لکھا ہے کہ اول قاتل ہوتا ہے، جیسے حیات وغیرہ اور ثانی غیر قاتل جیسے زنبور (بھڑ) وغیرہ۔ (جیسا کہ اس حدیث شریف میں **من کل شیطان وھامة**) یعنی زہریلے جانور سانپ، بچھو وغیرہ، یہاں اس سے مراد سر کی جوئیں ہیں، یہ حدیث شریف تقریباً تمام ہی صحاح ستہ میں ہے، کعب بن عجرہ کے سر میں موذی جانور (جوئیں) ہوگئی تھیں۔ یہ عمرۃ الحدیبیہ کے سفر کا قصہ ہے، یہ پانی گرم کرنے کے لئے ہانڈی کے نیچے آگ سلگا رہے تھے، اور جوئیں ان کے سر سے جھڑ رہی تھیں، جیسا کہ روایت میں آیا ہے۔ **"والقمل یتھافت علی وجھه"**

آنحضرت ﷺ جب ان کے قریب سے گذرے تو دریافت فرمایا تو انہوں نے اپنا حال بیان کر دیا، اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **"فاحلق رأسک واطعم فرقا الخ"**

اس روایت میں اختصار ہے، ایک روایت میں ہے: **فانزل اللّٰہ عزوجل فی "فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ۔ الأية"** [ہاں اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو روزوں یا صدقے یا قربانی کا فدیہ دے۔] یعنی میرے بارے میں یہ آیت شریفہ نازل ہوئی اس پر حضور اقدس ﷺ نے مجھ کو بلا کر ارشاد فرمایا: کہ اپنے سر کے بالوں کا حلق کرا لو اور فدیہ دو، فدیہ جو یہاں مذکور ہے، وہ تین چیزیں ہیں، نسک یعنی دم۔ **صوم ثلاثة ایام۔ اطعام ستة مساکین۔**

فدیہ سے متعلق چند مسائل فقہیہ اختلافیہ

اب یہاں چند مسائل اختلافی ہیں:

(۱)...... یہ دم مطلق نسیکہ و ذبیحہ ہے، امام مالک و احمد کے نزدیک، اور حنفیہ و شافعیہ کے نزدیک ہدی ہے، لہذا پہلے دونوں اماموں کے نزدیک اس کو جہاں چاہے ذبح کر سکتے ہیں، بخلاف حنفیہ و شافعیہ کے ان کے نزدیک اس کا محل ذبح حرم ہے۔

(۲)...... مقدار طعام کیا ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک **لکل مسکین نصف صاع من کل شیء فالمجموع ثلاثة آصع کما فی الحدیث۔ وعندنا لکل مسکین مثل صدقة الفطر فمن التمر والشعیر صاع ومن البر نصف صاع۔**

(۳)...... ان اشیاء ثلٰثہ کے درمیان ترتیب واجب ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ اگر حلق ضرورت اور عذر کی وجہ سے ہو تب تو کوئی ترتیب واجب نہیں، باتفاق ائمہ اربعہ لہٰذا فدیہ میں ان میں سے جو چاہے دیدے اور اگر حلق بلا عذر کے ہو اس صورت میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں دم مقدم ہے اور اگر اس پر قدرت نہ ہو تب باقی دو میں اختیار ہے، حنفیہ کی دلیل ابوداؤد کی وہ روایت ہے جس میں یہ ہے **"امعک دم قال لا"** اور **عند الشافعیه والحنابله روایتان، ولا یجب الترتیب عند مالک مطلقاً**

(تراجم بخاری) (الدر المنضود: ۲۲۳،۲۴/ ۳)

الفصل الثانی

عورت کے محظورات احرام

{۲۵۷۰} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى النِّسَاءَ فِيْ اِحْرَامِهِنَّ عَنِ الْقُفَّازَيْنِ وَالنِّقَابِ وَمَا مَسَّ الْوَرْسُ وَالزَّعْفَرَانُ مِنَ الثِّيَابِ وَلْتَلْبَسْ بَعْدَ ذٰلِكَ مَا اَحَبَّتْ مِنْ اَلْوَانِ الثِّيَابِ مُعَصْفَرٍ اَوْ خَزٍّ اَوْ حُلِيٍّ اَوْ سَرَاوِيْلَ اَوْ قَمِيْصٍ اَوْ خُفٍّ۔ **(رواہ ابوداؤد)**

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/ ۲۵۴، باب مایلبس المحرم، حدیث نمبر: ۱۸۲۴۔

حل لغات: **القفازین:** دستانہ، جمع: **قفافیز، الورس:** ایک قسم کی گھاس جس سے رنگائی کا کام

ہوتا ہے۔ **خز**: ریشم، جمع: **خزوز**۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو احرام کی حالت میں دستانہ نقاب، اور ورس وزعفران سے رنگے ہوئے کپڑے پہننے سے منع کرتے تھے؛ البتہ اس کے بعد وہ کپڑوں کی قسموں میں سے جو چاہیں پہنیں، خواہ کسم ہو کہ ریشم، زیور ہو کہ شلوار یا کرتا ہو کہ موزہ۔

تشریح: حالت احرام میں عورت اپنے چہرہ پر نقاب نہ ڈالے، ایک حدیث شریف میں ہے احرام الرجل فی رأسہ واحرام المرأۃ فی وجہها جس کا تقاضا یہ ہے کہ مرد کے لئے تغطیۃ الرأس ناجائز ہے اور عورت کے لئے تغطیۃ الرأس تو جائز ہے، لیکن تغطیۃ الوجہ جائز نہیں، چنانچہ جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ عورت نقاب کے ذریعہ اپنے چہرے کو چھپا نہیں سکتی، البتہ عند حضور الاجانب سدل ثوب متجافیا عن الوجہ کر سکتی ہے اور امام احمد کے نزدیک تجافی کی قید نہیں ہے، لاصقاً بالوجہ بھی چہرے پر نقاب ڈال سکتی ہے۔

والقفازین: عورت دستانے نہ پہنے، ائمہ ثلاثہ کا مسلک یہی ہے، حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، ان کے نزدیک یہ نہی تنزیہاً ہے، کہ خلاف اولی ہے اور احرام کی شان کے خلاف ہے۔ دوسری بات یہ کہ لبس قفازین میں تغطیۂ کفین ہے اور تغطیہ کفین عورت کے لئے قمیص کی آستین وغیرہ سے جائز ہے نیز حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ وہ اپنی بنات کو قفازین پہناتے تھے۔ (کذافی ہامش الشیخ)

ولتلبس بعد ذلک ما احبت الخ: معصفر عصفر میں رنگا ہوا کپڑا اور خز ریشمی کپڑا۔

لبس معصفر میں اختلافِ ائمہ

عورت حالت احرام میں ثوب معصفر پہن سکتی ہے یا نہیں؟ مسئلہ مختلف فیہ ہے، امام شافعی واحمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک جائز ہے؟ حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں، وعن مالک الفرق بین المفدّم وغیر المفدم یعنی اگر تیز اور گہرا رنگ ہے تب تو جائز نہیں اور اگر ہلکا وخفیف ہے تو جائز ہے۔ یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے، اس کے متعدد جواب ہیں:

(۱)...... **ولتلبس بعد ذلک الخ:** یہ جملہ مدرج ہے۔ **ذکرھا بعض الرواۃ دون بعض کما ذکرہ المصنف۔**

(۲)...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منع ثابت ہے۔

(۳)...... مؤرس معصفر سے من حیث الطیب خفیف ہے۔ پس جب مورس بالاتفاق ممنوع ہے تو معصفر بطریق اولیٰ منع ہوگا، قالہ الشیخ ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ۔ اور ہدایہ میں لکھا ہے کہ اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ عصفر ہمارے یہاں طیب ہے اور امام شافعی کے نزدیک صرف لون کے قبیل سے ہے طیب نہیں ہے۔ (بذل، الدر المنضود: ۲۱۱/۳)

حالت احرام میں پردہ کا طریقہ

{۲۵۷۱} **وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّوْنَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْرِمَاتٌ فَإِذَا جَاۤزُوْا بِنَا سَدَلَتْ بِنَا إِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلٰى وَجْهِهَا فَإِذَا جَاوَزُوْنَا كَشَفْنَاهُ۔ (رواہ ابوداؤد) وَلِابْنِ مَاجَةَ مَعْنَاهُ۔**

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲۵۴/۱، باب فی المحرمة تغطی وجهها، حدیث نمبر: ۱۸۳۳۔ ابن ماجہ شریف: ۲۱۰، باب المحرمة تسدل الثوب الخ، حدیث نمبر: ۲۹۳۵۔

حل لغات: سدلت: سدل (ن) سدلا الثوب، کپڑا لٹکانا۔ جلبابها: چادر، جمع: جلابیب۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم حالت احرام میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور ہمارے پاس قافلے گذرتے تھے، چنانچہ جب کوئی قافلہ ہمارے پاس سے گذرتا، تو ہم میں سے ہر عورت اپنی چادر اپنے سر پر تان کر اپنے چہرے پر لٹکا لیتی تھی اور جب قافلہ گذر جاتا تو ہم چہرہ کھول لیتے تھے۔

تشریح: یہ حدیث بظاہر مذہب احمد کے موافق ہے، کیونکہ اس میں سدل مطلقاً مذکور ہے اور تجافی عن الوجہ کی قید نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہوگا کہ اس سے قبل حدیث میں گذر چکا ہے **"ولا تنتقب**

المرأة الحرام" جس میں مطلقاً عورت کے لئے چہرے پر نقاب ڈالنے کی ممانعت ہے، لہٰذا جمع بین الروایتین کی صورت یہ ہے، نقاب ڈالنے کی ایک شکل کو جائز قرار دیا جائے اور ایک کو ناجائز۔ (بذل)

یعنی متجافیا عن الوجہ کو جائز اور متلاصقاً بالوجہ کو ناجائز، آج کل اس قسم کے نقب جو چہرے سے الگ رہیں عورتیں خود بنالیتی ہیں۔ (الدر المنضود: ۳/۲۱۳)

حالت احرام میں تیل لگانا

{۲۵۷۲} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدَّهِنُ بِالزَّيْتِ وَهُوَ مُحْرِمٌ غَيْرَ الْمُقَتَّتِ يَعْنِيْ غَيْرَ الْمُطَيَّبِ۔ (رواه الترمذي)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۹۰، باب: ۱۱۰، حدیث نمبر: ۹۶۲۔

حل لغات: یدھن: دھن (ن) دھناً الرأس، سر پر تیل لگانا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حالت احرام میں زیتون کا ایسا تیل لگاتے تھے جس میں مقتت، یعنی خوشبو نہیں ہوتی تھی۔

تشریح: **کان یدھن بالزیت و ھو محرم غیر المقتت الخ:** احرام کی حالت میں خوشبودار تیل استعمال کرنا مکروہ ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی محرم کسی عضو کے پورے حصہ پر یا کئی یا سب اعضاء پر روغن بنفشہ، روغن گلاب، روغن موتیا یا اسی قسم کا کوئی بھی خوشبودار تیل لگائے گا تو حنفیہ کے ہاں بالاتفاق اس پر دم یعنی جانور ذبح کرنا واجب ہوگا، اور اگر زیتون یا تل کا ایسا تیل کہ جس میں خوشبو نہ ملی ہوئی ہو زیادہ مقدار میں لگائے گا تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس صورت میں بھی دم واجب ہوگا، جب کہ صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں کہ صدقہ واجب ہوگا لیکن یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ یہ دونوں تیل خوشبو سے بالکل خالی اور کسی خوشبودار پھول کے پکائے ہوئے نہ ہوں، کیونکہ اگر زیتون کے یا تل کے تیل میں خوشبو ملی ہوگی یا اس میں خوشبودار پھول ڈال کر پکایا گیا ہوگا تو پھر سب ہی کے نزدیک اس کو استعمال کرنے کی وجہ سے دم واجب ہوگا، اسی طرح یہ

اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ یہ تیل زیادہ مقدار میں لگایا جائے اور اگر کم لگایا جائے گا تو متفقہ طور پر سب کے نزدیک اس کے استعمال کرنے سے صرف صدقہ واجب ہوگا، اور پھر ایک بات یہ بھی جان لیجئے کہ ان تیلوں کے استعمال کی وجہ سے دم یا صدقہ اسی وقت واجب ہوگا جب کہ ان کو محض خوشبو کی خاطر استعمال کیا جائے اور اگر انہیں دوائی کے طور پر استعمال کیا جائے گا تو پھر علی الاطلاق کچھ بھی واجب نہیں ہوگا لیکن مشک یا دوسری خوشبوؤں کے استعمال کا مسئلہ اس سے مختلف ہے کہ ان کے استعمال سے بہر صورت دم واجب ہوتا ہے۔

﴿الفصل الثالث﴾

سلے ہوئے کپڑے بدن پر ڈالنا

{۲۵۷۳} وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا وَجَدَ الْقُرَّ فَقَالَ: اَلْقِ عَلَيَّ ثَوْبًا يَا نَافِعُ! فَاَلْقَيْتُ عَلَيْهِ بُرْنُسًا فَقَالَ: تُلْقِيْ عَلَيَّ هٰذَا وَقَدْ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّلْبَسَهُ الْمُحْرِمُ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۵۴، باب مایلبس المحرم، حدیث نمبر: ۱۸۲۸۔

حل لغات: برنساً: ٹوپی کی طرح ایک لباس، برساتی۔ **القر:** ٹھنڈک، قر (ن ض) قراً **الیوم:** دن کا ٹھنڈا ہونا۔

ترجمہ: حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ٹھنڈی لگنے لگی، تو انہوں نے کہا: اے نافع! مجھ پر کوئی کپڑا ڈال دے تو میں نے ان پر چوغہ ڈال دیا تو انہوں نے کہا: تو نے مجھ پر یہ ڈال دیا حالانکہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کو اس کے پہننے سے منع کیا ہے۔

تشریح: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ایک مرتبہ حالت احرام میں سردی محسوس ہوئی، انہوں نے

اپنے خادم نافع سے فرمایا: کہ مجھ پر کوئی کپڑا ڈال دو، انہوں نے ان کے جسم پر برنس ڈالدی، (چادر کی طرح اڑھادی باقاعدہ پہنائی نہیں) اس پر انہوں نے فرمایا: ارے! سلا ہوا کپڑا پہناتے ہو یہ تو احرام میں منع ہے، یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی احتیاط اور تورع ہے، ورنہ اصل ممانعت لبس مخیط کی اس صورت میں ہے جبکہ اس کو اسی طرح استعمال کیا جائے، جو اس کے استعمال کا طریقہ ہے، یعنی جو کپڑا بدن کی وضع اور ساخت کے اعتبار سے سلا گیا ہو، اس کو اسی طرح پہنا جائے لہٰذا اگر محرم مثلاً قمیص کو بجائے پہننے کے چادر کی طرح اوڑھ لے تو جائز ہے۔ (الدر المنضود: ۲۱۲/۳)

محرم کیلئے پچھنا لگوانا

{۲۵۷۴} وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَالِكِ ابْنِ بُحَيْنَةَ رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اِحْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ بِلَحْيِ جَمَلٍ مِنْ طَرِيْقِ مَكَّةَ فِيْ وَسْطِ رَأْسِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲۴۸/۱، ابواب العمرۃ، باب الحجامۃ للمحرم، حدیث نمبر: ۱۸۰۰، مسلم شریف: ۳۸۳/۱، باب جواز الحجامۃ للمحرم، حدیث نمبر: ۱۲۰۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مالک بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں مکے کے راستے میں لحی جمل کے مقام پر سر کے بیچوں بیچ پچھنے لگوائے۔

تشریح: احتجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سر کے بیچوں بیچ پچھنے لگوائے تو سر مبارک کے بال کچھ نہ کچھ ضرور ٹوٹے ہوں گے، لہٰذا یہ حدیث ضرورت پر محمول ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عذر و ضرورت کی بناء پر سر میں پچھنے لگوائے تھے، چنانچہ اگر محرم کسی ایسی جگہ پچھنے لگوائے جہاں بال نہ ہوں تو اس پر فدیہ واجب نہیں ہوتا۔

مسئلہ: اگر کوئی محرم سر کے بال چوتھائی حصہ سے کم منڈائے یا پچھنے وغیرہ کی وجہ سے اس کے چوتھائی حصہ سے کم بال ٹوٹ جائیں تو اس پر صدقہ واجب ہوگا، یعنی وہ بطور جزاء یا تو کسی بھوکے کو پیٹ

بھر کھانا کھلا دے یا اسے نصف صاع گیہوں دیدے، کوئی محرم بلا عذر چوتھائی سر سے زیادہ منڈا دے یا بلا عذر پچھنے لگوالے اور اس کی وجہ سے چوتھائی سر سے زیادہ بال ٹوٹ جائیں تو اس پر دم واجب ہوگا، یعنی وہ بطور جزاء ایک بکری یا اس کی مانند کوئی جانور ذبح کرے، اور اگر کوئی کسی عذر کی بناء پر چوتھائی سر سے زیادہ منڈائے، یا کسی عذر کی وجہ سے پچھنے لگوائے اور اس کی وجہ سے چوتھائی سر سے زائد بال ٹوٹ جائیں تو اسے تین چیزوں میں سے کسی ایک چیز کا اختیار ہوگا کہ چاہے تو وہ ایک بکری ذبح کرے، چاہے نصف صاع فی مسکین کے حساب سے چھ مسکینوں کو تین صاع گیہوں دے، اور چاہے تین روزے رکھے، خواہ تین روزے مسلسل رکھ لے یا متفرق طور، پر جیسا کہ ماقبل میں گذرا۔

اگر کوئی محرم پچھنے لگوانے کی وجہ سے محاجم، یعنی پچھنوں کی جگہ سے بال منڈوائے تو اس صورت میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو اس پر دم واجب ہوگا، اور صاحبین کے نزدیک صدقہ۔ ''پچھنوں کی جگہ'' سے گردن کے دونوں کنارے اور گدی مراد ہے، اس لئے اگر کوئی پوری گردن منڈوائے گا تو پھر متفقہ طور پر سب کے نزدیک اس پر دم واجب ہوگا، اور اگر پوری سے کم منڈوائے گا تو صدقہ واجب ہوتا ہے، خود بخود بال ٹوٹنے سے کچھ بھی واجب نہیں ہوتا۔

پیر میں پچھنا لگوانا

{۲۵۷۵} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اِحْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ عَلٰى ظَهْرِ الْقَدَمِ مِنْ وَجْعٍ كَانَ بِهٖ۔ **(ابوداؤد والنسائی)**

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/ ۲۵۵، باب المحرم یحتجم، حدیث: ۱۸۳۷، نسائی شریف: ۲/ ۲۰، باب الحجامة علی ظهر القدم، حدیث نمبر: ۲۸۵۲۔

حل لغات: ظهر: پیٹھ، جمع: اظهر، القدم: پاؤں، جمع: اقدام، وجع: درد والا، جمع: وجعون۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں پاؤں کی پشت پر اس درد کی وجہ سے پچھنے لگوائے جو ان کو تھا۔

تشریح: احتجم رسول اللہ صلی اللہ علہ وسلم الخ: مراد یہ ہے کہ اس انداز میں پچھنے لگوائے کہ بال ٹوٹنے نہ پائیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح

{۲۵۷۶} وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ تَزَوَّجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَیْمُوْنَۃَ وَھُوَ حَلَالٌ وَبَنٰی بِھَا وَھُوَ حَلَالٌ وَ کُنْتُ اَنَا الرَّسُوْلُ بَیْنَھُمَا۔ (رواہ احمد والترمذی) وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

حوالہ: مسند احمد: ۳۹۲/۶، ترمذی شریف: ۱۷۲/۱، باب ماجاء فی کراھیۃ تزویج المحرم، حدیث نمبر: ۸۴۱۔

ترجمہ: حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرم میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، حالت حلال میں شب زفاف منائی اور میں ان دونوں کے درمیان قاصد تھا۔

تشریح: تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یہ حدیث شریف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کے خلاف ہے، جس میں منقول ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح حالت احرام میں کیا تھا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت کی تخریج حضرت امام بخاری اور مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے کی ہے، اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو راجح قرار دیتے ہوئے کہا جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح حالت احرام ہی میں کیا تھا۔ باقی پوری تفصیل ما قبل میں گذر چکی، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

باب المحرم یجتنب الصید

(محرم کے لئے شکار کی ممانعت کا بیان)

رقم الحدیث: ۲۵۷۷ تا ۲۵۸۷

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

باب المحرم یجتنب الصید

(محرم کے لئے شکار کی ممانعت کا بیان)

حالت احرام میں شکار کیوں حرام ہے؟

اسلام میں اگرچہ ''شکار'' کرنے کی فی الجملہ اجازت ہے اوراس کے باقاعدہ احکامات قرآن وحدیث میں وارد ہیں، لیکن یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ جس شخص کو شکار کا شوق ہو جاتا ہے پھر وہ اپنے واجبی کاموں سے بھی غافل ہو جاتا ہے، اور بسا اوقات شکار کی دھن میں خود اپنے ہی کو بھول جاتا ہے۔ شکاری کو شکار کے علاوہ کسی چیز کی سدھ ہی نہیں رہتی، بالخصوص خشکی کا شکار کہ اس کا بدلہ (یعنی دیگر پالتو جانور) دستیاب ہونے کے باوجود شکار میں انہماک یقیناً ضروری کاموں میں خلل اندازی کا سبب بنتا ہے، اس لئے شریعت میں احرام باندھنے کے بعد خشکی کے شکار کو ممنوع قرار دے دیا گیا ہے، کیونکہ اس میں مشغولیت سفر حج کے مبارک مقصد یعنی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی یاد میں رکاوٹ بن جائے گی، البتہ سمندری شکار یعنی مچھلی کے شکار کرنے اور پکڑنے کی ضرورۃً اجازت دی گئی، کیونکہ سمندری سفر کے دوران بعض مرتبہ اس کے علاوہ رزق ملنا دشوار ہے، گویا کہ یہ اجازت بھی حکمت و مصلحت اور ضرورت پر مبنی ہے، اس بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

"اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ" (المائدۃ:۹۶)

[تمہارے لئے دریا کا شکاراور اس کا کھانا حلال ہے، تمہارے اور سب مسافروں کے فائدہ کے واسطے، اور تم پر جنگل کا شکار حرام کر دیا گیا ہے، جب تک تم احرام میں رہو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم جمع ہوگے۔]

آیت کے اخیر میں تقویٰ کی تاکید کر کے یہ بتا دیا گیا کہ دورانِ سفر شکار نظر آنے اور اس کو مارنے کے نفسانی تقاضے کے باوجود محض اللہ کے ڈر سے اس کی طرف توجہ نہ دینا، ایک مستقل امتحان ہے، جس میں عزیمت کے بغیر کامیابی نہیں مل سکتی، چنانچہ اللہ تعالیٰ مذکورہ آیت سے قبل ارشاد فرماتے ہیں:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ" (المائدۃ:۹۴)

[اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ تم کو ضرور آزمائیں گے اس شکار میں کہ جس پر تمہارے ہاتھ یا تمہارے نیزے پہنچے ہیں؛ تاکہ اللہ تعالیٰ معلوم فرمائیں کہ کون اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے، پھر جس نے اس کے بعد زیادتی کی تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔]

بنابریں سفر حج وعمرہ میں بحالت احرام (اور حدود حرم میں) شکار سے قطعاً پرہیز کرنا ضروری ہے، اس سلسلہ کے چند ضروری مسائل ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

کن جانوروں کا شکار ممنوع ہے؟

خشکی کے وہ جانور جو پیدائشی طور پر جنگلی اور وحشی ہوتے ہیں (مثلاً نیل گائے، ہرن وغیرہ، یا ہوا میں اڑنے والے آزاد پرندے) ان کا شکار کرنا احرام کی حالت میں مطلقاً ممنوع ہے، خواہ حدود حرم میں ہو یا حدود حرم سے باہر؛ لہٰذا اگر محرم ایسے کسی جانور کا خود شکار کرے یا کسی دوسرے کو شکار کی رہنمائی کرے، سہواً کرے یا قصداً کرے، خوشی سے کرے یا مجبوراً کرے، بہر حال اس پر جزا لازم ہے۔ (غنیۃ الناسک:۲۸۰، ومثلہ فی الدر المختار مع الشامی زکریا:۳/۵۹۷، ہدایۃ:۱/۲۹۸)

پلے ہوئے جنگلی جانوروں کا حکم

جنگلی جانور کو اگر گھر میں پال کر مانوس بنالیا جائے (جیسے ہرن یا پرندہ مثلاً کبوتر، تیتر وغیرہ) پھر بھی محرم کے لئے انہیں ذبح کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (**غنیة الناسک: ۲۸۰، ومثله فی فتح القدیر: ۶۶/۳، درمختار مع الشامی زکریا: ۵۹۷/۳، تاتارخانیة زکریا: ۵۵۴/۳، معلم الحجاج: ۲۵۰**)

موذی درندوں کو مارنے کا حکم

وہ جانور جو درندے کہلاتے ہیں، مثلاً شیر، چیتا، ہاتھی، بندر وغیرہ، اگر وہ حملہ آور ہوں تو انہیں مارنے میں بالاتفاق حرج نہیں، لیکن اگر وہ حملہ آور نہ ہوں، تو ظاہر الروایۃ میں ان کے مارنے پر جزا لازم ہوگی۔ (**غنیة الناسک: ۲۱۸، ومثله فی الهدایة: ۳۰۴/۱، درمختار مع الشامی زکریا: ۲۰۹/۳**)

موذی جانوروں کو مارنے پر کوئی جزاء نہیں

موذی جانور جیسے سانپ، بچھو، چوہا، کٹ کھنا کتا وغیرہ، ان کے مارنے پر کوئی جنایت لازم نہیں۔ (**ترمذی شریف: ۱۷۱/۱، مسلم شریف: ۳۸۱/۱، غنیة الناسک: ۲۸۱، ومثله فی الدر المختار مع الشامی زکریا: ۲۰۸/۳، هدایة: ۳۰۲/۱**)

دریائی جانوروں کا شکار حلال ہے

جو جانور پانی میں پیدا ہوتے ہیں اور وہیں جیتے مرتے ہیں، جیسے مچھلی، کیکڑا، اور کچھوا وغیرہ، ان کے شکار پر کوئی جزا نہیں ہے۔ (**غنیة الناسک: ۲۸۱، ومثله فی الهدایة: ۲۹۸/۱، فتاوی سراجیة: ۱۸۴/۱، فتح القدیر: ۶۶/۱**)

دریائی پرندوں کا حکم

مچھلی خور، دریائی پرندوں مثلاً نیل پر، سیخ پر، بطخ، مرغابی وغیرہ کا شکار کرنا محرم کے لئے حلال نہیں

ہے، اس لئے کہ ان پرندوں کی پیدائش اصلاً خشکی میں ہوتی ہے۔ (غنیۃ الناسک: ۲۸۱، ومثلہ فی فتح القدیر: ۱/ ۶۸، بدائع الصنائع زکریا: ۲/ ۴۲۷)

شکار کو مارنے کی جزاء

بحالت احرام جزاء میں یہ تفصیل ہے کہ جس جگہ پر شکار کیا ہے وہاں کے دو معتبر آدمیوں کے ذریعہ اس شکار کی قیمت لگائی جائے، یعنی وہ شکار زندہ ہونے کی حالت میں جتنے میں فروخت ہوسکتا ہو وہی قیمت متعین کی جائے، پھر اگر وہ قیمت اتنی ہو کہ اس سے ایک یا ایک سے زائد قربانی کا جانور خریدا جاسکتا ہو تو شکار کرنے والے محرم کو تین باتوں کا اختیار ہے:

(۱)……قربانی کا جانور حدود حرم میں ذبح کرے اور پھر قربانی کا گوشت غریبوں میں تقسیم کردے۔ (اور اگر شکر کی قیمت سے قربانی کے کئی جانور خریدے جاسکتے ہوں تو ان کی تعداد کے بقدر بکریوں کی قربانی کرے، یہی افضل ہے، اور چاہے تو قیمت کے اعتبار سے اونٹ یا گائے کی قربانی بھی کرسکتا ہے۔)

(۲)……شکار کی قیمت سے غریبوں اور محتاجوں کو کھانا کھلائے، یا کھانے کی قیمت غرباء میں تقسیم کرے؛ لیکن ضروری ہے کہ کسی بھی غریب کے حصہ میں ایک صدقۂ فطر سے کم یا زیادہ قیمت نہ آئے۔

(۳)……روزے رکھے، اور روزوں کی تعداد اندازہ اس طرح لگایا جائے گا کہ اولاً شکار کی قیمت کا غلہ کی قیمت سے موازنہ کیا جائے، پھر جتنی رقم بیٹھے اس کو ایک صدقۂ فطر (ایک کلو ۵۷۵ رگرام گیہوں) کی قیمت پر تقسیم کیا جائے، اور جتنے صدقۂ فطر حاصل قسمت میں آئیں ہر ایک کے عوض ایک روزہ رکھا جائے۔

اور اگر شکار کی قیمت اتنی ہے کہ اس سے قربانی کا کوئی جانور خریدا نہیں جاسکتا لیکن کھانا کھلایا جاسکتا ہے، تو اس کی قیمت سے غریبوں کو کھانا کھلادے یا اوپر درج کردہ تفصیل کے مطابق روزے رکھے۔

اور اگر شکار کی قیمت اتنی کم ہے کہ ایک صدقۂ فطر کو بھی نہیں پہنچتی تو اختیار ہے، چاہے تو کل قیمت

صدقہ کردے یا ایک روزہ رکھے۔ (غنیۃ الناسک:۲۸۴، الموسوعۃ الفقھیۃ:۲/۱۸۷، ھدایۃ:۱/۲۹۹، ھندیۃ:۱/۲۲۸)

تنبیہ: الف: جنایت میں جو جناور ذبح کیا جائے گا اس کا حدود حرم میں ذبح ہونا ضروری ہے، لیکن غریبوں کو کھنا کھلانے میں فقراء حرم کی قید نہیں۔ (غنیۃ الناسک:۲۸۶)

ب: شکار کی جزاء میں بہت وسعت ہے، حتی کہ قربانی اور غریبوں کو کھانا کھلانے پر قدرت کے باوجود شکار کرنے والا روزہ کے ذریعہ جنایت کی ادائیگی کر سکتا ہے۔ (غنیۃ الناسک:۲۸۶)

ج: اور یہ بھی اختیار ہے کہ بیک وقت قربانی، غریبوں کو کھانا کھلانا اور روزہ تینوں کو جمع کرے، مثال کے طور پر شکار کی قیمت تین ہزار روپئے بیٹھی، تو دو ہزار کا بکرا خرید کر قربانی کردے اور پانچ سو روپئے سے غلہ خرید کر فقراء میں حسب شرائط تقسیم کردے، اور مابقیہ پانچ سو روپئے میں جتنے صدقہ فطر آئیں ان کی تعداد کی بقدر روزے رکھ لے وغیرہ۔ (غنیۃ الناسک:۲۸۶)

شکار کو زخمی کرنا

اگر شکار کو زخمی کیا یا اس کا کوئی عضو توڑ دیا وغیرہ، تو اس کی وجہ سے اس کی قیمت میں جو کمی ہوگی اس کا ضمان محرم کو دینا ہوگا۔ (غنیۃ الناسک:۲۸۶، ومثلہ فی التاتارخانیۃ:۳/۵۶۵، ھدایۃ:۱/۳۰۲، ھندیۃ:۱/۲۴۸، بدائع الصنائع زکریا:۲/۴۴۲)

جنگلی پرندوں کا انڈا پھوڑ دینا

جنگلی پرندوں کا صحیح انڈا پھوڑ دینے کی وجہ سے انڈے کی قیمت کا تاوان واجب ہے۔
(غنیۃ الناسک:۲۸۸، ومثلہ فی التاتارخانیۃ:۵۶۶/۳، بدائع الصنائع زکریا:۴۳۹/۳، مبسوط سرخسی:۸۷/۴، ہدایۃ:۳۰۲/۱)

مچھر اور چیونٹی وغیرہ مارنے کا حکم

بحالت احرام موذی مچھر اور چیونٹی کو مارنا درست ہے، لیکن جو چیونٹی موذی نہ ہو اس کا مارنا جائز

نہیں؛ تاہم اس کی وجہ سے کوئی کفارہ لازم نہیں ہوتا۔ (غنیة الناسک: ۲۸۹، ومثله في الهندية: ۳۰۲/۱، مبسوط سرخسي، بیروت: ۱۰۱/۴، درمختار مع الشامي زکریا: ۶۰۸/۳، الفتاوی السراجية: ۱۸۴/۱، بدائع الصنائع زکریا: ۴۲۶/۲)

اپنے بدن کی جوں مارنے کا حکم

بحالت احرام بدن کی جوں مارنا یا انہیں بدن سے جدا کرنا ممنوع ہے، اگر دو تین جوں ماریں تو تھوڑا بہت جو چاہے مثلاً ایک مٹھی گیہوں صدقہ کردے، اور اگر تین سے زیادہ جوؤں کے ساتھ ایسا کیا تو صدقۂ فطر واجب ہوگا۔ (غنیة الناسک: ۲۹۰، ومثله في التاتارخانية: ۵۵۹/۳، درمختار مع الشامي زکریا: ۶۰۸/۳، فتح القدیر زکریا: ۸۵/۳، معلم الحجاج: ۲۵۶)

دوسرے شخص سے جوں پکڑوانا

اگر محرم شخص نے دوسرے شخص سے کہا: کہ میری جوئیں پکڑ کر ماردو یا اپنا کپڑا اتار کر دیا کہ اس میں جو جوئیں ہیں انہیں مار ڈالو اور اس دوسرے شخص نے اس کی جوئیں ماردیں، تو محرم پر جزاء واجب ہوگی۔ (غنیة الناسک: ۲۹۰، ومثله في التاتارخانية: ۵۵۹/۳، هندية: ۵۵۲)

محرم کا دوسرے شخص کی جوں مارنا

اگر محرم دوسرے شخص کی جوں مارے یا زمین پر رینگتی ہوئی جوں مارے، تو اس پر کوئی جزاء لازم نہیں ہوتی۔ (غنیة الناسک: ۲۹۰، تاتارخانية: ۵۵۹/۳، هندية: ۲۵۳/۱، البحر الرائق کوئٹه: ۳۴/۳، مناسک ملا علی قاری رحمہ اللہ: ۳۷۸)

ٹڈی مارنے کا حکم

بحالتِ احرام ٹڈی مارنا منع ہے، تاہم اگر ٹڈی ماردی تو تین اور اس سے کم میں جو چاہے صدقہ

کردے،اور اگر چار یا اس سے زائد ہوں تو ایک صدقۂ فطر کے بقدر ادا کرے۔ (غنیة الناسک: ۲۹۰، تبیین الحقائق زکریا: ۳۸۳/۲)

تنبیہ: بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ٹڈیاں اس قدر زیادہ ہو جاتی ہیں کہ سارے راستے اس سے بھر جاتے ہیں، جیسا کہ کبھی کبھی حرم شریف کے بیرونی صحن میں یہ صورت نظر آتی ہے، تو ایسی حالت میں اگر ٹڈیاں پیروں سے کچل جائیں یا روندی جائیں تو خواہ کتنی بھی ہوں ان میں کوئی جزاء لازم نہیں ہے، پھر بھی احتیاط لازم ہے۔ (غنیة الناسک: ۲۹۰، البحر الرائق کوئٹہ: ۳۵/۳)

محرم کا ذبح کیا ہوا شکار حلال نہیں

محرم اگر شکار کردہ جانور کو ذبح کرے تو یہ ذبیحہ حلال نہیں ہے، بلکہ مردار کے حکم میں ہے، اس کا کھانا غریب امیر کسی کے لئے جائز نہیں ہے، اور یہ حکم مطلق ہے، یعنی خواہ خود محرم نے شکار کر کے خود ذبح کیا ہو یا خود شکار کر کے حلال شخص سے ذبح کرایا ہو یا حلال نے شکار کر کے محرم سے ذبح کرایا ہو، بہر صورت یہ ذبیحہ مردار ہے۔ (غنیة الناسک: ۲۹۱، مبسوط بیروت: ۸۵/۴، تبیین الحقائق زکریا: ۳۸۵/۲، الفتاوی السراجیة: ۱۸۴/۱، تاتارخانیة: ۵۶۳/۳)

محرم کا پالتو جانور کا ذبح کرنا

محرم کے لئے پالتو جانور، بکری، گائے اور مرغی وغیرہ کو ذبح کرنا اور کھانا بلا شبہ درست ہے۔ (بخاری شریف: ۲۴۵/۱، غنیة الناسک: ۲۸۹، تاتارخانیة: ۵۵۸/۳، فتاوی سراجیة: ۱۸۵/۱، تبیین الحقائق زکریا: ۳۸۵/۲، البحر الرائق زکریا: ۳۶/۳، معلم الحجاج: ۲۴۹)

حالتِ احرام میں شکار پکڑنا

اگر محرم کسی شکار کو پکڑ لے تو وہ اس کا مالک نہیں ہوتا، بلکہ اس شکار کو فوراً چھوڑنا اس پر واجب ہے۔ (غنیة الناسک: ۲۹۲، ومثله في الهداية: ۳۰۶/۱، البحر الرائق زکریا: ۱۴۱/۳)

حدود حرم میں شکار کرنے کی جزاء

اگر غیر محرم شخص حدود حرم میں شکار کرے یا شکار کو ذبح کرے تو یہ ذبیحہ حرام اور مردار ہے، کسی کے لئے اس کا کھانا حلال نہیں اور ایسے شخص پر شکار کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔

(غنیۃ الناسک: ۲۹۱، اللباب فی شرح الکتاب: ۱/۱۸۹، ھدایۃ: ۱/۳۰۴، تبیین الحقائق زکریا: ۲/۳۸۵، مبسوط سرخسی بیروت: ۴/۸۵، شامی زکریا: ۳/۶۰۹)

حرم میں شکار کی رہنمائی بھی منع ہے

حدود حرم میں اگر کوئی حلال (غیر محرم) شخص شکار کی رہنمائی کرے اور خود شکار نہ کرے تو اس پر کوئی جزا واجب نہیں ہے؛ البتہ استغفار ضروری ہے۔ **(غنیۃ الناسک: ۲۹۹، ھندیۃ: ۱/۲۵۰، تاتارخانیۃ: ۳/۵۷۰، بدائع الصنائع زکریا: ۲/۴۴۸)**

حرم کے شکار کو ہڑکانے کا حکم

اگر کسی حرم میں رہنے والے شکار کو ہڑکا کر اسے حدود حرم سے باہر نکالا، تو اس شکار کو مارنا جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر شکار خود بخود حرم سے باہر آ گیا تو اس کا شکار حلال ہے۔ **(غنیۃ الناسک: ۳۰۰، شامی زکریا: ۳/۶۱۵، مناسک ملا علی قاری ؒ: ۳۷۵)**

حرم کی کھیتی کاٹنے میں حرج نہیں

جو درخت لوگ خود اگاتے ہوں جیسے غلہ جات کی کھیتی یا پھل دار باغات، تو ان کو کاٹنے میں شرعاً کوئی جزاء نہیں ہے، خواہ وہ خود اگا ہو یا کسی نے اگایا ہو۔

(غنیۃ الناسک: ۳۰۳، فتح القدیر زکریا: ۳/۱۰۲، ھندیۃ: ۱/۲۵۲، تاتارخانیۃ زکریا: ۳/۵۹۸)

قصداً بویا گیا درخت کاٹنا

جو درخت کسی شخص نے خود لگایا ہو، اگر چہ عام طور پر اسے اگانے کا رواج نہیں ہے، جیسے پیلو کا درخت تو اسکے کاٹنے میں بھی حرج نہیں ہے۔ (غنیۃ الناسک: ۳۰۳، تاتارخانیۃ زکریا: ۵۹۸/ ۳، درمختار مع الشامی زکریا: ۶۰۴/ ۳)

تنبیہ: اس سے معلوم ہوا کہ آج کل حرم کی حدود میں حکومت کی طرف سے جو نیم وغیرہ کے درخت بالقصد لگائے گئے ہیں ان کو کاٹنے سے کوئی جزاء واجب نہیں ہوگی۔

خود رو گھاس کاٹنے کا حکم

وہ خود رو گھاس یا درخت جسے اگانے کا معمول نہیں ہے، (جیسے نونیا گھاس وغیرہ) اور وہ ثمر آور بھی نہیں ہے، تو ایسے درختوں اور گھاس کو کاٹنا اور توڑنا حدود حرم میں ممنوع ہے، اگر ایسے درخت یا گھاس کو کاٹا جائیگا تو ضمان میں اس کی قیمت کا صدقہ واجب ہوگا۔ (اور اگر مملوکہ زمین کی گھاس ہے تو زمین کے مالک کو بھی گھاس کی قیمت دینی پڑے گی۔) (غنیۃ الناسک: ۳۰۳، ہندیۃ: ۲۵۲/ ۱، درمختار مع الشامی زکریا: ۶۰۳/ ۳)

خود رو مسواک کے درخت کاٹنا

حدود حرم میں واقع پیلو کے خود رو درختوں سے مسواک توڑنا اور ان کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ (البتہ جو درخت خود رو نہیں ہے؛ بلکہ کسی شخص نے اپنی زمین میں خود قصداً اگائے ہیں، تو ان کی ٹہنی توڑنا جنایت میں داخل نہیں ہے)۔ **(غنیۃ الناسک: ۳۰۴، البحر العمیق: ۱۰۴۴/۲)**

سوکھی ہوئی گھاس کاٹنے کا حکم

حرم کی خشک درخت یا سوکھی ہوئی گھاس توڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ **(غنیۃ الناسک: ۳۰۴، تاتارخانیۃ زکریا: ۵۹۸/۳، البحر العمیق: ۱۰۳۳/۲، خانیۃ: ۳۱۲/۱، ہندیۃ: ۲۵۳/۱، مبسوط سرخسی زکریا: ۱۰۴/۴، معلم الحجاج: ۲۶۲)**

چلنے پھرنے سے یا کسی ضرورت سے گھاس اکھڑ جائے

اگر ضرورت سے گڑھا کھودا، یا چولہا بنایا، یا خیمہ گاڑا، یا چلتے ہوئے گھاس اکھڑ گئی، یا سواری کے پیر کے نیچے گھاس آ گئی تو اس میں کوئی جنایت لازم نہیں ہوتی۔ **(مناسک ملا علی قاری ؒ:۳۸۳، شامی زکریا:۳/۶۰۴)**

حدودِ حرم میں سانپ کی چھتری اکھاڑنا

اگر حدودِ حرم میں اگنے والی سانپ کی چھتری (کمأۃ) اکھاڑی تو کوئی جزاء لازم نہیں ہے۔ (کیونکہ وہ نہ تو درخت میں شامل ہے اور نہ گھاس میں؛ بلکہ ایک سبزی کے مانند ہے)۔ **(خانیۃ: ۱/۳۱۲، مناسک ملا علی قاری ؒ:۳۸۳، درمختار زکریا:۳/۶۰۷)**

حرم کی مٹی اور پتھر کا حکم

حدودِ حرم کی مٹی اور پتھر وغیرہ کا حکم خود رو درخت اور گھاس کے مانند نہیں ہے؛ لہٰذا وہاں کی مٹی کو ضرورت کی وجہ سے کھودنا یا حرم سے باہر منتقل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ **(فتاویٰ سراجیۃ:۱۹۰، تاتارخانیۃ زکریا:۳/۵۹۹)**

حرم میں شکار کردہ جانور کی بیع باطل ہے

جس شخص نے احرام کی حالت میں شکار کیا ہے تو اس کا شکار کردہ جانور میتہ کے حکم میں ہے، اس کا استعمال اور خرید وفروخت سب حرام اور باطل ہے۔ **”لایجوز بیع المحرم صیدا فی الحل والحرم“** **(مناسک ملا علی قاری ؒ:۳۷۱، اللباب:۱۹۰)**

﴿الفصل الاوّل﴾

محرم کیلئے شکار کی ممانعت

{۲۵۷۷} وَعَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ اَنَّهُ اَهْدٰى لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِمَارًا وَحْشِيًّا وَهُوَ بِالْاَبْوَاءِ اَوْ بِوَدَّانَ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَلَمَّا رَاٰى مَا فِيْ وَجْهِهٖ قَالَ: اِنَّا لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكَ اِلَّا اِنَّا حُرُمٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۴۶، ابواب العمرۃ، باب اذا اھدی للمحرم حماراً وحشیاً الخ، حدیث نمبر: ۱۷۸۹، مسلم شریف: ۱/۳۷۹، باب تحریم الصید الماکول البری الخ، حدیث نمبر: ۱۱۹۳۔

ترجمہ: حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے جنگلی گدھا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ھدیہ پیش کیا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام ابواء یا ودان میں تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس کر دیا، تو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے چہرے پر غم کے آثار دیکھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تمہارا ہدیہ ہم نے صرف اس لئے واپس کر دیا کہ ہم حالت احرام میں ہیں۔

محرم کیلئے شکار کا گوشت کھانے کا حکم

تشریح: اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ محرم کے لئے بحالت احرام شکار کرنا جائز نہیں ہے، اور شکار کرنے پر جزا واجب ہوگی۔ چاہے عامداً شکار کرے، یا ناسیاً۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر محرم نے خود شکار کیا یا حلال نے شکار کیا حرم میں یا حل میں لیکن **"بامر المحرم او بدلالتہ او**

باشارته او باعانته" تو ان تمام صورتوں میں محرم اور غیر محرم کسی کے لئے اس کا کھانا حلال نہ ہوگا۔ وہ میتہ کے حکم میں ہے۔

البتہ اگر محرم کی اعانت، دلالت یا اشارہ اور حکم کے بغیر غیر محرم نے شکار کیا تو محرم کے لئے ایسے شکار کا گوشت کھانے کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں فقہاء کے تین مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب سفیان ثوری اور اسحاق وغیرہ کا ہے کہ محرم کے لئے شکار کا گوشت کھانا مطلقاً ممنوع ہے، چاہے محرم کے لئے شکار کیا گیا ہو یا نہیں۔

ان کا استدلال قرآن کریم کی آیت سے ہے:

"وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا" (سورۂ مائدہ: ۹۶)

[لیکن جب تک تم حالت احرام میں ہو تم پر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے۔]

چونکہ یہ آیت مطلق ہے اس لئے ہر قسم کا شکار ممنوع ہوگا۔

اسی طرح ان کا استدلال حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت سے بھی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا شکار کیا ہوا ہدیہ قبول نہیں فرمایا۔

دوسرا مذہب امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کا ہے کہ اگر محرم نے خود شکار کیا یا غیر محرم نے محرم کو کھلانے کی نیت سے شکار کیا تو محرم کے لئے اس کا کھانا جائز نہیں ہے، چاہے محرم کی اجازت سے شکار کیا ہو یا محرم کی اجازت کے بغیر شکار کیا ہو۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے، جو اسی باب کی فصل ثانی کی پہلی حدیث ہے:

"ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لحم الصید لکم فی الاحرام حلال مالم تصیدوہ او یصد لکم"

[حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شکار کا گوشت تمہارے لئے حلال ہے بجکہ نہ تم نے وہ شکار کیا ہو اور نہ تمہارے لئے شکار کیا گیا ہو۔]

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اگر محرم نے خود شکار کیا یا کسی غیر محرم نے محرم کے لئے شکار کیا تو محرم کے لئے اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

تیسرا مذہب حنفیہ کا ہے کہ اگر غیر محرم نے محرم کے امر، اشارہ، اعانت اور دلالت کے بغیر شکار کیا تو محرم کے لئے اس کا کھانا جائز ہے، اگر چہ غیر محرم نے محرم کو کھلانے کی نیت سے شکار کیا ہو۔

حنفیہ کا استدلال حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے جو ابھی اس حدیث شریف کے بعد آرہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے دریافت نہیں فرمایا: **"هل صدت لهم او بنيتهم"** اس سے معلوم ہوا کہ نیت محرم سے شکار کرنے کے باوجود محرم کے لئے اس کا کھانا جائز ہے۔

فریق اول یعنی سفیان ثوری اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ نے جو صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے زندہ حمار وحشی پیش کیا تھا۔ اور شکار کئے جانے والے زندہ جانور کا قبول کرنا محرم کے لئے جائز نہیں ہے۔ اور اگر تسلیم کیا جائے کہ وہ شکار مذبوح تھا تو پھر یہ کہا جائے گا کہ ہوسکتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا ہو کہ کسی نے دلالت یا اشارہ سے اعانت کی ہے، اس لئے رد فرمایا۔

نیز یہ بھی احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے **"سدًا للذرائع"** رد فرمایا ہو۔

ائمہ ثلاثہ نے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت سنداً ضعیف ہے، اس لئے کہ اس میں راوی مطلب متکلم فیہ ہے، نیز اس میں انقطاع بھی ہے، کیونکہ مطلب کا سماع حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے، اس لئے اس کے مقابلہ میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو جو اصح مافی الباب ہے ترجیح ہوگی۔

اور یا یہ کہا جائے گا کہ **"يصد لكم"** کے معنی ہیں: **"يصد بامركم او باعانتكم او اشارتكم او دلالتكم"** ظاہر ہے کہ اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک بھی اس کا کھانا جائز نہیں ہوگا۔ (معارف السنن: ۶/۱۲۷/ نفحات التنقیح: ۳/۳۷۴)

حنفیہ کی مستدل حدیث

{۲۵۷۸} وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَخَلَّفَ مَعَ بَعْضِ اَصْحَابِہٖ وَھُمْ مُحْرِمُوْنَ وَھُوَ غَیْرُ مُحْرِمٍ فَرَاَوْا حِمَارًا وَحْشِیًّا قَبْلَ اَنْ یَّرَاہُ فَلَمَّا رَاَوْہُ تَرَکُوْہُ حَتّٰی رَاٰہُ اَبُوْ قَتَادَةَ فَرَکِبَ فَرَسًا لَہٗ فَسَاَلَھُمْ اَنْ یُّنَاوِلُوْہُ سَوْطَہٗ فَاَبَوْا فَتَنَاوَلَہٗ فَحَمَلَ عَلَیْہِ فَعَقَرَہٗ ثُمَّ اَکَلَ فَاَکَلُوْا فَنَدِمُوْا فَلَمَّا اَدْرَکُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَاَلُوْہُ قَالَ: ھَلْ مَعَکُمْ مِنْہُ شَیْءٌ؟ قَالُوْا: مَعَنَا رِجْلُہٗ فَاَخَذَھَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَکَلَھَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) وَفِیْ رِوَایَةٍ لَّھُمَا فَلَمَّا اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَمِنْکُمْ اَحَدٌ اَمَرَہٗ اَنْ یَّحْمِلَ عَلَیْھَا اَوْ اَشَارَ اِلَیْھَا. قَالُوْا: لَا. قَالَ: فَکُلُوْا مَا بَقِیَ مِنْ لَّحْمِھَا۔

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۴۰۰، کتاب الجھاد، باب اسم الفرس والحمار، حدیث نمبر: ۲۷۹۶۔ مسلم شریف: ۱/ ۳۸۰، کتاب الحج، باب تحریم الصید الماکول البری الخ، حدیث نمبر: ۱۱۹۶۔

حل لغات: سوط: کوڑا، جمع: اسواط۔

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، مگر یہ اپنے بعض ساتھیوں کے ساتھ پیچھے رہ گئے، جو محرم تھے اور یہ خود غیر محرم تھے، چنانچہ ان کے دیکھنے سے پہلے ان کے ساتھیوں نے ایک جنگلی گدھا دیکھا، جب ان لوگوں نے دیکھا تو چھوڑ دیا، یہاں تک کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا، تو انہوں نے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے ساتھیوں سے اپنا کوڑا مانگا، تو ان کے ساتھیوں نے دینے سے انکار کر دیا، تو انہوں نے خود سے لے کر اس پر حملہ آور ہوئے، یہاں تک کہ اس کو مار گرایا، پھر اس کا گوشت انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے کھایا، لیکن بعد میں یہ لوگ نادم ہوئے، جب ان لوگوں کی ملاقات حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تو اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: کیا اس میں سے تم لوگوں کے ساتھ کچھ ہے؟ ان لوگوں نے کہا: اس کا پیر ہے، تو آنحضرت ﷺ اسے لے کر تناول فرمایا۔

اور بخاری شریف و مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ جب وہ لوگ حضرت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اس پر حملہ کرے؟ یا تم میں سے کسی نے اس کی طرف اشارہ کیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو پھر اس گوشت میں جو کچھ باقی رہ گیا ہے اسے کھالو۔

تشریح: یہ حدیث ابوقتادہ رضی اللہ عنہ حنفیہ کی دلیل ہے، مضمون حدیث تو واضح ہے، اس کے لکھنے کی حاجت نہیں، یہ واقعہ عمرۂ حدیبیہ کے سفر کا ہے۔ **کما فی روایۃ البخاری۔**

ہمارا اس حدیث شریف سے استدلال اس طور پر ہے کہ ظاہر ہے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے گورخر کا شکار تنہا اپنے لئے نہیں کیا ہوگا، چنانچہ وہ شکار کرتے ہی فوراً اس کو اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے پاس لائے، بعض نے تو اس کو قبول کیا اور کھایا اور بعض نے اس وقت نہیں کھایا، پھر جب حضور اقدس ﷺ سے ملے تو آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا، آنحضرت ﷺ نے ابوقتادہ سے کچھ دریافت کئے بغیر ہی اس کے کھانے کی اجازت دیدی۔

ایک مشہور اشکال و جواب

اس روایت پر ایک مشہور اشکال ہے وہ یہ کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے رفقاء نے تو احرام باندھا، خود انہوں نے کیوں نہیں باندھا؟

اس کے متعدد جواب دئے گئے ہیں:

(۱)...... **لم یجاوز المیقات** یعنی ابھی تک انہوں نے میقات سے تجاوز نہیں کیا تھا۔

(۲)...... ممکن ہے اس وقت تک حضور اقدس ﷺ کی جانب سے مواقیت کی تعیین ہی نہ ہوئی ہو۔

(۳)...... ان کا یہ سفر دخول مکہ اور عمرہ کے ارادہ سے تھا ہی نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ نے ان کو کسی

جگہ ایک دوسرے کام کے لئے بھیجا تھا۔ **"ففی روایۃ بعثہ فی وجہ وفی روایۃ بعثہ علی الصدقۃ"** اور ممکن ہے کہ شروع میں تو اسی وجہ سے نہ باندھا ہو، بعد میں جب عمرے کا ارادہ ہوگیا ہوتو باندھ لیا ہو۔(بذل، الدر المنضود:۲۲۳/۳)

محرم کن جانوروں کا شکار کرسکتا ہے؟

{۲۵۷۹} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: خَمْسٌ لَا جُنَاحَ عَلٰی مَنْ قَتَلَهُنَّ فِی الْحَرَمِ وَالْاِحْرَامِ الْفَارَۃُ وَالْغُرَابُ وَالْحِدَاَۃُ وَالْعَقْرَبُ وَالْکَلْبُ الْعَقُوْرُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۴۶۷، کتاب بدء الخلق، باب خمس من الدواب الخ، حدیث:۳۲۰۵، مسلم شریف: ۱/۳۸۱، کتاب الحج، باب ماندب للمحرم وغیرہ قتلہ من الدواب، حدیث نمبر:۱۱۹۹۔

حل لغات: **الفارۃ:** بمعنی چوہا۔ **الغراب:** کوا، جمع: اغرب، **الحداۃ:** چیل، جمع: حدأ، **العقرب:** بچھو، جمع: عقارب۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حرم کے اندر حالت احرام میں پانچ چیزوں کے مارنے میں کوئی حرج نہیں ہے: (۱) چوہا۔ (۲) کوا۔ (۳) چیل۔ (۴) بچھو۔ (۵) کاٹ کھانے والا کتا۔

تشریح: **الفارۃ:** چوہا خواہ جنگلی ہو خواہ گھروں میں رہنے والا ہو۔

الغراب: اس سے مراد غرابِ ابقع ہے، چنانچہ اگلی روایت میں اس کی وضاحت موجود ہے، یعنی وہ سیاہ سفید کوا جو عام طور پر مردار اور نجاست کھاتا ہے، چنانچہ غراب الزرع یعنی وہ کوا جو کھیت اور کھلیان سے کھاتا ہے اور جس کے پورے جسم کا رنگ تو سیاہ ہوتا ہے، البتہ چونچ اور پاؤں کا رنگ سرخ ہوتا ہے، ایسے کوے کو مارنا جائز نہیں ہے۔

الحداۃ: **عنبۃ** کے وزن پر چیل کو کہتے ہیں اور اگلی روایت میں **"حدیۃ"** تصغیر کے ساتھ مذکور ہے۔

العقرب: بچھو اور جو اس کے حکم میں ہو جیسے سانپ۔

والکلب العقور: پاگل کتا یا پاگل نہ ہو لیکن کاٹنے والا ہو، اسی طرح کتے کے حکم میں ہر وہ درندہ شامل ہے جو حملہ آور ہوتا ہے، اس لئے کہ اباحت قتل کی علت ہمارے نزدیک ابتدا بالایذاء ہے، چنانچہ ہر وہ درندہ جو ایذاء میں ابتداء کرے اسے قتل کرنا جائز ہے، اور اس کی تائید ترمذی شریف کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں: **"السبع العادی"** کے الفاظ مروی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتے کا مارنا حرام ہے جس سے فائدہ حاصل ہوتا ہو، اور وہ موذی نہ ہو، اسی طرح وہ کتا جس سے نہ فائدہ حاصل ہوتا ہو اور نہ نقصان پہنچتا ہو تو ایسے کتے کا مارنا بھی جائز نہیں ہے۔

(مرقاۃ: ۵/۳۸۸، نفحات التنقیح: ۳/۳۷۶)

موذی جانوروں کے مارنے کا حکم

{۲۵۸۰} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: خَمْسٌ فَوَاسِقُ يُقْتَلْنَ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ الْحَيَّةُ وَالْغُرَابُ الْأَبْقَعُ وَالْفَارَةُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ وَالْحُدَيَّا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۴۶، ابواب العمرۃ، باب مایقتل المحرم من الدواب، حدیث نمبر: ۱۷۹۳، مسلم شریف: ۱/۳۸۱، باب مایندب للمحرم وغیرہ قتلہ من الدواب الخ، حدیث نمبر: ۱۱۹۸۔

حل لغات: **الحیۃ:** سانپ، جمع: **حیات وحیوات۔**

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پانچ تکلیف دہ جانور ہیں، جنہیں حل اور حرم دونوں جگہ قتل کیا جا سکتا ہے۔ (۱) سانپ۔ (۲) ابلق کوا۔ (۳) چوہا۔ (۴) کاٹ کھانے والا کتا۔ (۵) چیل۔

تشریح: تفصیل ماقبل میں گذر چکی۔

الفصل الثانی

محرم کیلئے شکار کی ممانعت

{۲۵۸۱} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَحْمُ الصَّيْدِ لَكُمْ فِي الْاِحْرَامِ حَلَالٌ مَالَمْ تَصِيْدُوْهُ اَوْ يُصَادُ لَكُمْ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۵۶، باب لحم الصید للمحرم، حدیث نمبر: ۱۸۵۳۔ ترمذی شریف: ۱/۱۷۳، باب ماجاء فی اکل الصید للمحرم، حدیث نمبر: ۸۴۶، نسائی شریف: ۲/۲۰، باب اذا اشارہ المحرم الی الصید الخ، حدیث نمبر: ۲۸۳۰۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تمہارے لئے حالت احرام میں ایسے شکار کا گوشت حلال ہے، جسے نہ تم نے شکار کیا ہو اور نہ تمہارے لئے شکار کیا گیا ہو۔

تشریح: محرم ایسے شکار کا گوشت کھا سکتا ہے، جس میں محرم کا کوئی عمل دخل نہ رہا ہو، اگر عمل دخل ہو جائے تو حرام ہے۔

مالم تصیدوہ او یصاد لکم: اکثر نسخوں میں اسی طرح ہے۔

او یصاد لکم: نسائی شریف میں بھی اسی طرح ہے لیکن قواعد کا تقاضا یہ ہے کہ "**او یصد لکم**" ہونا چاہئے، اس لئے کہ اس کا عطف مجزوم پر ہے اور یہ لم کے تحت ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں "**او یصد لکم**" ہی ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل اور حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب

بہر حال اس حدیث شریف سے ائمہ ثلاثہ نے استدلال کیا، کیونکہ اس حدیث شریف کا صریح مفہوم یہ ہے: صید البر تمہارے لئے، یعنی محرم کے لئے حلال ہے، جب تک کہ وہ شکار تم خود نہ کرو، اور نہ وہ تمہارے لئے کیا گیا ہو۔

ہماری طرف سے اس کے دو جواب ہیں:

(۱)……اول یہ کہ یہ حدیث متکلم فیہ ہے، منقطع ہے، حضرت مطلب بن عبد اللہ بن حنطب کا سماع حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔ **کما نقل الترمذی عن شیخہ الامام البخاری رحمہما اللہ تعالیٰ**۔ ایسے ہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روایت کیا ہے: **عن عمرو عن رجل من الانصار عن جابر**۔

(۲)……ممکن ہے لکم کا مطلب یہ ہو **بامر کم او باشارتکم**۔

(۳)……اس حدیث شریف سے استدلال اس پر موقوف ہے کہ اس کے لفظ اس طرح ہوں: "**او یصد لکم**" (اس صورت میں یہ جملہ نفی کے تحت میں ہوگا، حالانکہ روایات میں "**او یصاد لکم**" ہے۔ لہٰذا "**او یصاد لکم**" کا مطلب یہ ہے "**الا ان یصاد لکم**" یعنی الا یہ کہ وہ شکار تمہارے لئے کیا جائے (تو پھر اس صورت میں جائز ہے) یعنی اگر تم خود کرتے ہو تو ناجائز ہے اور اگر دوسرا تمہارے لئے کرے تو وہ جائز ہے، اسی لئے بذل المجہود میں لکھا ہے کہ اس حدیث شریف سے تو حنفیہ کی تائید ہوتی ہے۔

(الدر المنضود: ۲۱، ۲۲۲/ ۳)

ٹڈی شکار کرنا

{۲۵۸۲} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْجَرَادُ مِنْ صَیْدِ الْبَحْرِ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۵۶، باب الجراد للمحرم، حدیث نمبر: ۱۸۵۳، ترمذی شریف: ۱/۱۷۳، باب ماجاء فی صید البحر للمحرم، حدیث نمبر: ۸۵۰۔

حل لغات: **الجراد:** جمع ہے "**جرادة**" کی بمعنی ٹڈی۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ٹڈی دریائی شکار ہے۔

تشریح: **الجراد من صید البحر:** محرم کے لئے صید بحر نص قرآنی جائز ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ**" اس لئے اس حدیث شریف کے پیش نظر ابوسعید، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ٹڈی صید البحر میں شامل ہے، لہٰذا ٹڈی کے شکار سے کوئی جزا واجب نہیں ہوگی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت اسی کے موافق ہے۔

لیکن جمہور کے نزدیک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت کے مطابق ٹڈی صید البر میں داخل نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کے شکار پر جزا واجب ہے۔ (المغنی: ۳/۲۶۸)

جمہور کا استدلال موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے ہے: **ان رجلا جاء الی عمر بن الخطاب فقال یا امیر المومنین انی اصبت جرادات بسوطی وانا محرم فقال له عمر اطعم قبضة من طعام۔** [ایک شخص نے سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر دریافت کیا: اے امیر المومنین! میں نے اپنے کوڑے سے بہت سی ٹڈیوں کا شکار کرلیا، حالانکہ میں محرم تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ایک مٹھی گلہ صدقہ کردو۔] ایسا ہی موطا میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ اثر بھی مذکور ہے: **ان رجلا جاء الی عمر بن الخطاب فسأله عن جرادات قتلها وهو محرم فقال عمر** رضی اللہ عنہ **لکعب: تعال حتی نحکم فقال تحکم فقال کعب، درهم فقال عمر** رضی اللہ عنہ**، لکعب، انک لتجد الدراهم، لتمرة خير من جرادة"** (میزان الاعتدال: ۴/۴۲۶) [ایک شخص حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور اس نے ٹڈیوں کے بارے میں سوال کیا، جن کو اس نے محرم ہونے کی حالت میں قتل کیا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آئیے ہم فیصلہ کریں، پھر فرمایا: آپ فیصلہ کیجئے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ

نے فرمایا: ایک درہم۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم کو دراہم پاتے ہو (مالدار آدمی ہو) ایک کھجور ایک ٹڈی سے بہتر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان دو آثار سے معلوم ہوا کہ قتل میں جزا واجب ہے، نیز جزا کی مقدار بھی معلوم ہوئی کہ قتل جرادہ کی جزا میں ایک قبضہ طعام یا ایک کھجور دینا کافی ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا جواب یہ ہے کہ اس میں ابوالمہزم راوی ضعیف ہیں، اس لئے اس سے استدلال درست نہیں۔ (موطا امام مالک: ۴۱۶/۱)

اور اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ اس سے مراد بغیر ذبح کئے ہوئے مچھلی کی طرح اس کے کھانے کی اجازت دینا مقصود ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے صحیح ہونے کی تقدیر پر بہتر یہ ہے کہ روایات میں تطبیق کی صورت اختیار کی جائے، اس طرح کہ ٹڈی کی دو قسمیں ہیں، بحری اور بری، لہٰذا ہر ایک کا حکم علیحدہ ہوگا، کہ بری میں جزا ہے اور بحری میں نہیں۔
(مرقاۃ: ۳۸۹/۴، نفحات التنقیح: ۲۷۶/۳)

درندے کو مارنا

{۲۵۸۳} وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: یَقْتُلُ الْمُحْرِمُ السَّبُعَ الْعَادِیَ۔

(رواه الترمذی وابوداؤد وابن ماجة)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۷۱/۱، باب ماجاء مایقتل المحرم الدواب، حدیث نمبر: ۸۳۸، ابوداؤد شریف: ۲۵۶/۱، باب مایقتل المحرم من الدواب، حدیث نمبر: ۱۸۴۸، ابن ماجہ شریف: ۲۲۳، باب مایقتل المحرم، حدیث نمبر: ۳۰۸۹۔

حل لغات: السبع: درندہ، جمع: اسبع وسباع۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا: کہ محرم پھاڑ کھانے والے جانور کو مار ڈالے۔

تشریح: یقتل المحرم السبع العادی: مراد یہ ہے کہ محرم کسی بھی پھاڑ کھانے والے جانور کو مار سکتا ہے، کوئی حرج نہیں ہے۔

بجو کا شکار کرنا

{۲۵۸۴} وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ عَمَّارٍ قَالَ سَأَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ الضَّبُعِ اَصَیْدٌ هِیَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ! فَقُلْتُ: اَیُؤْکَلُ؟ فَقَالَ: نَعَمْ! فَقُلْتُ: سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: نَعَمْ۔ (رواہ الترمذی والنسائی والشافعی) وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۷۴، باب ماجاء فی الضبع الخ، حدیث: ۸۵۱، نسائی شریف: ۱/۲۱،

باب مالا یقتلہ المحرم، حدیث نمبر: ۲۸۳۱۔

حل لغات: الضبع: بجو، جمع: ضباع،

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن ابو عمار سے روایت ہے کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بجو کے بارے میں پوچھا: کہ کیا وہ شکار ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! میں نے کہا: کیا کھایا جاسکتا ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! میں نے کہا: کیا آپ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔

ضبع کی حلت وحرمت میں فقہاء کے اقوال

تشریح: اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ اگر محرم نے حالت احرام میں ضبع کو قتل کر دیا تو اس پر جزا واجب ہے، البتہ ضبع کی حلت اور حرمت میں فقہاء کا اختلاف ہے، چنانچہ شوافع اور حنابلہ اکل ضبع کو جائز کہتے ہیں، اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے استدلال کرتے ہیں، جبکہ حضرات حنفیہ اور مالکیہ کراہت

اور عدم جواز کے قائل ہیں۔

حنفیہ اور مالکیہ کا استدلال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے: **"عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: کل ذی ناب من السباع فاکله حرام"** [ہر ذی ناب سباع میں سے ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔] اور ضبع ذی ناب ہونے کی وجہ سے سباع میں داخل ہے۔

نیز اسی فصل ثانی میں حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی روایت مذکور ہے، **"قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اکل الضبع قال او یاکل الضبع احد"** [میں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بجو کے کھانے کے بارے میں سوال کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا کوئی شخص بجو کو کھا سکتا ہے۔] یہاں استفہام انکاری مراد ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ اس روایت کے بارے میں فرمایا ہے: **"لیس اسناده بالقوی"** لیکن چونکہ تحریم کی دوسری روایات اس کے لئے مؤید ہیں، اس لئے اس سے استدلال درست ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث شریف کا جواب یہ ہے کہ اس سے اکل ضبع کے جواز پر استدلال اسلئے صحیح نہیں ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود صرف ضبع کو صید فرما کر قتل ضبع کے سلسلے میں وجوب جزاء علی المحرم کو بیان کرنا ہے۔ جیسا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اگلی روایت میں ضبع کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح موجود ہے۔ **"هو صید و یجعل فیه کبشا اذا اصابه المحرم"** [وہ شکار ہے اور اس میں ایک مینڈھا ادا کرے، جب کوئی محرم اس کا شکار کرے۔] لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ضبع کے صید ہونے سے یہ سمجھا کہ وہ ماکول اللحم بھی ہے، تو یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اپنا قیاس اور اجتہاد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ نہیں ہے۔ لیکن یہ قیاس صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ضبع کے صید ہونے سے اباحت اکل ثابت نہیں ہوتی۔

اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ جو روایات ہم نے پیش کی وہ محرم ہیں، جبکہ یہ روایت مبیح ہے محرم اور مبیح میں جب تعارض ہو تو ترجیح محرم کو ہوتی ہے۔

نیز تعارض ادلہ کی صورت میں اکل کے معاملہ میں بطور خاص احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اکل ضبع سے اجتناب کیا جائے۔ (مرقاۃ: ۵/۳۹۰ نفحات التنقیح: ۳/۳۷۷)

محرم کیلئے بجو کا شکار ممنوع ہے

{۲۵۸۵} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الضَّبُعِ، قَالَ: ھُوَ صَیْدٌ وَیُجْعَلُ فِیْہِ کَبْشًا اِذَا اَصَابَہُ الْمُحْرِمُ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ والدارمی)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۵۳۳/۲، ابن ماجہ شریف: ۲۲۳، باب جزاء الصید لصیبہ المحرم، حدیث نمبر: ۳۰۸۵، دارمی: ۱۰۲/۲، کتاب المناسک، باب فی جزاء الضبع، حدیث نمبر: ۱۹۴۱۔

حل لغات: کبشا: مینڈھا، جمع: کباش۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بجو کے بارے میں دریافت کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شکار ہے، اگر محرم اس کا مرتکب ہو جائے تو بدلے میں مینڈھا دینا پڑے گا۔

تشریح: محرم کے لئے بجو کا شکار کرنا ممنوع ہے۔

ویجعل فیہ کبشا اذا اصابہ المحرم: مراد یہ ہے کہ محرم نے بجو کا شکار کرلیا تو اس پر دم واجب ہوگا۔ "ای فی جزاء قتلہ" (مرقاۃ: ۳۹۰/۵)

بجو حرام ہے

{۲۵۸۶} وَعَنْ خُزَیْمَۃَ بْنِ جَزِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ اَکْلِ الضَّبُعِ، قَالَ: اَوَ یَأْکُلُ الضَّبُعَ اَحَدٌ؟ وَسَأَلْتُہُ عَنْ اَکْلِ الذِّئْبِ، قَالَ: اَوَ یَأْکُلُ الذِّئْبَ اَحَدٌ فِیْہِ خَیْرٌ۔ (رواہ الترمذی) وَقَالَ لَیْسَ اِسْنَادُہُ بِالْقَوِیِّ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۸/۲، کتاب الاطعمۃ، باب ماجاء فی اکل الضبع، حدیث نمبر: ۱۷۹۲۔

حل لغات: الذئب: بھیڑیا، جمع: ذئاب۔

ترجمہ: حضرت خزیمہ بن جزی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بجو کھانے کے بارے میں پوچھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا کوئی بجو بھی کھاتا ہے؟ نیز میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھڑیا کھانے کے بارے میں دریافت کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کیا ایسا شخص جس میں بھلائی (ایمان) ہو بھیڑیے کو کھاتا ہے؟

تشریح: بجو اور بھیڑیا کا گوشت کھانا ممنوع ہے۔

اویأکل الضبع احد: مراد یہ ہے کہ بجو کا گوشت کھانا ممنوع ہے۔ **دل علی حرمۃ اکل الضبع کما قال بہ ابو حنیفۃ و مالک خلافا للشافعی و احمد**" (مرقاۃ: ۵/۳۹۰)

اویأکل الذئب احدا لخ: مراد یہ ہے کہ آدمی بھیڑیا کا گوشت نہ کھائے، اس لئے کہ اس میں فائدہ نہیں ہے نقصان ہی نقصان ہے۔

الفصل الثالث

محرم کیلئے شکار کا گوشت کھانا

{۲۵۸۷} وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ قَالَ كُنَّا مَعَ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ وَنَحْنُ حُرُمٌ فَاُهْدِيَ لَهُ طَيْرٌ وَطَلْحَةُ رَاقِدٌ فَمِنَّا مَنْ اَكَلَ وَمِنَّا مَنْ تَوَرَّعَ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ طَلْحَةُ وَافَقَ مَنْ اَكَلَهُ قَالَ: فَاَكَلْنَاهُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۳۸۱، کتاب المناسک، باب ماینذب للمحرم و غیرہ قتلہ من الدواب الخ، حدیث نمبر: ۱۱۹۷۔

حل لغات: طیر: پرندہ، جمع: طیور۔ راقد: رقد (ن) رقدا: سونا۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن عثمان التیمی سے روایت ہے کہ ہم حالت احرام میں

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے کہ ان کے پاس ہدیہ میں ایک پرندہ آیا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سو رہے تھے، تو ہم میں سے بعض نے کھایا اور بعض نے پرہیز کیا، جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے، تو انہوں نے کھانے والوں کی موافقت کرتے ہوئے کہا: کہ ہم نے یہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھایا ہے۔

تشریح: فاھدی له طیر: طیر سے مراد پرندے کا گوشت ہے۔ **"ای مشوی او مطبوخ"** (مرقاۃ: ۵/۳۹۱)

وافق من اکله الخ: مراد یہ ہے کہ انہوں نے محرم کیلئے کوئی شکار کا گوشت بھیجا تو اس کو کھانے کی اجازت دی اور اپنی بات کو مزید مضبوط کرنے کیلئے انہوں نے یہ فرمایا: کہ ہم نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح کا گوشت کھایا ہے۔ تفصیل ما قبل میں گذر چکی۔

باب الاحصار وفوت الحج

(احصار اور حج کے فوت ہونے کا بیان)

رقم الحدیث: ۲۵۸۸/تا۲۵۹۵/

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب الاحصار وفوت الحج

(احصار اور حج کے فوت ہونے کا بیان)

احصار کے معنی: احصار کے معنی لغت کے اعتبار سے تو ”روک لیا جانا“ ہیں، اور اصطلاحِ فقہ میں ”احرام باندھ لینے کے بعد حج یا عمرہ سے روکا جانا“ احصار کہلاتا ہے۔ **”ای المنع او الحبس لغۃ، والمنع عن الوقوف والطواف شرعا“** (مرقاۃ:۶/۲)

جس شخص پر ایسا واقعہ پیش آجائے یعنی جس شخص نے احرام باندھا اور پھر جس کام کے واسطے (یعنی حج یا عمرہ کے لئے) احرام باندھا تھا اس کے ادا کرنے سے وہ روکا گیا تو اس کو ”محصر“ کہتے ہیں۔

احصار کی صورتیں

حنفی مسلک کے مطابق احصار کی کئی صورتیں ہیں، جو اس چیز کی ادائیگی سے کہ جس کا احرام باندھا ہے (یعنی حج یا عمرہ) حقیقتاً یا شرعاً مانع ہو جاتی ہیں، ان صورتوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱)۔۔۔۔۔۔**کسی دشمن کا خوف ہو:** دشمن سے مراد عام ہے، خواہ کوئی آدمی ہو یا درندہ جانور۔ مثلاً یہ معلوم ہو کہ راستہ میں کوئی دشمن بیٹھا ہے جو حجاج کو ستاتا ہے، یا لوٹتا ہے یا مارتا ہے، آگے نہیں جانے دیتا، یا ایسے ہی کسی جگہ شیر وغیرہ کی موجودگی کا علم ہو۔

(۲)۔۔۔۔۔۔**بیماری:** احرام باندھنے کے بعد ایسا بیمار ہو جائے کہ اس کی وجہ سے آگے نہ جا سکتا ہو، یا آگے

جا تو سکتا ہے، مگر مرض بڑھ جانے کا خوف ہو۔

(۳)......**عورت کا محرم نہ رہے:** احرام باندھنے کے بعد عورت کا محرم یا خاوند مرجائے، یا کہیں چلا جائے یا آگے جانے سے انکار کردے۔

(۴)......**خرچ کم ہوجائے:** مثلاً احرام باندھنے کے بعد مال واسباب چوری ہوجائے، یا پہلے ہی خرچ کم لے کر چلا ہو اور اب آگے کی ضروریات کے لئے روپیہ پیسہ نہ رہے۔

(۵)......**عورت کیلئے عدت:** احرام باندھنے کے بعد عورت کا شوہر مرجائے یا طلاق دے دے، جس کی وجہ سے وہ پابند عدت ہوجائے تو یہ احصار ہوجائے گا، ہاں اگر وہ عورت اس وقت مقیم ہے اور اس کے جائے قیام سے مکہ مکرمہ بقدر مسافت سفر نہیں ہے تو احصار نہیں سمجھا جائے گا۔

(۵)......**راستہ بھول جائے:** اور کوئی راستہ بتانے والا نہ مل سکے۔

(۷)......**عورت کو اس کا شوہر منع کردے:** بشرطیکہ اس نے حج کا احرام اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر باندھا ہو، حج فرض کے روکنے کا اور حج نفل میں اجازت دینے کے بعد روکنے کا اختیار شوہر کو نہیں ہے۔

(۸)......**لونڈی یا غلام کو اس کا مالک منع کردے۔** (ردالمحتار: ۴-۳/۴)

احصار کی یہ تمام صورتیں حنفیہ کے مسلک کے مطابق ہیں، بقیہ تینوں ائمہ کے ہاں احصار کی صرف ایک ہی صورت، یہی دشمن کا خوف ہے، چنانچہ ان حضرات کے نزدیک دیگر صورتوں میں احصار درست نہیں ہوتا، بلکہ احرام کی حالت برقرار رہتی ہے۔

احصار کا حکم

جس محرم کو احصار کی مندرجہ بالا صورتوں میں سے کوئی صورت پیش آجائے تو اسے چاہیئے کہ وہ اگر مفرد ہو تو ایک ہدی کا جانور (مثلاً ایک بکری) اور اگر قارن ہو تو دو ہدی کے جانور (مثلاً دو بکری) کسی شخص کے ذریعہ حرم میں بھیج دے، تاکہ وہ اس کی طرف سے وہاں ذبح ہو، یا قیمت بھیج

دے کہ وہاں ہدی کا جانور خرید کر ذبح کر دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی ذبح کا دن اور وقت بھی متعین کر دے یعنی جس شخص کے ذریعہ جانور حرم بھیج رہا ہو اس کو یہ تاکید کر دے کہ یہ جانور وہاں فلاں دن اور فلاں وقت ذبح کیا جائے، پھر وہ اس متعین دن اور وقت کے بعد احرام کھول دے، سر منڈانے یا بال کتروانے کی ضرورت نہیں۔ پھر آئندہ سال اس کی قضا کرے، بایں طور کہ اگر اس نے احصار کی وجہ سے حج کا احرام اتارا ہے تو اس کے بدلہ ایک حج اور ایک عمرہ کرے اور اگر قران کا احرام اتارا ہے تو اس کے بدلہ ایک حج اور دو عمرے کرے، جبکہ عمرہ کا احرام اتارنے کی صورت میں صرف ایک عمرہ کیا جائے گا۔

اگر ہدی کا جانور بھیجنے کے بعد احصار جاتا رہے اور یہ ممکن ہو کہ اگر محصر روانہ ہو جائے تو قربانی کے ذبح ہونے سے پہلے پہنچ جائے گا اور حج بھی مل جائے گا تو اس پر واجب ہوگا کہ وہ فوراً روانہ ہو جائے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر اس پر فوراً جانا واجب نہیں ہوگا، تاہم اگر وہ حج کو روانہ ہو جائے اور وہاں اس وقت پہنچے جب کہ ہدی کا جانور بھی ذبح ہو چکا ہو اور حج کا وقت بھی گذر چکا ہو تو اس صورت میں وہ عمرہ کے افعال ادا کر کے احرام کھول دے۔

حج فوت ہو جانے کا مطلب اور اس کا حکم

حج فوت ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص حج کیلئے گیا، اس نے احرام بھی باندھ لیا تھا، مگر کوئی ایسی بات پیش آ گئی کہ وہ عرفہ کے دن زوالِ آفتاب کے بعد سے بقر عید کی صبح تک کے عرصہ میں ایک منٹ کیلئے بھی وقوف عرفات نہ کر سکا، (یاد رہے کہ وقوفِ عرفات کا وقت عرفہ کے دن زوالِ آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے اور بقر عید کی فجر طلوع ہوتے ہی ختم ہو جاتا ہے، اس عرصہ میں وقوفِ عرفات فرض ہے، خواہ ایک ہی منٹ کیلئے کیوں نہ ہو) تو اس صورت میں حج فوت ہو جائیگا اور جس شخص کا حج فوت ہو جاتا ہے اسے فائت الحج کہتے ہیں۔

جس شخص کا حج فوت ہو جائے اس کو چاہئے کہ عمرہ کر کے یعنی خانہ کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کے بعد احرام کھول دے، اگر مفرد ہو تو ایک عمرہ کرے اور اگر

قارن ہوتو دو عمرے کرے اور اس کے بعد سر منڈوادے، یا بال کتروادے اور پھر سالِ آئندہ میں اس حج کی قضا کرے۔

حج فوت ہو جانے کا ایک پیچیدہ مسئلہ

جس شخص کا حج فوت ہو رہا ہو اس کے بارہ میں ایک بڑا پیچیدہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وہاں بقرعید کی رات کے بالکل آخری حصہ میں اس حال میں پہنچے کہ اس نے ابھی تک عشاء کی نماز نہ پڑھی ہو، اور اسے اس بات کا خوف ہو کہ اگر عرفات جاتا ہوں تو عشاء کی نماز جاتی رہے گی، اور اگر عشاء کی نماز میں مشغول ہوتا ہوں تو وقوفِ عرفات ہاتھ نہیں لگے گا، اس صورت میں وہ کیا کرے؟ اس کے متعلق بعض حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ اسے عشاء کی نماز میں مشغول ہو جانا چاہئے، اگرچہ وقوفِ عرفات فوت ہو جائے، جبکہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ وہ عشاء کی نماز چھوڑ دے اور عرفات چلا جائے، چنانچہ فقہ حنفی کی کتاب درمختار میں بھی یہی لکھا ہے کہ اگر عشاء کا وقت بھی تنگ ہو اور وقوفِ عرفات بھی نکلا جا رہا ہو تو اس صورت میں نماز چھوڑ کر عرفات چلے جانا چاہئے۔

الفصل الاوّل

احصار النبی ﷺ

{۲۵۸۸} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قَالَ قَدْ أُحْصِرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَلَقَ رَأْسَهٗ وَجَامَعَ نِسَاءَهٗ وَنَحَرَ هَدْيَهٗ حَتّٰى اِعْتَمَرَ عَامًا قَابِلًا۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۲۴۳، ابواب العمرۃ، باب اذا احصر المعتمر، حدیث نمبر: ۱۷۷۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ روک

دئے گئے تھے، تو انہوں نے اپنا سر منڈایا، اپنی بیویوں سے صحبت کی اور اپنی ہدی ذبح کی، پھر اگلے سال آنحضرت ﷺ نے عمرہ ادا کیا۔

تشریح: احصار کے لغوی و اصطلاحی معنی: "احصار" کے لغوی معنی ہیں "المنع" روکنا، اور اصطلاح شرع میں کہتے ہیں: "منع الوقوف والطواف" یعنی محرم کو وقوف عرفہ اور طواف سے روکنا، لہٰذا اگر وہ ان دونوں میں سے کسی ایک پر قادر رہا تو وہ محصر نہیں سمجھا جائے گا۔

احصار سے متعلق اختلافی مسائل

احصار سے تین مسئلے متعلق ہیں، جن میں اختلاف ہے:

پہلا مسئلہ: پہلا اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ احصار عدو کے ذریعہ متحقق ہوتا ہے، یا پھر مرض اور زاد وراحلہ کے ختم ہو جانے سے بھی احصار متحقق ہو سکتا ہے، امام مالک، امام شافعی، امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت کے مطابق احصار صرف عدو سے متحقق ہوتا ہے، ان کے نزدیک مرض اور انقطاع زاد وراحلہ کا اعتبار نہیں ہے۔

جبکہ حنفیہ، سفیان ثوری، عطائ، ابراہیم نخعی اور ابوثور رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق احصار عام ہے، اور احصار بالعدو یا بالمرض ہو یا بفوات الزاد والراحلہ ہو ہر ایک سے انسان محصر ہو سکتا ہے۔ (مذاہب کی تفصیل کے لئے دیکھئے: المغنی: ۱۷۷/۳)

مالکیہ اور شافعیہ کا استدلال قرآن مجید کی آیت احصار سے ہے: "**أَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ**" (سورۃ البقرۃ: ۱۹۶) [اور حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا پورا ادا کرو، ہاں اگر تمہیں روک دیا جائے تو جو قربانی میسر ہو (اللہ کے حضور میں پیش کر دو۔)]

یہ آیت احصار بالعدو کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے، چونکہ حضرت رسول اللہ ﷺ اور آنحضرت ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم ۶ھ میں حدیبیہ کے مقام پر محصر بالعدو ہی تھے، اس لئے "**فَإِنْ أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ**" [پھر جب تم امن حاصل کر لو تو جو شخص حج کے ساتھ عمرے کا فائدہ اٹھائے۔] تو چونکہ امن عدو ہی سے ہوتا ہے نہ کہ مرض سے اس لئے احصار بھی عدو ہی کے ذریعہ سے ہوگا،

اور مرض کو عدو پر قیاس بھی نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ احصار بالعدو میں تو انسان محصر ہو کر گھر واپس جا سکتا ہے اور عدو سے امن حاصل کر سکتا ہے، لیکن مرض سے نجات محصر قرار دئے جانے کے باوجود حاصل نہیں ہوتی، اس لئے قیاس المرض علی العدو یہ قیاس مع الفارق ہوگا۔

حنفیہ کا استدلال بھی قرآن مجید کی اسی آیت "فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ" [اگر تمہیں روک، دیا جائے تو جو قربانی میسر ہو (اللہ کے حضور میں پیش کر دو۔)] سے ہے۔ اس لئے کہ اہل لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ احصار بابِ افعال سے مرض کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور حصر ثلاثی مجرد میں عدو کے لئے استعمال ہوتا ہے، لہٰذا آیت تو احصار بالمرض کے بارے میں ہے، چونکہ افعال کا صیغہ استعمال ہوا ہے، تو وہ کیوں معتبر نہ ہو؟ اور احصار کو مرض کے لئے خاص نہ قرار دیا جائے تب بھی عموم الفاظ کا اعتبار ہوگا نہ کہ خصوصِ مورد کا۔

دلیل ثانی میں جو یہ کہا کہ امن عدو ہی سے ہوتا ہے، لہٰذا احصار بھی عدو ہی سے ہوگا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ امن مرض کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: **"الزکام امان من الجذام"** [زکام، جذام سے امان ہے۔] لہٰذا اس آیت میں نزول محصور بالعدو کے ساتھ خاص قرار دینا درست نہیں ہے، جبکہ امن واحصار دونوں مرض میں بھی پائے جاتے ہیں۔

رہا یہ سوال کہ مرض کو عدو پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ یہ قیاس مع الفارق ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ احصار کی وجہ سے حلال ہونے کی اجازت دفع حرج کی وجہ سے دی گئی ہے، اور اس کی ضرورت مرض میں زیادہ ہے، چونکہ محصر بالعدو گھر لوٹ سکتا ہے اور بغیر حلال ہوئے دشمن کے دفع ہو جانے کا انتظار کر سکتا ہے، پھر خطرات کے ختم ہو جانے کے بعد اگر حج کو پا سکے تو حج کر سکتا ہے، ورنہ تو عمرہ کر کے حلال ہو سکتا ہے، لیکن جب امتدادِ احرام کے خطرے کے پیش نظر محصر بالعدو کو حلال ہونے کی اجازت دی گئی تو مرض میں تو یہ خطرہ بہت زیادہ ہے کہ مرض طویل ہو جائے اور عدم تحلل کی وجہ سے مرض کی تکلیف کے ساتھ ساتھ احرام کی تکلیف بھی پریشانی کا باعث بنے، تو اس لئے احصار بالمرض میں بطریق اولیٰ تحلل کی اجازت ہوگی۔

(پوری بحث کے لئے دیکھئے: التعلیق: ۳/۲۶۱)

حنفیہ کا استدلال اس روایت سے بھی ہوتا ہے جس کو ترمذی اور ابو داؤد وغیرہ نے ذکر کیا ہے:

"عن عکرمة قال حدثنی الحجاج بن عمرو قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کسر او عرج فقد حل وعلیہ حجة اخری فذکرت لابی هریرة وابن عباس فقالا صدق" (ترمذی شریف: ۱۸۷/۱، ابوداؤد شریف: ۲۵۷/۱، ابن ماجہ شریف: ۲۲۲) [آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص (اس کا کوئی عضو) ٹوٹ جائے یا وہ لنگڑا ہو جائے (جس کی وجہ سے وہ حرم تک جانے سے عاجز ہو جائے) پس وہ حلال ہو سکتا ہے، اور اس پر حج کی قضا لازم ہوگی، میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا ذکر کیا، اس کی تصدیق فرمائی۔]

اس روایت میں کسر اور عرج کو ذکر کیا ہے اور ان کا مرض ہی میں شمار ہو سکتا ہے اس لئے بھی احصار بالمرض معتبر ہوگا، نیز ابوداؤد شریف کی دوسری روایت میں **"او مرض"** کی تصریح موجود ہے۔ (ابوداؤد شریف: ۲۵۷/۱، ابن ماجہ شریف: ۲۲۲)

دوسرا مسئلہ: اس کے بعد دوسرا اختلاف یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک محصر کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ ہدی حرم میں بھیج دے اور ہدی لے جانے والے سے اس کو ذبح کرنے کے لئے کوئی دن متعین کرالے، جب وہ دن آجائے تو ذبح کے وقت کے گذر جانے کے بعد حلال ہو جائے، گویا حنفیہ کے یہاں دم احصار کا ذبح حرم کے ساتھ مخصوص ہے۔

حضرات شافعیہ حرم کی تخصیص کے قائل نہیں ہیں، ان کے نزدیک موضع احصار ہی میں ذبح کر دینا اور حلال ہو جانا کافی ہے۔

ان کا استدلال قرآن مجید کی آیت **"فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ"** [اگر تمہیں روک دیا جائے تو جو قربانی میسر ہو (اللہ کے حضور پیش کردو)] سے ہے آیت میں یسر اور آسانی کی قید مذکور ہے، جبکہ حرم بھیجنے کی قید لگانا یسر کے منافی ہے، اس لئے دم احصار کے ذبح کو حرم کے ساتھ مخصوص کرنے سے قلب موضوع لازم آتا ہے جو درست نہیں ہے۔

نیز جناب رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ میں محصر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ہدی کو حرم نہیں بھیجا بلکہ موضع احصار ہی میں ذبح کر دیا۔

حنفیہ کا استدلال قرآن مجید کی آیات سے ہے، چنانچہ ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

"**وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ**" [اور اپنے سر اس وقت تک نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے۔] یہاں صرف بلوغ الی المحل مذکور ہے، **مَحِل** کیا ہے؟ کیا نہیں ہے؟ اس کا ذکر دوسری آیت میں ہے:

"**ثُمَّ مَحِلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ**" [پھر ان کے حلال ہونے کی منزل اسی قدیم گھر (یعنی خانہ کعبہ) کے آس پاس ہے۔]

ایسے ہی ایک جگہ "**هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ**" فرمایا گیا ہے، بہرحال دم احصار کو قرآن نے ہدی کہا ہے۔ اور ہدی کے لئے "**مَحِلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ**" [پھر ان کے حلال ہونے کی منزل اسی قدیم گھر (یعنی خانہ کعبہ) کے آس پاس ہے۔]

اور "**هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ**" فرمایا گیا ہے، تو پھر کیوں نہ حرم کی قید دم احصار کے لئے ضروری ہو۔

رہا یہ سوال کہ آیت میں "**فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ**" فرمایا ہے، سو اس کا جواب یہ ہے کہ نفس یسر کا اعتبار ہے، انتہائے یسر کا اعتبار نہیں، اور نفس یسر حاصل ہے۔ (التعلیق الصبیح: ۳/۲۶۱)

اس طرح کہ بدنہ کی قید ضروری نہیں، بقرہ اور غنم کو بھی ہدی میں شمار کیا گیا ہے، باقی یہ کہنا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے موضع احصار میں ہدی ذبح کر دی، حرم بھیجنے کا اہتمام نہیں فرمایا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ہدایا کا حرم میں بھیجنا ممکن نہیں تھا، اس لئے اس ضرورت کے پیش نظر حدیبیہ میں ذبح کیا اور بعض نے کہا: کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ حل ہے اور کچھ حصہ حرم ہے اس لئے عین ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حرم کے حصہ میں ذبح کی ہو۔ (التعلیق الصبیح: ۳/۲۶۱)

اور محب طبری سے تو یہ منقول ہے کہ حدیبیہ مکہ سے قریب ایک بستی کا نام ہے جس کا اکثر حصہ حرم میں داخل ہے اس لئے کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ نے حرم ہی میں نحر کیا ہے۔ (اشعۃ اللمعات: ۲/۳۷۹)

تیسرا مسئلہ: اس کے بعد تیسرا اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ احصار میں حلال ہونے کے لئے حلق یا تقصیر کو ضروری کہتے ہیں، کیونکہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیبیہ کے واقعہ میں حلق یا تقصیر کو اختیار کیا تھا لیکن ان کے نزدیک بھی محصر اگر حلال ہونے کے لئے حلق یا قصر کو

ترک کردے تو اس پر کوئی جزا واجب نہیں ہوگی۔

جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں احصار میں حلال ہونے کے لئے حلق یا تقصیر ضروری نہیں، کیونکہ حلق یا تقصیر کا عبادت کے باب میں اسی صورت میں اعتبار کیا جاتا ہے جبکہ وہ افعال حج کی ترتیب میں واقع ہو۔ رہا یہ سوال کہ پھر صلح حدیبیہ کے واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیوں حلق اور تقصیر کو اختیار کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس مقصد سے حلق اور تقصیر کیا تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ پس اب واپسی کا پختہ ارادہ ہے، اور عمرہ کی ادائیگی کی کوئی صورت نہیں رہی ہے۔ (التعلیق الصبیح: ۲۶۴/۳ نفحات التنقیح: ۳۷۹/۳)

محصر کیلئے حلق یا قصر کرانا

{۲۵۸۹} وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَالَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ دُوْنَ الْبَيْتِ فَنَحَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدَايَاهُ وَحَلَقَ وَقَصَّرَ اَصْحَابُهٗ۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۶۰۱/۲، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ، حدیث نمبر: ۴۰۳۲۔

حل لغات: فحال: حَالَ (ن) حائلا، حائل ہونا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، لیکن کفار قریش بیت اللہ کے درمیان حائل ہو گئے، تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے اپنی ہدی کی قربانی کی اور حلق و قصر کیا۔

تشریح: فحال کفار قریش دون البیت: مراد یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مع اصحاب رضی اللہ عنہم کے کفار قریش نے حدیبیہ میں روک دیا۔

فنحر النبی الخ: یعنی حدیبیہ کے آس پاس تک حرم کا علاقہ ملتا ہے، اسی علاقہ میں لے جا کر قربانی کی تھی۔

وحلق وقصر: محصر کے لئے حلق یا قصر کرانا واجب نہیں ہے، اس لئے کہ حلق یا قصر تو افعال حج وعمرہ کے بعد کئے جاتے ہیں اور محصر نے ابھی حج وعمرہ کے امور انجام نہیں دئے ہیں، اس لئے حلق یا قصر کرانا واجب نہیں ہے، اور آنحضرت ﷺ نے جو حلق کرایا تھا اس میں حکمت یہ تھی کہ مجمع بڑا ہے، واپسی کے لئے کہیں گے تو کھلبلی مچ جائے گی، اس لئے آنحضرت ﷺ نے حلق کرالیا تا کہ سب کو یقین ہو جائے کہ اب واپسی کا وقت آ گیا ہے، دیکھا نہیں آنحضرت ﷺ نے خود حلق کرانے سے پہلے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حلق کرانے کے لئے کہا تو کسی نے نہیں کیا۔ **"هل يحلق رأسه ام لا فقال قوم ليس عليه"** (مرقاۃ: ۶/۳)

قربانی کے بعد حلق کرے

{۲۵۹۰} وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحَرَ قَبْلَ اَنْ يَّحْلِقَ وَاَمَرَ اَصْحَابَهٗ بِذٰلِكَ۔ (رواه البخاری)

حواله: بخاری شریف: ۱/۲۴۳، ابواب العمرة، باب النحر قبل الحلق فی الحصر، حدیث: ۱۸۱۱۔

ترجمه: حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے حلق سے پہلے قربانی کی اور اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو اس کا حکم دیا۔

تشریح: اس حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہے کہ محرم قربانی کے بعد ہی حلق کرے۔

نحر قبل ان يحلق الخ: مراد یہ ہے کہ محرم قربانی کے بعد ہی حلق یا قصر کرے۔

مسئلہ احصار

{۲۵۹۱} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّهٗ قَالَ اَلَيْسَ حَسْبُكُمْ سُنَّةُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ اِنْ حُبِسَ اَحَدُكُمْ عَنِ الْحَجِّ طَافَ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ حَلَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى يَحُجَّ عَامًا

قَابِلًا فَیُھْدِیَ اَوْ یَصُوْمَ اِنْ لَّمْ یَجِدْ ھَدْیًا۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۴۳، ابواب العمرۃ، باب الاحصار فی الحج، حدیث نمبر: ۱۷۷۵۔

حل لغات: حبس: حَبَسَ (ض) حَبْسًا عن الشئی: روکنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کیا تمہارے لئے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کافی نہیں ہے؟ اگر تم میں سے کسی کو حج سے روک دیا جائے تو وہ خانہ کعبہ کا طواف اور صفامروہ کی سعی کرنے کے بعد ہر چیز سے حلال ہو جائے اور اگلے سال آ کر حج کرے، اور قربانی کرے، اگر قربانی نہ کر سکے تو روزہ رکھے۔

تشریح: ان حبس احدکم عن الحج الخ: احرام کے بعد کسی کو حج سے روک دیا جائے تو جتنے امور آسانی کے ساتھ ادا ہو سکے کر لے، زورزبردستی نہ کرے، اور حلال ہو جائے۔

حتی یحج عاما قابلاً: اور جس حج یا عمرے کا احرام باندھا ہے، اگلے سال اس کی قضا کر لے۔

اس سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ **"فائت الحج"** اور **"محصر"** کے حکم میں تھوڑا سا فرق ہے۔ "فائت الحج" کے لئے تو یہ حکم ہے کہ اگر وہ مفرد ہو (یعنی اس نے صرف حج کا احرام باندھا ہو) تو طواف وسعی کر کے احرام کھول دے، اس پر صرف سالِ آئندہ اس حج کی قضا واجب ہے، عمرہ اور ہدی اس کے لئے واجب نہیں ہے۔

محصر کے لئے یہ حکم ہے کہ اگر وہ مفرد ہو اور اسے حرم میں پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں احصار کی کوئی صورت پیش آ جائے تو وہ پہلے ہدی کا جانور حرم بھیجے، جب وہ جانور حرم میں پہنچ کر ذبح ہو جائے تو وہ احرام کھول دے، اور آئندہ سال اس حج کی قضا کرے اور اس کے ساتھ ہی ایک عمرہ بھی کرے۔

لیکن حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر سال آئندہ صرف حج کرنا ہی واجب ہو گا، عمرہ کرنا ضروری نہیں ہو گا، کیونکہ وہ صرف حج سے محصر ہوا ہے اور چونکہ ہدی کا جانور بھیج کر اس نے احرام کھولا تھا، تو بس اس کے بدلہ اس کے ذمہ صرف حج ہی ہے، عمرہ نہیں ہے۔

اور اگر محصر قارن ہو (یعنی اس نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا ہو) تو وہ بھی ہدی کا جانور حرم میں بھیجے اور وہاں اس جانور کے ذبح ہو جانے کے بعد احرام کھول دے، لیکن سال آئندہ اس پر اس حج

کی قضا اور اس کے ساتھ دو عمرے واجب ہوں گے، اس پر ایک حج اور دو عمرے واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایک حج اور عمرہ تو اصلی حج و عمرہ کے بدلہ ادا کرنا ہوگا، اور دوسرا عمرہ اس واسطے کہ اس سے حج اور عمرہ فوت ہوا، اس لئے اس کی جزاء کے طور پر ایک عمرہ ادا کرنا ہوگا۔

اور اگر احصار کی صورت حرم پہنچنے سے پہلے راستہ میں پیش نہ آئے بلکہ حرم پہنچ کر پیش آئے کہ وہ کسی عذر کی وجہ سے وقوف عرفات سے تو عاجز رہے، مگر طواف اور سعی کر سکتا ہو تو وہ طواف وسعی کرنے کے بعد یعنی عمرہ کے افعال ادا کر کے احرام کھول دے، اور پھر آئندہ سال اس حج کی قضا کرے اور ہدی کا جانور ذبح کرے اور اگر ہدی کا جانور ذبح نہ کر سکتا ہو تو روزہ رکھے، مذکورہ حدیث میں یہی صورت بیان فرمائی گئی ہے۔

"فائت الحج" اگر قارن ہو تو پہلے وہ عمرہ کے لئے طواف وسعی کرے، پھر حج فوت ہوجانے کے بعد بدلہ میں طواف وسعی کرے، اس کے بعد سر منڈوائے یا بال کتروائے اور احرام کھول دے، اس کے ذمہ سے قران کی قربانی ساقط ہوجائے گی، اور اگر وہ متمتع ہوگا تو اس کا تمتع باطل ہوجائے گا اور اس کے ذمہ سے تمتع کی قربانی بھی ساقط ہوجائے گی، اگر وہ اس کی قربانی کا جانور اپنے ساتھ لایا ہو تو اس کو جو چاہے کرلے۔

جس طرح مفرد کا حج فوت ہوجانے کی صورت میں اس پر آئندہ سال صرف حج کی قضا ہی واجب ہوتی ہے اسی طرح قران اور تمتع کی صورت میں بھی اس پر آئندہ سال صرف حج کی قضا واجب ہوگی۔

مرض بھی احصار کا سبب ہے

{۲۵۹۲} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى ضُبَاعَةَ بِنْتِ الزُّبَيْرِ فَقَالَ لَهَا: لَعَلَّكِ اَرَدْتِ الْحَجَّ؟ قَالَتْ: وَاللهِ! مَا اَجِدُنِيْ اِلَّا وَجِعَةً. فَقَالَ لَهَا: حُجِّيْ وَاشْتَرِطِيْ وَقُوْلِيْ اَللّٰهُمَّ مَحِلِّيْ حَيْثُ حَبَسْتَنِيْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۷۶۲، کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین، حدیث نمبر: ۴۸۹۸،

مسلم شریف: ۱/۳۸۵، کتاب الحج، باب جواز اشتراط المحرم التحلل الخ، حدیث نمبر:۱۲۰۷۔

حل لغات: وجعة: مرض. وجع (س) وجعا: مریض ہونا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا سے ملاقات کر کے ان سے کہا: شاید تم حج کا ارادہ رکھتی ہو؟ انہوں نے کہا: خدا کی قسم! میں اپنے آپ کو بیمار پاتی ہوں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم حج کا ارادہ کرلو اور یہ کہہ کر شرط لگالو: کہ اے اللہ! میرے احرام سے نکلنے کی جگہ وہ ہے جہاں میں روک دی جاؤں۔

تشریح: "ضباعہ" حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی لڑکی ہیں، زبیر بن عبد المطلب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، ضباعہ حضرت مقداد کی بیوی ہیں۔ (مرقاۃ: ۶/۳)

حج میں شرط لگانا

حج میں حلال ہونے کی شرط لگانے کا طریقہ یہ ہے کہ احرام باندھتے وقت یہ کہدے کہ راستہ میں مرض وغیرہ کی وجہ سے رکاوٹ پیدا ہوئی تو میں حلال ہو جاؤں گا، اس شرط لگانے کا کوئی فائدہ ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ اور مالک رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک کوئی فائدہ نہیں۔ امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک شرط کا فائدہ ہے۔ (اوجز: ۳/۴۶۲)

پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اگر محرم کو ایسا مرض لاحق ہو جائے جس کی وجہ سے وہ حج یا عمرہ نہ کر سکے تو وہ ہدی بھیج کر حرم میں ذبح کرا کر حلال ہو سکتا ہے چاہے احرام کے وقت حلال ہونے کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو، احصار کی رخصت کے حصول میں شرط کا کوئی فائدہ نہیں۔

حنابلہ اور شوافع مرض لاحق ہونے کی صورت میں کہیں گے کہ اگر احرام باندھتے وقت حلال ہونے کی شرط لگائی ہے تو مریض کے لئے حلال ہونا جائز ہے ورنہ افعال حج وعمرہ کے بغیر حلال ہونا جائز نہیں۔

امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل حدیث مذکور ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود احرام میں شرط نہیں لگائی اور حضرت ضباعہ کے علاوہ کسی کو شرط لگانے کا طریقہ نہیں بتلایا، حالانکہ مرض وغیرہ عوارض کا پیش آنا ہر ایک کے

لئے ممکن ہے۔(اعلاء السنن: ۷/ ۴۳۳ / ۱۰)

اگر اشتراط کا فائدہ ہوتا اور اشتراط کا حکم عام ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی شرط لگاتے اور دوسروں کو بھی اشتراط کا حکم دیتے۔

آیت مبارکہ "فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ" کے بارہ میں یہ بات متحقق ہو چکی ہے کہ یہ رخصت مریض کو بھی شامل ہے،اس میں حصول رخصت احصار کے لئے اشتراط کی قید نہیں ہے۔

نیز اسی باب کی فصل ثانی کی دوسری حدیث **"من کسر او عرج"** میں مریض کے لئے حلال ہونے کی رخصت عام ہے۔

محمل حدیث ضباعۃ

مذکورہ بحث اور دلائل سے ثابت ہوگیا کہ محرم کو مرض مانع عن اداء الحج کے لاحق ہونے کے وقت مطلقاً ہدی بھیج کر حلال ہونا صحیح ہے،اس مسئلہ میں اشتراط کا کوئی دخل نہیں،اب حدیث ضباعۃ کا صحیح محمل بیان کرنے کی ضرورت ہے،کیونکہ اس میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشتراط کا حکم دیا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضباعۃ بنت الزبیر کے اطمینانِ قلب کے لئے یہ شرط لگوائی۔اگرچہ مریض کے لئے حلال ہونے اور تحلیل کے کفارہ کے طور پر ہدی بھیجنے کی شرعاً گنجائش ہے،لیکن صورۃً یہ عدم وفاء ہے کہ ایک چیز کا احرام باندھ کر اس کو پورا نہ کیا، بعض طبائع ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو کسی چیز کے کفارہ اداء کرنے کے بعد بھی اطمینان نہیں ہوتا جیسے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے بات نہ کرنے کی قسم کھائی تھی بعد میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سفارش اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی لجاجت کے بعد ان سے بات چیت شروع کر دی تھی اور کفارہ یمین کے لئے چالیس غلام آزاد کئے(جبکہ ایک غلام کا آزاد کرنا بھی کافی تھا)اس کے باوجود بھی ان کا قلب مطمئن نہیں ہوا تھا اور قسم توڑنے کی وجہ سے رویا کرتی تھیں، یہی حال کچھ حضرت ضباعہ رضی اللہ عنہا کا تھا کہ ان کو معلوم تھا کہ احرام کے تقاضے بسبب مرض پورے نہ ہونے کی صورت میں ہدی سے تدارک ہوسکتا ہے،لیکن پھر بھی ظاہراً احرام کی مخالفت لازم آتی ہے،

اس مخالفت صوری کے امکان کے تصور کی وجہ سے وہ احرام باندھنے کا حوصلہ نہیں کر رہی تھیں، پھر واقعتاً عذر پیش آنے کی صورت میں تحلیل جائز ہے اور کفارہ کے طور پر ایک ہدی کافی ہے، لیکن اس قسم کا واقعہ پیش آنے کے بعد ہدی بھیجنے کے باوجود بھی حضرت ضباعہ کو اطمینان ہونا مشکل تھا، اس لئے ان کے قلبی جذبات کی وجہ سے حضرت نبی کریم ﷺ نے ان سے شرط لگانے کی تدبیر بتلائی، جس کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ ان کو احرام باندھنے کا حوصلہ ہو گیا، دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ اگر ان کو مرض کی وجہ سے حلال ہونا پڑا تو زیادہ پریشان نہیں ہونگی، اور تحلیل کو عدم وفائے احرام نہیں سمجھیں گی، بلکہ یہ سوچ کر مطمئن ہو جائیں گی کہ یہ حلال ہونا تو وہی ہے جس کی میں نے شرط لگائی تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح مسائل فقہیہ میں راہنمائی کرنا آنحضرت ﷺ کا منصب تھا، اسی طرح آنحضرت ﷺ قلبی احساسات کا ادراک رکھنے والے مربی و شیخ بھی تھے، حضرت ضباعہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت ﷺ نے شرط لگانے کا حکم مسئلہ فقہیہ کی وجہ سے نہیں دیا، بلکہ ان کے اطمینان قلب کے لئے دیا، اگر مسئلہ فقہیہ ہوتا تو اس کی تعلیم عام ہوتی کیونکہ ضرورت عام ہے۔ (اعلاء السنن: ۴۳۲/ ۱۰، اشرف التوضیح: ۳۶۵/ ۲)

الفصل الثانی

محصر ھدی کی بھی قضا کرے

{۲۵۹۳} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ اَصْحَابَهُ اَنْ يُّبَدِّلُوْا الْهَدْىَ الَّذِىْ نَحَرُوْا عَامَ الْحُدَيْبِيَّةِ فِىْ عُمْرَةِ الْقَضَاءِ۔ (رواه ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/ ۲۵۷، باب الاحصار، حدیث نمبر: ۱۸۶۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے اپنے

اصحاب رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ عمرۃ القضاء کے موقع پر ان جانوروں کے بدلے میں ہدی دیں جن کو حدیبیہ کے سال ذبح کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف کے آخر میں مشکوۃ شریف کے مروجہ نسخوں میں لفظ رواہ کے بعد محل استخراج حدیث کے حوالہ کے بجائے بیاض ہے، بعض نسخوں میں رواہ ابوداؤد ہے اور بعض نسخوں میں ابوداؤد کے لفظ کے بعد یہ عبارت ہے۔ **"وفیہ قصۃ وفی سندہ محمد بن اسحاق"** (مرقاۃ: ۴/ ۶)

ابوداؤد شریف باب الاحصار میں یہ حدیث قصہ کے ساتھ مذکور ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک زمانہ میں مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی حکومت تھی، شام میں اموی خاندان کی حکومت تھی، جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے مخالف تھے، شامیوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی حکومت ختم کرنے کے لئے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا، اس حالت میں ایک آدمی اپنے علاقہ سے ہدی لے کر مکہ آرہا تھا، شامیوں نے اسے مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا، اس نے وہیں ہدایا ذبح کر دیں اور آئندہ سال عمرہ کی قضاء کے لئے آیا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اپنا واقعہ ذکر کر کے مسئلہ دریافت کیا: تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: **"ابدل الھدی فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر اصحابہ الخ"** (ابوداؤد شریف: ۱/۲۵۷)

حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم میں ہے اور کچھ حل میں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حدیبیہ کے واقعہ میں حرم میں ہدی ذبح کی تھی، لیکن بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے حل میں ہدی ذبح کر دی تھی، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حل میں ذبح شدہ ہدی کا بدل دینے کا حکم فرمایا، اس سے حنفیہ کا یہ موقف ثابت ہوتا ہے کہ محصر کو حل میں ہدی ذبح کرنا جائز نہیں، اگر حل میں ذبح کیا تو اس کا بدل دینا پڑے گا۔ (مرقاۃ: ۴/ ۶، اشرف التوضیح: ۲/۳۶۷)

عذر بھی احصار کا سبب ہے

{۲۵۹۴} وَعَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ عَمْرٍو الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كُسِرَ اَوْ عَرَجَ فَقَدْ حَلَّ وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ۔ (رواه الترمذى وابوداؤد والنسائى وابن ماجة والدارمى) وَزَادَ اَبُوْدَاوٗدَ فِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى اَوْ مَرِضَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ وَفِي الْمَصَابِيْحِ ضَعِيْفٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۸۷، باب ماجاء فی الذی یهل بالحج فیکسر الخ، حدیث نمبر: ۹۴۰، ابو داؤد شریف: ۱/۲۵۷، باب الاحصار، حدیث نمبر: ۱۸۶۲، سنن نسائی: ۱/۲۳، باب فیمن احصر بعدو، حدیث نمبر: ۲۸۶۳، ابن ماجہ شریف: ۲۱۲، باب المحصر، حدیث نمبر: ۳۰۷۷، دارمی: ۲/۸۵، باب فی المحصر بعدو، حدیث نمبر: ۱۸۹۴۔

حل لغات: کسر: کَسَرَ (ض) کسراً، توڑنا۔ عرج: عرج (س ف) عرجاً لنگڑا ہونا۔

ترجمہ: حضرت حجاج بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کا پیر ٹوٹ گیا، یا لنگڑا ہو گیا، تو وہ حلال ہو گیا، لیکن آئندہ سال اس پر حج ہے۔ اور ابوداؤد نے دوسری روایت میں "اَوْ مَرِضَ" (کہ وہ بیمار پڑ گیا ہو) کا اضافہ کیا ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ یہ حدیث حسن ہے اور مصابیح میں ضعیف ہے۔

تشریح: من کسر او عرج فقد حل: عرج اگر باب نصر سے ہو تو اس کے معنی ہیں کسی عارض کی وجہ سے لنگڑا ہونا اور اگر باب سمع سے ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں خلقۃً (پیدائشی) لنگڑا ہونا، یہاں اول معنی مراد ہیں، لہٰذا اس کو بفتح الراء پڑھنا چاہئے۔

جس محرم کا راستہ میں کوئی عضو ٹوٹ جائے یا وہ لنگڑا ہو جائے تو اس کے لئے شرعاً حلال ہونا جائز ہے۔

حدیث پر کلام من حیث الفقہ

ظاہریہ کے نزدیک یہ حدیث بالکل اپنے ظاہر پر ہے، چنانچہ ان کے نزدیک نفس کسر اور عرج سے حلال ہو جائے گا، عند الجمہور ایسا نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ **جاز له التحلل كما فی قوله عليه**

السلام: "اذا اقبل اللیل من ھھنا و ادبر النھار من ھھنا فقد افطر الصائم، ای حل له الافطار او دخل فی وقت الافطار" [اس کے لئے حلال ہونا جائز ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد عالی ہے، جب رات ادھر سے آ جائے اور دن ادھر کو چلا جائے تو روزہ دار افطار کر دے، یعنی اس کے لئے افطار کرنا حلال ہوگیا، یا وہ افطار کے وقت میں داخل ہوگیا۔]

لیکن اس جواز تحلل میں فقہاء کے مابین تفصیل ہے، **عند الاحناف یحل بالنیة والذبح والحلق،** یعنی حلال ہونے کی نیت سے ذبح اور حلق کرلے تب حلال ہو جائے گا، اور شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک یہ حدیث اشتراط پر محمول ہے، یعنی اگر اس نے احرام کے وقت حلال ہونے کی شرط لگائی ہوگی تو اب حلال ہوسکتا ہے اور دم یعنی ہدی بھی واجب نہ ہوگی۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شخص مذکور طواف کے بعد ہی حلال ہوسکتا ہے، بغیر اس کے نہیں۔

اس حدیث شریف میں احصار بالمرض مذکور ہے، جس کے حنفیہ قائل ہیں، لہٰذا یہ حدیث ائمۂ ثلٰثہ کے خلاف ہے، وہ اس کی تاویل کرتے ہیں۔

وعلیه الحج من قابل: یہ محصر بالحج کے لئے ہے کہ اس وقت تو ویسے ہی بغیر نسک ادا کئے حلال ہو جائے اور پھر آئندہ سال حج کرے، حنفیہ کے نزدیک محصر بالحج پر آئندہ سال حج اور عمرہ دونوں واجب ہیں اور عند الجمہور صرف حج۔ تفصیل گذر چکی۔ (الدر المنضود: ۳/۲۲۵)

محصر بالعمرہ پر کیا واجب ہوتا ہے؟

اور اگر کوئی شخص محرم بالعمرہ ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ عند الحنفیہ محصر بالعمرہ پر ہدی اور (زوال عذر کے بعد) عمرہ کی قضاء یہ دونوں چیزیں واجب ہیں۔ **وھو المشھور عن احمد۔**

اور مالکیہ کے نزدیک دونوں واجب نہیں نہ ہدی اور نہ عمرہ کی قضاء۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہدی تو واجب ہوگی قضا واجب نہیں۔ وھو روایة عن احمد۔

حنفیہ کی دلیل حضور اقدس ﷺ کا عمرة القضاء ہے جو کہ اسی نام سے مشہور ہے، معلوم ہوا عمرہ کی قضاء ہوتی ہے، شافعیہ اس کا جواب دیتے ہیں عمرة القضاء میں قضاء سے مراد قضیہ اور

فیصلہ ہے یہ وہ قضاء نہیں جو اداء کا مقابل ہے، یہ بھی واضح رہے کہ شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک یہ حکم یعنی وجوب دم اس صورت میں ہے جبکہ احصار بالعدو ہو اور اگر احصار بالمرض ہے تو اس صورت میں چونکہ ان کے یہاں اشتراط ضروری ہے اور اشتراط سے ان کے نزدیک دم بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ **کما تقدم قریبا۔** (الدر المنضود: ۳/۲۲۶)

حج کا رکن اعظم

{۲۵۹۵} وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْمَرَ الدِّيْلِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْحَجُّ عَرَفَةُ مَنْ اَدْرَكَ عَرَفَةَ لَيْلَةَ جَمْعٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ فَقَدْ اَدْرَكَ الْحَجَّ، اَيَّامُ مِنًى ثَلَاثَةٌ، فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجة والدارمی) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۷۸، باب من ادرک الامام بجمع الخ، حدیث نمبر: ۸۸۹، ابو داؤد شریف: ۱/۲۶۹، باب من لم یدرک عرفة، حدیث نمبر: ۱۹۴۹، نسائی شریف ۲/۳۷، باب فرض الوقوف بعرفة، حدیث نمبر: ۳۰۱۹، ابن ماجه شریف: ۲۱۶، باب من اتی عرفة قبل الفجر، حدیث نمبر: ۳۰۱۵، دارمی: ۲/۸۲، باب بما یتم الحج، حدیث نمبر: ۱۸۸۷۔

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن یعمر الدیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کہ عرفہ حج ہے، جس شخص نے مزدلفہ کی رات طلوع فجر سے پہلے وقوف عرفہ پالیا، اس نے حج کو پالیا، منیٰ کے تین دن ہیں، تو جو شخص جلدی کرے اور دو ہی دن میں آجائے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، اور جو تاخیر کرے اس پر بھی گناہ نہیں ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہے کہ وقوف عرفہ حج کا سب سے بڑا رکن ہے۔ **"ای ملاک الحج ومعظم ارکانه وقوف عرفة لانه یفوت بفوته"** (مرقاة: ۵/۶)

فقد ادرک الحج الخ: اس نے حج کو پالیا۔ کا مطلب یہ ہے کہ اس کا حج فوت نہیں ہوا، اور وہ حج میں کسی خرابی اور فساد سے مامون رہا، بشرطیکہ اس نے احرام کا وقت پورا ہونے سے پہلے بیوی سے ہمبستری یا کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہ کیا ہو جو احرام کی حالت میں ممنوع ہے، اور یہ بات تو پہلے بھی بتائی جا چکی ہے کہ جس شخص کا حج فوت ہو جائے یعنی وہ ذی الحجہ کی دسویں رات کی طلوعِ فجر تک ایک منٹ کے لئے بھی وقوفِ عرفات نہ کر سکے تو اس پر یہ واجب ہوگا، کہ وہ عمرہ کے افعال یعنی طواف وسعی کے بعد احرام کھول دے، آئندہ سال کے حج تک مسلسل احرام باندھے رہنا اس کے لئے حرام ہے۔

ایام منی ثلاث: تین دن یعنی از گیارہ ذی الحجہ تا تیرہ ذی الحجہ ایام منی کہلاتے ہیں، یوم النحر یعنی دس ذی الحجہ ان میں داخل نہیں ہے، اور ایام النحر بھی عندالجمہور تین ہیں از دس ذی الحجہ تا بارہ ذی الحجہ اور شافعیہ کے نزدیک ایام نحر چار دن ہیں، تیرہ تاریخ بھی اس میں شامل ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

حدیث شریف کے آخری جملہ "**فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ**" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی گیارہویں اور بارہویں ہی کو رمی کر کے واپس ہو جائے تب بھی گناہ نہیں اور اگر کوئی تیرہویں تک رکتا ہے اور رمی کر کے جاتا ہے تب بھی کوئی گناہ نہیں، یہاں اشکال ہوگا کہ دونوں کو مساوی قرار دیا گیا ہے، حالانکہ تیرہویں تاریخ کو رکنا اور یوم نحر کے علاوہ تین دن رمی کرنا کثرتِ عبادت کے پیش نظر یقیناً افضل ہے، تو پھر تو یہ عنوان کیوں اختیار کیا گیا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل زمانہ جاہلیت میں دو گروہ تھے، ایک تعجیل کو گناہ سمجھتا تھا، اور دوسرا تاخیر کو، تو ان دونوں کی تردید مقصود ہے کہ نہ تعجیل میں گناہ ہے اور نہ تاخیر میں، باقی تاخیر کی افضلیت ظاہر ہی ہے۔ (اشعۃ اللمعات: ۲/۳۸۲، نفحات التنقیح: ۳/۳۸۳)

باب حرم مکة حرسها اللہ تعالیٰ

(حرم مکہ کی حرمت کا بیان)

اللہ تعالیٰ اس کی حرمت کو آفات سے محفوظ رکھے۔

رقم الحدیث: ۲۵۹۶/تا ۲۶۰۷/

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب حرم مکۃ حرسہا اللہ تعالیٰ

(حرم مکہ کی حرمت کا بیان)

اللہ تعالیٰ اس کی حرمت کو آفات سے محفوظ رکھے۔

کعبہ کے ارد گرد جو زمین ہے اس کو حرم کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی عظمت اور شرافت کی وجہ سے اس حدود کو بھی محترم اور مکرم بنایا ہے۔

حرم کی وجہ تسمیہ

حرم کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کی عظمت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اس کی حدود میں بہت سی ایسی چیزیں حرام قرار دی ہیں، جو اور جگہ حرام نہیں، مثلاً یہ کہ وہاں نہ شکار کیا جا سکتا ہے، نہ وہاں کے درختوں اور گھاس کو کاٹا جا سکتا ہے، اور نہ وہاں حمل سلاح اور قتال کیا جا سکتا ہے۔

بعض نے کہا: کہ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اتارے گئے تو ان کو شیاطین سے خوف ہوا کہ کہیں شیاطین ان کو ہلاک نہ کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی حفاظت کے لئے فرشتوں کو بھیجا، چنانچہ وہ اطراف جہاں حدودِ حرم ہیں ان کو فرشتوں نے گھیر لیا، اس لئے ان حدود کا نام حرم پڑ گیا۔ چونکہ فرشتوں کی آمد سے وہ محترم ہو گئی تھی۔

اور بعض نے کہا: کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی تو تعمیری کے وقت جب حجر اسود کو رکھا تو اس کی وجہ سے کعبہ کے چاروں اطراف روشن ہو گئے، تو یہ روشنی زمین کی جتنے

حصوں کو پہنچی وہ حرم کہلائے۔اس لئے کہ یہ روشنی احترام کی علامت تھی۔(اشعۃ اللمعات: ٣٨٢/٢)
زمین حرم کے حدود یہ ہیں، مدینہ منورہ کی طرف تین میل۔(مقام تنعیم تک) یمن، طائف، جعرّانہ اور جدہ کی طرف سات سات میل۔بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ جدہ کی طرف دس میل اور جعرانہ کی طرف نو میل، چاروں طرف جہاں جہاں حرم کی زمین ختم ہوتی ہے، وہاں حدود کی علامت کے طور پر بُرجیاں بنی ہوئی ہیں، مگر جدہ اور جعرانہ کی طرف برجیاں نہیں ہیں۔

﴿الفصل الاوّل﴾

حرم مکہ کی فضیلت

{٢٥٩٦} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ: لَا هِجْرَةَ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا وَقَالَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ: إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَإِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيْهِ لِأَحَدٍ قَبْلِيْ وَلَمْ يَحِلَّ لِيْ إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَهَارٍ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ وَلَا يَلْتَقِطُ لُقْطَتَهُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا. فَقَالَ الْعَبَّاسُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! إِلَّا الْإِذْخِرَ فَإِنَّهُ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوْتِهِمْ فَقَالَ إِلَّا الْإِذْخِرَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ لَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا وَلَا يَلْتَقِطُ سَاقِطَتَهَا إِلَّا مُنْشِدٌ۔

حوالہ: بخاری شریف: ١/٤٥٢، آخر کتاب الجہاد، باب اثم الغادر للبر والفاجر، حدیث نمبر: ٣٠٨٥۔مسلم شریف: ١/٤٣٧، کتاب الحج، باب تحریم مکة الخ، حدیث نمبر: ١٣٥٣۔

حل لغات: ہجرة: ہجر (ن) ہجرا وہجرانا: چھوڑنا۔ شوک: کانٹا، جمع: اشواک،

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ارشاد فرمایا: کہ ہجرت نہیں ہے، لیکن جہاد اور نیت ہے، اس لئے جب تمہیں نکلنے کے لئے کہا جائے تو نکل جاؤ، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو زمین وآسمان کے پیدا کرنے کے دن ہی حرام کیا ہے؛ اس لئے یہ اللہ تعالیٰ کے حرام کرنے کی وجہ سے قیامت کے دن تک حرام ہے، اس زمین میں نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے قتال حلال ہوا اور نہ میرے لئے، مگر دن کے ایک حصے میں، چنانچہ یہ اللہ تعالیٰ کے حرام کرنے کی وجہ سے قیامت تک حرام ہے، اس لئے نہ اس کا کانٹا کاٹا جائے، نہ اس کا شکار بھگایا جائے، اور نہ ہی اس کا لقطہ اٹھایا جائے، مگر یہ کہ جو اس کا اعلان کرے، اور نہ اس کی گھاس کاٹی جائے۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مگر اذخر، اس لئے کہ وہ کاریگروں اور گھروں کے لئے ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مگر اذخر۔ (بخاری ومسلم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ نہ یہاں کا درخت کاٹا جائے اور نہ یہاں کی گری پڑی چیز اٹھائی جائے، مگر اس کے مالک کو تلاش کرنے والا۔

تشریح: فتح مکہ سے قبل جو آدمی مکہ میں مسلمان ہوتا تھا اس کے لئے بشرطِ وسعت ہجرت فرض تھی، بلکہ ایمان کی علامت تھی اور فتح مکہ سے قبل ہجرت کرنے والے کے خاص فضائل تھے، فتح مکہ مکرمہ کے بعد مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف خاص ہجرت کا دروازہ بند ہوگیا، کیونکہ ہجرت دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف ہوتی ہے، فتح سے پہلے مکہ پر مشرکین کا تسلط تھا، اس لئے مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنا ضروری تھا، فتح کے بعد مکہ مکرمہ دار الاسلام بن گیا، اس لئے مکہ مکرمہ سے ہجرت کا سلسلہ بھی ختم ہوگیا، فتح مکہ مکرمہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے ہمیشہ کے لئے ہجرت کا سلسلہ بند ہونے کا اعلان فرمادیا، اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مکہ مکرمہ ہمیشہ دار الاسلام رہے گا۔

مکہ مکرمہ سے ہجرت کا سلسلہ ختم ہونے سے اس ہجرت کے خاص فضائل کے حصول کا سلسلہ بھی منقطع ہوگیا۔ فتح سے قبل ہجرت کر کے مسلمانوں نے جو فضیلت حاصل کی تھی اب وہ کسی کو کسی ہجرت کے ذریعہ حاصل نہیں ہوسکتی۔

مطلق ہجرت اب بھی باقی ہے، حدیث شریف میں ہجرت کی نفی مقصود نہیں، بلکہ ہجرت خاصہ

اور اس کے فضائل مخصوصہ کی نفی مقصود ہے۔

لکن جهاد ونية: ای لکن بقی جهاد ونية یعنی ہجرت کی خاص فضیلت جو مہاجرین کو حاصل ہوئی ہے وہ ثواب کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی، لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ اب بھی کھلا ہے، دو چیزوں سے ابھی بھی بہت سا ثواب حاصل کیا جا سکتا ہے، وہ دو چیزیں جہاد اور نیت ہیں۔ نیت سے ہر اچھے عمل میں اخلاص مراد ہے، اس میں اخلاص سے جہاد اور ہجرت کرنا بھی داخل ہے اور ترک معاصی کا عزم بھی داخل ہے۔ (اشرف التوضیح: ۳۶۸ / ۲، التعلیق: ۲۶۷ / ۳، مرقاۃ: ۲۶۶ / ۳)

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

شبہ ہوتا ہے کہ حدیث شریف میں **"ان ابراهيم حرم مكة فجعلها حراما وانى حرمت المدينة"** آیا ہے۔ یہاں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلق سموات وارض کے وقت میں اس کو حرم بنا دیا تھا، تو پھر **"ان ابراهيم حرم مكة"** کا کیا مطلب ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تحریم مکہ کا بیان چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے ہوا، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: **"واذ قال ابراهيم رب اجعل هذا البلد أمنا"** [اور یاد کرو وہ وقت جب ابراہیم نے (اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے) کہا تھا: کہ یارب! اس شہر کو پرامن بنا دیجئے۔] اس لئے ان کی طرف نسبت کر دی گئی۔ (التعلیق الصبیح: ۲۶۷ / ۳)

جواب (۲): ابراہیم علیہ السلام کی تحریم کا مطلب ہے کہ **"اظهر تحريمها"** یعنی تحریم تو پہلے ہو چکی تھی، لیکن انہوں نے اس تحریم کا اظہار کیا ہے۔

والله لم يحل القتال فيه: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور کے نزدیک فتح مکہ عنوۃً اور قہراً ہوئی ہے۔

امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما ایک روایت میں فتح مکہ کو صلحاً مانتے ہیں۔ (اشعۃ اللمعات: ۳۸۳ / ۲)

ثمرۂ اختلاف یہاں ظاہر ہوگا کہ جن حضرات کے نزدیک فتح عنوۃ ہے ان کے یہاں ارض مکہ کو ارض موقوفہ قرار دیا جائے گا اور اس کے گھروں کی بیع اور اجارہ جائز نہیں ہوگا، اور جو حضرات فتح صلحاً مانتے

ہیں ان کے نزدیک وہ مفتوحین کی ملک میں باقی شمار کی جائے گی، اور بیع اور اجارہ سب جائز ہوگا۔

حدیث شریف کا یہ جملہ **"واله لم يحل القتال فيه لاحد قبلي و لم يحل لي الا ساعة من نهار"** [اور بلاشبہ مجھ سے قبل کسی کے لئے اس میں قتال کرنا حلال نہیں ہوا اور میرے لئے بھی دن کے تھوڑے سے وقت کے لئے حلال ہوا۔] حنفیہ کی دلیل ہے، کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قتال ہوا، اور فتح عنوۃ ہوئی۔

لا يعضد شجرها و لا ينفر صيدها: جو امور خاص حرم میں ناجائز ہیں اور شانِ حرم کے خلاف ہیں یہ ان کا بیان ہے کہ نہ سرزمین حرم کے درختوں کو کاٹا جائے اور نہ وہاں کے شکار کو چھیڑا جائے (اس کو اس کی جگہ سے ہٹایا نہ جائے) جب صرف تنفیر ہی حرام ہے تو اتلاف و اہلاک تو بطریق اولی ناجائز ہوگا۔

حرم کے کس گھاس اور درخت کو کاٹنا منع ہے؟

حرم کا کونسا درخت اور گھاس ممنوع ہے؟ اس میں تفصیل ہے، شافعیہ کے نزدیک اس میں کوئی قید نہیں، ہر قسم کا درخت اور گھاس منع ہے، **سواء كان مما ينبته الناس او ينبت بنفسه** یعنی خواہ ایسا ہو جس کو عام طور سے لوگ لگاتے اور بوتے ہوں اور چاہے خودرو ہو۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں جنس کا اعتبار ہے، یعنی جو جنس کے لحاظ سے خودرو ہو (جس کو عام طور سے لوگ بوتے نہ ہوں بلکہ وہ خود ہی اگتا ہو) اس کا کاٹنا ممنوع ہے، گو فی الحال کسی نے اس کو بویا ہو۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جنس کا اعتبار نہیں بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ بالفعل وہ کیسا ہے، اگر نبت بنفسہ ہے (خود اگا ہے) تب تو اس کو کاٹنا منع ہے، اور اگر کسی نے اس کو بویا ہے (خواہ جنس کے لحاظ سے خودرو ہی ہو) تب اس کا کاٹنا جائز ہے، اور حنفیہ کے نزدیک منع کے لئے جنس اور فعل دونوں کا اعتبار ہے، لہٰذا جو درخت جنس کے لحاظ سے خودرو ہو اور ویسے بھی خودرو ہو کسی نے اس کو بویا نہ ہو تب اس کا کاٹنا منع ہوگا۔ **هكذا يستفاد من الاوجز۔**

وقال العباس يا رسول الله الا الاذخر: حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

عرض کیا: یارسول اللہ! اذخر کا استثناء کر دیجئے، یعنی اس کے کاٹنے کی اجازت دیدیجئے، کیونکہ (وہ ہماری بہت ضرورت اور کام کی چیز ہے)، گھروں میں بھی کام آتا ہے، اور قبروں میں بھی، گھروں میں کام آتی ہے کیونکہ چھپر میں اس کو لگاتے ہیں اور لحد قبر کو جب کچی اینٹوں سے بند کرتے ہیں تو اینٹوں کے درمیان کی چھید کو اس سے پر کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے ان کی ترغیب اور تلقین پر اس کا استثناء فرمایا، اس استثناء کا نام استثناء تلقین ہے، دوسرے کے کلام میں اضافہ کیا جاتا ہے۔

ولا یلتقط لقطتہ الا من عرفہا: یہ لقطہ کا حکم حرم اور غیر حرم میں یکساں ہے، ہر جگہ لقطہ میں تعریف ضروری ہے، حضرت رسول اللہ ﷺ نے مزید تاکید اور اہتمام کے پیش نظر یہ ارشاد فرمایا۔

مقام کے مناسب بعض فقہی جزئیات واختلاف ائمہ

ولا یختلی خلاھا: خلا کہتے ہیں تر گھاس کو (النبات الرطب) تر گھاس کا کاٹنا تو بالاتفاق ممنوع ہے، واما الیابس فکذلک عند مالک، اور حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک منع کا تعلق اس سے نہیں، ان دونوں کے نزدیک اس کا قطع اور قلع دونوں جائز ہیں، اور شافعیہ کے نزدیک خشک گھاس کا قطع تو جائز ہے، لیکن قلع (اکھاڑنا) جائز نہیں، یہاں ایک اور مسئلہ ہے، وہ یہ کہ اس حدیث شریف سے قطع حشیش کی تو ممانعت معلوم ہوگئی، لیکن رعی (جانوروں کو چرانا) کا حکم معلوم نہیں ہوا، جواب یہ ہے کہ حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک وہ ناجائز ہے، بلکہ بطریق اولیٰ ناجائز ہے، **"فانہ اشد من الاحتشاش"** اس لئے کہ اس میں ہتک حرمت اور ترک رعایت زائد ہے، بنسبت قطع کے، بخلاف شافعیہ ومالکیہ کے ان کے نزدیک رعی جائز ہے۔ (بذل)

نیز واضح رہے کہ اس منع سے زروع وبقول واذخر مستثنیٰ ہیں، ان کو کاٹنا بالاتفاق جائز ہے، پھر یہ بھی جاننا چاہئے کہ فقہاء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ اشجار حرم کے قطع کی جزاء وکفارہ کیا ہے، سو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جزاء اس میں کچھ واجب نہیں، بس ارتکاب حرام ہے، جس میں گناہ ہے، اور امام شافعی واحمد کے نزدیک شجرۂ کبیرہ میں بقرہ ہے اور صغیرہ میں شاۃ واجب ہے اور غایۂ صغیرہ میں قیمت،

وعند الحنفیۃ القیمۃ مطلقاً وھی الجزاء۔ (الدر المنضود: ۴،۳۰۳)

مکہ مکرمہ میں ہتھیار اٹھانا

{۲۵۹۷} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَا يَحِلُّ لِأَحَدِكُمْ اَنْ يَّحْمِلَ بِمَكَّةَ السِّلَاحَ۔

(رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۴۳۹، كتاب الحج، باب النهي عن حمل السلاح بمكة الخ، حدیث نمبر: ۱۳۵۶۔

حل لغات: السلاح: ہتھیار، جمع: اسلحة۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کہ کسی کے لئے حلال نہیں ہے کہ مکہ مکرمہ میں ہتھیار اٹھائے۔

تشریح: جو شخص حج یا عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ جا رہا ہو (ظاہر ہے کہ وہ محرم ہوگا) کیا وہ اپنے ساتھ ہتھیار لے جا سکتا ہے، یہ تو ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ میں قتال تو قطعاً جائز نہیں، تو پھر کیا سلاح بھی وہاں ساتھ لیجا سکتا ہے؟ عند الجمہور جائز ہے، حسن بصری کے نزدیک مکروہ ہے، ان کی دلیل بھی حدیث جابر مرفوعاً ہے۔ **"لا يحل لاحدكم ان يحمل بمكة السلاح"** [تم میں سے کسی کے لئے مکہ مکرمہ میں ہتھیار اٹھانا حلال نہیں۔] اسی طرح ابو داؤد میں کتاب الحج کے اخیر باب تحریم المدینہ میں **"ولا يصلح لرجل ان يحمل فيها السلاح لقتال"** [کسی شخص کے لئے اس میں قتال کے لئے ہتھیار اٹھانا درست نہیں۔] (لیکن اس حدیث شریف کا تعلق حرم مدینہ سے ہے) اور جمہور کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں کفار مکہ سے مصالحت فرمائی تھی تو اس وقت یہ طے ہوا تھا کہ آئندہ سال جب مسلمان عمرہ کرنے یہاں آئیں تو ہتھیاروں تلواروں کو برہنہ کر کے مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہوں، بلکہ تلواروں کو ان کے غلافوں میں اور پوشیدہ طور سے تھیلوں میں رکھ کر لائیں، اس سے معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ میں ہتھیار لے کر جا سکتے ہیں۔ حدیث مسلم کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ قتال کی نیت سے ساتھ لے کر نہ جائے۔ (الدر المنضود: ۳/ ۲۱۲)

حرم میں مرتد کو قتل کرنا

{۲۵۹۸} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَکَّةَ یَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلٰی رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ فَلَمَّا نَزَعَهٗ جَاءَ رَجُلٌ وَقَالَ: اِنَّ ابْنَ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِاَسْتَارِ الْکَعْبَةِ فَقَالَ اُقْتُلْهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۶۱۴، کتاب المغازی، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ یوم الفتح، حدیث: ۴۲۸۰، مسلم شریف: ۱/ ۴۳۹، کتاب الحج، باب جواز دخول مکۃ بغیر احرام، حدیث: ۱۳۵۷۔

حل لغات: اَلْمِغْفَرُ: لوہے کی ٹوپی جو لڑائی میں پہنتے ہیں، جمع: مغافر۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے دن مکہ مکرمہ کے اندر اس حال میں داخل ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر لوہے کی ٹوپی تھی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اتارا تو ایک آدمی نے آکر کہا کہ ابن خطل کعبہ کا پردہ تھامے ہوئے ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو قتل کر دو۔

تشریح: ابن خطل: یہ شخص پہلے مسلمان تھا، بعد میں اسلام سے مرتد ہو گیا تھا، اور اس نے ایک مسلمان کو قتل بھی کیا تھا، جو اس کا خدمت گار تھا، اس کے پاس دو جاریہ تھیں جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے ہجویہ قصائد پڑھا کرتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا۔

حرم میں قصاص اور حد کا حکم

اس حدیث شریف سے امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ حرم میں قصاص اور حدود جاری کرنا جائز ہے، جبکہ حنفیہ کے یہاں مرتکب جنایت فی خارج الحرم اگر حرم کی پناہ پکڑے تو اس پر حدود حرم میں حد قائم نہیں کی جائے گی، بلکہ اس کو خروج عن الحرم پر مجبور کیا جائے گا، اور پھر حرم سے باہر اس پر حد جاری کی جائے گی۔ (طیبی: ۵/ ۳۵۷)

جہاں تک تعلق ہے اس حدیث شریف کا کہ یہاں اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے، ابن خطل قتل مسلم کا مرتکب تھا، آنحضرت ﷺ نے حد قصاص حرم میں نافذ کی، حالانکہ ارتکابِ جرم خارج از حرم ہوا تھا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قتل قصاصاً نہیں ہوا تھا، اس لئے کہ قتل قصاص کے لئے مطالبہ، دعویٰ اور شہادت ان تمام امور کی ضرورت ہے، جبکہ یہاں ان میں سے کوئی بھی موجود نہیں، اس لئے کہا جائے گا کہ یہ قتل ارتداد کی وجہ سے تھا، اور ارتداد ظاہر ہے کہ حرم میں بھی موجود ہے۔

اور اگر تسلیم کیا جائے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو قصاصاً قتل کرایا تھا تو پھر یہ کہا جائے گا کہ یہ عین ممکن ہے کہ اس کا قتل اس خاص ساعت میں ہوا ہو، جس ساعت میں آنحضرت ﷺ کے لئے حرم میں قتال کو حلال کر دیا گیا تھا۔ (مرقاۃ: ۸/۶ نفحات التنقیح: ۳/۳۸۷)

دخول مکہ کے وقت آنحضرت ﷺ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے

{۲۵۹۹} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ بِغَيْرِ اِحْرَامٍ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۳۹، باب جواز دخول مکۃ بغیر احرام الخ، حدیث نمبر: ۱۳۵۸۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ فتح کے دن بغیر احرام کے مکے کے اندر اس حال میں داخل ہوئے کہ آنحضرت ﷺ پر کالی پگڑی تھی۔

تشریح: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ فتح مکہ کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے احرام نہیں باندھا تھا، کیونکہ حج یا عمرہ کی غرض سے تشریف نہیں لائے تھے۔

دخول حرم بغیر احرام

آفاقی جب حج یا عمرہ کے لئے آئے تو بالاتفاق بغیر احرام کے میقات سے گذرنا جائز نہیں، اگر

کوئی حج وعمرہ کے سوا کسی اور غرض کے لئے مکہ مکرمہ میں آئے تو اس کے لئے احرام باندھنا ضروری ہے یا نہیں؟ امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ ضروری نہیں بغیر احرام کے بھی مکہ مکرمہ آسکتا ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک کسی مقصد کے لئے بھی مکہ مکرمہ آنا ہو تو احرام باندھنا ضروری ہے۔

حدیث مذکور امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے، جسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **"لاتجاوزوا المیقات بغیرا حرام"** [میقات سے بغیر احرام کے تجاوز مت کرو۔]

امام شافعی اور امام احمد کا استدلال حدیث جابر سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہوئے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، حرم میں قتال کرنا حرام ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے موقع پر دن کے ایک حصہ میں قتال کی اجازت دی گئی تھی۔ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، بعد میں کسی کو حرم میں قتال کی اجازت نہیں۔ اسی طرح بغیر احرام کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی اجازت بھی اس وقت کے ساتھ خاص تھی، کیونکہ قتال فی الحرم کی اجازت و دخول حرم بلا احرام کی اجازت کو مستلزم ہے، کیونکہ قتال اور احرام میں منافات ہے، احرام کی حالت میں جدال ممنوع ہے، اسی طرح محرم کو چہرہ اور سر کھولنا ضروری ہے، قمیص اور زرہ پہننا ممنوع ہوتا ہے، اور مقاتل زرہ اور سر ڈھانپنے کا محتاج ہوتا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دن کے ایک حصہ میں قتال کی اجازت دی تو ان کو ضرورت قتال کی وجہ سے بغیر احرام کے دخول مکہ کی بھی اجازت دے دی۔ (اشرف التوضیح: ۳۶۹/ ۲)

ایک تعارض اور اس کا جواب

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے، جبکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں تھا: **"دخل مکۃ یوم الفتح وعلی رأسہ المغفر"** [مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر جنگی ٹوپی تھی۔]

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس تعارض کا جواب یہ دیا ہے کہ ابتداء دخول میں آنحضرت ﷺ نے خود پہن رکھا تھا، اور پھر اس کے بعد سیاہ عمامہ باندھا، اس پر انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے: **"خطب الناس وعلیہ عمامۃ سوداء"** [لوگوں کو خطبہ دیا اور آنحضرت ﷺ کے اوپر سیاہ عمامہ تھا۔] اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے بابِ کعبہ کے پاس خطبہ دیا تھا، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے سر پر خود پہن کر اور اس پر سیاہ عمامہ باندھا ہو، اور بعد میں خود کو اتار کر صرف عمامہ کو باقی رکھا ہو۔ (مرقاۃ: ۲۶۸/۳ نفحات التنقیح: ۳/۳۸۷)

کعبہ پر حملہ کرنے والے کیلئے وعید

{۲۶۰۰} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُوْا جَيْشُ الْكَعْبَةَ فَاِذَا كَانُوْا بِبَيْدَاءَ مِنَ الْاَرْضِ يُخْسَفُ بِاَوَّلِهِمْ وَاٰخِرِهِمْ قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَكَيْفَ يُخْسَفُ بِاَوَّلِهِمْ وَاٰخِرِهِمْ وَفِيْهِمْ اَسْوَاقُهُمْ وَمَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ؛ قَالَ: يُخْسَفُ بِاَوَّلِهِمْ وَاٰخِرِهِمْ ثُمَّ يُبْعَثُوْنَ عَلٰى نِيَّاتِهِمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۸۴، کتاب البیوع، باب ماذکر فی الاسواق، حدیث نمبر: ۲۰۷۱، مسلم شریف: ۲/۳۸۸، کتاب الفتن واشراط الساعۃ، باب یؤم ھذا البیت حیث الخ، حدیث نمبر: ۲۸۸۴۔

حل لغات: جیش: لشکر، جمع: جیوش، یخسف: خَسَفَ (ض) خسوفاً: دھنس جانا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک لشکر خانۂ کعبہ پر حملے کا ارادہ کرے گا تو جب وہ زمین کے ایک میدانی حصے میں پہنچے گا تو وہ اول سے آخر تک زمین میں دھنسا دیا جائے گا، تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ اوّل سے آخر تک کیسے دھنسا دیا جائے گا جب کہ ان میں کاروباری اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو ان میں سے نہیں ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ اوّل سے آخر تک دھنسا دیا جائے گا، البتہ وہ اپنی نیتوں کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔

تشریح: آخری زمانے میں ایک لشکر خانہ کعبہ پہ حملہ آور ہوگا لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکے گا، اور خانہ کعبہ پہنچنے سے پہلے ہی زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔

فاذا كانوا ببيداء الخ: بیداء سے مراد مدینہ منورہ سے قریب وہ میدان ہے جس کا نام بیداء ہے، یعنی یہ لشکر جب اپنے ناپاک ارادے سے خانہ کعبہ کی طرف بڑھے گا تو پورے کے پورے لشکر کو مقام بیداء میں دھنسا دیا جائے گا۔

یہ پیشگوئی اس زمانہ کے بارے میں ہے جب دنیا اپنی عمر کے آخری دور میں ہوگی، چنانچہ اس آخری زمانہ میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے بعد مصر کے حکمراں سفیانی کا ایک لشکر خانہ کعبہ کو نقصان پہنچانے کے ناپاک ارادہ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوگا، مگر وہ اپنے اس ناپاک ارادہ میں کامیاب ہونے سے پہلے ہی زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔

حدیث شریف کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ بہت سے ایسے لوگ لشکر کے ناپاک ارادوں کے ہمنوا نہ ہوں گے اور خانہ کعبہ کو نقصان پہنچانا یا اس کی توہین کرنا ان کا مقصد نہیں ہوگا، مگر چونکہ وہ لشکر میں شامل ہو کر نہ صرف یہ کہ ان کی بھیڑ میں اضافہ کریں گے، بلکہ ایک طرح سے ان کے ناپاک ارادہ میں اعانت کا سبب بھی بنیں گے، اس لئے پورے لشکر کے ساتھ ان کو بھی زمین میں دھنسا دیا جائے گا، ہاں! پھر قیامت میں سب کو ان کی نیتوں کے مطابق اٹھایا جائے گا کہ جو شخص کسی مجبوری اور زبردستی کے تحت لشکر میں شامل ہوا ہوگا اور اس کی نیت صاف اور اس کا قلب ایمان و اسلام کی روشنی سے منور ہوگا وہ جنت میں داخل کیا جائے گا، اور جو لوگ واقعی ناپاک ارادوں کے ساتھ اور بہ نیت کفر لشکر میں شامل ہوں گے انہیں دوزخ کی آگ کے حوالے کر دیا جائے گا۔

خانہ کعبہ کی خرابی حبشی کے ہاتھوں ہوگی

{۲۶۰۱} وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَرِّبُ الْكَعْبَةَ ذُوالسُّوَيْقَتَيْنِ مِنَ الْحَبَشَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۱۷، کتاب المناسک، باب هدم الکعبة، حدیث نمبر: ۱۵۷۲،
مسلم شریف: ۲/۳۹۴، کتاب الفتن، فصل فی تخریب ذی السویقین، حدیث نمبر: ۲۹۰۹۔

حل لغات: یخرب: خرب (تفعیل) البیت، ڈھانا۔ **السویقتین:** تثنیہ ہے سویق کا "ساق" کی تصغیر ہے، بمعنی پنڈلی۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خانہ کعبہ کو نقصان پہنچانے والے لشکر میں ایسا شخص بھی ہوگا جس کی پنڈلیاں پتلی اور چھوٹی ہوں گی۔

تشریح: **یخرب الکعبة:** مراد خانہ کعبہ کو نقصان پہنچا کر دم لے گا۔

ذو السویقتین: مراد یہ ہے کہ اس لشکر میں ایسے بھی لوگ ہوں گے جن کی پنڈلیاں پتلی اور چھوٹی ہوں گی۔ گویا یہ مقدر ہو چکا ہے کہ خانہ کعبہ کی تخریب ایک حبشی کے ہاتھوں ہوگی، چنانچہ یہ عبرت پکڑنے کی بات ہے کہ خانہ کعبہ اپنی قدر و منزلت کے باوجود ایک حقیر آدمی کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوگا، اور جب خانہ کعبہ تباہ ہوگا تو قیامت آ جائے گی، جس کے نتیجہ میں پوری دنیا خراب و تباہ ہو جائے گی، اس لئے کہ اس عالم کی آبادی خانہ کعبہ کے وجود کے ساتھ معلق ہے۔

خانہ کعبہ کو خراب کرنے والا شخص

{۲۶۰۲} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كَأَنِّي بِهِ أَسْوَدَ أَفْحَجَ يَقْلَعُهَا حَجَرًا حَجَرًا۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۱۷، کتاب المناسک، باب هدم الکعبة، حدیث نمبر: ۱۵۷۱۔

حل لغات: اسود، کالی، جمع: سود و سؤدان، **یقلعها:** قلع (ف) قلعا الشئ، جڑ سے اکھیڑنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میں خانہ کعبہ ڈھانے والے کو دیکھ رہا ہوں، وہ ایک سیاہ رنگ کا بھدا شخص ہوگا، جو خانہ کعبہ کا ایک ایک پتھر اکھاڑ ڈالے گا۔

تشریح: خانہ کعبہ ڈھانے والے لشکر میں ایک ایسا شخص بھی ہوگا، جو ٹھیک سے چل بھی نہ سکے گا، لیکن خانہ کعبہ ڈھانے میں بڑا پیش پیش ہوگا۔

کانی بہ اسود افحج الخ: افحج ایسے آدمی کو کہتے ہیں جس کے قدم آڑے ترچھے ہوں، مراد یہ ہے کہ کعبہ شریف منہدم کرنے والے لشکر میں ایک ایسا شخص بھی ہوگا جو ٹھیک سے چل بھی نہ سکے گا، مگر خانہ کعبہ ڈھانے میں پیش پیش ہوگا۔

﴿الفصل الثانی﴾

حرم میں احتکار کجروی کی علامت ہے

{۲۶۰۳} **وَعَنْ يَعْلَى ابْنِ اُمَيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِحْتِكَارُ الطَّعَامِ فِي الْحَرَمِ اِلْحَادٌ فِيْهِ۔**

(رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۷۶، کتاب المناسک، باب تحریم مکۃ، حدیث نمبر: ۲۰۲۰۔

حل لغات: احتکار: حکر (ض) حکرا، ظلم کرنا، **احتکر (افتعال)** مہنگا بیچنے کے لئے روکے رکھنا۔ **الحاد: اَلْحَدَ (افعال)** دین سے ہٹنا۔

ترجمہ: حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حرم میں غلہ جمع کرنا بے دینی ہے۔

احتکار فی الحرم

تشریح: احتکار کہتے ہیں کہ کوئی شخص مہنگائی کے زمانے میں غلہ وغیرہ اس نیت سے خرید کر رکھے کہ جب مہنگائی مزید بڑھ جائے تو اسے فروخت کرونگا۔

اور "**الحاد**" کہتے ہیں "**المیل عن الحق الی الباطل**" یعنی حق سے باطل کی طرف مائل ہونا۔ احتکار تو ویسے ہر شہر میں حرام ہے، لیکن حرم میں اس کی حرمت اور بڑھ جاتی ہے، چنانچہ حدیث شریف میں اس کو "**الحاد**" قرار دیا گیا ہے۔ اور "**الحاد فی الحرم**" کے بارے میں قرآن مجید میں: "**وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ**" [اور جو کوئی شخص اس میں ظلم کر کے ٹیڑھی راہ نکالے گا ہم اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔] فرمایا گیا ہے۔
(مرقاۃ: ۹/ ۶، نفحات التنقیح: ۳۸۸/ ۳)

مکہ مکرمہ کی فضیلت

{۲۶۰۴} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَّةَ مَا أَطْيَبَكِ مِنْ بَلَدٍ وَأَحَبَّكِ إِلَيَّ وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمِي أَخْرَجُونِي مِنْكِ مَا سَكَنْتُ غَيْرَكِ۔ (رواہ الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ إِسْنَادًا۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/ ۲۳۰، ابواب المناقب، باب فی فضل مکۃ، حدیث نمبر: ۳۹۲۶۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کے بارے میں ارشاد فرمایا: کہ تو شہروں میں سب سے اچھا ہے، اور تو مجھے بہت پیارا ہے، اگر میری قوم مجھے تجھ سے نہ نکالتی تو میں تیرے علاوہ کہیں نہ رہتا۔

تشریح: اس حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ تمام شہروں میں سب سے بہترین شہر ہے۔

ما اطیبک من بلدا لخ: مراد یہ ہے کہ مکہ مکرمہ تمام شہروں میں سب سے اچھا شہر ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بہت محبت تھی۔

سب سے زیادہ محبوب مقام مکہ ہے

{۲۶۰۵} وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ حَمْرَاءَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ

قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاقِفًا عَلَى الْحَزْوَرَةِ فَقَالَ: وَاللهِ إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللهِ وَأَحَبُّ أَرْضِ اللهِ إِلَى اللهِ وَلَوْلَا أَنِّيْ أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ۔ (رواه الترمذي وابن ماجة)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/ ۲۳۰، ابواب المناقب، ابن ماجہ شریف: ۲۲۴، کتاب المناسک، باب فضل مکة، حدیث نمبر: ۳۱۰۸۔

حل لغات: الحزورة: مکہ مکرمہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عدی بن حمراء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، حزورہ پہ کھڑے ہو کر فرما رہے تھے، بے شک تو اللہ تعالیٰ کی زمینوں میں سب سے بہتر ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ زمین ہے، اگر میں تجھ سے نہ نکالا جاتا تو نہ نکلتا۔

تشریح: واقفا علی الحزورة: مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تقریر مقام حزورہ میں فرمائی تھی۔

فقال واللہ انک لخیر ارض اللہ الخ: مراد یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کی زمین تمام زمینوں میں سب سے بہترین ہے۔

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ حرم مدینہ افضل ہے یا حرم مکہ؟

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ حرم مکہ افضل ہے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ حرم مدینہ افضل ہے۔ یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے۔ (التعلیق: ۳/۲۷۰)

﴿الفصل الثالث﴾

حرمت مکہ مکرمہ

{۲۶۰۶} وَعَنْ اَبِیْ شُرَیْحٍ الْعَدَوِیِّ اَنَّهٗ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعِیْدٍ وَهُوَ يَبْعَثُ الْبُعُوْثَ اِلٰی مَكَّةَ اِئْذَنْ لِیْ اَیُّهَا الْاَمِیْرُ! اُحَدِّثْكَ قَوْلاً قَامَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْغَدَ مِنْ یَوْمِ الْفَتْحِ سَمِعَتْهُ اُذُنَایَ وَوَعَاهُ قَلْبِیْ وَاَبْصَرَتْهُ عَیْنَایَ حِیْنَ تَكَلَّمَ بِهٖ حَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ: اِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَلَمْ یُحَرِّمْهَا النَّاسُ فَلَا یَحِلُّ لِامْرِءٍ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یَسْفِكَ بِهَا دَمًا وَلَا یَعْضُدَ بِهَا شَجَرَةً فَاِنْ اَحَدٌ تَرَخَّصَ بِقِتَالِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْهَا فَقُوْلُوْا لَهٗ: اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذِنَ لِرَسُوْلِهٖ وَلَمْ یَأْذَنْ لَكُمْ وَاِنَّمَا اَذِنَ لِیْ فِیْهَا سَاعَةً مِّنْ نَهَارٍ وَقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْیَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْاَمْسِ وَلْیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ. فَقِیْلَ لِاَبِیْ شُرَیْحٍ مَا قَالَ لَكَ عَمْرٌو؟ قَالَ: قَالَ: اَنَا اَعْلَمُ بِذٰلِكَ مِنْكَ یَا اَبَا شُرَیْحٍ اِنَّ الْحَرَمَ لَا یُعِیْذُ عَاصِیًا وَلَا فَارًّا بِدَمٍ وَلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ) وَفِی الْبُخَارِیِّ اَلْخَرْبَةُ اَلْخِیَانَةُ.

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۲۴۷، کتاب المناسک، باب لا یعضد شجر الحرم، حدیث: ۱۷۹۶، مسلم شریف: ۱/ ۴۳۸، کتاب المناسک، باب تحریم مکۃ، حدیث نمبر: ۱۳۵۴۔

حل لغات: **البعوث:** جمع ہے "**بعث**" کی بمعنی فوج۔ **یعضد: عضد (ن) عضدا**، کاٹنا، **شجرۃ**، درخت، جمع: **اشجار**۔

ترجمہ: حضرت ابوشریح عدوی سے روایت ہے کہ انہوں نے عمرو بن سعید سے اس وقت کہا: جب وہ مکہ مکرمہ فوج بھیج رہے تھے، اے میرے سردار! آپ مجھے اجازت دیجئے تا کہ میں

حضرت نبی کریم ﷺ کا وہ قول نقل کروں جسے آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے دوسرے دن ارشاد فرمایا تھا، جسے میرے کانوں نے سنا ہے، میرے دل نے حفاظت کی ہے اور میری آنکھوں نے دیکھا ہے، جب آنحضرت ﷺ نے بات شروع فرمائی تو اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اس کی ثنا بیان کی، پھر ارشاد فرمایا: کہ مکہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، کسی آدمی نے حرام نہیں کیا ہے؛ اس لئے کسی ایسے آدمی کے لئے حلال نہیں ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو کہ کسی کا خون بہائے اور یہ کہ کوئی درخت کاٹے، لیکن اگر کوئی شخص حضرت رسول اکرم ﷺ کے قتال کی وجہ سے رخصت نکالتا ہے تو اس سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے لئے اجازت دی تھی، اور تمہارے لئے اجازت نہیں ہے۔ (جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا) کہ مجھے دن کے ایک حصے میں میرے لئے اس میں قتال کی اجازت تھی، اور اس کی حرمت آج لوٹ آئی ہے، جیسا کہ کل تھی اور موجودین غائبین تک پہنچادیں۔ ابو شریح سے کہا گیا کہ عمرو نے آپ سے کیا کہا؟ انہوں نے کہا: کہ عمرو نے کہا: کہ میں اس بارے میں تجھ سے زیادہ جانتا ہوں، اے ابو شریح! بے شک حرم گناہ گار خون کرکے بھاگنے والے اور تخریب کاری کرنے والے کو پناہ نہیں دیتا ہے، اور بخاری میں ہے کہ "**الخربة**" خیانت کے معنی میں ہے۔

تشریح: عمرو بن سعید مدینہ کا والی تھا، شام میں عبد الملک بن مروان کی حکومت تھی، عمرو بن سعید عبد الملک کا آدمی تھا، مکہ مکرمہ میں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی حکومت تھی، عمرو بن سعید حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی حکومت ختم کرنے کے لئے اور مکہ مکرمہ پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لئے مدینہ طیبہ سے لشکر تیار کر رہا تھا، اس موقع پر حضرت ابو شریح نے مکہ مکرمہ کی حرمت کے بارے میں حضرت نبی کریم ﷺ کے ارشادات سنائے کہ مکہ مکرمہ میں لڑائی کرنا حرام ہے، عمرو بن سعید نے جواب میں کہا: "**ان الحرم لا یعیذ عاصیا و لا فارا بدم الخ**" کہ مکہ مکرمہ تخریب کار اور عاصی کو پناہ نہیں دیتا۔

عمرو بن سعید نے جو مسئلہ اور اصول بیان کیا وہ صحیح ہے یا نہیں؟ یہ ایک علمی بحث ہے، البتہ اتنی بات واضح ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو جو وہ عاصی اور تخریب کار سمجھ رہا ہے یہ صحیح نہیں، حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اس الزام سے بری ہیں۔

حکم ملتجی حرم

کوئی آدمی جنایت کرکے حرم مکہ میں پناہ لے لے تو اس پر حرم میں سزا نافذ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس کی کئی صورتیں ہیں:

(۱)...... ایسا جرم کیا جس پر حد یا قصاص ہونا چاہئے اور کیا بھی حدود حرم میں ہے تو اس کو حرم میں سزا دیجا سکتی ہے۔

(۲)...... حرم کی حدود سے باہر جرم کرکے حرم میں پناہ لی اس کی پھر دو صورتیں ہیں:

(۱)...... جنایت فیما دون النفس ہے، یعنی جان ختم نہیں کی صرف کوئی عضو تلف کر دیا ہے۔

(۲)...... جنایت فی النفس ہو۔

اگر جنایت فیما دون النفس باہر کرکے حرم میں آیا تو بالاتفاق حرم میں سزا دی جاسکتی ہے، اگر جنایت فی النفس باہر کرکے حرم میں پناہ لی تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ اور احمد کے نزدیک سزا نہیں دی جاسکتی، نہ ہی اسے باہر نکالا جاسکتا ہے، البتہ اس سے بیع وشرائ، مؤاکلت ومجالست ترک کر دی جائے گی، تاکہ تنگ ہوکر باہر آجائے، باہر آنے پر سزا نافذ کی جائے گی۔

امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب یہ ہے کہ اس کو حرم میں سزا دی جاسکتی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن سعید کے اس قول **"ان الحرم لا یعیذ عاصیا ولا فارا بدم"** سے استدلال کیا ہے، لیکن یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ شافعیہ کے نزدیک تو صحابی رضی اللہ عنہ کا قول بھی حجت نہیں، پھر ایک ظالم غیر صحابی کے قول سے کیسے مسئلہ ثابت ہوسکتا ہے۔

بعض شافعیہ نے اپنے موقف کی دلیل کے طور پر اسی باب کی تیسری حدیث جس کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں سے استدلال کیا ہے جو ماقبل میں گذر چکی کہ ابن خطل کے بارہ میں خبر دی گئی کہ وہ کعبہ کے پردوں سے لٹکا ہوا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اس کو قتل کر دو، ابن خطل پہلے مسلمان ہوگیا تھا، پھر مرتد ہوگیا اور ایک مسلمان کو قتل کر دیا تھا، اس نے ایک گانے والی باندی رکھی ہوئی تھی جو نعوذ باللہ! حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور احکام اسلام کی ہجو اور مذمت میں اشعار

پڑھا کرتی تھی۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اس نے چونکہ ایک مسلمان کو قتل کیا ہوا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اسے قصاصاً قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

لیکن یہ استدلال بھی صحیح نہیں دو وجہ سے، ایک تو اس لئے کہ قصاص کے لئے مقتول کے وارثوں کی طرف سے دعویٰ اور مطالبہ اور گواہیاں شرط ہیں، یہاں ان میں سے کوئی شرط نہیں پائی گئی، اس سے معلوم ہوا کہ اس کے ارتداد اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف گھناؤنے کردار کی وجہ سے قتل کرایا تھا۔

دوسری وجہ استدلال کے صحیح نہ ہونے کی یہ ہے کہ قتل کا حکم آنحضرت ﷺ نے اس وقت دیا تھا جب آنحضرت ﷺ کو مکہ مکرمہ میں قتال وغیرہ کی اجازت تھی، بعد میں قتال فی الحرم کی اجازت نہیں رہی، اس لئے حرم میں قصاص کی اجازت بھی نہیں رہی۔ (اشرف التوضیح:۱۷۳/۲، مرقاۃ:۲۷۲/۳)

تعظیم مکہ مکرمہ

{۲۶۰۷} وَعَنْ عَيَّاشِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ الْمَخْزُومِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ بِخَيْرٍ مَا عَظَّمُوا هٰذِهِ الْحُرْمَةَ حَقَّ تَعْظِيمِهَا فَإِذَا ضَيَّعُوا ذٰلِكَ هَلَكُوا۔ (رواہ ابن ماجۃ)

حوالہ: ابن ماجہ شریف: ۲۲۵، باب فضل مکۃ، حدیث نمبر: ۳۱۱۰۔

حل لغات: ضیعوا: (تفعیل) ضائع کرنا۔

ترجمہ: حضرت عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ امت اس وقت تک خیر میں رہے گی جب تک اس حرمت کی تعظیم کرتی رہے گی اس کی تعظیم کرنے کی طرح، جب اس کو ضائع کردے گی تو ہلاک ہوجائے گی۔

تشریح: حرم کی بے حرمتی نہ کرے، اس لئے کہ اگر حرم کی بے حرمتی کی گئی تو تباہی آئے گی۔

لاتزال هذه الامة بخير الخ: مراد یہ ہے کہ حرم کی تعظیم ہی میں امت کی خیر پوشیدہ ہے۔

باب حرم المدینة حرسها اللہ تعالیٰ

(حرم مدینہ کا بیان)

اللہ تعالیٰ اس کو محفوظ رکھے۔ آمین!

رقم الحدیث: ۲۶۰۸ تا ۲۶۳۸

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب حرم المدینۃ حرسہا اللہ تعالیٰ

(حرم مدینہ کا بیان)

اللہ تعالیٰ اس کو محفوظ رکھے۔آمین!

حرم مدینہ کے احکام

احناف کے نزدیک مدینہ منورہ زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًا وَ کَرَامَۃً حرم ہے۔لیکن حرم مکہ کی طرح نہیں،مدینہ منورہ میں کوئی ایسا کام جائز نہیں جس سے اس مقدس جگہ کی اہانت ہوتی ہو،البتہ مدینہ منورہ میں شکار کرنا اور مدینہ طیبہ کے درخت کاٹنا جائز ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مدینہ طیبہ میں شکار کرنا اور درخت کاٹنا جائز نہیں،لیکن جو حرم مدینہ میں شکار کرے گا یا درخت کاٹے گا اس پر جزاء نہیں۔(مرقاۃ:۱۳/ ۶،اعلاء السنن: ۴۸۴/ ۱۰)

احناف کے خلاف مشہور کیا جاتا ہے کہ مدینہ طیبہ کو حرم نہیں مانتے یہ الزام ائمہ حنفیہ کے خلاف صحیح نہیں،احناف مدینہ منورہ کو حرم سمجھتے ہیں،لیکن حرم مکہ اور حرم مدینہ میں فرق کرتے ہیں اور یہ فرق صرف احناف کے ہاں ہی نہیں بلکہ ائمہ ثلاثہ بھی بعض مسائل میں فرق کرتے ہیں،حرم مکہ کے شکار کی جزاء ضروری ہے،لیکن حرم مدینہ کے شکار کی جزاء کے ائمہ ثلاثہ قائل نہیں۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل

مدینہ طیبہ کے حرم ہونے میں حنفیہ اور ائمہ ثلاثہ کا کوئی اختلاف نہیں،اختلاف صرف

مدینہ طیبہ کے درخت کاٹنے اور شکار کرنے میں ہے۔ اس باب کی کچھ احادیث ایسی ہیں جن میں مدینہ طیبہ کو حرم فرمایا گیا ہے اور اس کے حدود مقرر کئے گئے ہیں، لیکن ان احادیث میں شکار اور قطع شجر کی ممانعت نہیں، ایسی احادیث اتفاقی نقطہ پر دلالت کرتی ہیں، یہ احادیث ائمہ ثلاثہ کے موقف کی تائید کے طور پر نہیں پیش کی جاسکتیں۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال ان احادیث شریفہ سے ہے جن میں حرم مدینہ کے شکار سے اور درخت کاٹنے سے منع کیا گیا ہے، مشکوۃ شریف کے اس باب میں اس قسم کی احادیث یہ ہیں:

پہلی فصل کی حدیث سعد ہے جس میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: **"انی احرم ما بین لابتی المدینة ان یقطع عضاها او یقتل صیدها"** [مدینہ طیبہ کی دونوں وادیوں کے درمیان کسی درخت کاٹنے اور شکار کے قتل کرنے کو میں حرام قرار دیتا ہوں۔] اس حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے مدینہ طیبہ کے درخت کاٹنے اور شکار کرنے سے منع فرمادیا ہے۔

پہلی اور دوسری فصل میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، کہ انہوں نے وادی عقیق میں کسی کو درخت کاٹتے ہوئے دیکھا تو اس کا سامان چھین لیا جب ان کے سامان کی واپسی کا سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کے درخت کاٹنے سے منع فرمادیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص مدینہ طیبہ کے درخت کاٹے گا اس کے کاٹنے والے کو جو آدمی پکڑے گا اس کا سلب پکڑنے والے کیلئے ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل

(۱)...... مشکوۃ شریف کے باب المزاح کی پہلی فصل کی حدیث شریف ہے، جس کی بخاری و مسلم نے تخریج کی ہے، حدیث شریف کی دوسری کتب میں ذرا تفصیل کے ساتھ ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:
حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا تھا، جسے ابوعمیر کہتے تھے، آنحضرت ﷺ جب ان کے یہاں تشریف لاتے تو اس بچے سے ہنسی مزاح فرمایا کرتے تھے، اس کے پاس ایک پرندہ تھا، ایک دن آنحضرت ﷺ تشریف لائے

تو ابوعمیر کو غمگین پایا، وجہ دریافت فرمائی تو عرض کیا گیا کہ اس کا نغیر پرندہ مرگیا ہے، تو آنحضرت ﷺ نے (بچہ کو خوش کرنے اور تسلی دینے کیلئے) فرمایا: **یا اباعمیر ما فعل النغیر۔ (مشکوۃ شریف: ۴۱۶)** [ابوعمیر! بلبل کا کیا ہوا۔]

یہ واقعہ مدینہ شریف کا ہے، اگر مدینہ منورہ بھی مکہ مکرمہ کی طرح حرم ہوتا اور اس میں شکار نا جائز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ان کو پرندہ قید رکھنے کی اجازت نہ دیتے اور پرندہ پکڑا ہوا دیکھ کر چھوڑ دینے کا حکم صادر فرماتے۔ (مرقاۃ: ۶/۱۹)

(۲)......حضرت سلمہ ابن الاکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے وحشی جانوروں کا شکار کر کے گوشت حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کیا، تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اگر تو وادی عقیق سے شکار کرنے کیلئے جاتا تو میں جاتے وقت تیرے ساتھ مشایعت کرتا۔ (یعنی رخصت کرنے کیلئے باہر تک ساتھ جاتا اور جب تو واپس آتا تو استقبال کرتا، اسلئے کہ میں وادی عقیق کو پسند کرتا ہوں۔ **(روی ابن ابی شیبة نحو ورواہ الطبرانی بسند احسنه المنذری)** (مرقاۃ: ۶/۱۹)

وادی عقیق مدینہ طیبہ کا ایک حصہ ہے، یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے درخت کاٹنے والے غلام سے سامان ضبط کرلیا تھا، عقیق سے شکار کی ترغیب خود حضرت رسول اللہ ﷺ دے رہے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ حرم مدینہ اور اس کے شکار کا حکم حرم مکہ اور اس کے شکار کے حکم کی طرح نہیں ہے۔

مشکوۃ شریف کے اسی باب کی فصل اول میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ میں مدینہ طیبہ کو حرم قرار دیتا ہوں، پھر حرم مدینہ کے احکام بیان فرماتے ہوئے فرمایا: کہ **"ولا تخبط فیها شجر الا لعلف"** مدینہ طیبہ کے اشجار نہ کاٹے جائیں، مگر چارے کے لئے۔ حرم مکہ کے اشجار کو جانوروں کے چارہ کے لئے بھی کاٹنا جائز نہیں۔ حرم مدینہ کے اشجار کو چارہ کے لئے کاٹنے کی اجازت دے دی، جس سے معلوم ہوا کہ حرم مدینہ کے نباتات کا حکم حرم مکہ کے نباتات کے حکم کی طرح نہیں۔ (مرقاۃ: ۶/۱۸)

طبرانی نے اپنی اوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: **"احد جبل یحبنا و نحبہ فاذا جئتموہ فکلوا من شجرہ ولو من عضاہ"** کہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم احد پہاڑ سے محبت کرتے ہیں، جب تم احد پر آؤ تو اس کے درخت سے کچھ کھاؤ۔ (مرقاۃ:۱۹/۶)

ظاہر ہے کہ درخت کا پتہ کھانے کے لئے توڑنا پڑے گا تو کھانے کا حکم توڑنے کی اجازت کو مستلزم ہے، اور احد حرم مدینہ کا ایک حصہ ہے، حرم مکہ میں خودرو درخت کے پتے توڑنے کی اجازت نہیں، حرم مدینہ کے درختوں کے پتے توڑنے کی اجازت اس حدیث شریف سے ثابت ہوگئی۔

نیز حضرت رسول اللہ ﷺ نے جب مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی تو مدینہ طیبہ کے کھجوروں کے درختوں کو کٹوا کر مسجد کی چھت کا بندوبست فرمایا، اگر حرم مدینہ کے احکام حرم مکہ جیسے ہوتے تو قطع نخل کی آنحضرت ﷺ قطعاً اجازت نہ دیتے۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل کے سلسلہ میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ حرم مدینہ میں شکار کرنے اور شکار کو قید رکھنے کی اجازت حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے، بلکہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حضور اقدس ﷺ کا شکار پر دلالت کرنا ثابت ہوتا ہے۔ (جس کی حرم مکہ میں اجازت نہیں) نیز احد پہاڑ کے درختوں سے کھانے کی ترغیب آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے، ان احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے ائمہ ثلاثہ کے دلائل میں یہ تاویل کی جائے گی کہ آنحضرت ﷺ نے جو مدینہ طیبہ کے درخت کاٹنے سے اور شکار کرنے سے منع فرمایا ہے یہ نہی تنزیہی ہے، حکمت اس میں یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کی زینت باقی رہے، مدینہ طیبہ کا سبزہ ختم ہونے سے اور جانوروں کا شکار کر لینے سے لوگوں کو وحشت نہ ہو۔ آنحضرت ﷺ نے خصوصیت سے کیکر وغیرہ کا درخت کاٹنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ ان کے پتے جانور چرتے تھے، پھر جانوروں کا دودھ مسلمانوں کی خوراک کے کام آتا تھا، اگر کیکروں کو کاٹ کر ایندھن بنا لیا جائے تو مسلمانوں کی اہم ضرورت فوت ہوتی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ طیبہ کی زینت اور اہل

مدینہ کی ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے قطع اشجار اور شکار سے منع فرمادیا، یہ منع انتظامی مصلحت سے تھا، حرمت مدینہ کی وجہ سے نہیں تھا، جیسا کہ مدینہ طیبہ کی زینت برقرار رکھنے کے لئے مدینہ طیبہ کے ٹیلوں کو ختم کرنے سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمادیا تھا۔ اور جیسا کہ حرم مکہ اور حرم مدینہ سے باہر کے کچھ مقامات سے صدقہ اور جزیہ کے اونٹوں کی ضروریات کے پیش نظر درخت کاٹنے سے منع فرمادیا تھا۔

نیز ہر جگہ شکار کرنے اور درخت کاٹنے کی اجازت دلائل قطعیہ سے ثابت ہے، کسی مقام پر حرمت اصطیاد اور حرمت قطع اشجار کے لئے بھی نصوص قطعیہ کی ضرورت ہے، اور ائمہ ثلاثہ نے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ محتمل ہیں، اس لئے ان محتمل نصوص کے پیش نظر مدینہ طیبہ کا شکار اور درخت کاٹنا حرام نہیں ہوسکتا۔

(مرقاۃ: ۶/۲۰، اعلاء السنن: ۱۰/۴۸۵، اشرف التوضیح: ۲/۳۷۵تا۳۷۳)

﴿الفصل الاوّل﴾

احترام مدینہ

{۲۶۰۸} وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ مَا كَتَبْنَا عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا الْقُرْاٰنَ وَمَا فِيْ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمَدِيْنَةُ حَرَامٌ مَا بَيْنَ عَيْرٍ اِلٰى ثَوْرٍ فَمَنْ اَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا اَوْ اٰوٰى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ، ذِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَاحِدَةٌ يَسْعٰى بِهَا اَدْنَاهُمْ فَمَنْ اَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ وَمَنْ وَالٰى قَوْمًا بِغَيْرِ اِذْنِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا: مَنِ ادَّعٰى اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ اَوْ تَوَلّٰى غَيْرَ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ

وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۴۵۱، کتاب الجهاد، باب الم من عاهد ثم غدر، حدیث نمبر: ۳۰۷۶، مسلم شریف: ۱/۴۴۲، کتاب المناسک، فضل المدینة، حدیث نمبر: ۱۳۷۰۔

حل لغات: **الصحیفة:** لکھا ہوا کاغذ، جمع: **صحائف۔ لعنة:** پھٹکار، جمع لعان۔ **اخفر:** خفر (ن ف) خفرَ افلاناً، عہد توڑنا۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن اور اس صحیفے کے علاوہ کچھ نہیں لکھا ہے، نیز انہوں نے کہا: کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مدینہ عیر سے ثور تک حرام ہے، اس لئے جس شخص نے اس میں کوئی بدعت نکالی یا کسی بدعتی کو پناہ دی، تو اس پر اللہ، فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اس کا نہ فرض قبول ہوگا، اور نہ ہی نفل، مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے، جس کی حفاظت ان میں کا ادنیٰ کر سکتا ہے؛ اس لئے جس شخص نے مسلمان کے عہد کو توڑا، اس پر اللہ، فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اس کا نہ فرض قبول ہوگا اور نہ ہی نفل، اور جس شخص نے اپنے ساتھیوں کی اجازت کے بغیر کسی قوم سے دوستی کی تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اس کا نہ فرض قبول ہگا اور نہ ہی نفل، اور ایک روایت میں ہے کہ جس شخص نے اپنے باپ کے علاوہ دوسرے کی طرف اپنے آپ کا انتساب کیا، یا اپنے مالک کے علاوہ دوسرے کی طرف منسوب کیا، تو اس پر اللہ، فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اس کا نہ فرض قبول ہوگا اور نہ ہی نفل۔

تشریح: ما کتبنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ: کچھ لوگوں نے آپس میں یہ گفتگو کی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور کتاب بطور خاص عنایت فرمائی ہے، جس کا علم اور کسی کو نہیں ہے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کی اس گفتگو کا علم ہوا تو ان کی تردید میں فرمایا: کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف قرآن کریم لکھا ہے، یا پھر چند احکام پر مشتمل وہ احادیث لکھی ہیں جو اس صحیفہ میں ہیں، ان کے علاوہ نہ تو میں نے کچھ لکھا ہے اور نہ ہی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے علاوہ مجھے کوئی اور کتاب دی ہے۔

اس صحیفے سے مراد وہ ورق تھا جس میں دیات کے احکام اور چند دوسرے احکام تحریر کئے گئے

تھے، اور منجملہ ان احکام کے وہ احکام بھی لکھے ہوئے تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا حدیث شریف میں بیان کئے۔(اشعۃ اللمعات:۳۸۸/ ۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے معارف اور علمی نکات ظاہر ہوتے رہتے تھے، جن سے لوگوں کے اس فاسد خیال کو تقویت ہوتی تھی اس کا جواب بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دے دیا تھا کہ قرآن سب کو یکساں ملا ہے، لیکن فہم سب کا یکساں نہیں ہوسکتا، ایک آدمی فہم خداداد سے وہ نکات ومعارف حاصل کرلیتا ہے جن تک دوسرے کا ذہن نہیں پہنچ سکتا اس لئے جن علوم سے عوام کو شبہ ہوسکتا ہے وہ اختلاف فہم کا نتیجہ ہے، خصوصی تعلیم کا اثر نہیں۔

المدینة حرام مابین عیر الی ثور: عیر عین کے فتحہ کے ساتھ مدینہ طیبہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے، ثور بھی ایک پہاڑ کا نام ہے۔اس مقام پر اشکال ہے۔

اشکال مع جواب

اشکال یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں ثور نامی کوئی پہاڑ مشہور نہیں ہے، بلکہ ثور پہاڑ مکہ مکرمہ میں ہے، جس کی غار میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے موقع پر تین دن پوشیدہ رہے۔حدیث شریف میں حرم مدینہ کے حدود بیان کرنے مقصود ہیں، اس میں ثور کا تذکرہ کیسا ہے؟

جواب: (۱)......بعض حضرات نے کہا ہے کہ راوی سے غلطی ہوگئی ہے اصل لفظ **"مابین عیر الی احد"** تھا۔شاید یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے اس روایت میں عیر کا ذکر کیا ہے، لیکن ثور کا ذکر نہیں کیا، البتہ امام مسلم نے یہ لفظ ذکر کیا ہے۔

(۲)......بعض نے کہا ہے: ثور پہاڑ مکہ مکرمہ میں ہے اور عیر بھی مکہ مکرمہ میں ہے، اور یہ کلام تشبیہ پر محمول ہے، **"المدینة حرام مابین عیرا لی ثور"** کا مطلب ہے: **"المدینة حرام مقدار مابین عیر الی ثور بمکة"** یعنی مدینہ طیبہ میں اتنی جگہ حرم ہے جتنی مکہ مکرمہ میں عیر اور ثور پہاڑوں کے درمیان ہے۔(فتح الباری:۸۲/ ۴)

(۳)......حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب قاموس کے حوالہ سے اور

حافظ بن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے محققین مشائخ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ عیر اور ثور دونوں مدینہ طیبہ میں پہاڑ ہیں، جبل احد کے پاس ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے، جسے ثور کہتے ہیں، یہ مکہ مکرمہ کے دوسرے پہاڑوں کی طرح زیادہ مشہور نہیں ہے، اس لئے تحقیقی بات یہی ہے۔ حدیث شریف میں ثور کا لفظ صحیح ہے۔ (فتح الباری: ۸۲/ ۴، التعلیق: ۲۷۴/ ۳)

ذمة المسلمین واحدة یسعی بها ادناهم: [مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے ان میں کا ادنی شخص بھی اس کے ساتھ کوشش کرسکتا ہے۔] جہاد وغیرہ میں کبھی کسی کافر کو امان دیا جاتا ہے، اس کا ضابطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ ہر مسلمان کسی کافر کو امان دینے کا اہل ہے، کسی مسلمان نے بھی کافر کو امان دے دیا تو یہ امان معتبر ہوگا کسی کو امان کے ہوتے ہوئے امان کی مخالفت کی اجازت نہیں۔

کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی مسلمان کسی ایسے کافر کو امان دے دے جس کو امان دینا مناسب نہ ہو اور مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہو، اس صورت میں یہ کیا جائے گا کہ اسے کافروں والی جگہ پہنچا کر کہہ دیا جائے گا کہ تیرا امان ختم ہے، اس کے بعد وہ مباح الدم ہو جائے گا۔

من والی قوما بغیر اذن موالیه فعلیه لعنة الله: [جو شخص اپنے موالی کی اجازت کے بغیر کسی قوم سے عقد موالات کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ والی موالات سے ماضی کا صیغہ ہے۔

موالات کی دو قسمیں ہیں:

(۱)......نصرت کی موالات وہ یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے معاہدہ کرلے کہ میری مشکلات میں تو میری مدد کرنا اور میں تیری مشکلات میں مدد کروں گا، ہر ایک دوسرے کا مولی ہے، اس موالات کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اور ایک سے موالات قائم کر کے چھوڑ دینا اور دوسرے سے موالات قائم کرنے پر وعید ہے۔

(۲)......موالات کی دوسری قسم **"ولاء العتاقه"** ہے، جب ایک آدمی کسی غلام کو آزاد کردے تو دونوں کے درمیان موالات قائم ہو جاتی ہیں، **مُعْتِق** (آقا) کو مولی اعلیٰ کہتے ہیں، اور **مُعْتَق** (آزاد شدہ غلام) کو مولی اسفل کہتے ہیں۔ مولی اسفل جب مرجائے تو اگر اس کے ورثاء ہوں تو

ان کو وراثت ملتی ہے، اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو تو مولیٰ اعلیٰ اس کی وراثت کا حق دار ہوتا ہے۔ اگر آزادشدہ غلام کسی اور سے موالات قائم کرے تو جائز نہیں، یہاں موالات سے دونوں قسمیں مراد ہوسکتی ہیں۔ (التعلیق: ۳/۲۷۵)

ومن ادعی الی غیر ابیہ: اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کو باپ کہنے پر وعید ہے، اپنی ذات بدلنا بھی اس میں داخل ہے، اس کی اب بہت عادت ہوگئی ہے۔ یہ بہت غلط عمل ہے۔

لایقبل منہ صرف ولا عدل: "**صرف**" اور "**عدل**" کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں، ایک یہ کہ "صرف" سے مراد فرض ہے، دوسرا یہ کہ اس سے مراد نفل ہے، تیسرا یہ کہ اس سے مراد توبہ ہے، چوتھا یہ کہ اس سے مراد شفاعت ہے، اسی طرح عدل کے بارے میں:

(۱)......بعض نے کہا: اس سے مراد نفل ہے۔

(۲)......بعض نے کہا: اس سے مراد فرض ہے۔

(۳)......بعض نے کہا: اس سے فدیہ مراد ہے۔

(۴)......عند البعض اس سے مراد شفاعت ہے۔

(۵)......اور بقولِ بعض اس سے مراد توبہ ہے۔ (مرقاۃ: ۶/۱۴، اشرف التوضیح: ۲/۳۷۵، نفحات التنقیح: ۳/۳۹۲)

مدینہ طیبہ میں سکونت کی فضیلت

{۲۶۰۹} وَعَنْ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِيْنَةِ أَنْ يُقْطَعَ عِضَاهُهَا أَوْ يُقْتَلَ صَيْدُهَا. وَقَالَ: الْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ لَا يَدَعُهَا أَحَدٌ رَغْبَةً عَنْهَا إِلَّا أَبْدَلَ اللّٰهُ فِيْهَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُ وَلَا يَثْبُتُ أَحَدٌ عَلٰى لَأْوَائِهَا وَجَهْدِهَا إِلَّا كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا أَوْ شَهِيْدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۴۰، کتاب المناسک، باب فضل المدینۃ، حدیث نمبر: ۱۳۶۳۔

حل لغات: عضاھھا: جمع ہے عضاھۃ کی بمعنی ہر بڑا کانٹے دار درخت، **شفیعاً:** شفارش

کرنے والا، جمع: **شفعاء**۔

ترجمه: حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ میں مدینہ طیبہ کے دونوں پہاڑوں کے درمیان حرام قرار دیتا ہوں، اس لئے نہ اس کے خاردار درخت کاٹے جائیں اور نہ شکار کیا جائے، نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مدینہ طیبہ ان کے لئے بہتر ہے، اگر وہ لوگ جان لیں، جو شخص اس شہر کو بے رغبتی سے چھوڑے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے ایسے شخص کو بسا دے گا جو اس سے بہتر ہوگا، اور جو شخص مدینہ طیبہ میں سختیوں اور بھوک کی حالت میں مدینہ طیبہ میں ثابت قدم رہے گا تو میں قیامت کے دن اس کے لئے شفیع یا شہید ہوں گا۔

تشریح: انی احرم: حرمت سے مراد مدینہ منورہ کی تعظیم وتکریم ہے۔ "**حرمت المدينة اراد بذالک تحریم التعظیم دون ماعداه من الاحكام المتعلقة بالحرم**" (فتح الملہم:۳۹۸/۳)

مابين لابتي المدينة: مراد عیر اور ثور دونوں پہاڑوں کے درمیان والا علاقہ ہے۔

ان يقطع عضاهها الخ: مراد یہ ہے کہ بے دردی سے مدینہ منورہ کے پیڑ پودے نہ کاٹے جائیں، اس لئے کہ بے تکے انداز میں پیڑ پودے کاٹنے سے علاقے کی زیب وزینت ختم ہو جاتی ہے، اور مدینہ منورہ کے حدود میں پودوں کو کاٹنے سے اس لئے منع کیا ہے تاکہ اس کی زینت ختم نہ ہو جائے۔ "**لاتهدموا الأطام فانه زينة المدينة و هذا اسناد صحيح**" (فتح الملہم:۳۹۸/۳) [ٹیلوں کو مت ڈھاؤ، اس لئے کہ وہ مدینہ طیبہ کی زینت ہیں۔]

لايدعها احد رغبة عنها الخ: مراد یہ ہے کہ جس کو موقع میسر ہو مدینہ منورہ ہی میں رہائش اختیار کرے، اور جس کو یہ موقع مل جائے وہ مدینہ منورہ کو نہ چھوڑے، جس شخص نے بلا کسی وجہ کے مدینہ منورہ کی رہائش چھوڑ دی یہ اس کے لئے بڑی محرومی کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ چونکہ قادر مطلق ہے، اس لئے اس مقام پہ کسی دوسرے کو بسا دیگا، جو مدینہ منورہ کا بڑا قدرداں ہوگا۔

لايثبت احد على لأوائها وجهدها الخ: لاواء سے مراد شدت بھوک اور جہد سے مراد کثرت تکلیف ہے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص پریشانی کے ایام مدینہ منورہ میں صبر وسکون کے ساتھ گذارے گا تو قیامت کے دن حضرت نبی کریم ﷺ ایسے آدمی کی شفاعت کریں گے۔

اس حدیث شریف کے آخر میں وارد ہوا کہ **شفیعاً او شهیداً**، اس **او** کے دو احتمال ہیں:

(۱)......راوی کی طرف سے شک کے لئے ہو۔

(۲)......بعض نے کہا: کہ تو یع کے لئے ہے، یعنی اگر اس نے اعمال خیر کئے تو شہید ہونگا، اور اگر اعمال خیر نہیں کئے تو شفیع ہوں گا۔

مدینہ طیبہ کی تکالیف پر صبر کی فضیلت

{۲۶۱۰} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا یَصْبِرُ عَلٰی لَاوَاءِ الْمَدِیْنَةِ وَشِدَّتِهَا اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِیْ اِلَّا کُنْتُ لَهٗ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۴۴، کتاب المناسک، باب فی الترغیب فی سکنی المدینۃ، حدیث نمبر: ۱۳۷۸۔

حل لغات: یصبر: صبر (ض) صبراً، صبر کرنا،

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت میں سے جو شخص بھی مدینہ طیبہ کی بھوک اور سختی کے وقت صبر کرے گا تو میں قیامت کے دن اس کا شفیع ہوں گا۔

تشریح: لا یصبر علی لاواء المدینۃ وشدتہا احد الخ: مراد یہ ہے کہ جو شخص مصائب کا شکار ہونے کے باوجود صبر کر کے مدینہ منورہ ہی میں رہائش پذیر رہا تو قیامت کے دن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی سفارش فرمائیں گے۔

مدینہ طیبہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

{۲۶۱۱} وَعَنْهُ قَالَ کَانَ النَّاسُ اِذَا رَأَوْا اَوَّلَ الثَّمَرَةِ جَاءُوْا بِهٖ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا اَخَذَهٗ قَالَ: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ ثَمَرِنَا

وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مَدِيْنَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مُدِّنَا، اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ عَبْدُكَ وَخَلِيْلُكَ وَنَبِيُّكَ وَاِنِّيْ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ وَاَنَّهٗ دَعَاكَ لِمَكَّةَ، وَاَنَا اَدْعُوْكَ لِلْمَدِيْنَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ. ثُمَّ قَالَ: يَدْعُوْا اَصْغَرَ وَلِيْدٍ لَهٗ فَيُعْطِيْهِ ذٰلِكَ الثَّمَرَ. (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۴۲، باب فضل المدینۃ الخ، حدیث نمبر: ۱۳۷۳۔

حل لغات: الثمرۃ: پھل۔ جمع: ثمار۔

ترجمہ: ان سے روایت ہے کہ جب لوگ نیا پھل دیکھتے تو اسے حضرت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے، جب اس کو قبول فرماتے تو یہ دعا پڑھتے: "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ ثَمَرِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مَدِيْنَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مُدِّنَا، اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ عَبْدُكَ وَخَلِيْلُكَ وَنَبِيُّكَ وَاِنِّيْ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ وَاَنَّهٗ دَعَاكَ لِمَكَّةَ، وَاَنَا اَدْعُوْكَ لِلْمَدِيْنَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ" [اے اللہ ہم کو ہمارے پھلوں میں برکت عطا فرما، اور رہم کو ہمارے مدینہ میں برکت عطا فرما، اور رہم کو ہمارے صاع میں برکت عطا فرما اور رہم کو ہمارے مُد میں برکت عطا فرما، اے اللہ! بے شک ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے اور تیرے خلیل اور تیرے نبی ہیں، اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں، اور بے شک انہوں نے آپ سے مکہ مکرمہ کے لئے دعا مانگی ہے اور میں آپ سے مدینہ طیبہ کے لئے اسی کے مثل جو انہوں نے مکہ مکرمہ کے لئے دعا مانگی ہے دعا مانگتا ہوں اور اس کے ساتھ اسی کے مثل اور (دعا مانگتا ہوں۔)] پھر حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ آنحضرت ﷺ اپنے چھوٹے بچے کو بلاتے اور اسے وہ پھل عنایت فرما دیتے۔

تشریح: **کان الناس اذا رأوا اول الثمرۃ الخ:** یعنی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے انتہاء محبت کی علامت ہے کہ جب ان کے یہاں پہلے پہل پھل پکتا تو اسے حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے۔

اللھم بارک لنا فی ثمرنا الخ: یعنی جب آنحضرت ﷺ کے سامنے پھل آتے تو آنحضرت ﷺ پھل اور مدینہ دونوں کے لئے دعا فرماتے۔

یدعوا اصغر ولید الخ: یعنی آنحضرت ﷺ گھر کے چھوٹے بچوں کو بلا کر وہ پھل دے دیا کرتے تھے۔

یہ حدیث شریف امام مالک کے اس مسئلہ کی تائید کرتی ہے کہ حرم مدینہ حرم مکہ سے افضل ہے، جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ فضیلت اور ثواب کے اعتبار سے دوگنے کی دعا کرنا مقصود نہیں، بلکہ ظاہری رونق میں برتری کی دعاء حضور اقدس ﷺ فرمارہے ہیں۔

فائدہ: (۱)......معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں آنحضرت ﷺ کی کس درجہ عظمت ومحبت تھی کہ ہر نیا پھل جو بہت مرغوب ہوتا ہے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش فرمایا کرتے تھے۔

(۲)......آنحضرت ﷺ کو مدینہ طیبہ سے کس درجہ محبت تھی، اس کا اندازہ ہوا کہ مدینہ طیبہ کی ایک ایک چیز میں برکت کی دعا فرمارہے ہیں۔

(۳)......مدینہ طیبہ کی ہر ہر چیز میں مکہ مکرمہ کے مقابلے میں دوگنی برکت کا علم ہوا۔

(۴)......آنحضرت ﷺ کی لطافت مزاج کا اندازہ ہوا کہ نیا پھل نوعمر بچوں کو (جوانسانوں کے نئے پھل ہیں) عنایت فرماتے۔

(۵)......معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ ہر کسی کے مزاج کی کس درجہ رعایت فرماتے تھے کہ چھوٹے بچے نئی چیز نئے پھل سے زیادہ خوش ہوتے ہیں، اس لئے ان کے مزاج کی رعایت فرماتے ہوئے نیا پھل چھوٹے بچوں کو عنایت فرماتے تھے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

مدینہ طیبہ کی حرمت

{۲۶۱۲} وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ إِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ فَجَعَلَهَا حَرَامًا، وَإِنِّيْ حَرَّمْتُ

اَلْمَدِيْنَةَ حَرَامًا مَا بَيْنَ مَأْزِمَيْهَا اَنْ لَّا يُهْرَاقَ فِيْهَا دَمٌ وَلَا يُحْمَلُ فِيْهَا سِلَاحٌ لِقِتَالٍ وَلَا تُخْبَطَ فِيْهَا شَجَرَةٌ إِلَّا لِعَلَفٍ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۴۳، باب فضل المدینۃ، حدیث نمبر: ۱۳۷۴۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرام قرار دیا، چنانچہ وہ حرام ہوگیا، اور میں نے مدینے کے دونوں کناروں کے درمیان حرام قرار دیا ہے، اس لئے نہ کوئی خون بہائے، نہ ہتھیار اٹھائے اور نہ کوئی درخت کے پتے جھاڑے، مگر جانور کے چارہ کے لئے۔

تشریح: بہت سی احادیث میں حرم مدینہ کو حرم مکہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، اور تشبیہ میں مشبہ کا مشبہ بہ کے ساتھ تمام اوصاف میں شریک ہونا ضروری نہیں ہوتا، اس لئے حرم مکہ اور حرم مدینہ بالاتفاق تمام اوصاف میں یکساں نہیں ہیں، حرم مکہ کے صید کے قتل میں جزاء ہے اور حرم مدینہ کے صید کے قتل میں جزاء نہیں۔

اس بات میں حنفیہ اور جمہور کا اتفاق ہے کہ مدینہ طیبہ محترم جگہ ہے، اس کی عظمت اور حرمت کے خلاف اس میں کوئی کام جائز نہیں، اس حدیث شریف کا پہلا حصہ اس اتفاقی نقطہ پر دلالت کرتا ہے، اور حدیث شریف کے آخری حصہ **"ولاتخبط فیها شجر الا لعلف"** [اس میں کوئی درخت چارہ کے علاوہ نہ کاٹا جائے۔ سے حنفیہ کے اس مسئلہ کی تائید ہوتی ہے کہ حرم مدینہ حرم مکہ جیسا نہیں ہے، کیونکہ حرم مکہ کے درخت علف کے لئے بھی کاٹنے جائز نہیں، اور حرم مدینہ میں اس کی اجازت اس حدیث شریف سے معلوم ہو رہی ہے۔ (اشرف التوضیح: ۲/۳۷۷)

مدینہ طیبہ کے درخت کاٹنے والے کا سامان چھین لینا

{۲۶۱۳} وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ سَعْدًا رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ رَكِبَ اِلٰى قَصْرِهٖ بِالْعَقِيْقِ فَوَجَدَ عَبْدًا يَقْطَعُ شَجَرًا اَوْ يَخْبِطُهٗ فَسَلَبَهٗ فَلَمَّا رَجَعَ سَعْدٌ جَاءَهٗ اَهْلُ الْعَبْدِ فَكَلَّمُوْهُ اَنْ يَّرُدَّ عَلٰى غُلَامِهِمْ اَوْ عَلَيْهِمْ مَا اَخَذَ مِنْ

غُلَامِهِمْ، فَقَالَ: مَعَاذَ اللهِ! أَنْ أَرُدَّ شَيْئًا نَفَّلَنِيهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَى أَنْ يَرُدَّ عَلَيْهِمْ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۴۱، باب فضل المدینۃ الخ، حدیث نمبر: ۱۳۶۴۔

حل لغات: **عقیق:** سرخ پتھر، جمع: أَعِقَّةٌ، مدینہ طیبہ کی ایک وادی کا نام ہے۔

ترجمہ: حضرت عامر بن سعد سے روایت ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ عقیق کے پاس اپنی حویلی میں جانے کیلئے سوار ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک غلام درخت کاٹ رہا ہے، یا پتے جھاڑ رہا ہے، تو انہوں نے اس غلام سے اس کو چھین لیا، جب سعد واپس آئے تو غلام کے مالک نے آکر ان سے کہا: غلام سے چھینا ہوا سامان غلام کو یا ان کو دیدیا جائے۔ تو انہوں نے کہا: خدا کی پناہ میں وہ چیز کیسے واپس کردوں جسے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دلوائی ہے، اور انہوں نے دینے سے صاف انکار کر دیا۔

تشریح: حدیث شریف میں جو سامان چھین لینے کا واقعہ مذکور ہے، یہ عقوبات مالیہ کے قبیل سے ہے، ابتداء اسلام میں عقوبات مالیہ مشروع تھیں، بعد میں ان کو منسوخ کر دیا گیا۔ احادیث میں درختوں اور گھاس وغیرہ کو کاٹنے کی ممانعت اسی لئے کی گئی ہے تاکہ مدینہ منورہ کی رونق میں کمی نہ آئے۔ (التعلیق: ۲/۲۷۷، نفحات التنقیح: ۳/۳۹۳)

مدینہ طیبہ کی آب وہوا

{۲۶۱۴} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وُعِكَ أَبُوبَكْرٍ وَبِلَالٌ، فَجِئْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ وَصَحِّحْهَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِهَا وَمُدِّهَا وَانْقُلْ حُمَّاهَا فَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۸۴۷، کتاب المرضی، باب من دعا برفع الوباء والحمی، حدیث نمبر: ۵۶۵۴، مسلم شریف: ۱/۴۴۳، باب فضل المدینۃ الخ، حدیث نمبر: ۱۳۷۶۔

حل لغات: وعک: وعک (ض) وعکا: تیز بخار چڑھنا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضرت رسول اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کو سخت بخار ہوگیا، تو میں نے حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آ کر خبر دی تو آنحضرت ﷺ نے یہ دعا فرمائی: "**اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ اَوْ اَشَدَّ وَصَحِّحْهَا، وَبَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِهَا وَمُدِّهَا وَانْقُلْ حُمَّاهَا فَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ**" [اے اللہ! مدینہ طیبہ ہم کو محبوب بنادے، جس طرح مکہ مکرمہ ہم کو محبوب ہے، یا اس سے بھی زیادہ اور اس کو صحت افزا بنادے اور ہم کو ہمارے صاع اور ہمارے مُد میں برکت عطا فرما اور اس کے بخار کو منتقل فرمادے اور اس کو جحفہ میں منتقل فرمادے۔]

تشریح: وعک ابوبکر و بلال الخ: منقول ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ شدت بخار میں مبتلا ہوئے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دونوں کی مزاج پرسی کی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ مکہ اور وہاں کی آب وہوا، وہاں کے مکانات اور پہاڑوں کی صحت افزاء فضاؤں کا بہ آواز بلند ذکر کرنے لگے، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت نبی کریم ﷺ سے یہ حال ذکر کیا، تو آنحضرت ﷺ نے مذکورہ بالا دعا فرمائیں۔

"**جحفه**" ایک مقام کا نام ہے، جو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان واقع ہے، اس مقام پر یہودی آباد تھے۔

فائدہ: (۱)……مدینہ طیبہ کی محبت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔

(۲)……مدینہ طیبہ کی محبت کی دعا کرنا بھی مسنون و مطلوب ہے۔

(۳)……اپنے شہر کی صحت افزاء فضا کی دعا اور کوشش کا مطلوب ہونا بھی معلوم ہوا۔

(۴)……جن گندی چیزوں اور ان کی آلودگیوں سے شہر کی صحت پر اثر پڑے ان چیزوں سے شہر کی حفاظت کرنا بھی مطلوب ہے۔

مدینہ طیبہ سے تعلق ایک خواب

{۲۶۱۵} **وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا فِيْ رُؤْيَا**

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَدِيْنَةِ رَأَيْتُ امْرَأَةً سَوْدَاءَ ثَائِرَةَ الرَّأْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِيْنَةِ حَتّٰى نَزَلَتْ مَهْيَعَةَ فَتَأَوَّلْتُهَا اَنَّ وَبَاءَ الْمَدِيْنَةِ نُقِلَ اِلٰى مَهْيَعَةَ وَهِيَ الْجُحْفَةُ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۴۲/۲، کتاب التعبیر، باب المرءۃ السوداء، حدیث نمبر: ۶۷۶۴۔

حل لغات: ثائرۃ: پراگندہ بال، جمع: **ثوائر**۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ کے خواب کے متعلق روایت ہے کہ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا:) میں نے ایک عورت کو دیکھا جس کے بال پراگندہ تھے، وہ مدینہ سے نکل کر مھیعہ پہنچ گئی تو میں نے اس کی تعبیر یہ نکالی کہ مدینے کی وبا مھیعہ منتقل ہوگئی اور وہ جحفہ ہے۔

تشریح: مدینہ منورہ کی وبا ایک بوڑھیا کی شکل میں نکل کر جحفہ پہنچ گئی ہے۔

رأیت: کے فاعل حضرت نبی کریم ﷺ ہیں۔

فتأولتها: اس کے بھی فاعل آنحضرت ﷺ ہی ہیں۔

وهي الجحفة: مراد یہ ہے کہ مھیعہ اور جحفہ ایک ہی جگہ ہے۔

فائدہ: آنحضرت ﷺ نے جو دعا فرمائی تھی کہ مدینہ طیبہ کی وباء جحفہ منتقل کر دی جائے، وہ دعا قبول ہوگئی اور اس دعا کی قبولیت اس خواب کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کو دکھائی گئی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

مدینہ طیبہ میں قیام کی ترغیب

{۲۶۱۶} وَعَنْ سُفْيَانَ بْنِ اَبِيْ زُهَيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يُفْتَحُ الْيَمَنُ فَيَأْتِيْ قَوْمٌ يَبُسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِاَهْلِيْهِمْ وَمَنْ اَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وَيُفْتَحُ الشَّامُ فَيَأْتِيْ قَوْمٌ يَبُسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِاَهْلِيْهِمْ وَمَنْ اَطَاعَهُمْ

وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وَيُفْتَحُ الْعِرَاقُ فَيَأْتِيْ قَوْمٌ يَّبُسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِأَهْلِيْهِمْ وَمَنْ أَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۲۵۲، ابواب فضائل المدینۃ، باب من رغب عن المدینۃ، حدیث: ۱۸۷۵، مسلم شریف: ۱/ ۴۴۵، کتاب الحج، باب فی الترغیب فی سکنی المدینۃ عند فتح الامصار، حدیث: ۱۳۸۸۔

حل لغات: یبسون: بس (ن) بسًا: ہانکنا۔

ترجمہ: حضرت سفیان بن ابی زہیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کہ جب یمن فتح ہوگا، تو ایک قوم آئے گی اور اپنے اہل وعیال اور فرماں برداروں کے ساتھ آہستہ سے نکل جائے گی، حالانکہ مدینہ طیبہ ان کے لئے بہتر ہے، اگر وہ جانیں، جب شام فتح ہوگا تو ایک قوم آئے گی اور اپنے اہل وعیال اور فرماں برداروں کے ساتھ آہستہ سے نکل جائے گی، حالانکہ مدینہ طیبہ ان کے لئے بہتر ہے، اگر وہ جانیں، اور جب عراق فتح ہوگا، تو ایک قوم آئے گی اور اپنے اہل وعیال اور فرماں برداروں کے ساتھ آہستہ سے نکل جائے گی، حالانکہ مدینہ طیبہ ان کے لئے بہتر ہے، اگر وہ جانیں۔

تشریح: جنہیں مدینہ منورہ کی سکونت میسر ہو وہ اس سعادت کو چھوڑ کر بلا ضرورت شدیدہ کے دوسری جگہ نہ جائے۔

والمدینۃ خیر لھم: مطلب یہ ہے کہ مدینہ طیبہ چھوڑ کر جن ملکوں اور جن شہروں میں بھی جائیں گے مدینہ طیبہ ان کے لئے ان تمام ملکوں اور شہروں سے بہتر ہے، اس لئے مدینہ طیبہ چھوڑ کر راحت اور خوشحالی کے خیال سے کہیں جانا ان کے لئے مناسب نہیں۔ البتہ دین ومذہب اسلام کی اشاعت اور اس کی خدمت کے لئے کہیں جائیں تو اس میں مضائقہ نہیں کہ اس مقصد کے لئے بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دنیا کے مختلف ملکوں اور شہروں میں تشریف لے گئے ہیں۔

مدینہ طیبہ کی خاصیت

{۲۶۱۷} وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ بِقَرْیَۃٍ تَأْکُلُ الْقُرٰی یَقُوْلُوْنَ یَثْرِبُ وَھِیَ الْمَدِیْنَۃُ تَنْفِی النَّاسَ کَمَا یَنْفِی الْکِیْرُ خَبَثَ الْحَدِیْدِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۵۲، ابواب فضائل المدینۃ، باب فضل المدینۃ وانھا تنفی الناس، حدیث نمبر: ۱۸۳۳، مسلم شریف: ۱/۴۴۴، باب المدینۃ تنفی خبثھا الخ، حدیث نمبر: ۱۳۸۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے ایک ایسی بستی کا حکم ہوا ہے جو تمام بستیوں پر غالب رہے گی، جسے لوگ یثرب کہتے ہیں، حالانکہ وہ مدینہ ہے جو برے آدمیوں کو اس طرح نکال دیتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے میل کو نکال دیتی ہے۔

تشریح: اکل قریٰ سے مراد یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کے اہل دوسرے بلاد کے اہل پر غالب ہونگے، اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مدینہ طیبہ سب سے پہلے لشکر اسلام کا مرکز ہوگا، پھر وہاں سے تمام فتوحات کا سلسلہ جاری ہوگا، **کما قال مالک۔**

اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی اتنی زیادہ فضیلت ہے کہ اس کے مقابلہ میں دوسرے بلاد کے فضائل ہیچ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے بھی افضل ہے کہ تمام بلاد بلکہ مکہ مکرمہ میں بھی مدینہ طیبہ ہی کی وجہ سے اسلام داخل ہوا، نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے بخاری ومسلم میں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**انھا تنفی الناس کما ینفی الکیر خبث الحدید**" [بے شک یہ فیض لوگوں کو اسطرح دور کردیتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دور کردیتی ہے۔] یہ فضیلت صرف مدینہ طیبہ کیلئے ذکر کی گئی، لہٰذا وہی افضل ہوگا، نیز حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث شریف میں مسلم شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**ان ابراھیم حرم مکۃ انی حرمت المدینۃ**" اور چونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افضل وسید المرسلین ہیں، اس لئے ان کے حرام کردہ مدینہ طیبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حرام کردہ مکہ مکرمہ سے افضل ہوگا۔ نیز اسی مدینہ طیبہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں، جو کعبہ سے بلکہ عرش وکرسی سے بھی افضل ہے۔ لہٰذا مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے افضل ہوگا۔ لیکن جمہور صحابہ وتابعین اور امام ابوحنیفہ، شافعی واحمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک مکہ مکرمہ تمام بلاد اور مدینہ منورہ سے افضل ہے۔ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اسی کو بنایا اور اسی میں نماز کا قبلہ اور مرکز حج بنایا، اور اسی کو اقامت حد اور قتل وقتال سے مامون بنایا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **"ان اول بیت وضع للناس الخ"** [حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا گیا یقینی طور پر وہ ہے جو مکہ مکرمہ میں واقع ہے۔] **"ومن دخله كان امنا"** [اور جو اس میں داخل ہوتا ہے امن پا جاتا ہے۔] اور مدینہ طیبہ کی یہ شان نہیں ہے، لہٰذا مکہ مکرمہ افضل ہوگا۔

دوسری دلیل حضرت عبداللہ بن عدی کی حدیث شریف ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے وقت مکہ مکرمہ کو خطاب فرمایا تھا **"واللہ انک لخیر ارض اللہ واحب ارض اللہ الی اللہ الخ"** (رواہ الترمذی) [قسم بخدا! تو اللہ تعالیٰ کی زمین میں سب سے افضل ہے اور اللہ تعالیٰ کی زمین میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔]

تو یہاں حضور اقدس ﷺ نے قسم کھا کر ارشاد فرمایا: کہ مکہ مکرمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہترین شہر اور محبوب ترین شہر ہے، اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ مکہ مکرمہ میرے نزدیک تمام شہروں میں زیادہ محبوب ہے۔ لہٰذا مکہ مکرمہ مدینہ طیبہ سے افضل ہوگا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جو دلائل پیش کئے یہ سب مدینہ طیبہ کی عارضی وجزئی فضیلت ہے، ذاتی وکلی فضیلت نہیں اور مکہ مکرمہ کے بارے میں جو فضیلت کی حدیثیں ہیں وہ ذاتی وکلی ہیں۔ باقی تیسری دلیل میں جو یہ بیان کیا گیا کہ مکہ مکرمہ کی تحریم حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے اصل تحریم کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے **"ان اللہ حرم مكة ولم يحرمها الناس"** ابراہیم علیہ السلام نے صرف تحریم کو ظاہر کیا، اسلئے ان کی طرف بھی نسبت کر دی گئی، تو جب مکہ مکرمہ کے محرم حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہیں، لہٰذا وہ افضل ہوگا۔

اور چوتھی دلیل میں مدینہ منورہ کو حضور اقدس ﷺ کا جائے مدفن قرار دے کر افضل کہا گیا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے تو صرف اس حصہ کی افضلیت ثابت ہوتی ہے جو حضور اقدس ﷺ کے اعضائے شریفہ سے متصل ہیں۔ اور اس میں تو کوئی کلام ہی نہیں ہے، وہ تو بالاجماع تمام جگہوں سے افضل

ہے، حتیٰ کہ عرش و کرسی سے بھی افضل ہے، اور بحث ہے مجموعہ مکہ و مدینہ کی افضلیت کے بارے میں اور اس سے پورے مدینہ طیبہ کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (درس مشکوۃ:۲/۲۵۶)

قبر اطہر علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت

اس مضمون سے متعلق فقیہ الامت حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا ایک شعر ہے:

خاک پاک قبر اطہر عرش اعظم سے عزیز

متصل رہتا ہے جس سے شاہ والا کا کفن

وضاحت: آنحضرت ﷺ کی قبر اطہر کی خاک پاک عرش اعظم سے زیادہ عزیزی اور بلند مرتبہ ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "اِلَّا مَا ضَمَّ اَعْضَائَهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فَاِنَّهٗ اَفْضَلُ مُطْلَقًا حَتّٰى مِنَ الْكَعْبَةِ وَالْعَرْشِ وَالْكُرْسِيِّ" (ص:۲/۲۵۷)

[زمین کا وہ حصہ جو حضور اقدس ﷺ کے اعضاء مبارکہ سے ملا ہوا ہے وہ مطلقاً افضل ہے حتیٰ کہ کعبہ، عرش کرسی سے بھی۔]

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُهٗ

فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمُ

نَفْسِي الْفِدَاءُ بِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهٗ

فِيْهِ الْعَفَافُ وَالْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

[جو لوگ زیر زمیں دفن ہیں ان سب سے بہتر کہ ان کی کوشبو سے زمین اور ٹیلے بھی معطر ہو گئے۔ میری جان قربان ہو جائے اس زمین پر جس میں آپ ﷺ سکونت بذیر ہیں، اس قبر میں عفت ہے، جود ہے، کرم ہے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

مدینہ طیبہ کا نام

{۲۶۱۸} وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُوْنَ: إِنَّ اللّٰهَ سَمَّى الْمَدِيْنَةَ طَابَةَ۔
(رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۴۵، باب المدینۃ تنفی خبثها الخ، حدیث نمبر: ۱۳۸۵۔

حل لغات: سمی: سمی (تفعیل) نام رکھنا۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کا نام طابہ رکھا۔

تشریح: سمی اللہ المدینۃ طابۃ: طاب دوسری روایت میں طیبہ ہے، یعنی یہ شہر پاک صاف ہے، مراد یہ ہے کہ شہر شرک وکفر کی نجاستوں سے پاک ہے۔ لہٰذا مدینہ طیبہ کا ایک نام طابہ بھی ہے۔

فائدہ: جس کا نام خود اللہ تعالیٰ نے "طابہ" پاکیزہ رکھا ہے، اس سے مدینہ طیبہ کی فضیلت ظاہر ہے۔

مدینہ طیبہ کے نام بھی کثیر ہیں، فضائل مدینہ میں متعدد نام ذکر کئے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

مدینہ طیبہ کے اسماء

کسی ایسے شخص کا مجھے علم نہیں ہے جس کے نام مدینہ طیبہ سے زیادہ ہوں۔ یہ اسماء کی زیادتی مدینہ طیبہ کے شرف وفضل کی دلیل ہے، کیونکہ جب کوئی چیز عظیم ہوتی ہے تو اس کے اسماء کثیر ہوتے ہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ سے زیادہ اسماء والا کوئی شہر نہیں ہے۔ المناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مدینہ طیبہ کے سو نام ہیں۔

حافظ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بعض متاخرین نے مدینہ طیبہ کے اسماء ہزار کے قریب ذکر کئے ہیں۔

بہت سے علماء نے مدینہ طیبہ کے اسماء ذکر کئے ہیں، کئی علماء نے تھوڑے اور کئی علماء نے زیادہ ذکر کئے ہیں، جن پر مجھے واقفیت ہے وہ یہ ہیں۔

۱	اثرب	۲۰	ارض اللہ	۳۹	ارض الہجرہ	۵۸	اکالۃ البلدان
۲	اکالۃ القری	۲۱	الایمان	۴۰	البارۃ	۵۹	البرۃ
۳	البحرۃ	۲۲	الجبیرہ	۴۱	بلد رسول اللہؐ	۶۰	البلد
۴	البلاط	۲۳	بیت الرسولؐ	۴۲	تندد	۶۱	تندر
۵	الجابرۃ	۲۴	جبار	۴۳	الجبارہ	۶۲	جزیرۃ العرب
۶	الجنۃ	۲۵	الجبرۃ	۴۴	الحبیبۃ	۶۳	الحرم
۷	حرم رسول اللہؐ	۲۶	حسنۃ	۴۵	الحصینۃ	۶۴	الخیر
۸	الخیرۃ	۲۷	الخیرہ	۴۶	الدار	۶۵	دارالابرار
۹	دارالاخیار	۲۸	دارارض	۴۷	الہجرۃ	۶۶	دارالایمان
۱۰	دارالسلام	۲۹	دارالسلامۃ	۴۸	دارالسنۃ	۶۷	دارالفتح
۱۱	دارالمختار	۳۰	دارالہجرۃ	۴۹	الدرع الحصینۃ	۶۸	ذات الحجر
۱۲	ذات الحرار	۳۱	ذات النخل	۵۰	الرحمۃ	۶۹	السلقۃ
۱۳	سیدۃ البلدان	۳۲	الشافیۃ	۵۱	بوأ الحلال والحرام	۷۰	المبارکۃ
۱۴	مبین الحلال والحرام	۳۳	المجبورۃ	۵۲	المجنۃ	۷۱	المحبۃ
۱۵	المجبۃ	۳۴	المحبوبۃ	۵۳	المحروسۃ	۷۲	المحفوظۃ
۱۶	المحفوفۃ	۳۵	المختارۃ	۵۴	مدخل صدق	۷۳	المدینۃ المنورۃ
۱۷	المدینۃ النبویہ	۳۶	طابۃ	۵۵	طائب	۷۴	طبابا
۱۸	طیبہ	۳۷	طیبہ	۵۶	طباب	۷۵	العاصمۃ
۱۹	العذراء	۳۸	العروض	۵۷	الغراء	۷۶	مدینۃ الایمان

نمبر	نام	نمبر	نام	نمبر	نام	نمبر	نام
۷۷	المدینة المشرفہ	۸۵	المرزوقة	۹۴	مسجد الاقصیٰ	۱۰۳	المسکینة
۷۸	المسلمة	۸۶	المشکورة	۹۵	النافیة	۱۰۴	النحر
۷۹	مبلاء	۸۷	الهذراء	۹۶	یندد	۱۰۵	غلبه
۸۰	الفاصمة	۸۸	الفاضحة	۹۷	القاصمة	۱۰۶	قبة الاسلام
۸۱	القدسیة	۸۹	القریة	۹۸	قریة الانصار	۱۰۷	قریة رسول اللہ
۸۲	قلب الایمان	۹۰	مضجع الرسولؐ	۹۹	المطیبة	۱۰۸	المقدسة
۸۳	المقر	۹۱	المکینة	۱۰۰	المومنة	۱۰۹	مهاجر الرسولؐ
۸۴	الموطن	۹۲	الموفیة	۱۰۱	الناجیة	۱۱۰	یثرب
		۹۳	یندر	۱۰۲	المرحومة		

مدینہ طیبہ کی خاصیت

{۲۶۱۹} وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ اَنَّ اَعْرَابِيًّا بَايَعَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَصَابَ الْاَعْرَابِيَّ وَعْكٌ بِالْمَدِيْنَةِ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! اَقِلْنِيْ بَيْعَتِيْ فَاَبٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ جَاءَهٗ فَقَالَ: اَقِلْنِيْ بَيْعَتِيْ فَاَبٰى ثُمَّ جَاءَهٗ فَقَالَ اَقِلْنِيْ بَيْعَتِيْ فَاَبٰى فَخَرَجَ الْاَعْرَابِيُّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْمَدِيْنَةُ كَالْكِيْرِ تَنْفِيْ خَبَثَهَا وَتُنْصِعُ طَيِّبَهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حواله: بخاری شریف: ۲/۱۰۷۰، کتاب الاحکام، باب من بایع ثم استقال، حدیث نمبر: ۶۹۲۲، مسلم شریف: ۱/۴۴۴، باب المدینة تنفی خبثها الخ، حدیث نمبر: ۱۳۸۳۔

ترجمه: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے حضرت رسول اکرم ﷺ سے بیعت کی، تو اس کو مدینہ طیبہ میں بخار آ گیا، تو اس نے حضرت نبی کریم ﷺ سے آ کر کہا: اے محمد! میری بیعت ختم کر دیجئے، حضرت نبی کریم ﷺ نے انکار فرمایا، پھر اس نے دوبارہ آ کر کہا: میری

بیعت ختم کر دیجئے، آنحضرت ﷺ نے انکار کیا، پھر اس نے تیسری بار آ کر کہا: میری بیعت ختم کر دیجئے، تو آنحضرت ﷺ نے انکار کیا، چنانچہ وہ دیہاتی چلا گیا، تو حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ مدینہ طیبہ بھٹی کی طرح ہے، جو میل کچیل کو دور کرتا ہے اور اچھے کو نکھارتا ہے۔

تشریح: آنحضرت ﷺ نے اس کی بیعت کو فسخ کرنے سے اس لئے انکار فرمادیا کہ جس طرح اسلام کی بیعت کو فسخ کر دینا جائز نہیں تھا، اسی طرح آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہنے کی بیعت کو بھی فسخ کر دینے کی اجازت نہیں تھی۔ آنحضرت ﷺ کی بیعت کو فسخ کر دینا اس کے لئے بڑی محرومی کی بات تھی اس اعرابی کے بار بار اصرار کرنے پر آنحضرت ﷺ کا بیعت فسخ کرنے سے انکار فرمانا آنحضرت ﷺ کی کمال شفقت و رحمت کی بناء پر تھا۔

تنفی خبثها الخ: علماء لکھتے ہیں کہ مدینہ کی اس خاصیت یعنی برے آدمیوں کو نکال دینے اور اچھے آدمیوں کو خالص کر دینے کا تعلق یا تو آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص تھا، یا پھر اخیر زمانہ میں یہ خاصیت ظاہر ہوگی، جب دجال نمودار ہوگا، تو تین مرتبہ مدینہ طیبہ کو ہلایا اور جھنجھوڑا جائے گا، چنانچہ اس وقت مدینہ طیبہ میں جتنے برے لوگ ہونگے (خواہ کافر یا منافق) اس شہر سے نکل پڑیں گے، اور دجال کے پاس پہنچ جائیں گے، نیز یہ بھی احتمال ہے کہ اس خاصیت کا تعلق ہر زمانہ کے ساتھ ہو۔ (مظاہر حق: ۴۰۸/ ۳)

مدینہ طیبہ سے متعلق قیامت کی نشانی

{۲۶۲۰} **وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَنْفِیَ الْمَدِيْنَةُ شِرَارَهَا كَمَا يَنْفِی الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ۔ (رواه مسلم)**

حواله: مسلم شریف: ۱/ ۴۴۴، باب المدینة تنفی خبثها الخ، حدیث نمبر: ۱۳۸۱۔

حل لغات: خبث: گندگی، جمع: خبائث۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ مدینہ برے لوگوں کو نکال نہ دے، جیسے بھٹی لوہے کی

گندگی کو ختم کر دیتی ہے۔

تشریح: لاتقوم الساعة الخ: قرب قیامت میں جب دجال کا خروج ہوگا اور پوری دنیا میں تباہی مچا کر رکھ دے گا لیکن مدینہ منورہ میں اس کی عظمت شان کی وجہ سے داخل نہ ہو سکے گا، اس وقت جو اسلام کے غدار ہوں گے وہ مدینہ طیبہ سے نکل کر دجال کے ساتھ شریک ہو جائیں گے، اس حدیث شریف سے یہی لوگ مراد ہیں۔

مدینہ طیبہ میں طاعون اور دجال داخل نہ ہوگا

{۲۶۲۱} **وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَنْقَابِ الْمَدِيْنَةِ مَلَائِكَةٌ لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلَا الدَّجَّالُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)**

حوالہ: بخاری شریف: ۲۵۲/۱، ابواب فضائل المدینۃ، باب لایدخل الدجال المدینۃ، حدیث نمبر: ۱۸۴۲، مسلم شریف: ۴۴۴/۱، کتاب الحج، باب صیانۃ المدینۃ من دخول الطاعون الخ، حدیث نمبر: ۱۳۷۹۔

ترجمہ: ان سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مدینہ طیبہ کے دروازوں پر فرشتے ہیں، اس لئے طاعون اور دجال مدینے میں داخل نہیں ہو سکتے۔

تشریح: لایدخلها الطاعون: مراد یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں طاعون کی بیماری داخل نہ ہوگی۔ یہ آنحضرت ﷺ کی دعا کی برکت ہے اور ایک صریح معجزہ۔

حرمین شریفین میں دجال داخل نہ ہوگا

{۲۶۲۲} **وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنْ بَلَدٍ اِلَّا سَيَطَأُهُ الدَّجَّالُ اِلَّا مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةَ لَيْسَ نَقْبٌ مِنْ اَنْقَابِهَا اِلَّا عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ صَافِّيْنَ يَحْرُسُوْنَهَا فَيَنْزِلُ السَّبْخَةَ فَتَرْجُفُ الْمَدِيْنَةُ بِاَهْلِهَا ثَلَاثَ رَجَفَاتٍ فَيَخْرُجُ اِلَيْهِ كُلُّ كَافِرٍ وَمُنَافِقٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)**

حوالہ: بخاری شریف: ۲۵۳/۱، ابواب فضائل المدینۃ، باب لایدخل الدجال المدینۃ، حدیث

نمبر: ۱۸۴۴، مسلم شریف: ۲/ ۴۰۵، کتاب الفتن، باب قصۃ الجساسۃ، حدیث نمبر: ۲۹۴۳۔

حل لغات: سیطأ: وطأ (ض) وطئاً، روندنا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دجال مکہ اور مدینہ کے علاوہ تمام شہروں کو روند ڈالے گا، اس لئے کہ ان کے ہر دروازے پر فرشتے صف بستہ کھڑے ہیں، جو ان کی حفاظت کرتے ہیں، چنانچہ دجال زمین شوار میں اترے گا تو مدینہ اپنے باشندوں کے ساتھ تین مرتبہ ہلے گا، جس کے نتیجے میں تمام کافر منافق نکل کر اس کے پاس چلے جائیں گے۔

تشریح: لیس من بلد الا سیطأہ الخ: مراد یہ ہے کہ دجال پوری دنیا میں تباہی مچا کر رکھ دے گا لیکن حرمین شریفین کی عظمت شان کی وجہ سے حرمین میں داخل نہ ہو سکے گا۔

اہل مدینہ سے فریب کی سزا

{۲۶۲۳} وَعَنْ سَعْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَکِیْدُ اَھْلَ الْمَدِیْنَۃِ اَحَدٌ اِلَّا انْمَاعَ کَمَا یَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِی الْمَاءِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۲۵۲، ابواب فضائل المدینۃ، باب اثم من کاد اہل المدینۃ، حدیث نمبر: ۱۸۳۹، مسلم شریف: ۱/ ۴۴۵، کتاب الحج، باب تحریم ارادۃ اہل المدینۃ بسوء، حدیث نمبر: ۱۳۸۷۔

حل لغات: انماع: نمع (ف) نمعاً: ہلاک ہونا، گھلنا،

ترجمہ: حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اہل مدینہ کے ساتھ مکر کرے گا وہ پانی میں نمک کے گھلنے کی طرح گھل جائے گا۔

تشریح: لا یکید اہل المدینۃ احد الخ: جو شخص اہل مدینہ کے ساتھ مکاری کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

تاریخ اسلام کے بدترین شخص یزید کا یہی حال ہوا کہ وہ واقعہ حرہ کے بعد دق اور سل کی بیماری میں گھل گھل کر مر گیا۔

مدینہ طیبہ سے آنحضرت ﷺ کی محبت

{۲۶۲۴} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَنَظَرَ اِلٰی جُدُرَانِ الْمَدِیْنَةِ اَوْضَعَ رَاحِلَتَہٗ وَاِنْ کَانَ عَلٰی دَابَّةٍ حَرَّکَھَا مِنْ حُبِّھَا۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۵۳، ابواب فضائل المدینة، باب (بلاترجمة) حدیث نمبر: ۱۸۴۸۔

حل لغات: جدران: جمع ہے "جدار" کی، بمعنی دیوار۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو مدینہ طیبہ کی دیواروں پر نظر پڑتے ہی سواری کو تیز فرمادیتے، اور اگر آنحضرت ﷺ دوسری سواری پر ہوتے تو مدینے سے محبت کی بنیاد پر اس کو تیز کردیتے۔

تشریح: مدینہ طیبہ سے محبت کی بنیاد پر آنحضرت ﷺ اس شہر سے الگ رہنا پسند نہ کرتے۔

اوضع راحلته الخ: حضرت نبی کریم ﷺ کو مدینہ منورہ سے بہت زیادہ محبت تھی، یہی وجہ ہے کہ سفر سے واپسی کے وقت جب مدینہ طیبہ کے قریب ہوجاتے اور دیواریں نظر آتیں تو آنحضرت ﷺ جلد سے جلد مدینہ منورہ میں داخل ہونے کیلئے مناسب حال کبھی سواری کو دوڑا دیتے اور کبھی تیز فرمادیتے۔

فائدہ: (۱)......مدینہ طیبہ کی محبت کا علم ہوا۔

(۲)......اپنے شہر اور اپنے ملک کی محبت کا پسندیدہ ہونا معلوم ہوا۔

احد پہاڑ کی محبت

{۲۶۲۵} وَعَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَلَعَ لَہٗ اُحُدٌ فَقَالَ: ھٰذَا جَبَلٌ یُّحِبُّنَا وَنُحِبُّہٗ اَللّٰھُمَّ اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ حَرَّمَ مَکَّةَ وَاِنِّیْ اُحَرِّمُ مَا بَیْنَ لَابَتَیْھَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۴۷۷، کتاب الانبیاء، باب یزفون النسلان فی المشی، حدیث نمبر: ۳۲۵۵ مسلم شریف: ۱/۴۴۱، باب فضل المدینۃ، حدیث نمبر: ۱۳۶۵۔

ترجمہ: ان سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ کی نظر جب احد پہاڑ پر پڑی تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، ''اے اللہ! ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرام کیا اور میں ان دونوں پہاڑوں کے درمیان (مدینہ طیبہ) کو حرام کرتا ہوں۔''

تشریح: حضرت نبی کریم ﷺ کو احد پہاڑ سے بھی محبت تھی۔ اور یہ پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے، یہ جملہ بلا شک وشبہ اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جمادات میں بھی ان کے حسب حال علم وفہم اور محبت وعداوت خاص طور سے انبیاء واولیاء بالاخص حضرت سید الانبیا ﷺ کی محبت پیدا کی ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کی مفارقت کی وجہ سے کھجور کے تنے کے رونے کا واقعہ اس پر صریح دلیل ہے۔ باقی ماقبل میں گذر چکا۔

بعض حضرات نے اس کو مجازی معنی پر محمول کیا ہے کہ احد سے مراد وہاں کے باشندے ہیں، لیکن حقیقی معنی مراد لینے بھی میں کوئی مضائقہ نہیں، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔

ایضاً

{۲۶۲۶} وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُحُدٌ جَبَلٌ يُّحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۰۱، کتاب الزکوۃ، باب خرص التمر، حدیث نمبر: ۱۴۶۰۔

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: احد ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

تشریح: تفصیل اوپر گذر چکی۔ اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہاں بہت سے شہداء مدفون ہیں، اس لئے آنحضرت ﷺ کو محبت تھی۔

الفصل الثانی

حرم مدینہ

{۲۶۲۷} وَعَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ: رَأَیْتُ سَعْدَ بْنَ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَخَذَ رَجُلًا یَصِیْدُ فِیْ حَرَمِ الْمَدِیْنَۃِ الَّذِیْ حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَلَبَہٗ ثِیَابَہٗ فَجَاءَ مَوَالِیْہِ فَکَلَّمُوْہُ فِیْہِ فَقَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَرَّمَ ھٰذَا الْحَرَمَ وَقَالَ: مَنْ اَخَذَ اَحَدًا یَصِیْدُ فِیْہِ فَلْیَسْلُبْہُ فَلَا اَرُدُّ عَلَیْکُمْ طُعْمَۃً اَطْعَمَنِیْھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلٰکِنْ اِنْ شِئْتُمْ دَفَعْتُ اِلَیْکُمْ ثَمَنَہٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲۷۸/۱، کتاب المناسک، باب فی تحریم المدینۃ، حدیث نمبر: ۲۰۳۷۔

حل لغات: اخذ: اخذ (ن) اخذاً، پکڑنا، ثیابہ: جمع ہے ثوب کی، بمعنی کپڑا۔

ترجمہ: حضرت سلیمان بن ابی عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے ایک آدمی کو پکڑا جو مدینہ طیبہ کے اس حصے میں شکار کر رہا تھا، جسے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم قرار دیا ہے، چنانچہ اس کے کپڑے انہوں نے لے لئے، تو اس کے مالک نے آکر ان سے اس بارے میں بات کی، تو انہوں نے فرمایا: کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حرم کو حرام قرار دیا ہے، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو اس میں کسی کو شکار کرتے ہوئے پائے تو اس کے کپڑے لے لے، اس لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جو چیز دلوائی ہے میں اسے واپس نہیں کروں گا لیکن اگر تم چاہو تو میں اس کی قیمت دے دیتا ہوں۔

تشریح: اس حدیث شریف پر ابن حزم ظاہری کا عمل ہے۔

نیز امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قدیم اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت بھی یہی ہے،

امام ابوبکر بزار کہتے ہیں کہ یہ حدیث سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی نہیں ہے۔ بندہ کہتا ہے اس حدیث شریف پر جمہور کا عمل نہیں ہے، کیونکہ یہ اخبار آحاد میں سے ہے، اور طرق بھی اس کے متعدد نہیں ہیں، اور اخذ مال غیر کا مسئلہ بہت سخت ہے، اس کے لئے جیسی مشہور اور قوی حدیث کی ضرورت ہے یہ ویسی نہیں ہے۔ واللہ اعلم

دفعت الیکم ثمنه: یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی بنیاد پر تم قضاءً تو یہ چیزیں نہیں لے سکتے، اس لئے یہ چیزیں تو میں دونگا ہی نہیں۔ البتہ دیانۃً میں اس کی قیمت دے سکتا ہوں، تم چاہو تو لے لو۔ (الدر المنضود: ۳۲۶/۳)

مدینہ طیبہ کے درخت کاٹنا

{۲۶۲۸} وَعَنْ صَالِحٍ مَوْلٰی لِسَعْدٍ اَنَّ سَعْدًا وَجَدَ عَبِيْدًا مِنْ عَبِيْدِ الْمَدِيْنَةِ يَقْطَعُوْنَ مِنْ شَجَرِ الْمَدِيْنَةِ فَاَخَذَ مَتَاعَهُمْ وَقَالَ يَعْنِيْ لِمَوَالِيْهِمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى اَنْ يُّقْطَعَ مِنْ شَجَرِ الْمَدِيْنَةِ شَيْءٌ وَقَالَ مَنْ قَطَعَ مِنْهُ شَيْئًا فَلِمَنْ اَخَذَهٗ سَلَبُهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲۷۹/۱، باب فی تحریم المدینة، حدیث نمبر: ۲۰۳۸۔

حل لغات: متاع: ہر وہ چیز جس سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔

ترجمہ: حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام صالح سے روایت ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ نے مدینے کے غلاموں میں سے کچھ غلاموں کو مدینے کا درخت کاٹتے ہوئے دیکھا، تو انہوں نے ان کا سامان ضبط کرلیا اور انہوں نے ان کے مالکوں سے کہا: میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینے کے درختوں میں سے کاٹنے سے منع کرتے تھے، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اس میں سے کچھ کاٹے، تو اس کاٹنے والے کا سامان اسی کے لئے ہے جو اس کو پکڑے۔

تشریح: یہاں "**عن صالح مولی لسعد**" کے بجائے صحیح اس طرح ہے: "**عن صالح عن مولی لسعد**" کیونکہ صالح حضرت سعد کے مولی (آزاد کردہ غلام) نہیں ہیں، بلکہ یہ تو اُمہ کے مولی ہیں،

دراصل صالح نے یہ روایت حضرت سعد کے مولیٰ سے نقل کی ہے، اسلئے کہا جائیگا کہ اس روایت میں صالح کے بعد "عن" کا لفظ یا تو راوی کی غلطی سے رہ گیا ہے، یا خود مصنف رحمۃ اللہ علیہ سے سہو ہوا ہے۔ (مرقاۃ:۶/۲۶)

فاخذ متاعهم: متاع سے مراد کپڑے ہیں، اس لئے کہ دوسری روایتوں میں کپڑے کی صراحت موجود ہے۔

ينهى ان يقطع من شجر المدينة: مراد یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے پیڑ پودے کاٹنے سے اس کی زینت کو نقصان ہوتا ہے، اس لئے مدینے کے پیڑ پودے کاٹنا مکروہ تنزیہی ہے۔

مقام وج میں شکار

{۲۶۲۹} وَعَنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ صَيْدَ وَجٍّ وَعِضَاهَهُ حُرُمٌ مُحَرَّمٌ لِلّٰهِ. (رواه ابوداؤد) وَقَالَ مُحْيِي السُّنَّةِ وَجٌّ ذَكَرُوْا اَنَّهَا مِنْ نَاحِيَةِ الطَّائِفِ وَقَالَ الْخَطَّابِيُّ اَنَّهُ بَدَلَ اَنَّهَا.

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۷۸، کتاب المناسک، باب فی مال الکعبۃ، حدیث نمبر: ۲۰۳۲۔

ترجمہ: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وج کا شکار اور اس کے خاردار درخت حرام ہیں، اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے حرام کئے گئے ہیں۔ امام محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وج کے بارہ میں علماء نے لکھا ہے کہ یہ وج طائف کے کنارے ایک مقام ہے، نیز خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے "اِنَّهَا مِنْ نَاحِيَةِ الطَّائِفِ" میں "اِنَّهَا" کی جگہ "اِنَّهٗ" لکھا ہے۔

مقام وج میں شکار کی ممانعت

تشریح: "وج" واو کے فتحہ اور جیم کی تشدید کے ساتھ طائف کے اطراف میں ایک جگہ ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے محاصرہ کا ارادہ فرمایا، اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع دی کہ اس غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انصار اور مہاجرین کی ایک جماعت ہوگی، تو

آنحضرت ﷺ نے پہلے طائف کے اس قطعہ زمین کو حمی قرار دیا تاکہ محاصرہ کے وقت لشکر کو اپنے لئے خوراک اور اپنے جانوروں کے لئے چارے کی دقت پیش نہ آئے، اس لئے یہ حرمت حرم کے طور پر نہیں تھی اور اگر یہ حرمت حرم کے طور پر تھی تو پھر یہ کہا جائے گا کہ یہ تحریم ایک مخصوص وقت کے لئے تھی اور بعد میں منسوخ ہوگئی۔ (التعلیق: ۲۸۲/۳)

البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ مقامِ وج میں نہ تو شکار کیا جائے اور نہ وہاں کے درخت کاٹے جائیں لیکن انہوں نے اس میں وجوبِ ضمان وغیرہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ (طیبی: ۳۸۱/۵، نفحات التنقیح: ۳۹۴/۳)

مدینہ طیبہ میں موت کی فضیلت

{۲۶۳۰} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَمُتْ بِهَا فَاِنِّيْ اَشْفَعُ لِمَنْ يَّمُوْتُ بِهَا۔ (رواہ احمد والترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ اِسْنَادًا۔

حوالہ: مسند احمد: ۱۰۴/۲، حدیث نمبر: ۵۸۱۸، ترمذی شریف: ۲۲۹/۲، ابواب المناقب، باب ماجاء فی فضل المدینۃ، حدیث نمبر: ۳۹۱۷۔

حل لغات: یموت: مات (ن) موتا: مرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص مدینے میں مر سکتا ہو وہ مدینے ہی میں مرے، اس لئے کہ جو شخص مدینے میں مرے گا میں اس کی سفارش کروں گا۔

تشریح: یعنی اگر وہ عاصی ہو تو اس کے گناہ معاف کرواؤں گا اور اگر مطیع ہو تو اس کے درجات بلند کرواؤں گا، یہاں اس شفاعت سے شفاعت عام مراد نہیں ہے، بلکہ یہ شفاعت اہل مدینہ کے ساتھ خاص ہے، وہ شخص جس کا انتقال مدینہ میں نہ ہوا ہو اس کو یہ شفاعت نصیب نہیں ہوگی، اس لئے علماء نے کہا: ہے کہ افضل یہ ہے کہ جس شخص کی عمر زیادہ ہو جائے یا اس کو کشف وغیرہ کے ذریعہ

سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی موت کا وقت قریب ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے آخری لمحات مدینہ طیبہ میں گذارے، تاکہ اس کا انتقال مدینہ طیبہ میں ہو جائے اور شفاعت مخصوصہ کی سعادت نصیب ہو، اس بارے میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی یہ دعا: **"اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک واجعل موتی ببلد رسولک"** [اے اللہ! مجھ کو اپنے راستہ کی شہادت نصیب فرما، اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں مجھ کو موت نصیب فرما۔] بہت ہی بہترین ہے۔ بظاہر دونوں چیزوں کا جمع ہونا دشوار تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے دونوں چیزیں جمع فرمادیں؛ بلکہ جتنا مانگا تھا اس سے بھی زیادہ عطا فرمایا کہ شہادت مانگی تھی تو شہادت بھی مسجد نبوی میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلّی پر نماز فجر کی امامت فرماتے ہوئی نصیب فرمائی۔ اور اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں موت مانگی تھی اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کی جگہ نصیب فرمائی۔ اللہ پاک بھی اپنے بندوں پر کتنے مہربان ہیں۔ (مرقاۃ: ۶/۶۷، نفحات التنقیح: ۳/۳۹۴، التعلیق: ۳/۲۸۲)

حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی قدس سرہٗ

حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ جنہوں نے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے دس مرتبہ بخاری شریف پڑھی اور پھر حضرت علامہ انور شاہ نور اللہ مرقدہ کی تقاریر بخاری شریف کی روشنی میں بخاری شریف کی شرح لکھی: "فیض الباری" جو ضخیم پانچ جلدوں میں ہے۔

"ترجمان السنۃ" چار جلدوں میں تصنیف فرمائی، چوتھی جلد معجزات کے بیان میں ہے، چوتھی جلد کی تکمیل پر کچھ اشعار کہے ہیں، جن کو انہوں نے روضۂ اقدس علی صاحبہا الصلوۃ والسلام پر بھی پیش فرمایا ہے۔ اشعار یہ ہیں:

اک جلد معجزات کی لایا ہوں نذر کو
اس کے سوا تو حوصلہ کیا ہے غلام کو
کرلیں اگر قبول تو کیسا شرف ملے
پشتوں کو اس حقیر کی اور اس غلام کو

ہو جائے یہ نصیب تو رہ جائے یادگار
بخشش کی اک کریم کی اپنے غلام کو
ہاں جنت البقیع میں میری بھی ہو جگہ
اس کی بہت تڑپ ہے مجھ ایسے غلام کو
کتنی بڑی ہوس ہے جو دل میں عمر کے تھی
ہو جائے گر نصیب غلامِ غلام کو

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا نور اللہ مرقدہٗ کی یہ تمنا پوری فرمائی، مدینہ طیبہ کی موت اور جنت البقیع میں تدفین نصیب ہوئی۔

مدینہ طیبہ سب سے اخیر میں ویران ہوگا

{۲۶۳۱} وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آخِرُ قَرْيَةٍ مِّنْ قُرَى الْاِسْلَامِ خَرَابًا الْمَدِيْنَةُ۔ (رواه الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲۲۹ / ۲، ابواب المناقب، باب ماجاء فی فضل المدینۃ، حدیث نمبر: ۳۹۱۹۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلامی شہروں میں سے سب سے اخیر میں مدینہ ویران ہوگا۔

تشریح: اخر قریۃ من قری الاسلام الخ: قرب قیامت میں پوری دنیا ویران ہو جائے گی، اس ویرانیت کا شکار مدینہ منورہ بھی ہوگا لیکن سب سے اخیر میں، اس لئے کہ وہاں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر مدفون ہے۔

ہجرت کے لئے مدینہ طیبہ پسند فرمایا

{۲۶۳۲} وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللهِ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ اللّٰہَ اَوْحٰی اِلَیَّ اَیَّ ھٰٓؤُلَاءِ الثَّلَاثَۃِ نَزَلْتَ فَھِیَ دَارُ ھِجْرَتِكَ الْمَدِیْنَۃِ اَوِ الْبَحْرَیْنِ اَوْ قِنَّسْرِیْنَ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲۳۰/۲، ابواب المناقب، باب ماجاء فی فضل المدینۃ، حدیث نمبر: ۳۹۲۳۔

حل لغات: اوحی: اوحی (افعال) وحی کرنا،

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے میرے پاس وحی بھیجی کہ یہ تین جگہیں ہیں: (۱) مدینہ۔ (۲) بحرین۔ (۳) قنسرین۔ ان میں سے آپ جہاں چلے جائیں وہی آپ کے لئے دارالہجرۃ ہے۔

تشریح: ان اللہ اوحی الی ای ھؤلاء الثلاثۃ الخ: ''بحرین'' موجودہ جغرافیائی نقشہ کے مطابق ان متعدد جزیروں کے مجموعہ کا نام ہے، جو خلیج عربی کے جنوب مغربی گوشے میں واقع ہے، ان جزیروں میں سب سے بڑا جزیرہ جزیرہ منامہ ہے، جس کا دوسرا نام بحرین بھی ہے، اسی جزیرہ کے نام پر پورے ملک کو بحرین کہتے ہیں، لیکن حدیث شریف اور تاریخ کی کتابوں میں ''بحرین'' کا لفظ اس علاقہ کے متعلق آیا ہے جو جزیرۃ العرب کے مشرقی ساحل پر خلیج بصرہ سے قطر اور عمان تک پھیلا ہوا ہے اور موجودہ بحرین کے مغرب میں واقع ہے، اس علاقہ کو اب ''احسائ'' کہا جاتا ہے، لہذا یہاں حدیث شریف میں بھی ''بحرین'' سے مراد وہی علاقہ ہے جس کا نام اب ''احسائ'' ہے۔

''قنسرین'' ملک شام کے ایک شہر کا نام ہے، بہرکیف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا تھا کہ ان تین شہروں میں جس شہر کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش ہو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے وہاں چلے جائیں اور اسی شہر کو اپنا مسکن قرار دیجئے لیکن تاریخ مدینہ طیبہ میں یہ لکھا ہے کہ اگرچہ شروع میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تین شہروں میں سے کسی بھی ایک شہر میں رہنے کا اختیار دیا گیا تھا، مگر آخر میں مدینہ طیبہ ہی کو متعین کر دیا گیا تھا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔

﴿الفصل الثالث﴾

دجال سے مدینہ طیبہ کی حفاظت

{۲۶۳۳} وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا یَدْخُلُ الْمَدِیْنَةَ رُعْبُ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ لَهَا یَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ اَبْوَابٍ عَلٰی کُلِّ بَابٍ مَلَکَانِ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۵۲، ابواب فضائل المدینۃ، باب لایدخل الدجال المدینۃ، حدیث نمبر: ۱۸۴۱۔

حل لغات: رعب: گھبراہٹ، جمع: رعبۃ۔

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مدینے میں دجال کا رعب بھی داخل نہ ہوگا، اس دن مدینے کے سات دروازے ہوں گے ہر دروازے پر دو فرشتے ہوں گے۔

تشریح: لایدخل المدینۃ رعب المسیح الدجال: یعنی اہل مدینہ کو دجال کا خوف جبہ برابر بھی نہ ہوگا۔

سبعۃ ابواب: ابواب سے مراد راستے ہیں۔

فائدہ: اس وقت مدینہ طیبہ میں سات بڑے راستے ہیں۔

مدینہ طیبہ کیلئے برکت کی دعا

{۲۶۳۴} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِیْنَةِ ضِعْفَیْ مَا جَعَلْتَ بِمَکَّةَ مِنَ

الْبَرَكَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۵۳، ابواب فضائل المدینۃ، باب (بلاترجمۃ) حدیث نمبر: ۱۸۴۷،

مسلم شریف: ۱/۴۴۲، کتاب المناسک، باب فضل المدینۃ، حدیث نمبر: ۱۳۶۹۔

حل لغات: ضعفی: دو چند، ضعف (ف) ضعفاً: زیادہ کرنا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے اللہ! اس برکت میں سے مدینہ کو دوگنی عطا فرما جو تو نے مکہ مکرمہ کو دی ہے۔

تشریح: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء مدینہ طیبہ کی شان وشوکت، رزق اور دنیاوی برکات کے لئے مکہ مکرمہ کی بنسبت دوگنے کی دعا کرنا ہے، لہٰذا یہ دعا مدینہ طیبہ میں مکہ مکرمہ کی افضلیت کے منافی اس لحاظ سے نہیں ہے کہ مکہ مکرمہ میں حسنات کا اجر وثواب مدینہ طیبہ کی بنسبت دوگنا ہے۔ (مرقاۃ: ۶/۲۸، التعلیق الصبیح ۳/۳۹۵)

زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور حرمین میں موت کی فضیلت

{۲۶۳۵} وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ اٰلِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ زَارَنِيْ مُتَعَمِّدًا كَانَ فِيْ جِوَارِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَكَنَ الْمَدِيْنَةَ وَصَبَرَ عَلٰى بَلَائِهَا كُنْتُ لَهٗ شَهِيْدًا وَشَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ مَاتَ فِيْ أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللّٰهُ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

حوالہ: بیہقی فی شعب الایمان: ۳/۴۸۸، باب فی المناسک، فضل الحج والعمرۃ، حدیث نمبر: ۴۱۵۲۔

حل لغات: زار: زار (ن) زیارۃً: دیکھنا۔

ترجمہ: خاندان خطاب کے ایک آدمی سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص بالقصد میری زیارت کرے گا قیامت کے دن وہ میرا پڑوسی ہوگا، اور جس شخص نے مدینہ منورہ کی سکونت اختیار کی اور مصیبتوں میں وہاں صبر کیا تو میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور شفیع ہوں گا، اور جو شخص حرمین میں سے کسی ایک میں مرے گا اللہ تعالیٰ اس کو امن والوں میں اٹھائے گا۔

تشریح: من زارنی متعمدا کان فی جواری الخ: زیارت سے عام معنی مراد ہے، یعنی کسی نے زندگی میں آنحضرت ﷺ کی زیارت کی یا وفات کے بعد مزار اقدس پہ حاضری دی تو دونوں کو یہ فضیلت حاصل ہے، بشرطیکہ مدینہ منورہ کا سفر خالصۃً آنحضرت ﷺ کی زیارت کے لئے ہوا ہو، کوئی دنیوی غرض مثلاً تجارت وغیرہ کا نہ ہو۔ (التعلیق: ۳/۳۸۳)

فائدہ: (۱)......روضۂ مبارکہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی زیارت اور اس کے لئے سفر کرنے کی فضیلت معلوم ہوئی۔

(۲)......روضۂ مبارکہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی خالص نیت سے ہی سفر کرنا چاہئے، جیسا کہ "**متعمداً**" سے ثابت ہو رہا ہے۔

(۳)......مدینہ طیبہ میں سکونت اور اس کی تکالیف پر صبر کرنے کی فضیلت کا علم ہوا۔

(۴)......حرمین شریفین میں وفات پانے کی فضیلت کا علم ہوا۔

روضۂ اطہر کی زیارت کی فضیلت

{۲۶۳۶} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا مَرْفُوْعاً مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ۔ (رواهما البيهقي في شعب الايمان)

حوالہ: بيهقي في شعب الايمان: ۳/۴۸۹، فضل الحج والعمرة، حديث نمبر: ۴۱۵۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ جس شخص نے حج کیا اور میری موت کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو وہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

تشریح: من حج فزار قبری: میں فاء تعقیب کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت حج کے بعد کرنی چاہئے، جیسا کہ قواعد شرعیہ کا یہی تقاضا ہے کہ فرض نفل پر مقدم ہے، البتہ امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ تفصیل نقل کی ہے کہ اگر حج فرض ہو تو پھر افضل یہ ہے کہ حج سے ابتداء کرے اور اگر نفل حج ہے تو پھر اسے اختیار ہے جس سے چاہے ابتداء کرے، لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اظہر یہ ہے کہ ہر صورت میں حج سے ابتداء کرے،

ایک تو اس لئے کہ حدیث مطلق ہے، اس میں فرض یا نفل کی کوئی قید نہیں ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حق حضرت رسول اللہ ﷺ کے حق پر مقدم ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ تحیۃ المسجد النبوی کو اور حضرت نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت کو افضل المندوبات میں شمار کیا ہے۔ اور بعض فقہاء نے قریب من الواجب کہا ہے۔ (مرقاۃ: ۶/۲۹، التعلیق: ۳/۲۸۳، نفحات التنقیح: ۳/۳۹۵)

حدیث پاک میں ارشاد پاک نقل کیا گیا کہ جس شخص نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی، یعنی میری قبر کی زیارت کی وہ اس شخص کے مثل ہے جس نے کہ میری زندگی میں میری زیارت کی ہو، اس کے مثل ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ صحابی ہوگیا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں، تو گویا یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ زندگی میں کوئی شخص در دولت پر حاضر ہو اور مکان سے باہر ہی مل کر واپس ہو جائے۔

روضۂ اقدس علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر حاضری

حضرت رسول کریم ﷺ کی محبت کا تقاضہ ہے کہ روضۂ اقدس علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کرے اور اگر اتنی وسعت نہ ہو تو اس کی تمنا رکھے اور حق تعالیٰ شانہ سے دعا کرتا رہے، جب موقع میسر آجائے تو بارگاہ اقدس علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہو صلوٰۃ وسلام عرض کرے، اپنے لئے استغفار کرے اور استغفار کی درخواست پیش کرے۔

حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

"وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔"

[اور اگر وہ لوگ جس وقت اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اس وقت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور رسول اللہ (ﷺ) بھی ان کیلئے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحمت کرنے والا پاتے۔]

حاضری کی فضیلت

آیت پاک میں "جآؤُوكَ" (آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے) مطلق ہے جو حیات وبعد وفات دونوں حالتوں کو شامل ہے جس سے روضۂ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت وحاضری کی تاکید معلوم ہوگئی اور اس پر بشارت ہے کہ وہاں حاضر ہو کر توبہ کرنے سے توبہ قبول ہوتی ہے۔

روضۂ مبارکہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی زیارت اور اس کی فضیلت سے متعلق احادیث مبارکہ اوپر گذر چکیں۔

ترک زیارت پر وعید

ایک حدیث پاک میں ہے۔

"**وَمَنْ لَمْ يَزُرْ قَبْرِيْ فَقَدْ جَفَانِيْ**۔" (الکامل فی ضعفاء الرجال: ۱۴/۷)

[جس نے میری قبر کی (قدرت کے باوجود) زیارت نہیں کی اس نے مجھ سے جفا کی۔]

اور ایک حدیث میں یہ ہے۔

"**مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِيْ فَقَدْ جَفَانِيْ**۔" (کنز العمال: ۱۳۵/۵، حدیث نمبر: ۱۲۳۶۹)

[جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور اس نے میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔]

روضۂ اقدس کی زیارت کا حکم

یہ احادیث رسول کریم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت (جب استطاعت ہو) کے واجب ہونے میں صریح ہیں۔ اسی لئے بہت سے علماء ومشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ روضۂ اقدس علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی زیارت واجب ہے۔

عالمگیر میں ہے۔

"**قال مشائخنا رحمهم الله تعالىٰ انها افضل المندوبات وفى**

مناسک الفارسی و شرح المختار انھا قریبة من الوجوب لمن له سعة۔"

(عالمگیری ص؍۲۶۵ ج؍۱)

[ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ (زیارت روضۂ اقدس علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) افضل المندوبات ہے اور مناسک الفارسی اور شرح المختار میں ہے کہ یہ اس شخص کیلئے جسے گنجائش ہو واجب کے قریب ہے۔]

درمختار میں ہے۔

"وزیارۃ قبرہ مندوبة بل قیل واجبة لمن له سعة۔" (شامی:۲/۲۵۷)

[حضور اقدس ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت مندوب ہے، بلکہ کہا گیا ہے کہ گنجائش والے کے لئے واجب ہے۔]

جمہور حنفیہ رحمہم اللہ کا مسلک

حضرت علامہ عبد الحیٔ صاحب لکھنوی قدس سرہٗ نے جمہور حنفیہ رحمہم اللہ کا مسلک وجوب ذکر کیا ہے اور جمہور حنفیہ رحمہم اللہ کی طرف زیارت روضۂ اقدس علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے استحباب کو منسوب کرنے والوں پر سختی سے رد کیا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

"ثم الی ماذا اجنیت وای قبح ارتکبت ان رددت علی من افتری علی جمھور الحنفیة رحمھم اللہ و نسب الیھم استحباب الزیارة مع ان اکثرھم صرحوا بکونھا قریبة من الواجب والقریب من الواجب فی حکم الواجب۔"

(تذکرۃ الراشد برد تبصرۃ الناقد:۳۷)

[پھر میں نے کیا گناہ کیا اور کونسی برائی کا ارتکاب کیا اگر میں نے رد کیا اس پر جس نے جمہور حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم پر افترا کیا اور ان کی طرف زیارت روضۂ اقدس علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے محض استحباب کی نسبت کی، باوجودیکہ ان میں سے اکثر نے اس کے واجب

کے قریب ہونے کی تصریح کی ہے اور جو واجب کے کے قریب ہو وہ واجب ہی کے حکم میں ہوتا ہے۔]

یَا خَیْرَ مَنْ دُفِنَتْ بَالْقَاعِ اَعْظُمُہٗ

فَطَابَ مِنْ طِیْبِہِنَّ الْقَاعُ وَالْاَکَمُ

[اے بہترین ذات ان سب لوگوں میں جن کی ہڈیاں ہموار زمین میں دفن کی گئیں کہ ان کی وجہ سے زمین اور ٹیلوں میں بھی عمدگی اور خوشبو پھیل گئی۔]

اَنْتَ الشَّفِیْعُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُہٗ

عَلَی الصِّرَاطِ اِذَا مَا زَلَّتِ الْقَدَمُ

[آپ ایسے سفارشی ہیں جن کی سفارش کے ہم امیدوار ہیں، جس وقت کہ پل صراط پر لوگوں کے قدم پھسل رہے ہوں گے۔]

وصاحباك لا أنساهما أبدا

مني السلام عليكم ما جرى القلم

[اور آپ کے دو ساتھیوں کو تو میں کبھی بھی نہیں بھول سکتا، میری طرف سے تم سب پر سلام ہوتا رہے، جب تک کہ دنیا میں لکھنے کے لئے قلم چلتا رہے، یعنی قیامت تک۔]

فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن نور اللہ مرقدہٗ نے کیا خوب فرمایا ہے:

روضۂ اقدس پہ حاضر اور لب پر السلام   یہ تصور قلب کو ہے مانع رنج و محن

مدینہ طیبہ میں قبر کی فضیلت

{۲۶۳۷} وَعَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ جَالِسًا وَقَبْرٌ یُحْفَرُ بِالْمَدِیْنَۃِ فَاطَّلَعَ رَجُلٌ فِی الْقَبْرِ، فَقَالَ: بِئْسَ مَضْجَعُ الْمُؤْمِنِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِئْسَمَا قُلْتَ قَالَ الرَّجُلُ: اِنِّیْ لَمْ اُرِدْ ھٰذَا اِنَّمَا اَرَدْتُ الْقَتْلَ فِیْ

سَبِیْلِ اللهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا مِثْلَ الْقَتْلِ فِي سَبِیْلِ اللهِ مَا عَلَی الْاَرْضِ بُقْعَةٌ اَحَبُّ اِلَیَّ اَنْ یَّکُوْنَ قَبْرِيْ بِهَا مِنْهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ (رواہ مالك مرسلا)

حوالہ: مؤطا امام مالک: ۱۷۴، کتاب الجهاد، باب الشهداء في سبیل الله۔

حل لغات: یحفر: حفر (ض) حفرا، گڑھا کھودنا۔ بقعة: زمین کا ٹکڑا، جمع: بقاع۔

ترجمہ: حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ تشریف فرما تھے اور مدینے میں ایک قبر کھودی جا رہی تھی، تو ایک آدمی نے قبر میں جھانک کر کہا: قبر مومن کے لئے بری خواب گاہ ہے تو حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: برا وہ ہے جو تم نے کہا ہے، اس شخص نے کہا: میری مراد یہ نہیں ہے، بلکہ میری مراد اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے کی فضیلت کو ظاہر کرنا تھا، تو حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی راہ میں قتل ہونے سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے، البتہ زمین میں مدینہ طیبہ کے علاوہ کوئی جگہ محبوب ترین نہیں ہے، جس کے بارے میں میری خواہش ہو کہ میری قبر وہاں ہو، یہ آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔

تشریح: بئسما قلت: بری تو وہ چیز ہے جو تم نے کہی، مطلب یہ ہے کہ تمہاری یہ بات بری اور غلط ہے کہ قبر مومن کے لئے بری خوابگاہ ہے، حالانکہ مومن کی قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے، چنانچہ اس شخص نے اپنی بات کی وضاحت کی، کہ میرا مطلب اور منشاء کہ قبر کو مطلقاً مؤمن کی بری خوابگاہ کہنا نہیں تھا، بلکہ میرا مطلب تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہید ہونا گھر میں مرنے سے بہتر ہے، آنحضرت ﷺ نے اس کے اس نکتہ کو پسند فرمایا اور تصدیق کی، پھر آنحضرت ﷺ نے اپنی قبر کے لئے مدینہ طیبہ کی سرزمین کو پسند فرما کر اس شخص کی فضیلت کو ظاہر فرمادیا جو مدینہ طیبہ میں مرے اور مدینہ طیبہ ہی میں دفن کیا جائے، خواہ شہید ہو یا غیر شہید۔ (مظاہر حق: ۳/۴۱۵)

وادی عقیق میں نماز کی فضیلت

{۲۶۳۸} وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ عُمَرُ

بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِوَادِي الْعَقِيْقِ يَقُوْلُ: اَتَانِي اللَّيْلَةَ اٰتٍ مِنْ رَبِّيْ فَقَالَ: صَلِّ فِيْ هٰذَا الْوَادِي الْمُبَارَكِ وَقُلْ عُمْرَةٌ فِيْ حَجَّةٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَقُلْ عُمْرَةٌ وَّحَجَّةٌ۔

(رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۰۷، کتاب المناسک، باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم العقیق واد مبارک۔

حل لغات: وادی: پہاڑوں یا ٹیلوں کے درمیان کی کشادگی۔ جمع: اودیۃ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ میں نے وادی عقیق میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والے نے آ کر کہا: اس بابرکت وادی میں نماز پڑھئے اور حج کے ساتھ کیا جانے والا عمرہ گمان کیجئے۔

تشریح: پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ عربی قواعد کے مطابق لفظ "**قول**" فعل کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، لہٰذا حدیث شریف کے آخری جملہ "**قل عمرۃ فی حجۃ**" کے معنی ہیں "اور اس نماز کو وہ عمرہ شمار کیجئے جو حج کے ساتھ ہوتا ہے۔" گویا اس جملہ کے ذریعہ وادی عقیق میں ادا کی جانے والی نماز کی فضیلت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ وادی عقیق میں جو نماز پڑھی جاتی ہے اس کا ثواب اس عمرہ کے برابر ہے جو حج کے ساتھ کیا جاتا ہے، اسی طرح دوسری روایت کے الفاظ "**وقل عمرۃ وحجۃ**" کا مطلب یہ ہے کہ وادی عقیق میں پڑھی جانے والی نماز عمرہ وحج کے برابر ہے۔

ایک مطلب یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع سے متعلق ہے اور "**قُلْ عُمْرَةٌ فِيْ حَجَّةٍ**" کا مطلب یہ ہے کہ عمرہ اور حج دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھئے، جس کو حج قران کہتے ہیں، اور یہ اس کی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حج حج قران تھا، جیسا کہ اوپر تفصیل گذر چکی۔

خصائص مدینہ طیبہ زَادَهَا اللّٰہُ شَرَفًا وَّ کَرَامَةً

مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفا وکرامۃ کے خصائص بے شمار ہیں، جن سے مدینہ طیبہ کی فضیلت ظاہر ہے، مشکوۃ شریف کے اس باب میں چند خصائص کا ذکر کیا گیا ہے، اس لئے مناسب ہے کہ قارئین کی افادیت کے لئے ''الدکتور ابو ابراہیم ملا خاطر'' کی تصنیف ''فضائل مدینہ کامل'' سے مزید خصائص کا ذکر کر دیا جائے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

خصائص مدینہ منورہ کا اجمالی بیان

مدینہ منورہ کے خصائص بہت زیادہ ہیں، انہیں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ بہت سے علماء نے انہیں ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ ان میں سے بعض نے بعض کی نسبت زائد تحریر کئے ہیں۔ ان میں سے امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''اعلاء الساجد'' میں، امام سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے ''وفاء الوفاء'' اور ''مختصر'' میں، اور امام محمد بن یوسف صالحی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے ''سبل الہدیٰ والرشاد'' میں لکھے ہیں۔ ان ہی کتابوں کی تلخیص یہاں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان میں سے بعض میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے۔ اور بعض کی بنیاد ضعیف حدیث پر بھی ہے۔

مدینہ منورہ کے خصائص

(۱)......اللہ تعالیٰ نے اسے سچائی کے داخل ہونے کی جگہ (محل صدق) بنایا، اور اس کی اہمیت اس وقت ظاہر ہوتی، جب رب کریم نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر ارشاد فرمایا: "وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ" (الاسراء:۸۰) [اور دعا مانگا کیجئے کہ اے

میرے رب! جہاں کہیں تو مجھے لے جائے سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں کہیں سے مجھے لے آئے سچائی کے ساتھ لے آ۔]

(۲)......اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت کو سید المرسلین حضور نبی کریم ﷺ کی زبان اقدس سے بیان فرمایا۔

(۳)......اللہ تعالیٰ نے اسے حرم بنایا۔ جیسا کہ مکہ مکرمہ میں حرم ہے۔

(۴)......اسے حرم امن بنایا۔ جیسا کہ مکہ مکرمہ میں ہے۔

(۵)......اس میں باہم قتال کے لئے ہتھیار اٹھانا حرام ہیں۔ جیسا کہ مکہ مکرمہ میں۔

(۶)......مکہ مکرمہ کی طرح اس میں بھی خون بہانا (قتل کرنا) حرام ہے۔

(۷)......مکہ مکرمہ کی طرح اس میں بھی گری پڑی چیز کو اٹھانا حرام ہے۔ مگر اس کا اعلان کرانے کے لئے اور اصلی مالک تک پہنچانے کے لئے۔

(۸)......مکہ مکرمہ کی طرح اس کے شکار کو بھگانا حرام ہے۔

(۹)......اس میں شکار کرنا بھی حرام ہے۔ جیسا کہ مکہ مکرمہ میں۔

(۱۰)......اس کے درختوں کو ضائع کرنا، حشیش اور گھاس کو کاٹنا حلال اور محرم آدمی پر حرام ہے جیسا کہ مکہ مکرمہ میں حلال ہے۔ اس میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔

(۱۱)......اس میں شکار کرنے والے اور درخت کاٹنے والے پر ضمان لازم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اس سے وہ چیز ضبط کر لی جائے گی۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا۔

(۱۲)......اس میں حرم شریف کی حدود سے باہر اس کی مٹی اور پتھر منتقل کرنا حرام ہے۔ جیسا کہ یہی حکم مکہ مکرمہ میں بھی ہے۔

(۱۳)......اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ جیسا کہ اس ارشاد گرامی میں ہے: **"اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا"** (النساء:۹۷) [کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہیں تھی تاکہ تم اس میں ہجرت کرتے۔] مذکورہ حکم متعدد مفسرین کی رائے کے مطابق ہے۔

(۱۴)......اس کی نسبت حضور اکرم ﷺ کی طرف ہے، جیسا کہ گذر چکا ہے: **"كَمَا اَخْرَجَكَ رَبُّكَ

مِنۢ بَیۡتِکَ" [جیسا کہ تیرے رب نے تجھے تیرے گھر سے نکالا۔] اور "مدینہ طیبہ حرم ہے۔"
علاوہ ازیں اور بھی نصوص ہیں۔

(۱۵)......اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کو اپنے نبی اور مصطفیٰ ﷺ کے لئے بطور ہجرت گاہ پسند فرمایا۔

(۱۶)......اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کو چنا کہ وہ اس کے محبوب ﷺ کیلئے راحت وقرار کی جگہ ہے۔

(۱۷)......اللہ تعالیٰ نے اسے دین کا مظہر بنایا۔

(۱۸)......تمام شہروں کا افتتاح اسی سے ہوا۔

(۱۹)......حضور اقدس ﷺ اور کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہیں موت کی خواہش کی۔

(۲۰)......آنحضرت ﷺ نے مکہ مکرمہ کی مثل بلکہ اس سے بھی زیادہ اس سے محبت کرنے کی دعا فرمائی۔

(۲۱)......حضور نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ سے شدید محبت کے سبب، سفر سے واپس آتے وقت اس کی دیواروں کو دیکھتے ہی اپنی سواری کو شدت اشتیاق میں تیز حرکت دیتے۔

(۲۲)......اس کے نام کثیر ہیں۔ جو اس کی عظمت وشرف پر دلالت کرتے ہیں۔ میں کسی شہر کو نہیں جانتا جس کے اسماء اس کی مثل ہوں۔

(۲۳)......اس کے اسماء میں سے طیبہ اور طابہ ہیں۔ اور یہ وہ ہیں جن سے اسے رب کریم نے پکارا ہے۔

(۲۴)......تورات میں اس کے یہ نام ہیں۔ "مومنہ، المحبوبہ اور المرحومۃ"

(۲۵)......اس میں زندگی خوشحال ہے۔

(۲۶)......اس کے لئے آنحضرت ﷺ نے کثرت سے دعا فرمائی۔

(۲۷)......مدینہ منورہ میں اس کے صاع، مد، کیل اور پھل میں برکت موجود ہے۔

(۲۸)......مکہ مکرمہ کی نسبت اس میں برکت کئی گنا زیادہ ہے۔

(۲۹)......مدینہ منورہ بذات خود طیب ہے۔ اگر چہ اس میں کوئی طیب چیز نہ بھی ہو۔

(۳۰)......اس کی خوشبو خالص ہوتی ہے۔

(۳۱)......مدینہ طیبہ میں عطر اور بخور کی خوشبو دوسرے تمام شہروں کی نسبت کئی گنا پائی جاتی ہے۔

(۳۲)......مدینہ منورہ کئی قصبوں سے بڑا ہے۔

(۳۳)......اسے زمانہ جاہلیت کے نام ’’یثرب‘‘ کے ساتھ پکارنا جائز نہیں ۔یہ تو مدینہ ہے ۔یہی اس کا علم ہے ۔اس کے لئے یہ لفظ معرف باللام (المدینہ) ذکر کیا جاتا ہے ۔

(۳۴)......یہ کیر (پھونکنی) کی مثل ہے ۔جو اپنے سے ناپاکی کو دور کر دیتا ہے ۔

(۳۵)......یہ گناہوں کو ایسے ہی مٹا دیتا ہے ۔جیسے پھونکنی چاندی کے خبث کو دور کر دیتی ہے ۔اس لئے کہ اس میں بعض دفعہ تنگی اور دشواری پیش آتی ہے، بندہ ان پر صبر کرتا ہے، نتیجتاً نفوس اپنی شہوات اور حرص کی طرف میلان سے خلاصی پا لیتے ہیں ۔اور ان کی صلاحیتیں باقی رہتی ہیں ۔

(۳۶)......یہ ہر وقت شر انگیزی سے دور رہے گا۔اور دجال کے بالذات ظاہر ہونے کے وقت اس کے شر سے محفوظ رہے گا۔

(۳۷)......دجال اس میں داخل نہیں ہوگا۔جیسا کہ مکہ مکرمہ میں ۔

(۳۸)......اس میں دجال کا رعب داخل نہیں ہوگا۔

(۳۹)......اس کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ اس میں طاعون داخل نہیں ہوگا، اس سے قبل بھی اس میں طاعون کے واقع ہونے کے بارے میں نہیں سنا گیا۔حالانکہ اس کے جوار میں ہوتا رہا۔

(۴۰)......اس سے وبا (بخار) جحفہ کی طرف نکل گیا۔

(۴۱)......یہ ایمان اور قرآن سے فتح ہوا۔جبکہ دوسرے شہر تلوار سے فتح ہوئے ۔

(۴۲)......حضور نبی کریم ﷺ کی مدد اور آنحضرت ﷺ کی دلجوئی کیلئے فتح مکہ سے قبل مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنا اور اس میں سکونت اختیار کرنا واجب ہے ۔اور فتح مکہ کے بعد مستحب ہے ۔

(۴۳)......جس نے فتح مکہ سے قبل اس کی طرف ہجرت کی، اس کے لئے اقامت اور سکونت اختیار کرنے کے لئے مکہ مکرمہ کی طرف لوٹنا حرام ہے ۔جیسا کہ جمہور نے بیان کیا ہے ۔اور اسے قربانی ادا کرنے کے بعد تین دن وہاں ٹھہرنے کی رخصت دی گئی ہے ۔

(۴۴)......اس کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ ایمان اس کی طرف سمٹ جائے گا۔

(۴۵)......یہ ملائکہ سے بھرپور ہے ۔اور وہی اس کے محافظ ہیں ۔

(۴۶)......یہ ہمیشہ دار الاسلام رہے گا۔

(۴۷)......شیطان مایوس ہو چکا ہے کہ مدینہ طیبہ میں اس کی عبادت کی جائے گی۔

(۴۸)......اس میں کفار کا داخلہ ممنوع ہے۔جیسا کہ مکہ مکرمہ میں حکم ہے۔

(۴۹)......اس کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں ایمان اور حیاء غالب رہے گی۔

(۵۰)......ان مقامات پر دعا مانگنا مستحب ہے۔جن میں رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی۔

(۵۱)......اہل مدینہ کیلئے یہ تخصیص بھی ہے کہ مواقیت دور ہونے کے سبب ان کیلئے ثواب زیادہ ہے۔

(۵۲)......اس میں اختلاف ہے کہ جو آدمی حج کا ارادہ کرے، آیا وہ ابتداء مدینہ منورہ سے کرے یا مکہ مکرمہ سے؟ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حج کرتے وقت ابتداء مدینہ منورہ سے کرتے تھے۔اور کہتے تھے: کہ ہم تو ابتداء اس جگہ سے کریں گے جہاں سے حضور نبی کریم ﷺ نے احرام باندھا۔

(۵۳)......مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ، مسجد اقصیٰ کے قائم مقام ہیں، ایسے آدمی کیلئے جس نے اس میں نماز پڑھنے یا اعتکاف کرنے کی نذر مانی۔بے شک وہ ان دو میں سے ایک سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

(۵۴)......مدینہ طیبہ میں صغیرہ گناہ کی تعظیم کرنا، اسے کبیرہ بنا دیتی ہے۔کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے اس میں نئے کام (بدعت) کا آغاز کیا......'' تو روایت میں لفظ حدث صغیرہ کو بھی شامل ہے، تو اس کے ساتھ وہ کبیرہ ہو جائے گا۔لہٰذا اس کی سزا بھی زیادہ دی جائے گی۔کیونکہ یہ اس امر کی دلیل ہے۔کہ اس کا مرتکب حرم رسول اللہ ﷺ کو حقیر جان کر ایسا کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔

(۵۵)......ایسے آدمی کے لئے مدینہ طیبہ میں سوار نہ ہونا مستحب قرار دیا گیا ہے جو اس پر قادر ہو، لیکن اسے حاجت نہ ہو، جیسا کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کرتے تھے۔

(۵۶)......مدینہ طیبہ میں داخل ہونے کیلئے غسل کرنا مستحب ہے۔یہ قول متقدمین شوافع میں سے ابو بکر الخفاف نے کہا ہے۔اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مناسک میں اس کی تصریح کی ہے۔واللہ اعلم

(۵۷)......امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اہل مدینہ کے اجماع اور عمل کو خبر واحد پر مقدم کیا ہے۔

(۵۸)......جو مدینہ طیبہ سے کچھ وقت غائب رہا، اس کا دل سختی کی جانب مائل کر دیا گیا۔واللہ اعلم

(۵۹)......اگر کسی نے مسجد نبوی کو خوشبو لگانے کی نذر مانی، تو بعض فقہاء کے نزدیک اسے پورا کرنا اس

پر لازم ہے۔

(۶۰)......اگر کسی نے مسجد نبوی میں آنے کی نذر مانی تو اس حدیث طیبہ کے سبب اسے پورا کرنا لازم ہے: "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ..." الحدیث۔ [کجاوے نہیں کسے جا سکتے مگر تین مساجد کی طرف......]

(۶۱)......اگر کسی نے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اسے مکمل کرنا اس پر لام ہے۔

(۶۲)......اگر کسی نے مسجد نبوی یا مسجد حرام کی طرف پیدل چل کر جانے کی نذر مانی تو اسے پورا کرنا اس پر لازم ہے۔ یہ قول ابن المنذر اور دوسروں نے کہا ہے۔ ایک دوسرے طائفہ نے اسے مستحب قرار دیا ہے۔ اور ایک گروہ نے یہ کہا ہے کہ نذر کو پورا کرنا اس پر لازم نہیں، بلکہ وہ سوار ہو سکتا ہے۔

(۶۳)......باہر سے آنے والے مسافر کیلئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بار بار سلام عرض کرنا مستحب ہے۔ بخلاف مقیم کے۔ جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے کہا ہے۔ مگر جب کہ مقیم سفر پر جائے یا سفر سے واپس آئے۔ امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ تمام صورتوں میں یہ مستحب ہے۔

(۶۴)......اس لشکر کا دھنس جانا، جو اس پر حملہ کرتا ہے۔ پھر وہ یہاں سے نکل کر مکہ مکرمہ کا ارادہ کرتا ہے۔ جب اس حرم کی سرزمین سے تجاوز کرے گا تو اسے دھنسا دیا جائے گا۔

(۵۶)......اس کی خصوصیت اس صالح آدمی کے سبب بھی ہے، جسے اس حال میں یہاں سے نکالا جائے گا کہ تمام لوگوں سے بہتر ہوگا۔ تا کہ دجال اسے قتل کر دے اور اس کے سوا کسی پر اسے مسلط نہیں کیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے زندہ فرمائے گا اور دوسری مرتبہ دجال اسے قتل کرنے کی ہرگز طاقت نہیں رکھے گا۔

(۶۶)......اللہ تعالیٰ نے اس کے باشندوں کو چن لیا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار ہوں۔ پس وہ مدد کرنے اور گھروں میں سکونت دینے کے اہل ہو گئے۔

(۶۷)......مدینہ منورہ کی مجاورت اختیار کرنا مستحب ہے۔ تا کہ اعلیٰ درجات اور مزید کرامات حاصل ہوں۔

(۶۸)......حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا شفاعت کرنا اور اس کی شہادت دینا، جس نے اس کی شدتوں اور سختیوں پر صبر کیا۔

(۶۹)......مدینہ طیبہ میں قیام کرنا مستحب ہے۔ تاکہ آدمی کو موت مدینہ طیبہ میں آئے، جیسا کہ یہ ارشاد ہے: ''جو مدینہ طیبہ میں موت کی استطاعت رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ وہیں مرے۔''

(۷۰)......مدینہ طیبہ میں مرنے والے کیلئے آنحضرت ﷺ کا شفاعت فرمانا اور اسکی شہادت دینا۔

(۷۱)......دیگر امتوں کے مقابلہ میں مدینہ طیبہ کے باشندوں کا زیادہ شفاعت اور عزت واکرام کا اہل ہونا۔

(۷۲)......مدینہ طیبہ کے رہنے والے لوگوں کی شفاعت سب سے پہلے آنحضرت ﷺ فرمائیں گے۔ پھر اہل مکہ کی شفاعت کریں گے۔

(۷۳)......مدینہ طیبہ میں اعمال صالحہ مثلاً نماز، روزہ اور صدقہ وغیرہ کا ثواب دوگنا ہونا۔

(۷۴)......جو آدمی بھی اس کے اہل سے برائی کا ارادہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اس طرح پگھلا دیتا ہے جیسے پانی میں نمک اور آگ میں تانبا پگھل جاتا ہے۔

(۷۵)......اس میں بدعت کا ارتکاب کرنا حرام ہے۔ یا کسی بدعتی کو پناہ دینا۔ جس کسی نے اس میں بدعت کا ارتکاب کیا۔ یا کسی بدعتی کو پناہ دی، تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

(۷۶)......کوئی بھی اس سے اعراض کرتے ہوئے اسے نہیں چھوڑے گا، مگر اللہ تعالیٰ اس سے بہتر اسے بدل عطا فرمادے گا۔

(۷۷)......یہ اہل علم وفضل اور دین سے خالی نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ زمین اور اس پر رہنے والوں کو قبض فرمالے گا۔

(۷۸)......اس کیلئے سخت وعید ہے جس نے اس کے باشندوں پر ظلم کیا۔ یا انہیں خوفزدہ کیا۔

(۷۹)......اہل ذمہ میں سے جو بھی حرمین میں سے کسی میں مرے گا اس کی قبر اکھیڑ دی جائے گی اور اسے مقام حل کی طرف نکال دیا جائے گا۔

(۸۰)......مسلمانوں میں سے جو مدینہ طیبہ میں فوت ہوگا اسے آمنین کے ساتھ اٹھایا جائیگا۔

(۸۱)......اسمیں تمام مخلوق سے افضل حضور اقدس ﷺ اور اس امت کے فاضل ترین افراد، کثیر تعداد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور انکے بعد قرون مفضلہ کے معزز ترین افراد مدفون ہیں۔ **رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔**

(۸۲)......افضل الخلق حضور نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد آنے والے اس امت

کے وہ معزز افراد جو یہاں مدفون ہوئے، انہیں قیامت کے دن یہاں سے اٹھایا جائے گا۔ جیسا کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مدارک میں بھی نقل کیا ہے۔

(۸۳)......اشرف ہذہ الامۃ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، معزز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اور ان کے بعد آنے والے وہ تمام افراد جو یہاں مدفون ہوئے، انہیں قیامت کے دن یہاں سے اٹھایا جائے گا۔ جیسا کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مدارک میں بھی نقل کیا ہے۔

(۸۴)......مدینہ طیبہ میں وہ افضل ترین شہداء ہیں جنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ اور ان کی شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔

(۸۵)......غزوہ احد کے دن مدینہ طیبہ میں شہداء کیلئے شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔

(۸۶)......مدینہ طیبہ میں موت کی دعا مانگنا مستحب ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دعا کیا کرتے تھے: "**أَسْئَلُكَ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَمَوْتًا فِيْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**" [میں تجھ سے تیرے راستے میں شہادت کی التجا کرتا ہوں، اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں موت کی آرزو رکھتا ہوں۔]

(۸۷)......عالم مدینہ کا علم افضل ہے۔ اور اس کا علم دوسروں کے علم سے زیادہ ہے۔

(۸۸)......مدینہ طیبہ شہداء سے بھرا ہوا ہے۔ جیسا کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے مدارک میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔

(۸۹)......اہل مدینہ کی تعظیم وتکریم لازم ہے۔ کیونکہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی ہیں۔ اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مدلول ہیں۔ "جس نے اہل مدینہ کو اذیت پہنچائی......، جس نے اہل مدینہ کے لئے برائی کا ارادہ کیا......، جس نے اہل مدینہ کو خوف زدہ کیا......، اور اس کے بالمقابل یہ ہے کہ جس نے اہل مدینہ کے ساتھ احسان کیا اور ان کی تکریم کی......"

(۹۰)......اس کے بازار کی طرف سامان لانے والے کو رزق عطا کیا جاتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے مجاہد کی طرح ہے۔ اور اس میں ذخیرہ کرنے والا ملعون ہے۔

(۹۱)......آخری زمانہ میں مسلمانوں کو مدینہ طیبہ میں ہی محصور کیا جائے گا۔

(۹۲)......آخری زمانہ میں مدینہ منورہ سے مسلمانوں کی مدد کے لئے بلاد شام کی طرف لشکر خروج کرے گا۔اس وقت اہل زمین میں سے وہی بہتر اور اعلیٰ ہوں گے۔

(۹۳)......اہل مدینہ کے سبب مکہ مکرمہ فتح ہوا۔اگر مدینہ طیبہ نہ ہوتا تو اہل مکہ اسلام نہ لاتے، کیونکہ اسی کے ذریعہ وہ فتح ہوا۔ جی ہاں !اگر مکہ مکرمہ نہ ہوتا تو مدینہ طیبہ کی پہنچان ہی نہ ہوتی۔کیونکہ اوّلاً مدینہ طیبہ کے رہنے والوں میں سے اکثر افراد اوّلاً ہجرت کرنے کے بعد مہاجرین کے ہاتھ پر اسلام لائے۔واللہ اعلم

(۹۴)......اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے لئے چن لیا۔اس طرح کہ جب معززین انصار رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ کی زمام پکڑتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس اترنے کی دعوت دیتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرماتے تھے: اسے چھوڑ دو، اسے حکم دیا جا چکا ہے۔

(۹۵)......اس کی مسجد کی بنیاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے رکھی گئی۔

(۹۶)......مسجد نبوی کی تعمیر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے ہوئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کبار مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم بھی تھے۔اس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود پتھر وغیرہ اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔اور اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ساتھ ساتھ تھے۔

(۹۷)......اس مسجد کی بنیاد پہلے دن سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی۔

(۹۸)......مدینہ طیبہ وہ پہلا شہر ہے جس میں اس امت کے عام مسلمانوں کے لئے مسجد بنائی گئی۔

(۹۹)......مدینہ طیبہ کی مسجد ابنیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مساجد میں سے آخری مسجد ہے۔لہٰذا یہ تمام مساجد سے زیادہ حق رکھتی ہے کہ اس کی زیارت کی جائے۔

(۱۰۰)......یہ مسجد ان تین مساجد میں سے ایک ہے جن کے لئے سواریوں پر کجاوے کسے جاسکتے ہیں۔ (یعنی جن کی نیت سے سفر کیا جاسکتا ہے)۔

(۱۰۱)......یہ مسجد بالاجماع زمین کے حصوں میں سے افضل ترین حصہ پر مشتمل ہے۔اور اس سے مراد وہ جگہ ہے جس کے ساتھ حجرہ مبارک میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر ملا ہوا ہے۔

(۱۰۲)......مسجد نبوی میں ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ دیگر مساجد کی نسبت ایک ہزار نماز سے افضل

ہے۔اور یہ فضیلت فرض اور نفل دونوں کو شامل ہے۔واللہ اعلم

(۱۰۳)......جس نے چالیس نمازیں مسجد نبوی میں پڑھیں، اور اس کی کوئی نماز بھی فوت نہ ہوئی، تو اس کے لئے آگ سے براۃ اور عذاب سے براۃ لکھ دی گئی۔اور وہ نفاق سے بری ہوگیا۔

(۱۰۴)......جو اپنے گھر سے پاکی کی حالت میں مسجد نبوی کا ارادہ کرتے ہوئے نکلا، تو یہ اس کے لئے حج کے قائم مقام ہے۔

(۱۰۵)......مسجد نبوی کا قبلہ، اور اس طرح مسجد قباء کا قبلہ زمین کی ہر مسجد کے قبلہ سے زیادہ سیدھا ہے۔

(۱۰۶)......منبر شریف اور بیت شریف کے درمیان جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔یہ بھی اسی کے ساتھ خاص ہے۔

(۱۰۷)......روضہ شریفہ (ریاض الجنۃ) کا وسیع ہونا، تاکہ وہ حجرہ شریفہ اور عیدگاہ (مسجد غمامہ) کی درمیان جگہ کو شامل ہو اور یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

(۱۰۸)......حضور اقدس ﷺ کی محراب میں کوئی اجتہاد نہیں۔کیونکہ وہ بالیقین قطعی طور پر صحیح ہے۔اسی طرح مسجد قباء میں بھی ہے۔کیونکہ ان دونوں میں حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے ارشاد سے حضور نبی کریم ﷺ نے اسے معین فرمایا۔اللہ اعلم

(۱۰۹)......آنحضرت ﷺ کا منبر قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کے حوض پر ہوگا۔

(۱۱۰)......آنحضرت ﷺ کا وہ منبر شریف جس پر آنحضرت ﷺ خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ہوگا۔

(۱۱۱)......منبر شریف کے پائے جنت میں گڑھے ہوئے ہیں۔

(۱۱۲)......وہ کھجور کا تنا جس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرماتے وقت ٹیک لگایا کرتے تھے، جب آنحضرت ﷺ منبر تیار ہونے کے بعد اس سے جدا ہوئے، تو وہ اس وقت آنحضرت ﷺ کے شوق اور فراق میں رویا۔اور وہ بھی جنت میں ہے۔

(۱۱۳)......منبر شریف کی تعظیم یہ ہے کہ اس کے پاس آواز بلند نہ کی جائے۔

(۱۱۴)......منبر شریف کے پاس ہونے والی قسم اور وعدہ بھی معظم ہے۔

(۱۱۵)......جب آنحضرت ﷺ نے کتاب اللہ میں سے ایک آیت منبر شریف پر پڑھی، تو وہ کانپ اٹھا۔

(۱۱۶)......روضہ شریفہ میں موجود ستونوں کے کثیر فضائل ہیں۔ مثلاً اسطوانہ مصحف، اسطوانہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، اور اسطوانہ توبہ وغیرہا......۔

(۱۱۷)......مسجد نبوی میں آواز بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کی حرمت وصال سے قبل اور وصال سے بعد برابر ہے۔

(۱۱۸)......مسجد نبوی سے اذان کے بعد حاجت کے بغیر نکلنا ممنوع ہے، اس نیت کے ساتھ کہ واپس لوٹ آئے گا۔ اور اگر کوئی واپس نہ لوٹنے کی نیت سے نکلا، تو وہ منافق ہے۔

(۱۱۹)......جس نے تعلیم و تعلم (پڑھنے پڑھانے) کی نیت سے مسجد نبوی کا قصد کیا، تو وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنیوالے کی طرح ہے۔

(۱۲۰)......مدینہ طیبہ کی مسجد میں نماز عید پڑھنا مستحب ہے۔

(۱۲۱)......مدینہ طیبہ میں وتروں کے علاوہ نماز تراویح چھتیس رکعتیں ہے۔ تاکہ وہ اہل مکہ کے اس طواف کے مقابل ہوجائیں، جو وہ نماز تراویح میں آخری ترویحہ کے علاوہ ہر ترویحہ کے بعد کرتے ہیں۔ اور پھر آخری ترویحہ کے متصل بعد نماز وتر پڑھتے ہیں۔ اور یہ صرف اہل مدینہ کے لئے ہے......، یہی مذہب حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اور یہ حکم مدینہ طیبہ میں بعد والی صدیوں (قرون متاخرہ) تک باقی رہا۔

(۱۲۲)......مسجد قباء کی فضیلت کا ثبوت یہ ہے کہ آقا دو جہاں ﷺ ہر ہفتے اس میں تشریف لاتے تھے، کبھی چل کر اور کبھی سوار ہو کر تشریف لایا کرتے تھے۔

(۱۲۳)......مسجد قباء میں ایک نماز عمرہ کے مساوی ہوتی ہے۔

(۱۲۴)......مسجد نبوی ناپسندیدہ ہوا سے پاک ہے بعض نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ اس کی خصوصیت ہے۔ واللہ اعلم

(۱۲۵)......ان مساجد میں نماز پڑھنا اور دعا مانگنا، جن میں رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی۔ اور قبول ہوئی۔ جیسے مسجد فتح اور مسجد اجابۃ وغیر ہما۔ واللہ اعلم

(۱۲۶)......حضور اقدس ﷺ کا اسے بغیر کسی واسطہ کے سلام کا جواب عطا فرمانا، جو آنحضرت ﷺ

پر قریب سے سلام عرض کرتا ہے۔

(۱۲۷)......اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی مکرم ﷺ کو مدینہ طیبہ کی ہجرت سے قبل اس کے بارے مطلع کرنا، اور یہ بتلا دینا کہ یہ آپ کی ہجرت گاہ ہے۔

(۱۲۸)......مدینہ طیبہ کی زمین، پہاڑوں، وادیوں، کنوؤں اور پھلوں میں سے بعض کو جنت سے قرار دینا۔

(۱۲۹)......اس کی کھجوروں کو باعث شفاء بنا دینا۔

(۱۳۰)......جو مدینہ طیبہ کی کھجوروں میں سے سات کھجوریں صبح نہار منہ کھائے گا تو شام تک زہر اور جادو اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ علی الصبح ان کا استعمال تریاق ہے۔

(۱۳۱)......مدینہ طیبہ میں عجوہ کھجوریں جنت میں سے ہیں۔

(۱۳۲)......اس میں زمین کے پھلوں کا موجود ہونا۔

(۱۳۳)......اس کی طرف دلوں کا متوجہ ہونا۔"اے اللہ! ان کے دلوں کو متوجہ کردے......"

(۱۳۴)......جس کی مدینہ طیبہ میں اہل ہو اسے چاہیے کہ وہ اسے روکے رکھے۔ اور جس کی وہاں کوئی اہل نہیں۔ اسے چاہیئے کہ بنالے۔ اگرچہ وہ کھجور کا ایک درخت ہو۔

(۱۳۵)......جبل احد ہمارے ساتھ محبت کرتا ہے۔ اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

(۱۳۶)......جبل احد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر ہے۔

(۱۳۷)......وادی عقیق برکت والی ہے۔

(۱۳۸)......وادیٔ بطحان جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ہے۔

(۱۳۹)......بئر غریس جنت کے کنوؤں میں سے ہے۔

(۱۴۰)......مدینہ طیبہ کی مٹی شفا ہے۔ اور اسے علاج کے لئے لینا جائز ہے۔

(۱۴۱)......جس نے کہا: مدینہ طیبہ کی مٹی غیر طیب ہے۔ وہ تادیب اور تعزیر کا مستحق ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح فتویٰ دیا ہے۔

(۱۴۲)......بقیع سے ستر ہزار افراد اس طرح اٹھائے جائیں گے کہ وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے، اور بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔

(۱۴۳)......حضور اقدس ﷺ اور آپ کے صاحبین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بعد سب سے اول اہل بقیع کو اٹھایا جائے گا۔

(۱۴۴)......مدینہ طیبہ کی سرزمین میں بارش انتہائی کم ہوتی ہے۔اس کے باوجود بہت دور کی زمین سے بارش کے پانی کو جذب کرتی ہے۔اور اس میں پھل، سبزیاں اور باغات انتہائی پکے ہوتے ہیں۔اور اس میں پانی بھی کثیر ہوتا ہے۔

(۱۴۵)......اس کی سرزمین کے وسیع ہونے، اور رزق کے وسیع ہونے کے بارے میں خبر دی گئی ہے۔

(۱۴۶)......اس کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ حجاز کی آگ ظاہری ہوگی، جس کے ساتھ اس کے جوار میں رہنے والوں کو خوفزدہ کیا گیا ہے۔اس کے ساتھ کہ حرم پاک کے نزدیک آکر بجھ جائے گی۔

(۱۴۷)......اس کے بازار پر خراج (ٹیکس) نہیں لگایا جائے گا۔

(۱۴۸)......کعبہ معظمہ کے ارد گرد طواف کرنے کی نسبت اسکی زیارت افضل ہے۔جیسا کہ امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بیان کیا ہے۔اسی طرح وہ کتاب کے غالف پر اس کی فضیلت بیان کرتے ہیں۔

(۱۴۹)......قیامت قائم ہونے تک یہ باقی رہے گا۔

(۱۵۰)......اسلام کے شہروں میں سے یہ سب سے آخر خراب ہوگا۔واللہ اعلم

(۱۵۱)......اس کیلئے بہت عظیم ثواب ہے۔جو گھر سے مسجد نبوی کے ارادہ سے نکلتا ہے۔

(۱۵۲)......ان مقامات پر دعا قبول ہوتی ہے جن میں حضور نبی کریم ﷺ کی دعا قبول ہوئی۔مثلاً اسطوانہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس، اسطوانہ مصحف، منبر شریف، مسجد الفتح، مسجد السقیا، مسجد المصلی، برکۃ السوق، احجار زیت اور مقام زوراء کے پاس۔واللہ اعلم

(۱۵۳)......جس کسی نے اہل مدینہ کو خوفزدہ کیا۔اس نے رسول اللہ ﷺ کے پہلوؤں کے درمیان میں (دل کو) خوف زدہ کیا۔

علاوہ ازیں بھی مدینہ طیبہ کے بہت سے خصائص ہیں۔میں نے ان بعض کو چھوڑ دیا ہے جن کا ذکر علامہ سمہودی اور صالحی رحمہم اللہ نے کر دیا ہے۔اگر مزید تحقیق چاہئے ہو تو ان کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔اسی طرح میں نے مذکورہ عنوان پر ہی اکتفاء کرتے ہوئے کثیر عنوانات کو چھوڑ دیا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

آداب زیارت مدینہ طیبہ

زَادَھَا اللہُ شَرَفًا وَّ کَرَامَۃً

مشکوۃ شریف کے اس باب میں مدینہ طیبہ "زَادَھَا اللہُ شَرَفًا وَّ کَرَامَۃً" کی زیارت کے چند آداب بیان کئے گئے ہیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے فضائل حج کے اخیر میں مدینہ طیبہ کی زیارت کے آداب بھی قدرے تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔ ان کی اہمیت اور افادیت کی وجہ سے اس کی تلخیص پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں:

آداب زیارت مدینہ طیبہ

(۱)......اس میں اختلاف ہے کہ حج کو مقدم کرے یا زیارت کو؟ تفصیل اوپر گذر چکی۔

(۲)......جب زیارت کا ارادہ کرے تو سب سے اوّل چیز یہ ہے کہ اس سفر میں سفر کی نیت کیا ہونی چاہئے؟ بہت سے حضرات نے فرمایا ہے: کہ روضۂ اطہر کی زیارت کے ساتھ ساتھ مسجد نبوی کی بھی زیارت کی نیت کرلے، تاکہ اشکال ہی باقی نہ رہے، لیکن شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ اس عبد ضعیف کے نزدیک نیت کو خالص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے لئے خاص کرنا چاہئے کہ اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام کی زیادتی بھی ہے اور اس حدیث شریف پر عمل بھی ہے جس میں "لَا تُحْمِلُہٗ حَاجَۃٌ اِلَّا زِیَارَتِیْ" وارد ہوا ہے کہ [میری زیارت کے علاوہ کوئی اور کام اس کو نہ ہو۔] پھر اگر کبھی مقدر نے یاوری کی، تو دوسری

مرتبہ میں قبر شریف کے ساتھ مسجد کی زیارت کی بھی نیت کرلے۔قطب عالم حضرت گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے، چنانچہ زبدۃ المناسک میں تحریر فرمایا ہے کہ غرض جب عزم مدینہ طیبہ کا ہو،تو بہتر یوں ہے کہ نیت زیارت قبر مطہر کی کرکے جاوے، تاکہ مصداق اس حدیث کا ہو جاوے کہ''جو کوئی محض میری زیارت کو آوے شفاعت اس کی مجھ پر حق ہوگئی''۔

(۳)......جب زیارت کی نیت سے سفر کرے، خواہ قبر اطہر کی زیارت کی نیت ہو یا مسجد کی زیارت کی، تو اپنی نیت کو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے واسطے خاص کرے، اس میں کوئی شائبہ ریا کا، تفاخر کا، شہرت کا، سیر وسیاحت کا یا کسی اور دنیوی غرض کا ہرگز نہ ہونا چاہئے کہ اس صورت میں نیکی برباد گناہ لازم ہے۔

(۴)......ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح لباب میں لکھا ہے کہ نیت کے خالص ہونے کی علامت یہ ہے کہ فرائض وسنن نہ چھوٹنے پاویں، ورنہ زیارت سے مشقت اور مالی نقصان کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔بلکہ توبہ اور کفارہ ذمہ ہوگا۔

(۵)......اس سفر میں درود شریف کی خصوصیت سے کثرت رکھے اور نہایت توجہ سے پڑھے، تمام علماء نے اس کی بہت تاکید فرمائی ہے کہ اس سفر میں درود شریف کی نہایت کثرت کرے، جتنی کثرت ہوگی اتنا ہی مفید ہوگا۔

(۶)......ذوق شوق پیدا کرے اور جتنا قریب ہوتا جائے شوق واشتیاق میں زیادتی پیدا کرے۔

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتش شوق تیز تر گردد

[جب وصل کا وعدہ قریب آتا ہے تو شوق کی آگ اور زیادہ بھڑک جایا کرتی ہے، کبھی کبھی اس ذوق کو پیدا کرنے کے واسطے نعتیہ اشعار بھی پڑھ لیا کرے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی کوئی کتاب ساتھ ہو یا مل جائے تو اس کو پڑھ لیا کرے، یا سن لیا کرے۔

(۷)......راستہ میں جو مسجدیں یا مواقع ایسے آئیں، جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قیام یا نماز پڑھنا معلوم ہو، ان کی زیارت کرتا جائے اور وہاں نوافل پڑھے

یا ذکر و تلاوت وغیرہ کرے۔

(۸)......جب مدینہ طیبہ قریب آجائے تو بہت زیادہ ذوق وشوق میں غرق ہو جائے، کثرت سے درود شریف بار بار پڑھے، اگر سواری پر ہو تو اس کو تیز چلانے کی کوشش کرے۔حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ جب سفر سے واپس تشریف لاتے اور مدینہ طیبہ قریب ہوتا تو اپنی سواری کو تیز چلاتے۔

وَ أَبْرَحُ مَا يَكُوْنُ الشَّوْقُ يَوْمًا

إِذَا دَنَتِ الْخِيَامُ إِلَى الْخِيَامِ

[سب سے بڑھا ہوا شوق اس دن ہوتا ہے جب عشاق کے خیمے معشوق کے خیمہ کے قریب ہو جائیں۔]

(۹)......جب مدینہ طیبہ کی دیواروں پر نظر پڑ جائے اور اس کے معطر باغ نظر آنے لگیں، جو بیر علی رضی اللہ عنہ کے بعد سے نظر آنے لگتے ہیں، تو بہتر یہ ہے کہ سوار سے نیچے اتر جائے اور روتا ہوا ننگے پاؤں چلے۔

وَلَمَّا رَأَيْنَا رَسْمَ مَنْ لَّمْ يَدَعْ لَنَا

فُؤَادًا لِعِرْفَانِ الرُّسُوْمِ وَلَا لُبًّا

نَزَلْنَا عَنِ الْأَكْوَارِ نَمْشِيْ كَرَامَةً

لِمَنْ بَانَ عَنْهُ أَنْ نُلِمَّ بِهٖ رَكْبًا

[جب ہم نے اس محبوب کے شہر کے نشانات دیکھے، جس نے نشانات کے پہچاننے کے واسطے نہ ہمارے پاس دل چھوڑا، نہ عقل چھوڑی، تو ہم اپنی سواریوں سے اتر گئے اور اس کے اکرام میں پیدل چلنے لگے، اس لئے کہ اس کی شان سے یہ بہت بعید بات تھی کہ اس کے پاس سوار ہو کر جائیں۔]

پہلے بہت سے حضرات کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ذوالحلیفہ سے جو تقریباً چھ میل ہے، پیدل چلنے لگتے تھے اور حق یہ ہے کہ اس جگہ پاؤں کے بجائے سر کے بل بھی چلے تو اس جگہ کے حق کا

کوئی حصہ بھی ادا نہیں ہو سکتا۔

لَوْ جِئْتُكُمْ قَاصِدًا أَسْعٰى عَلٰى بَصَرِيْ
لَمْ أَقْضِ حَقًّا وَأَيُّ الْحَقِّ أَدَّيْتُ

[اگر میں تمہاری خدمت میں پاؤں کے بجائے آنکھوں سے چل کر آتا، تب بھی میں حق ادا نہ کر سکتا تھا اور میں نے آقا تمہارا اور رہی کون سا حق ادا کیا جو یہی ادا کرتا۔]

وَلَمَّا رَأَيْنَا مِنْ رُبُوْعِ حَبِيْبِنَا
بِطَيْبَةَ أَعْلَامًا أَثَرْنَ لَنَا الْحُبَّا
وَبِالتُّرْبِ مِنْهَا إِذْ كَحَلْنَا جُفُوْنَنَا
شُفِيْنَا فَلَا بَأْسًا نَخَافُ وَلَا كَرْبًا

[جب مدینہ پاک میں محبوب کی منزل کے آثار نظر آنے لگے، تو انہوں نے محبت کو بھڑکا دیا اور جب وہاں کی مٹی کو آنکھوں کا سرمہ بنایا، تو ساری بیماریوں سے شفا ہوگئی کہ اب نہ کسی قسم کا مرض ہے نہ تکلیف۔]

(۱۰)......جب فصیل مدینہ طیبہ آجائے تو درود شریف کے بعد یہ دعا پڑھے: "**اَللّٰهُمَّ هٰذَا حَرَمُ نَبِيِّكَ فَاجْعَلْهُ لِيْ وِقَايَةً مِّنَ النَّارِ وَأَمَانًا مِّنَ الْعَذَابِ وَسُوْءِ الْحِسَابِ**" [اے اللہ! یہ تیرے نبی کا حرم آگیا، اس کو تو میرے لئے آگ سے بچنے کا ذریعہ بنا دے اور عذاب سے بچنے کا ذریعہ بنا دے اور حساب کی برائی سے بچنے کا سبب بنا دے۔] اس کے بعد اس پاک شہر کی خیر و برکت حاصل ہونے کی دعا کرے اور اس کے آداب بجالانے کی توفیق کی دعا کرے اور کسی نامناسب حرکت میں ابتلاء سے بچنے کی دعا کرے اور خوب دعائیں کرے۔

(۱۱)......بہتر یہ ہے کہ شہر میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرے اور پہلے میسر نہ ہو، تو داخل ہونے کے بعد مسجد میں داخل ہونے سے پہلے کرلے اور غسل نہ ہو سکے تو وضو کم از کم ضرور کرلے، لیکن اولیٰ غسل ہی ہے کہ جتنی نظافت اور طہارت زائد ہوگی، اتنا ہی اولیٰ ہے، اس کے بعد بہترین لباس پہنے اور خوشبو لگائے، جیسا کہ عیدین یا جمعہ کے لئے کرتا ہو، مگر تواضع اور انکساری ملحوظ

رہے، تفاخر پاس نہ آئے۔

(۱۲)...... بعض علماء نے اس وقت کچھ صدقہ کرنا بھی آداب میں لکھا ہے، یعنی مسجد میں داخل ہونے سے پہلے کچھ صدقہ کر دے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مسنون یہ ہے کہ کچھ صدقہ کرے، چاہے قلیل ہی کیوں نہ ہو، اور اس کا اہل مدینہ پر صرف کرنا اولیٰ اور بہتر ہے، یعنی ان لوگوں پر جو خاص مدینہ طیبہ کے باشندے ہیں؛ البتہ غیر مدنی زیادہ محتاج ہوں تو وہ مقدم ہیں۔

(۱۳)...... جب شہر میں داخل ہو تو اس وقت کی خصوصی دعائیں پڑھتا ہوا نہایت خشوع خضوع سے داخل ہو، اب تک کی عدم حاضری کا قلق ہو، دنیا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب نہ ہونے کا رنج ہو، آخرت میں زیارت نصیب ہونے کی آرزو اور تمنا ہو اور اس کا خوف ہو کہ نہ معلوم مقدر ہے یا نہیں اور جیسا کہ کسی بڑے سے بڑے دربار میں حاضری کے وقت رعب وجلال کا اثر ہو، وہی منظر یہاں ہو، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور قدر ومنزلت ملحوظ ہو، درود شریف لگاتار زبان پر جاری ہو۔ (لباب)

(۱۴)...... جب قبۂ خضراء پر نظر پڑے تو عظمت وہیبت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی علو شان کا استحضار کرے اور یہ سوچے کہ اس پاک قبہ میں وہ ذات اقدس ہے جو ساری مخلوقات سے افضل ہے، انبیاء علیہم السلام کی سردار ہے، فرشتوں سے افضل ہے، قبر شریف کی جگہ ساری جگہوں سے افضل ہے، جو حصہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک سے ملا ہوا ہے وہ کعبہ مشرفہ سے افضل ہے، عرش سے افضل ہے، کرسی سے افضل ہے، حتیٰ کہ آسمان وزمین کی ہر جگہ سے افضل ہے۔ (لباب)

(۱۵)...... شہر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے مسجد نبوی میں حاضر ہو، اگر مستورات کی یا سامان وغیرہ کی مجبوری ہو تو دوسری بات ہے، ورنہ سب علماء نے لکھا ہے کہ شہر میں داخل ہونے کے بعد سب پہلے مسجد میں حاضر ہونا افضل ہے۔

(۱۶)...... عورتوں کے لئے مناسب یہ ہے کہ اگر شہر میں دن کو داخل ہونے کی نوبت آوے تو وہ رات تک انتظار کریں اور رات کے وقت مسجد میں حاضر ہوں، اس لئے کہ ان کے لئے ہر وہ چیز

مقدم ہے جو پردہ میں معین ہو۔

(۱۷)…… مسجد میں داخلہ کے وقت اس جگہ کے آداب کی رعایت رکھے کہ دایاں پاؤں پہلے مسجد میں رکھے، پھر بایاں پاؤں رکھے اور مسجد میں داخل ہونے کی دعائیں پڑھے اور اعتکاف کی نیت کرے، اگر ہر مسجد میں ہمیشہ داخل ہوتے ہوئے اعتکاف کی نیت کرلیا کرے، تو مفت کا ثواب ہے، اس لئے مناسب ہے کہ جب بھی کسی مسجد میں داخل ہو تو اعتکاف کی نیت کرلیا کرے۔

(۱۸)…… بہتر یہ ہے کہ مسجد نبوی میں بابِ جبرئیل سے داخل ہو، اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ کا معمول اس دروازہ سے داخل ہونے کا تھا، جس کی غالباً وجہ یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات کے حجرے اسی جانب زیادہ تھے۔ (شرح مناسک نووی) لیکن اس دروازہ سے داخل ہونا ضروری نہیں، جس دروازہ سے چاہے داخل ہو جائے۔ (شرح لباب)

(۱۹)…… مسجد میں داخل ہونے کے بعد خشوع خضوع، عجز و انکسار میں بہت اہتمام کرے، وہاں کی زیب و زینت، فرش و فروش، جھاڑ، فانوس، قالین، قمقموں میں نہ لگ جائے، نہ ان چیزوں کی طرف التفات کرے، نہایت ادب اور وقار سے نیچی نظر کئے ہوئے نہایت ہی ادب اور احترام سے جائے، بے ادبی اور لاابالی پن کی کوئی حرکت نہ کرے، بڑے اونچے دربار میں پہنچ گیا ہے، ایسا نہ ہو کہ بے ادبی کی کوئی حرکت حرمان و خسران کا سبب بن جائے۔

(۲۰)…… مسجد میں جانے کے بعد سب سے پہلے روضۂ مقدسہ میں جائے، یہ جگہ وہ حصہ ہے جو منبر شریف اور قبہ شریف کے درمیان میں ہے، اس کو ''روضہ'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ہے: کہ ''میری قبر اور میرے منبر کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔''

(۲۱)…… روضۂ مقدسہ میں پہنچ کر اول تحیۃ المسجد پڑھے، مسجد میں حاضری کے بعد حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضری سے قبل تحیۃ المسجد کا پڑھنا اولیٰ ہے، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو رسول اللہ ﷺ کے حق پر مقدم ہے۔

(۲۲)…… تحیۃ المسجد کی ان دو رکعتوں میں ''قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ'' اور ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' پڑھنا اولیٰ

ہے، اس لئے کہ پہلی سورت میں شرک سے نفی اور انکار ہے اور دوسری سورت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ذات وصفات کا اقرار ہے۔

(۲۳)......تحیۃ المسجد سے فارغ ہونے کے بعد اللہ جل شانہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرے کہ اس نے یہ نعمت جلیلہ عطا فرمائی اور اس پاک ذات سے حج وزیارت کی قبولیت کی دعا کرے اور چاہے سجدۂ شکر کرے، چاہے دو رکعت شکرانہ پڑھے۔

(۲۴)......اگر مسجد میں داخل ہونے کے وقت فرض نماز کھڑی ہونے کو ہو تو اس وقت تحیۃ المسجد نہ پڑھے، بلکہ فرض نماز میں شرکت کرے، اسی میں تحیۃ المسجد کی بھی نیت کرلے، تو تحیۃ المسجد کا ثواب بھی مل جائے گا، اسی طرح اگر ایسے وقت میں مسجد میں داخل ہوا جب کہ نفلیں مکروہ ہیں، جیسا کہ عصر کے بعد تو اس وقت بھی تحیۃ المسجد نہ پڑھے۔

(۲۵)......نماز سے فراغت کے بعد قبر شریف کی طرف چلے، اس حال میں کہ دل کو سب کدورات اور آلائشوں سے پاک رکھے اور ہمہ تن حضرت نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کی طرف پوری توجہ کرے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جس قلب میں دنیا کی گندگیاں اور لہو ولعب، شہوتیں اور خواہشیں بھر رہی ہوں اس دل پر وہاں کی برکات کا کچھ اثر نہیں ہوتا، بلکہ ایسے دل والوں پر جو دنیا پر پڑے رہیں اور آخرت سے اور اس کے فکر سے بے تعلق ہوں، حضور اقدس ﷺ کے غصہ اور اعراض کا اندیشہ ہے، اللہ ہی اپنے فضل سے اس سے پناہ دے، لہٰذا ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس وقت اپنے دل کو دنیوی خرافات سے خالی رکھنے کی کوشش کرے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت، عفو وکرم کے کمال کی امید رکھے اور حضور اقدس ﷺ کی شانِ رحمۃ للعالمین پر نظر رکھے اور حضور اقدس ﷺ ہی کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے معافی کا طالب بن کر حاضر ہو۔ (شرح لباب)

(۲۶)......جب مواجہ شریف پر حاضر ہو تو سرہانے کی دیوار کے کونہ میں جو ستون ہے، اس سے تین چار ہاتھ کے فاصلہ سے کھڑا ہو اور پشت قبلہ کی طرف کرے اور بائیں طرف کو ذرا مائل ہو، تاکہ چہرۂ انور کے بالکل سامنے ہو جائے۔ (زبدہ) صاحب اتحاف کہتے ہیں: کہ یہ ستون اب پیتل کی دیوار

کے اندر آ گیا ہے۔ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ چاندی کی کیل جو اس دیوار میں ہے اس کے مقابل کھڑا ہو۔ (شرح لباب) لیکن اب تین جھروکے سامنے کی پیتل کی دیوار میں کر دیئے گئے، جن سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی مبارک قبروں کا سامنا ہوتا ہے۔ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ چاندی کی میخ جس پر سونے کا جھول ہے، وہ چہرۂ انور کی محاذات میں ہے۔

(۲۷)...... دیوار سے تین چار گز کے فاصلہ پر کھڑا ہو، زیادہ قریب نہ ہو کہ ادب کے خلاف ہے اور نگاہ نیچی رہنا چاہئے، ادھر ادھر دیکھنا اس وقت سخت بے ادبی ہے، ہاتھ پاؤں بھی ساکن اور وقار سے رہیں، یہ خیال کرے کہ چہرۂ انور اس وقت میرے سامنے ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو میری حاضری کی اطلاع ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی علو شان اور علو مرتبت کا استحضار پوری طرح سے دل میں ہو۔ابن امیر الحاج رحمۃ اللہ علیہ ''مدخل'' میں لکھتے ہیں: کہ جتنے بھی تواضع اور آداب اس وقت کی حاضری کے لکھے جاتے ہیں اس سے کہیں زیادہ تواضع اور عجز و انکسار ہونا چاہئے، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ایسی شفیع ہے، جس کی شفاعت مقبول ہے، جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار کا ارادہ کیا وہ مراد کو پہنچا اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ پر حاضر ہو گیا وہ نامراد نہیں رہا، جس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کی وہ قبول ہوئی اور جو مانگا وہ ملا، تجربہ اور واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں، اس لئے جتنا زیادہ ادب ہو سکے دریغ نہ کرے اور یہ سمجھے: گویا میں زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوں، اس لئے کہ امت کے حالات کے مشاہدہ میں اور ان کے ارادہ اور قصد کے ظہور میں اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور ممات میں کوئی فرق نہیں۔ (مدخل اول)

(۲۸)...... اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھے، مناسک کے رسائل میں سلام کے الفاظ بہت سے نقل کئے گئے ہیں، اس میں سلف کا معمول مختلف رہا ہے، بعض اکابر مختلف عنوان اور مختلف الفاظ کے ساتھ سلام پڑھتے تھے اور ذوق وشوق کا تقاضا یہی ہے۔اور بعض حضرات نہایت مختصر الفاظ میں سلام پڑھتے تھے، ادب اور ہیبت کا تقاضہ یہی ہے۔ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ

نے لکھا ہے کہ بعض اکابر جیسے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما صرف "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ" پر اکتفا کرتے تھے اور بعض حضرات طویل سلام کو اختیار کرتے تھے۔ انتہائی ذوق وشوق اور غایت سکون اور وقار سے آہستہ آہستہ ٹھیرا ٹھیرا کر "اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ" پڑھتا رہے اور جب تک شوق میں اضافہ پاوے، انہی الفاظ کو یا اور کسی سلام کو بار بار پڑھتا رہے۔ "صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ" ستر مرتبہ پڑھنا بھی بہتر ہے، مگر سکون اور وقار اور ذوق وشوق سے پڑھے۔

(۲۹)...... یہ نہایت اہم اور ضروری بات ہے کہ سلام پڑھتے وقت شور وشغب ہرگز نہ کرے، نہ زور سے چلائے، بلکہ اتنی آواز سے کہے کہ اندر تک پہنچ جائے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نہ تو زیادہ جہر ہو اور نہ بالکل اخفاء ہو، بلکہ متوسط اور معتدل آواز حضور قلب اور اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے شرم وحیا لئے ہوئے ہو۔

(۳۰)...... سلام کے بعد اللہ جل شانہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کرے۔

علامہ قسطلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب میں لکھا ہے کہ زائرین کو چاہئے کہ بہت کثرت سے دعائیں مانگیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت چاہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ایسی ہی ہے کہ جب ان کے ذریعہ سے شفاعت چاہی جائے تو حق تعالیٰ شانہ قبول فرمائیں۔

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں لکھا ہے: کہ سلام کے بعد پھر حضور مکرم کے وسیلہ سے دعا کرے اور شفاعت چاہے اور یہ الفاظ کہے: "يَا رَسُوْلَ اللهِ! أَسْأَلُكَ الشَّفَاعَةَ وَأَتَوَسَّلُ بِكَ إِلَى اللهِ فِيْ أَنْ أَمُوْتَ مُسْلِمًا عَلٰى مِلَّتِكَ وَسُنَّتِكَ" [اے اللہ کے رسول! میں آپ سے شفاعت چاہتا ہوں اور آپ کے وسیلہ سے اللہ سے یہ مانگتا ہوں کہ میری موت آپ کے دین اور آپ کی سنت پر ہو۔]

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مناسک میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر سلام کے بعد لکھا ہے کہ پھر پہلی

جگہ یعنی حضور اقدس ﷺ کے سامنے آئے اور حضور اقدس ﷺ کے وسیلہ سے اپنے لئے دعا کرے اور حضور اکرم ﷺ کی شفاعت کے ذریعہ اللہ جل شانہ سے دعا کرے۔

(۳۱)......اس مضمون سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس دعا کے وقت بھی منہ حضور اقدس ﷺ کی طرف ہونا چاہئے۔ اگر چہ عام دعا کا ادب یہ ہے کہ منہ قبلہ کی طرف ہونا چاہئے، لیکن اس وقت قبلہ کی طرف منہ کرنے سے حضور اقدس ﷺ کی طرف پشت ہوتی ہے جو ادب کے خلاف ہے، اس لئے اس وقت اسی طرف منہ کرکے دعا کرے۔

(۳۲)......اس کے بعد اگر کسی اور شخص نے اپنی طرف سے حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں سلام عرض کرنے کی فرمائش کی ہو تو اس کی طرف سے بھی اس طرح سلام عرض کرے:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ یَسْتَشْفِعُ بِكَ اِلٰی رَبِّكَ" [آپ پر سلام اے اللہ کے رسول! فلاں کی طرف سے جو فلاں کا بیٹا ہے اور وہ آپ سے اللہ کی پاک بارگاہ میں سفارش چاہتا ہے۔]

پہلے فلاں کی جگہ اس شخص کا نام لے، دوسرے فلاں کی جگہ اس کے باپ کا نام لے، اگر عربی میں کہنا مشکل ہو تو اردو میں عرض کردے کہ "فلاں فلاں آدمیوں نے آپ کی بارگاہ میں سلام عرض کیا اور شفاعت کی درخواست کی ہے۔"

(۳۳)......حضور اقدس ﷺ پر سلام پڑھنے کے بعد تقریباً ایک ہاتھ دائیں طرف ہٹ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھے۔ مشہور قول کے موافق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک حضور اقدس ﷺ کی قبر اطہر کے پیچھے اس طرح سے ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سر مبارک حضور اقدس ﷺ کے شانہ مبارک کے مقابل ہے، اس لئے ایک ہاتھ دائیں جانب کو ہو جانے سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سامنا ہو جاتا ہے۔

(۳۴)......حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر سلام سے فراغت کے بعد ایک ہاتھ دائیں جانب ہٹ کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھے، اس لئے کہ مشہور قول کے موافق حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک

کے پیچھے ایسی طرح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سر مبارک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے شانہ مبارک کے مقابل ہے۔

(۳۵)......ان دونوں حضرات کی خدمت میں بھی اگر کسی نے سلام عرض کرنے کی درخواست کردی ہو، تو ہر ایک کی خدمت میں اپنا سلام پڑھنے کے بعد اس کا سلام عرض کردے۔

(۳۶)...... بہت سے علماء نے لکھا ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما پر علیحدہ علیحدہ سلام پڑھنے کے بعد پھر دونوں حضرات کے درمیان میں کھڑا ہو، یعنی جس جگہ کھڑے ہوکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھا ہے، اس سے تقریباً نصف ہاتھ بائیں جانب کو کھڑا ہو، تاکہ دونوں کے درمیان میں ہو جائے اور پھر دونوں پر مشترک سلام پڑھے، جس کے الفاظ ''زبدہ'' میں یہ لکھے ہیں: ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَا ضَجِيْعَيْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَفِيْقَيْهِ وَوَزِيْرَيْهِ، جَزَاكُمَا اللهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ جِئْنَا كُمَا نَتَوَسَّلُ بِكُمَا إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَشْفَعَ لَنَا وَيَدْعُوْلَنَا رَبَّنَا أَنْ يُحْيِيَنَا عَلَى مِلَّتِهِ وَسُنَّتِهِ وَيَحْشُرَنَا فِي زُمْرَتِهِ وَجَمِيْعَ الْمُسْلِمِيْنَ''

[تم دونوں پر سلام اے حضور مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں لیٹنے والو! تمہیں حق تعالیٰ شانہ (ہماری طرف سے) بہترین بدلہ (تمہارے احسانات) کا عطا فرمائے، ہم تمہارے پاس اس لئے حاضر ہوئے کہ تم سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس بات کی سفارش چاہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے اللہ پاک کی بارگاہ میں شفاعت فرماویں اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرماویں: کہ وہ ہمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر زندہ رکھے اور ہمارا اور تمام مسلمانوں کا حشر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت میں ہو۔''

(۳۷)......اس کے بعد پھر دائیں طرف آ کر دوبارہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو کر ہاتھ اٹھا کر اول اللہ جل شانہ کی خوب حمد وثناء کرے، اس نعمت جلیلہ کا اور اس کی تمام نعمتوں کا شکر ادا کرے، پھر خوب ذوق وشوق سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اللہ جل شانہ سے اپنے لئے، اپنے والدین کے لئے، اپنے مشائخ کے لئے، اپنے اہل وعیال کے لئے، اپنے عزیز واقارب کے لئے، اپنے

دوستوں اور ملنے والوں کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جنہوں نے دعا کی درخواست کی ہو اور تمام مسلمانوں کے لئے، زندوں کے لئے اور مردوں کے لئے خوب دعا کرے اور اپنی دعا کو آمین پر ختم کرے۔

(۳۸)......حضور اقدس ﷺ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی مبارک قبروں کی ترتیب اور صورت میں سات روایات کتب حدیث وسیرت میں آئی ہیں۔ان سب میں دو روایتیں زیادہ مشہور ہیں، ان دونوں کی صورت یہاں لکھی جاتی ہے تاکہ حاضرین کو سمجھنے میں سہولت ہو، پہلی صورت یہ ہے:

حضور اقدس ﷺ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

دوسری صورت یہ ہے:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	حضور اقدس ﷺ
	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے وفاء الوفاء میں ان سب صورتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس صورت کو سب سے زیادہ صحیح اور راجح روایت بیان کیا ہے۔اس کے اتباع میں صاحب اتحاف نے بھی اس کو اشہر الروایات لکھا ہے۔علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ دو صورتیں ان سب روایات میں زیادہ راجح ہیں، جو حضور اقدس ﷺ کی قبر کی تصویر میں روارد ہوئی ہیں۔ابو داؤد شریف میں یہ دوسری صورت وارد ہوئی اور حاکم نے اس کو صحیح بتایا۔

(۳۹)......اس کے بعد اسطوانہ ابولبابہ کے پاس آکر دو رکعت نفل پڑھ کر دعا کرے۔(زبدہ)

(۴۰)......پھر دوبارہ روضہ مبارکہ میں جا کر نفلیں پڑھے اور دعا درود وغیرہ میں خضوع وخشوع سے مشغول رہے۔

(۴۱)......اس کے بعد منبر کے پاس آکر دعا کرے۔

(۴۲)......اس کے بعد اسطوانہ حنّانہ کے پاس جا کر درود شریف اور دعا اہتمام سے کرے۔

(۴۳)......اس کے بعد باقی مشہور ستونوں کے پاس جا کر دعا کرے۔(لباب)

(۴۴)......اور اس کی کوشش کرے کہ وہاں کے قیام میں کوئی نماز مسجد نبوی کی جماعت سے فوت نہ ہونے پائے۔(فتح القدیر) کہ قیام تھوڑا ہے اور ثواب بہت زیادہ، نہ معلوم پھر حاضری میسر ہوسکے یا نہ ہوسکے۔

(۴۵)......اس کا خیال رکھے کہ زیارت کے وقت نہ دیواروں کو ہاتھ لگاوے کہ یہ بے ادبی اور گستاخی ہے اور نہ دیواروں کو بوسہ دے۔

(۴۶)......بلا ضرورت شدیدہ قبر شریف کی طرف پشت نہ کرے، نہ نماز میں، نہ بغیر نماز کے۔(شرح لباب) بلکہ نماز میں ایسی جگہ کھڑے ہونے کی سعی کرے کہ نہ اس جانب منہ ہو نہ پشت اور بلا نماز تو اس طرف پشت کرنے کی کوئی وجہ ہو ہی نہیں سکتی۔

(۴۷)......اس کا لحاظ رکھے کہ جب قبر شریف کے مقابل سے گذرنا ہو تو کھڑے ہو کر سلام کر کے آگے بڑھے، حتی کہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر مسجد سے باہر بھی قبر شریف کے مقابل سے گذرے، تو کھڑے ہو کر سلام کر کے آگے بڑھے۔

(۴۸)......مدینہ پاک کے قیام میں قبر شریف پر کثرت سے حاضری کا اہتمام رکھے۔امام اعظم، امام احمد، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم تینوں حضرات کے نزدیک کثرت سے حاضر ہوتے رہنا پسندیدہ ہے؛ البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کثرت حاضری کو پسند نہیں کیا، جس کی وجہ علماء یہ فرماتے ہیں کہ مبادا بار بار حاضری سے طبیعت میں بے رغبتی پیدا نہ ہو جائے۔

(۴۹)......مسجد شریف میں رہتے ہوئے حجرۂ شریف کی طرف اور مسجد سے جب باہر ہو تو قبہ شریف جہاں سے نظر آتا ہو، بار بار ان کو دیکھنا، ان پر نظر جمائے رکھنا بھی افضل ہے اور ان شاء اللہ موجب ثواب ہے۔

(۵۰)......مدینہ منورہ کے قیام میں جتنا زیادہ سے زیادہ وقت مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں گذر سکے غنیمت سمجھے۔قرآن پاک کم از کم ایک تو ختم کر ہی لے اور مستقل اعتکاف بھی جتنے دن کا نصیب ہوسکے نعمت ہے، راتوں کو جتنا زیادہ سے زیادہ عبادت میں گذار سکے بہتر ہے، کہ یہ مبارک راتیں پھر

کہاں ملیں گی۔ (شرح لباب) ''زبدہ'' میں حضرت قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: اور جب تک مدینہ منورہ میں رہے تلاوت اور ذکر کرتا رہے اور صلوۃ وسلام خوب پیش کرتا رہے اور راتوں کو بہت جاگے اور وقت ضائع نہ کرے۔

(۵۱)...... ''زبدہ'' میں لکھا ہے: اور بعد زیارت قبر مبارک کے ہر روز یا جمعہ کو زیارت مزارات بقیع کی بھی ضرور کرے کہ حضرت عثمان، حضرت عباس، حضرت حسن، حضرت ابراہیم، ازواجِ مطہرات اور بہت سے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم وہاں تشریف رکھتے ہیں۔ بقیع میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی جماعت مدفون ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تقریباً دس ہزار صحابی رضی اللہ عنہم مدفون ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ ان سب حضرات کے لئے دعا اور ایصالِ ثواب کرے۔

(۵۲)......امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: مستحب یہ ہے کہ ہر پنج شنبہ کو شہداءِ احد کی زیارت کرے، صبح کی نماز مسجد میں پڑھ کر چلا جائے، تاکہ ظہر تک واپسی ہو جائے اور کوئی نماز مسجد نبوی کی فوت نہ ہو۔

(۵۳)......امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قباء کی حاضری کا استحباب بہت مؤکد ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ شنبہ کے دن حاضر ہو، اس حاضری میں اس کی زیارت کی نیت ہو اور اس کی مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت ہو، اس لئے کہ ترمذی شریف وغیرہ میں صحیح حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسجد قباء میں نماز پڑھنا بمنزلہ عمرہ کرنے کے ہے اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر شنبہ کے دن مسجد قباء تشریف لے جاتے تھے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مسجد مکہ، مسجد مدینہ، مسجد اقصیٰ کے بعد سب مساجد سے افضل مسجد قباء ہے۔

(۵۴)......ان کے بعد مدینہ پاک کے دوسرے متبرک مقامات کی زیارت اولیٰ ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے متبرک مقامات کی زیارت کرے، جو تقریباً تیس مواضع ہیں، اہل مدینہ ان کو جانتے ہیں اور اسی طرح سے ان سات کنوؤں کا پانی پیئے، جن سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو یا غسل کرنا وارد ہوا ہے۔

(۵۵)......وہاں کے قیام میں صدقات کی کثرت رکھے، بالخصوص مدینہ پاک کے رہنے والوں پر۔ صاحب لباب نے لکھا ہے: کہ مدینہ طیبہ کے مستقل رہنے والے ہوں یا باہر کے لوگ جو وہاں آ کر مقیم ہو گئے ہوں، وہ باہر کے رہنے والوں پر مقدم ہیں، اس لئے کہ مدینہ طیبہ کے رہنے والوں سے محبت واجب ہے۔

(۵۶)......مدینہ طیبہ کے قیام میں جو کچھ خریدے، اس میں یہ نیت رکھے کہ یہاں کے تاجروں کی معاش یہی ہے، اگر ان کی تجارت میں وسعت اور فروغ رہا تو ان کا یہ سلسلہ معاش قائم رہے گا اور یہ حضرات راحت سے سکون واطمینان کے ساتھ یہاں قیام کر سکیں گے اور ہم لوگ اس کا ذریعہ بنیں گے۔

(۵۷)......سب اہل مدینہ کے ساتھ ہر بات میں حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرے کہ وہ حضور اقدس ﷺ کے پڑوسی ہیں۔ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ شرح مواہب میں لکھتے ہیں کہ وہاں کے رہنے والوں کا اکرام کرو، اور اگر ان میں سے بعض کے متعلق کوئی ایسی بات کہی گئی ہے، یعنی کوئی نامناسب حرکت اس کی معلوم بھی ہو، تب بھی وہ حضور اقدس ﷺ کے پڑوسی ہونے کے شرف سے تو بہرہ اندوز ہیں۔

فَيَا سَاكِنِيْ أَكْنَافِ طَيْبَةَ كُلُّكُمْ

إِلَى الْقَلْبِ مِنْ أَجَلِ الْحَبِيْبِ حَبِيْبُ

(۵۸)......امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آداب میں سے یہ بھی ہے کہ مدینہ طیبہ کے پورے قیام میں اس شہر کی عظمت اور بزرگی کا استحضار رہے اور یہ بات تصور میں رہے کہ اللہ جل شانہ نے اس پاک شہر کو اپنے محبوب نبی ﷺ کی ہجرت کے لئے پسند فرمایا اور یہاں حضور اقدس ﷺ کا قیام اور اس کو وطن بنانا مقدر فرمایا اور اس کے گلی کوچوں میں حضور اقدس ﷺ کے چلنے پھرنے کا استحضار رہے۔

(۵۹)......جب زیارت سید الانس والجان فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور زیارت مشاہد متبرکہ سے فراغت کے بعد واپسی کا ارادہ ہو، تو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ مسجد نبوی میں دو

رکعت نفل الوداعی پڑھے اور روضہ میں ہو تو بہتر ہے، اس کے بعد قبر اطہر پر الوداعی سلام کے لئے حاضر ہو، صلوٰۃ وسلام کے بعد اپنی ضروریات کے لئے دعائیں کرے اور حج وزیارت کے قبول کی دعائیں کرے اور خیر وعافیت کے ساتھ وطن پہنچنے کی دعا کرے اور یہ دعا کرے کہ یہ حاضری آخری نہ ہو، پھر بھی اس پاک دربار کی حاضری نصیب ہو، اور اس کی کوشش کرے کہ رخصت کے وقت کچھ آنسو نکل آئیں کہ یہ قبولیت کی علامت میں سے ہے، پھر رونا نہ آوے تب بھی رونے والوں کی سی صورت کے ساتھ حسرت ورنج وغم ساتھ لئے ہوئے واپس ہو اور چلتے وقت بھی کچھ صدقہ جو میسر ہو کرے اور سفر سے واپسی کے وقت جو دعائیں احادیث مبارکہ میں وارد ہوئی ہیں وہ پڑھتے ہوئے اور رواپسی سفر کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے واپس ہو۔

اٹھ کے ثاقب گو چلا آیا ہوں اس کی بزم سے
دل کی تسکیں کا مگر سامان اسی محفل میں ہے

اپنی نااہلیت سے حاضری کے آداب پورے نہ لکھ سکا، نمونہ کے طور پر چند آداب لکھ دئے ہیں، ناظرین اس سے اندازہ لگائیں اور دو اصول کے تحت میں شریعت مطہرہ کے دائرہ کے اندر رہ کر جو کچھ کر سکتے ہوں، کسر نہ چھوڑیں۔ اوّل: ادب واحترام۔ دوسرے: شوق وذوق۔

تم الجزء الرابع عشر بحمد اللہ تعالیٰ واحسانہ
وتوفیقہ تعالیٰ وبمنہ وکرمہ ویلیہ الجزء الخامس عشر
اولہ کتاب البیوع ان شاء اللہ تعالیٰ
ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم وتب علینا انك انت
التواب الرحیم بحرمۃ حبیبك سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وعلی الہ واصحابہ اجمعین الی یوم الدین

محمد فاروق غفر لہ